Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تشریحات ترمذی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد
استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

جلد ہفتم

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی

تشریحات ترمذی

Maktaba Tul Ishaat

تمام فنون کے کتب ہمارے ویب سائٹ اور پلے سٹور سے فری ڈاون لوڈ کریں۔ ہم روزانہ کی بنیاد پر اس میں مزید نئے کتب شامل کر رہے ہیں نئے شامل شدہ کتب لیے روزانہ ہمارے پلے سٹور اور ویب سائٹ کو باقاعدگی سے چیک کیا کریں۔

اپنی کتاب کو ہمارے ویب سائٹ پر شائع کرنے کے لیے رابطہ کریں

تفاسیر	خطبات	منطق
احایث	سیرت	معانی
فقہ	تاریخ	تصوف
سوانح حیات	صرف	تقابل ادیان
درس نظامی	نحو	تجوید
لغت	فلسفہ	نعت
فتاوی	حکمت	تراجم
اصلاحی	بلاغت	تبلیغ و دعوت
آڈیو دروس	مناظرے	تمام فنون

maktaba.tul.ishaatofficial@gmail.com

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریحاتِ ترمذی

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ

جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

جلد ہفتم

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔ کراچی

Maktaba Tul Ishaat.com

جملہ حقوق بحق قدیمی کتب خانہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب: تشریحات ترمذی

تالیف: حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

کمپوزنگ: مولانا شمس الحق

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ۔کراچی

فون: 021-32627608
021-32623782

Maktaba Tul Ishaat.com

فہرست عنوانات تشریحات ترمذی جلد ہفتم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	باب: پندرہ علامتیں	۲۷
۳	باب: میں قیامت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں	۳۱
۴	باب: غزوہ ترک	۳۱
۵	باب: جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا	۳۳
۶	باب: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز کی جانب سے آگ نہ نکلے گی	۳۴
۷	باب: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار نہیں نکلیں گے	۳۵
۸	باب: بنو ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک سفاک ہے	۳۷
۹	باب: قرن سویم کا بیان	۳۸
۱۰	باب: خلفاء کا بیان	۴۱
۱۱	باب: خلافت کا بیان	۴۴
۱۲	خلفاء قریش میں سے ہونگے قیامت تک	۴۷
۱۳	باب: گمراہ کرنے والے حکمرانوں کے بارے میں	۴۹
۱۴	باب: مہدی (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں	۴۹
۱۵	مہدی کی آمد	۵۰
۱۶	باب: عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان	۵۲
۱۷	نزول عیسیٰ علیہ السلام اور حکمت باری	۵۳
۱۸	باب: دجال کا بیان	۵۴
۱۹	باب: دجال کہاں سے نکلے گا	۶۰
۲۰	باب: خروج دجال کی علامات کے بارے میں مروی حدیث	۶۱
۲۱	باب: دجال کے فتنہ سے متعلق حدیث کا بیان	۶۱
۲۲	خوارق کی چھ قسمیں	۶۸
۲۳	ملحوظ	۷۰
۲۴	باب: دجال کی حالت کے بیان میں	۷۰
۲۵	باب: دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا	۷۱
۲۶	باب: عیسیٰ بن مریم کا دجال کو قتل کرنے کے بارے میں	۷۳
۲۷	باب (بلا ترجمہ)	۷۳
۲۸	باب: ابن صیاد کا ذکر	۷۴
۲۹	باب (بلا ترجمہ)	۸۱
۳۰	باب: ہوا کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت کے بارے میں	۸۳
۳۱	باب (دجال کے بارے میں)	۸۳

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۲	باب	۸۷
۳۳	باب	۸۷
۳۴	باب	۸۸
۳۵	باب	۹۰
۳۶	باب	۹۳
۳۷	باب	۹۸
۳۸	باب	۱۰۱
۳۸	**ابواب الرؤیا**	
	عن رسول اللہ ﷺ	۱۰۱
۳۹	باب: مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے	۱۰۱
۴۰	اس حدیث سے قادیانیوں کا استدلال	۱۰۳
۴۱	باب: نبوت اختتام پذیر ہوئی جبکہ مبشرات باقی ہیں	۱۰۴
۴۲	باب: جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھ لیا تحقیق اس نے مجھ کو ہی دیکھا	۱۰۶
۴۳	باب: خوف ناک خواب دیکھ کر کیا کرنا چاہئے	۱۰۷
۴۴	باب: خواب کی تعبیر کے بارے میں	۱۰۹
۴۵	باب	۱۱۰
۴۶	باب: اس شخص کے بارے میں جو جھوٹا خواب بیان کرتا ہے	۱۱۰
۴۷	باب	۱۱۲
۴۸	باب	۱۱۴
۴۹	باب: ترازو اور ڈول کے متعلق نبی ﷺ کا خواب (اور تعبیر)	۱۱۵
۵۰	**ابواب الشهادات**	
	عن رسول اللہ ﷺ	
	(گواہی کا بیان)	۱۲۳
۵۱	**ابواب الزهد**	
	عن رسول اللہ ﷺ	۱۲۷
۵۲	باب: عمل کرنے میں جلدی کرنا	۱۲۸
۵۳	باب: موت کے تذکرے کے بارے میں	۱۳۰
۵۴	باب: قبر کی ہولناکی کا بیان	۱۳۰
۵۵	باب: جو اللہ سے ملنا پسند کرے، اللہ اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں	۱۳۲
۵۶	باب: حضور علیہ السلام کا اپنی قوم کو شفقت کے ساتھ ڈرانا	۱۳۲
۵۷	باب: اللہ کے خوف سے رونے کی فضیلت کا بیان	۱۳۴
۵۸	باب: اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو بخدا تم کم ہی ہنستے	۱۳۴
۵۹	باب: جس نے ایک بات کی تاکہ لوگوں کو ہنسائے	۱۳۶
۶۰	باب: کسی کو جنت کی خوشخبری دینے کا بیان	۱۳۷

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۱	باب: کم گوئی کا بیان	۱۳۹
۶۲	باب: اللہ کے نزدیک دنیا کی بے وقعتی کا بیان	۱۴۰
۶۳	باب: دنیا مومن کی جیل اور کافر کی جنت ہے	۱۴۲
۶۴	باب: دنیا کی حالت، چار آدمیوں کی حالت	۱۴۳
۶۵	باب: دنیا کی فکرمندی اور محبت کا بیان	۱۴۵
۶۶	باب: مومن کی درازی عمر کی فضیلت میں	۱۴۸
۶۷	باب: اس امت کی عمر ۶۰ تا ۷۰ سال کے درمیان ہے	۱۴۸
۶۸	باب: زمانہ کا سمٹنا اور امید کا چھوٹا پا	۱۴۹
۶۹	باب: کوتاہ امیدوں کے بارے میں	۱۵۰
۷۰	باب: اس امت کا فتنہ مال میں ہے	۱۵۳
۷۱	باب: اگر ابن آدم (آدمی) کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری بھی طلب کرے گا	۱۵۴
۷۲	باب: بوڑھے کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان رہتا ہے	۱۵۵
۷۳	باب: دنیا (مال) میں دلچسپی نہ رکھنا	۱۵۵
۷۴	باب: کفایت وقناعت کے بیان میں	۱۶۰
۷۵	باب: غربت کی فضیلت کا بیان	۱۶۳
۷۶	باب: غریب مہاجر مالدار مہاجروں سے پہلے جنت میں جائیں گے	۱۶۴
۷۷	باب: نبی ﷺ اور ان کے گھر والوں کی معاشی زندگی	۱۶۶
۷۸	باب: صحابہ کرامؓ کی معاشی زندگی کا بیان	۱۶۸
۷۹	باب: اصل بے نیازی دل کی ہوتی ہے، تونگری بہ دل است	۱۷۷
۸۰	باب: مال کمانے کا طریقہ	۱۷۷
۸۱	باب	۱۷۸
۸۲	باب	۱۷۹
۸۳	باب	۱۷۹
۸۴	باب: دوستی کا اثر	۱۸۰
۸۵	باب: دنیا فانی اور عمل خیر جاویدانی ہے	۱۸۱
۸۶	باب: زیادہ کھانا مکروہ ہے	۱۸۲
۸۷	باب: دکھاوے اور شہرت پسندی کا بیان	۱۸۳
۸۸	باب: ریا کا تلخ ثمرہ	۱۸۶
۸۹	باب	۱۸۷
۹۰	باب: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے	۱۸۸
۹۱	باب: اللہ پر نیک گمان کرنے کا بیان	۱۹۰
۹۱	باب: نیکی وبدی کے بیان میں	۱۹۰
۹۲	باب: اللہ ہی کے لئے محبت کرنے کا بیان	۱۹۱
۹۳	باب: محبت کے اظہار کا بیان	۱۹۳

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۹۴	باب: تعریف اور تعریف کرنے والوں کی ناپسندیدگی کا بیان	۱۹۴
۹۵	باب: مومن کے ساتھ رہنے کی ترغیب وتلقین	۱۹۵
۹۶	باب: تکلیف ومصیبت پر صبر کرنے کا بیان	۱۹۶
۹۷	باب: نابینا ہونے کا ثواب	۱۹۸
۹۸	باب: زبان کی حفاظت کا بیان	۲۰۰
۹۹	باب	۲۰۴
۱۰۰	باب	۲۰۶
۱۰۱	**ابواب صفة القيامة** (احوال قیامت کا بیان)	۲۰۸
۱۰۲	باب: بدلہ اور حساب کی کیفیت کے بیان میں	۲۰۸
۱۰۳	باب	۲۱۲
۱۰۴	باب: لوگوں کے جمع ہونے کے احوال کا بیان	۲۱۴
۱۰۵	باب: پیش ہونے کا بیان	۲۱۶
۱۰۶	باب منہ	۲۱۷
۱۰۷	باب منہ	۲۱۸
۱۰۸	باب منہ	۲۱۹
۱۰۹	باب: صور پھونکنے کا بیان	۲۲۰
۱۱۰	باب: پُل صراط کی کیفیت کا بیان	۲۲۱
۱۱۱	باب: سفارش کے بیان میں	۲۲۳
۱۱۲	باب منہ	۲۳۰
۱۱۳	باب: حوض کوثر کے احوال کا بیان	۲۳۴
۱۱۴	حوض کوثر کے برتنوں کا احوال	۲۳۵
۱۱۵	باب	۲۵۷
۱۱۶	باب	۲۷۹
۱۱۷	باب	۲۸۰
۱۱۸	باب	۲۸۲
۱۱۹	باب	۲۸۲
۱۲۰	باب	۲۸۳
۱۲۱	باب	۲۸۵
۱۲۲	**ابواب صفة الجنة** (جنت کے احوال کا تذکرہ)	۲۹۳
۱۲۳	باب: جنت کے درختوں کے احوال کا بیان	۲۹۳
۱۲۴	باب: جنت اور اسکی نعمتوں کے احوال	۲۹۵
۱۲۵	باب: جنت کے بالاخانوں کے احوال کا بیان	۲۹۷
۱۲۶	باب: جنت کے درجوں کا بیان	۲۹۸
۱۲۷	باب: جنتیوں کی بیبیوں کے احوال کے بارے میں	۳۰۰
۱۲۸	دنیا کی عورتیں جنت میں کس کے نکاح میں ہوں گی؟	۳۰۱
۱۲۹	باب: جنتیوں کی قوت جماع کا بیان	۳۰۳

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳۰	باب: جنتیوں کے احوال کا بیان	۳۰۴
۱۳۱	باب: جنتیوں کے لباس کا بیان	۳۰۶
۱۳۲	باب: جنت کے پھلوں کا بیان	۳۰۸
۱۳۳	باب: جنت کے پرندوں کا بیان	۳۰۹
۱۳۴	باب: جنت کے گھوڑوں کا حال	۳۱۰
۱۳۵	باب: جنتیوں کی عمر کے بارے میں	۳۱۱
۱۳۶	باب: جنتیوں کی صفیں کتنی ہوں گی؟	۳۱۲
۱۳۷	باب: جنت کے دروازوں کا تذکرہ	۳۱۳
۱۳۸	باب: جنت کے بازار کے متعلق	۳۱۴
۱۳۹	باب: اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کے بارے میں	۳۱۷
۱۴۰	باب	۳۲۰
۱۴۱	باب: جنتیوں کا بالاخانوں سے ایک دوسرے کو دیکھنا	۳۲۱
۱۴۲	باب: اہل جنت واہل دوزخ کے ہمیشہ رہنے کا بیان	۳۲۲
۱۴۳	باب: جنت ناگواریوں کے ساتھ اور جہنم ہوسوں کے ساتھ گھیری گئی ہیں	۳۲۶
۱۴۴	باب: جنت اور دوزخ میں بحث ومباحثہ کا بیان	۳۲۸
۱۴۵	باب: سب سے کم درجے کے جنتی کے اعزاز کا بیان	۳۲۹
۱۴۶	باب: حورعین کی گفتگو کا بیان	۳۳۰
۱۴۷	باب: جنت کی نہروں کا بیان	۳۳۲
۱۴۸	**ابواب صفة جهنم** عن رسول اللہ ﷺ (جہنم کے احوال کا بیان)	۳۳۷
۱۴۹	باب: دوزخ کا حال	۳۳۷
۱۵۰	باب: جہنم کی گہرائی کا بیان	۳۳۹
۱۵۱	باب: اہل نار کے بڑے جسموں کا بیان	۳۴۰
۱۵۲	باب: دوزخ والوں کے مشروب	۳۴۲
۱۵۳	باب: دوزخ والوں کے کھانے کا بیان	۳۴۶
۱۵۴	باب: دوزخ کی آگ دنیوی آگ سے اُنہتر گنا زیادہ تیز ہے	۳۵۰
۱۵۵	باب: دوزخ کے دو سانس کا بیان اور دوزخ سے مومن کے نکلنے کا ذکر	۳۵۱
۱۵۶	باب: دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے	۳۵۹
۱۵۷	باب	۳۶۰
۱۵۸	باب	۳۶۰
۱۵۹	**ابواب الایمان** عن رسول اللہ ﷺ	۳۶۲
۱۶۰	باب: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں	۳۶۵
۱۶۱	باب: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ الخ	۳۷۰

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۶۲	باب: اسلام پانچ (ارکانوں) پر بنایا گیا ہے	۳۷۱
۱۶۳	باب: نبی ﷺ کے سامنے جبرئیلؑ کا ایمان واسلام کا بیان (یعنی سوال) کرنا	۳۷۲
۱۶۴	باب: فرض اعمال کو ایمان میں شامل کرنے کا بیان	۳۷۹
۱۶۵	باب: ایمان کو کامل بنانے اور اس کے زیادہ اور کم ہونے کا بیان	۳۸۲
۱۶۶	باب: حیاء کا ایمان میں سے ہونے کا بیان	۳۸۷
۱۶۷	باب: نماز کے تقدس کا بیان	۳۸۸
۱۶۸	باب: نماز چھوڑنے کا گناہ	۳۹۱
۱۶۹	باب	۳۹۲
۱۷۰	باب: ایمانی کیف میں کوئی زنا نہیں کرسکتا	۳۹۴
۱۷۱	باب: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں	۳۹۷
۱۷۲	باب: اسلام نامانوس شروع ہوا تھا اور عنقریب وہ دوبارہ نامانوس بن کر لوٹے گا	۳۹۸
۱۷۳	باب: منافق کی نشانیوں کا بیان	۴۰۰
۱۷۴	باب: مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے	۴۰۲
۱۷۵	باب: مسلمان کو کافر قرار دینے کا گناہ	۴۰۲
۱۷۶	باب: ایمان کی حالت میں موت آنے کا بیان	۴۰۴
۱۷۷	باب: اس امت میں فرقہ بندیوں کا بیان	۴۰۷
۱۷۸	**ابواب العلم** عن رسول اللہ ﷺ	۴۱۳
۱۷۹	باب: جب اللہ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے	۴۱۳
۱۸۰	باب: علم حاصل کرنے کی فضیلت	۴۱۵
۱۸۱	باب: علم چھپانے کا گناہ	۴۱۷
۱۸۲	باب: طالب علم کے لئے آپؐ کی وصیت کا بیان	۴۱۸
۱۸۳	باب: علم اُٹھ جانے کا بیان	۴۱۹
۱۸۴	باب: علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے	۴۲۲
۱۸۵	باب: یاد کی ہوئی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت اور ذمہ داری	۴۲۴
۱۸۶	باب: من گھڑت احادیث بیان کرنے کی سخت ممانعت	۴۲۶
۱۸۷	آج کل حدیث نقل کرنے کی شرائط	۴۲۸

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۸۸	باب: مشکوک روایت سے پرہیز کرنا	۴۳۰
۱۸۹	باب: حدیث سن کر بہانے تراشنا جائز نہیں	۴۳۱
۱۹۰	منکرین حدیث کا حکم	۴۳۲
۱۹۱	باب: حدیث لکھنے کی ممانعت کا بیان	۴۳۲
۱۹۲	باب: احادیث لکھنے کی اجازت کا بیان	۴۳۳
۱۹۳	باب: اسرائیلی روایات نقل کرنے کا حکم	۴۳۴
۱۹۴	باب: نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے	۴۳۶
۱۹۵	باب: جس نے نیکی، بدی کی دعوت دی اور اس کی پیروی کی گئی	۴۳۹
۱۹۶	باب: سنت طریقہ پر چلنے اور بدعت سے بچنے کا بیان	۴۴۰
۱۹۷	باب: ان چیزوں سے دور رہنے کا بیان جن سے آپؐ نے منع فرمایا ہے	۴۴۶
۱۹۸	باب: مدینہ کے بڑے عالم کی فضیلت	۴۴۷
۱۹۹	باب: (نفلی) عبادت سے فقاہت کے افضل ہونے کا بیان	۴۴۸
۲۰۰	**ابواب الاستیذان والآداب** عن رسول اللہ ﷺ (اجازت چاہنے اور اچھی عادتوں کا بیان)	۴۵۴
۲۰۱	باب: سلام کی ترویج اور عام کرنے کے بیان میں	۴۵۴
۲۰۲	باب: سلام کی فضیلت کا بیان	۴۵۵
۲۰۳	باب: اجازت تین مرتبہ تک طلب کرنی چاہئے	۴۵۶
۲۰۴	باب: جواب سلام کا بیان	۴۶۱
۲۰۵	باب: کسی کا سلام پہنچانا	۴۶۲
۲۰۶	باب: سلام کرنے میں پہل کرنے والے کی فضیلت	۴۶۳
۲۰۷	باب: سلام میں ہاتھ کے اشارہ پر اکتفاء مکروہ ہے	۴۶۳
۲۰۸	باب: چھوٹے بچوں کو سلام کرنے کا بیان	۴۶۴
۲۰۹	باب: عورتوں کو سلام کرنے کا بیان	۴۶۵
۲۱۰	باب: گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرے	۴۶۶
۲۱۱	باب: سلام بات چیت پر مقدم ہونا چاہئے	۴۶۷
۲۱۲	باب: ذمی کو سلام کرنا مکروہ ہے	۴۶۷

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۱۳	باب: مسلم وغیر مسلموں کی مخلوط مجلس پر سلام کا حکم	۴۶۹
۲۱۴	باب: سوار پیادے کو سلام کرے	۴۷۰
۲۱۵	باب: اُٹھتے بیٹھتے سلام کرنا	۴۷۱
۲۱۶	باب: گھر کے سامنے اجازت طلب کرنے کا طریقہ	۴۷۲
۲۱۷	باب: بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا	۴۷۳
۲۱۸	باب: سلام کرنا اجازت طلبی پر مقدم ہے	۴۷۴
۲۱۹	باب: گھر میں سفر سے رات کو اچانک آنا مکروہ ہے	۴۷۶
۲۲۰	باب: خط کو خاک آلود کرنا	۴۷۷
۲۲۱	باب: قلم کان پر رکھنا	۴۷۷
۲۲۲	باب: سریانی زبان سیکھنے کا بیان	۴۷۸
۲۲۳	باب: مشرکین سے خط وکتابت کا بیان	۴۸۰
۲۲۴	باب: غیر مسلموں کو خط لکھنے کا طریقہ	۴۸۱
۲۲۵	باب: خط پر مُہر لگانے کا بیان	۴۸۲
۲۲۶	باب: سلام کیسے کیا جائے؟	۴۸۲
۲۲۷	باب: پیشاب کرنے والے پر سلام مکروہ ہے	۴۸۴
۲۲۸	پہل کرنے والے کے لئے علیک السلام کہنا مکروہ ہے	۴۸۴
۲۲۹	باب	۴۸۷
۲۳۰	باب: راستے پر بیٹھنے والے کی ذمہ داریاں	۴۸۹
۲۳۱	باب: مصافحہ (ہاتھ ملانے) کا بیان	۴۹۰
۲۳۲	مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں سے؟	۴۹۱
۲۳۳	باب: گلے ملنے اور بوسہ دینے کا بیان	۴۹۴
۲۳۴	بوسہ دینے کی اقسام؟	۴۹۵
۲۳۵	کیا سجدۂ تعظیمی کفر وشرک ہے؟	۴۹۵
۲۳۶	باب: ہاتھ پاؤں چُومنے کا بیان	۴۹۶
۲۳۷	باب: مرحبا (خوش آمدید) کہنے کا بیان	۴۹۸
۲۳۸	باب: چھینکنے والے کے لئے دعائی کلمات	۵۰۰
۲۳۹	باب: چھینک آنے پر کیا کہنا چاہئے	۵۰۱
۲۴۰	باب: چھینکنے والے کو جواب دینے کا بیان	۵۰۲
۲۴۱	باب: چھینکنے والے کی تحمید کرنے پر یرحمک اللہ کہنا واجب ہے	۵۰۴
۲۴۲	باب: چھینکنے والے کو کتنی بار دعا دی جائے	۵۰۴
۲۴۳	باب: چھینکنے کے وقت آواز پست کرنے اور مُنہ ڈھانکنے کا بیان	۵۰۶

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۴۴	باب: چھینک کی مدح اور جمائی کی ذم کا بیان	۵۰۷
۲۴۵	باب: نماز میں چھینک آنا شیطان کا اثر ہے	۵۰۹
۲۴۶	باب: کسی کو اس کی نشست سے اٹھا کر، اس کی جگہ خود بیٹھنا مکروہ ہے	۵۱۰
۲۴۷	باب: جو شخص اپنی جگہ سے اُٹھے اور پھر اس میں بیٹھنا چاہے تو اس کا حق بنتا ہے	۵۱۱
۲۴۸	باب: بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنا مکروہ ہے	۵۱۱
۲۴۹	باب: حلقہ کے درمیان بیٹھنا مکروہ ہے	۵۱۲
۲۵۰	باب: ایک شخص کا دوسرے کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے	۵۱۳
۲۵۱	باب: ناخن تراشنے کا بیان	۵۱۵
۲۵۲	باب: ناخن کاٹنے اور مونچھ پست کرنے کی مدت کا بیان	۵۱۸
۲۵۳	باب: مونچھیں کترنے کا بیان	۵۱۹
۲۵۴	باب: داڑھی کم کرنے کی حد کا بیان	۵۲۰
۲۵۵	باب: داڑھی بڑھانے کا حکم	۵۲۱
۲۵۶	باب: چت لیٹنے کی حالت ایک پاؤں دوسرے پر رکھنا جائز ہے	۵۲۴
۲۵۷	باب: چت لیٹنے کی مکروہ صورت کا بیان	۵۲۴
۲۵۸	باب: اُلٹا لیٹنے کی ممانعت	۵۲۵
۲۵۹	باب: ستر کی احتیاط کا بیان	۵۲۶
۲۶۰	ٹیک لگانے کا بیان	۵۲۸
۲۶۱	باب	۵۲۸
۲۶۲	باب: آدمی اپنی سواری کی اگلی نشست کا زیادہ حقدار ہے	۵۲۹
۲۶۳	باب: بستر پر بچھانے والے کپڑے (چادر وغیرہ) کے استعمال کا بیان	۵۳۰
۲۶۴	سواری کے ایک جانور پر تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں؟	۵۳۰
۲۵۶	ناگہانی نظر پڑ جانے کا بیان	۵۳۱
۲۶۶	باب: عورتیں بھی مردوں کو نہ دیکھیں	۵۳۲
۲۶۷	باب: شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کے پاس جانا مکروہ ہے	۵۳۴
۲۶۸	باب: عورتوں کے فتنہ سے آگاہ کرنے کا بیان	۵۳۵
۲۶۹	باب: بالوں میں بالوں کا گچھا شامل کرنا مکروہ ہے	۵۳۶
۲۷۰	باب: بالوں میں بال پیوست کرنے والی اور کروانے والی	۵۳۸
۲۷۱	باب: مرد و زن کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے	۵۳۹

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۷۲	باب: عورت کے لئے خوشبو لگا کر گھر سے نکلنا جائز نہیں	۵۴۰
۲۷۳	باب: مردوں اور عورتوں کی خوشبوؤں کا بیان	۵۴۱
۲۷۴	باب: خوشبو قبول نہ کرنا مکروہ ہے	۵۴۲
۲۷۵	باب: بے حجابانہ اختلاط کا بیان	۵۴۳
۲۷۶	باب: ران ستر میں داخل ہے	۵۴۵
۲۷۷	باب: صفائی ستھرائی کا بیان	۵۴۷
۲۷۸	باب: ہم بستری کے وقت پردے کا اہتمام کرے	۵۴۸
۲۷۹	حمام میں جانے (اور نہانے) کا بیان	۵۴۸
۲۸۰	باب: فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو	۵۵۰
۲۸۱	باب: مَردوں کے لئے عُصفر (سرخ یا زرد رنگ) سے رنگا ہوا کپڑا مکروہ ہے	۵۵۲
۲۸۲	باب: سفید کپڑے پہننے (کی افضلیت) کا بیان	۵۵۴
۲۸۳	باب: (ہلکے) سرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے	۵۵۵
۲۸۴	باب: سبز کپڑوں کا استعمال	۵۵۶
۲۸۵	باب: کالے لباس کا بیان	۵۵۷
۲۸۶	باب: زرد رنگ والے لباس کا بیان	۵۵۸
۲۸۷	باب: مردوں کے لئے زعفرانی رنگ اور نگین خوشبو مکروہ ہیں	۵۵۹
۲۸۸	باب: ریشمی لباس کی ممانعت	۵۶۰
۲۸۹	باب (کوٹ وغیرہ پہننا جائز ہے)	۵۶۱
۲۹۰	باب: اللہ اپنے بندے کے اظہارِ نعمت کو پسند کرتا ہے	۵۶۲
۲۹۱	باب: سیاہ موزے کا بیان	۵۶۳
۲۹۲	باب: سفید بال نوچنا منع ہے	۵۶۳
۲۹۳	باب: صاحب مشورہ امانت دار ہوتا ہے	۵۶۴
۲۹۴	باب: بدشگونی کا بیان	۵۶۵
۲۹۵	باب: تین آدمیوں میں سے دو الگ سرگوشی نہ کریں	۵۶۷
۲۹۶	باب: ایفائے عہد کا بیان	۵۶۸
۲۹۷	باب: میرے ماں باپ تجھ پر قربان کا بیان	۵۶۹
۲۹۸	باب: کسی کو بیٹا کہنے کا بیان	۵۷۰
۲۹۹	باب: نومولود بچے کا نام جلدی رکھنا چاہئے	۵۷۰
۳۰۰	باب: اچھے اچھے ناموں کا بیان	۵۷۱
۳۰۱	باب: ناپسندیدہ ناموں کا بیان	۵۷۲
۳۰۲	باب: بُرے نام تبدیل کرنے کا بیان	۵۷۳

Maktaba Tul Ishaat.com

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۰۳	باب: نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی	۵۷۴
۳۰۴	باب: نبی ﷺ کے نام اور کنیت کو یکجا کرنا مکروہ ہے	۵۷۶
۳۰۵	باب: بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں	۵۷۷
۳۰۶	باب: شعر گوئی کا بیان	۵۷۸
۳۰۷	باب: پیٹ کا پیپ سے بھر جانا، شعر کے بھرنے سے بہتر ہے	۵۸۲
۳۰۸	باب: بولنے میں تکلف کا بیان	۵۸۳
۳۰۹	باب	۵۸۴
۳۱۰	باب: (بلاترجمہ) جانوروں کا بھی خیال رکھنا چاہئے	۵۸۴
۳۱۱	باب: (بلاترجمہ) کھلی چھت پر نہیں سونا چاہئے	۵۸۵
۳۱۲	باب: (بلاترجمہ) اچھا عمل وہ ہے جو دائمی ہو	۵۸۶
۳۱۳	**ابواب الامثال** عن رسول اللہ ﷺ	۵۸۷
۳۱۴	باب: اللہ عزوجل کی بیان کی ہوئی مثال کا تذکرہ	۵۸۷
۳۱۵	باب: آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال	۵۹۳
۳۱۶	باب: نماز، روزہ اور صدقہ کی مثال	۵۹۴
۳۱۷	باب: قرآن کی تلاوت کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال	۵۹۷
۳۱۸	باب: نماز پنجگانہ کی مثال	۶۰۰
۳۱۹	باب (بلاترجمہ) اس امت کی مثال بارش کی طرح ہے	۶۰۱
۳۲۰	باب: آدمی اور اس کی موت اور امید کی مثال	۶۰۲
	جلد ہفتم ختم ہوئی۔ آخری جلد ہشتم فضل قرآن سے شروع ہوتی ہے۔	

Maktaba Tul Ishaat.com

فہرست عربی ابواب

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی اشراط الساعة	۲۱
باب	۲۷
باب ما جاء فی قول النبی ﷺ الخ	۳۱
باب ما جاء فی قتال الترک	۳۲
باب ما جاء اذا ذهب کسریٰ فلاکسریٰ بعده	۳۳
باب لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من قبل الحجاز	۳۴
باب ما جاء لاتقوم الساعة حتی یخرج کذابون	۳۵
باب ما جاء فی ثقیف کذاب و مبیر	۳۷
باب ما جاء فی القرن الثالث	۳۸
باب ما جاء فی الخلفاء	۴۱
باب ما جاء فی الخلافة	۴۴
باب ما جاء ان الخلفاء من قریش الی ان تقوم الخ	۴۷
باب ما جاء فی الائمة المضلین	۴۹
باب ما جاء فی المهدی	۴۹
باب ما جاء فی نزول عیسی بن مریمؑ	۵۲
باب ما جاء فی الدجال	۵۴
باب ما جاء من این یخرج الدجال	۶۰
باب ما جاء فی علامات خروج الدجال	۶۱
باب ما جاء فی فتنة الدجال	۶۱
باب ما جاء فی صفة الدجال	۷۰
باب ما جاء ان الدجال لایدخل المدینة	۷۱
باب ما جاء فی قتل عیسی بن مریم الدجالَ	۷۳
باب	۷۳
باب ما جاء فی ذکر ابن صیاد	۷۴
باب	۸۱
باب ما جاء فی النهی عن سب الریاح	۸۳
باب	۸۳
باب	۸۷
باب	۸۷
باب	۸۸
باب	۹۰
باب	۹۱
باب	۹۳
باب	۹۸
ابواب الرؤیا	
عن رسول الله ﷺ	۱۰۱
باب ان الرؤیا جزء من ستة الخ	۱۰۱
باب ذهبت النبوة وبقیت المبشرات	۱۰۴
باب ما جاء فی قول النبی ﷺ الخ	۱۰۶
باب ما جاء اذا رای فی المنام ما یکره ما یصنع	۱۰۷
باب ما جاء فی تعبیر الرؤیا	۱۰۹
باب	۱۰۰

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی الذی یکذب فی حلمه	۱۱۰
باب	۱۱۲
باب	۱۱۴
باب ماجاء فی رؤیا النبی ﷺ فی الخ	۱۱۵
ابواب الشهادة	
عن رسول الله ﷺ	۱۲۳
ابواب الزهد	
عن رسول الله ﷺ	۱۲۷
باب جاء فی المبادرة بالعمل	۱۲۸
باب ما جاء فی ذکر الموت	۱۳۰
باب	۱۳۰
باب من احب لقاء الله احب الله لقاءه	۱۳۲
باب ما جاء فی انذار النبی ﷺ قومه	۱۳۲
باب ما جاء فی فضل البکاء من خشیة الله	۱۳۴
باب ما جاء فی قول النبی ﷺ لوتعلمون ما الخ	۱۳۴
باب ما جاء من تکلم بالکلمة لیضحک الناس	۱۳۶
باب	۱۳۷
باب ما جاء فی قلة الکلام	۱۳۹
باب ما جاء فی هوان الدنیا علی الله	۱۴۰
باب ما جاء ان الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر	۱۴۲
باب ما جاء مثل الدنیا مثل اربعة نفر	۱۴۳
باب ما جاء فی هم الدنیا وحبها	۱۴۵
باب ما جاء فی طول العمر للمؤمن	۱۴۸

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء اعمار هذه الامة ما بین الستین الخ	۱۴۸
باب ما جاء فی تقارب الزمان وقصر الامل	۱۴۹
باب ما جاء فی قصر الامل	۱۵۰
باب ما جاء ان فتنة هذة الامة فی المال	۱۵۳
باب ما جاء لو کان لابن آدم وادیان من الخ	۱۵۴
باب ما جاء قلب الشیخ شاب علی حب اثنین	۱۵۵
باب ما جاء فی الزهادة فی الدنیا	۱۵۵
باب ما جاء فی الکفاف والصبر علیه	۱۶۰
باب ما جاء فی فضل الفقر	۱۶۳
باب ما جاء ان فقراء المهاجرین یدخلون الجنة الخ	۱۶۴
باب ما جاء فی معیشة النبی ﷺ الخ	۱۶۶
باب ما جاء فی معیشة اصحاب النبی ﷺ	۱۶۸
باب ما جاء ان الغنا غنا النفس	۱۷۷
باب ما جاء فی اخذ المال بحقه	۱۷۷
باب	۱۷۸
باب	۱۷۹
باب	۱۷۹
باب	۱۸۰
باب	۱۸۱
باب ما جاء فی کراهیة کثرة الاکل	۱۸۲
باب ما جاء فی الریاء والسمعة	۱۸۳
باب	۱۸۶
باب	۱۸۷

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب المرء مع من احب	۱۸۸
باب فی حسن الظن باللّٰہ	۱۹۰
باب ما جاء فی البر والاثم	۱۹۰
باب ما جاء فی الحب فی اللّٰہ	۱۹۱
باب ما جاء فی اعلام الحب	۱۹۳
باب کراھیة المدحة والمداحین	۱۹۴
باب ما جاء فی صحبة المؤمن	۱۹۵
باب فی الصبر علی البلاء	۱۹۶
باب ما جاء فی ذھاب البصر	۱۹۸
باب ما جاء فی حفظ اللسان	۲۰۰
باب	۲۰۴
باب	۲۰۶
ابواب صفة القیامة	۲۰۸
باب ما جاء فی شان الحسب والقصاص	۲۰۸
باب	۲۱۲
باب ما جاء فی شان الحشر	۲۱۴
باب ما جاء فی العرض	۲۱۶
باب منه	۲۱۷
باب منه	۲۱۸
باب منه	۲۱۹
باب ما جاء فی الصور	۲۲۰
باب ما جاء فی شان الصراط	۲۲۱
باب ما جاء فی الشفاعة	۲۲۳
باب منه	۲۳۰
باب ما جاء فی صفة الحوض	۲۳۴
باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض	۲۳۵

باب	صفحہ نمبر
باب	۲۳۹
باب	۲۵۷
باب	۲۷۹
باب	۲۸۰
باب	۲۸۲
باب	۲۸۲
باب	۲۸۳
باب	۲۸۵
باب	۲۸۷
ابواب صفة الجنة	
عن رسول اللّٰہ ﷺ	۲۹۳
باب ما جاء فی صفة شجر الجنة	۲۹۳
باب ما جاء فی صفة الجنة و نعیمها	۲۹۵
باب ما جاء فی صفة غرف الجنة	۲۹۷
باب ما جاء فی صفة درجات الجنة	۲۹۸
باب ما جاء فی صفة نساء اهل الجنة	۳۰۰
باب ما جاء فی صفة جماع اهل الجنة	۳۰۳
باب ما جاء فی صفة اهل الجنة	۳۰۴
باب ما جاء فی صفة ثیاب اهل الجنة	۳۰۶
باب ما جاء فی صفة ثمار الجنة	۳۰۸
باب ما جاء فی صفة طیر الجنة	۰۹
باب ما جاء فی صفة خیل الجنة	۳۱۰
باب ما جاء فی سِنّ اهل الجنة	۳۱۱
باب ما جاء فی کم صف اهل الجنة	۳۱۲
باب ما جاء فی صفة ابواب الجنة	۳۱۳

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی سوق الجنة	۳۱۴
باب ما جاء فی رؤیة الرب بارک و تعالیٰ	۳۱۷
باب	۳۲۰
باب ما جاء فی تراثی اهل الجنة فی الغرف	۳۲۱
باب ما جاء فی خلود اهل الجنة والنار	۳۲۲
باب ما جاء فی حفت الجنة بالمکاره وحفت الخ	۳۲۶
باب ما جاء فی احتجاج الجنة والنار	۳۲۸
باب ما جاء مالأدنیٰ اهل الجنة	۳۲۹
باب ما جاء فی کلام حور العین	۳۳۰
باب ما جاء فی صفة انهار الجنة	۳۳۲
ابواب صفة جهنم	
عن رسول الله ﷺ	۳۳۷
باب ماجاء صفة النار	۳۳۷
باب ما جاء فی صفة قعر جهنم	۳۳۹
باب ما جاء فی عظم اهل النار	۳۴۰
باب ما جاء فی صفة شراب اهل النار	۳۴۲
باب ما جاء فی صفة طعام اهل النار	۳۴۶
باب ما جاء ان نارکم هذه جزء من سبعین جزءً من نار جهنم	۳۵۰
باب ما جاء ان للنار نفسین وما ذکر من یخرج من النار من اهل التوحید	۳۵۱
باب ما جاء ان اکثر اهل النار النساء	۳۵۹
ابواب الایمان	
عن رسول الله ﷺ	۳۶۲
باب ما جاء امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله	۳۶۵
باب ما جاء امرت ان اقاتل الخ	۳۷۰
باب ما جاء بنی الاسلام علی خمس	۳۷۱
باب ما وصف جبرئیل للنبی ﷺ الایمان الخ	۳۷۲
باب ما جاء فی اضافة الفرائض الی الایمان	۳۷۹
باب ما جاء فی استکمال الایمان والزیادة والنقصان	۳۸۲
باب ما جاء الحیاء من الایمان	۳۸۷
باب ما جاء فی حرمة الصلوٰة	۳۸۸
باب ما جاء فی ترک الصلوٰة	۳۹۱
باب	۳۹۲
باب لایزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن	۳۹۴
باب ما جاء المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده	۳۹۷
باب ما جاء ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا	۳۹۸
باب فی علامة المنافق	۴۰۰
باب ما جاء سباب المسلم فسوق	۴۰۲
باب من رمی اخاه بکفر	۴۰۲
باب فی من یموت وهو یشهد ان لا اله الا الله	۴۰۴
باب افتراق هذه الامة	۴۰۷
ابواب العلم	
عن رسول الله ﷺ	۴۱۳
باب اذا اراد الله بعبد خیرا فقهه فی الدین	۴۱۳
باب ما جاء فی فضل طلب العلم	۴۱۵
باب ما جاء فی کتمان العلم	۴۱۷
باب ما جاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم	۴۱۸

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی ذهاب العلم	۴۱۹
باب فی من یطلب بعلمه الدنیا	۴۲۲
باب فی الحث علی تبلیغ السماع	۴۲۴
باب فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ ﷺ	۴۲۶
باب فی من روی حدیثا و هو یری انه کذب	۴۳۰
باب ما نهی عنه ان یقال عند حدیث الخ	۴۳۱
باب فی کراهیة کتابة العلم	۴۳۲
باب فی الرخصه فیه	۴۳۳
باب ما جاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل	۴۳۴
باب ما جاء ان الدال علی الخیر کفاعله	۴۳۶
باب فی من دعا الی هدی فاتبع	۴۳۹
باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة	۴۴۰
باب فی الانتهاء عما نهی عنه رسول اللہ ﷺ	۴۴۶
باب ما جاء فی عالم المدینة	۴۴۷
باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة	۴۴۸
ابواب الاستیذان والاداب	
عن رسول اللہ ﷺ	۴۵۴
باب ما جاء فی افشاء السلام	۴۵۴
باب ما ذکر فی فضل السلام	۴۵۵
باب ما جاء ان الاستیذان ثلاث	۴۵۶
باب کیف ردّ السلام	۴۶۱
باب فی تبلیغ السلام	۴۶۲
باب فی فضل الذی یبدء بالسلام	۴۶۳
باب فی کراهیة اشارة الید فی السلام	۴۶۳
باب ما جاء فی التسلیم علی الصبیان	۴۶۴

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی التسلیم علی النساء	۴۶۵
باب فی التسلیم اذا دخل بیته	۴۶۶
باب السلام قبل الکلام	۴۶۷
باب ما جاء فی کراهیة التسلیم علی الذمی	۴۶۷
باب ما جاء فی السلام علی مجلس فیه الخ	۴۶۹
باب ما جاء فی تسلیم الراکب علی الماشی	۴۷۰
باب التسلیم عند القیام والقعود	۴۷۱
باب الاستیذان قبالة البیت	۴۷۲
باب من اطلع فی دار قوم بغیر اذنهم	۴۷۳
باب التسلیم قبل الاستیذان	۴۷۴
باب فی کراهیة طروق الرجل اهله لیلا	۴۷۶
باب ما جاء فی تتریب الکتاب	۴۷۷
باب	۴۷۷
باب فی تعلیم السریانیة	۴۷۸
باب فی مکاتبة المشرکین	۴۸۰
باب کیف یکتب الی اهل الشرک	۴۸۱
باب ما جاء فی ختم الکتاب	۴۸۲
باب کیف السلام	۴۸۲
باب فی کراهیة التسلیم علی من یبول	۴۸۴
باب ماجاء فی کراهیة ان یقول علیک السلام مبتدئا	۴۸۴
باب	۴۸۷
باب ما جاء ما علی الجالس فی الطریق	۴۸۹
باب ما جاء فی المصافحة	۴۹۰
باب ما جاء فی المعانقة والقبلة	۴۹۴
باب ما جاء فی قُبلة الید والرجل	۴۹۶

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی مرحبا	۴۹۸
باب ما جاء فی تشمیت العاطس	۵۰۰
باب ما یقول العاطس اذا عطس	۵۰۱
باب کیف یشمت العاطس	۵۰۲
باب ماجاء فی ایجاب التشمیت بحمد العاطس	۵۰۴
باب کم یشمت العاطس	۵۰۴
باب ما جاء فی خفض الصوت و تخمیر الوجه عند العطاس	۵۰۶
باب ما جاء ان اللّٰه یحب العطاس و یکره التثاؤب	۵۰۷
باب ما جاء ان العطاس فی الصلوة من الشیطان	۵۰۹
باب ما جاء فی کراهیة ان یقام الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه	۵۱۰
باب ما جاء اذا قام الرجل من مجلسه ثم رجع	۵۱۱
باب ما جاء فی کراهیة الجلوس بین الرجلین بغیر اذنهما	۵۱۱
باب ما جاء فی کراهیة القعود وسط الحلقة	۵۱۲
باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل	۵۱۳
باب ما جاء فی تقلیم الاظفار	۵۱۵
باب ما جاء فی توقیت تقلیم الاظفار واخذ الشارب	۵۱۸
باب ما جاء فی قص الشارب	۵۱۹
باب ما جاء فی الاخذ من اللحیة	۵۲۰
باب ما جاء فی اعفاء اللحیة	۵۲۱

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی وضع احدی الرجلین علی الاخری مستلقیاً	۵۲۴
باب ما جاء فی کراهیة فی ذٰلک	۵۲۴
باب ما جاء فی کراهیة الاضطجاع علی البطن	۵۲۵
باب ما جاء فی حفظ العورة	۵۲۶
باب ما جاء فی الا تکاء	۵۲۸
باب	۵۲۸
باب ما جاء ان الرجل احق بصدر دابته	۵۲۹
باب ما جاء فی الرخصة فی اتخاذ الانماط	۵۳۰
باب ما جاء فی رکوب ثلاثة علی دابة	۵۳۰
باب ما جاء فی نظرة الفجاءة	۵۳۱
باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال	۵۳۲
باب ما جاء فی النهی عن الدخول علی النساء الا باذن ازواجهن	۵۳۴
باب جاء فی تحذیر فتنة النساء	۵۳۵
باب ما جاء فی کراهیة اتخاذ القصة	۵۳۶
باب ما جاء فی الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة	۵۳۸
باب ما جاء فی المتشبهات بالرجال من النساء	۵۳۹
باب ما جاء فی کراهیة خروج المرأة متعطرة	۵۴۰
باب ما جاء فی طیب الرجل والنساء	۵۴۱
باب ما جاء فی کراهیة رد الطیب	۵۴۲
باب ما جاء فی کراهیة مباشرة الرجل الرجل والمرأة المرأة	۵۴۳

Maktaba Tul Ishaat.com

باب	صفحہ نمبر
باب ما جاء فی حفظ العورة	۵۴۵
باب ما جاء فی ان الفخذ عورة	۵۴۵
باب ما جاء فی النظافة	۵۴۷
باب ما جاء فی الاستتار عند الجماع	۵۴۸
باب ما جاء فی دخول الحمام	۵۴۸
باب ما جاء ان الملائکة لا تدخل الخ	۵۵۰
باب ما جاء فی کراهیة المعصفر للرجال	۵۵۲
باب ما جاء فی لبس البیاض	۵۵۴
باب ما جاء فی الرخصه فی لبس الحمرة للرجال	۵۵۵
باب ما جاء فی الثوب الاخضر	۵۵۶
باب فی الثوب الاسود	۵۵۷
باب ما جاء فی الثوب الاصفر	۵۵۸
باب ما جاء فی کراهیة التزعفر والخلوق للرجال	۵۵۹
باب ما جاء فی کراهیة الحریر والدیباج	۵۶۰
باب ما جاء ان اللّٰه یحب ان یری اثر نعمته الخ	۵۶۲
باب ما جاء فی الخف الاسود	۵۶۳
باب ما جاء فی النهی عن نتف الشیب	۵۶۳
باب ما جاء ان المستشار مؤتمن	۵۶۴
باب ما جاء فی الشوم	۵۶۵
باب ما جاء لایتناجی اثنان دون ثالث	۵۶۷
باب ما جاء فی العدة	۵۶۸
باب ما جاء فی فداک ابی وامی	۵۶۹
باب ما جاء فی یا بنی	۵۷۰
باب ما جاء فی تعجیل اسم المولود	۵۷۰
باب ما یستحب من الاسماء	۵۷۱
باب ما جاء ما یکره من الاسماء	۵۷۲
باب ما جاء فی تغییر الاسماء	۵۷۳
باب ما جاء فی اسماء النبی ﷺ	۵۷۴
باب ما جاء فی کراهیة الجمع بین اسم النبی ﷺ وکنیته	۵۷۶
باب ما جاء ان من الشعر حکمة	۵۷۷
باب ما جاء فی انشاد الشعر	۵۷۸
باب ما جاء لأن یمتلی جوف احدکم قیحا الخ	۵۸۲
باب ما جاء فی الفصاحة والبیان	۵۸۳
ابواب الامثال	
عن رسول اللّٰه ﷺ	۵۸۷
باب ما جاء فی مثل اللّٰه عز وجل لعباده	۵۸۷
باب ما جاء فی مثل النبی والانبیاء صلی اللّٰه علیهم وسلم الخ	۵۹۳
باب ما جاء مثل الصلوة والصیام والصدقة	۵۹۴
باب ما جاء مثل المؤمن القاری للقرآن وغیر القاری	۵۹۷
باب ما جاء مثل صلوات الخمس	۶۰۰
باب ما جاء مثل ابن ادم واجله واماله	۶۰۲
تم المجلد السابع	
ویلیه المجلد الثامن	
اوله ابواب فضائل القرآن	

Maktaba Tul Ishaat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ماجاء فی اشراط الساعة

علاماتِ قیامت کے بیان میں

عن انس بن مالکؓ انه قال: احدثکم حدیثاً سمعته من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لایُحَدِّثکم احدبعدی "انه سمعه من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم" قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "ان من اشراط الساعة ان یُرفع العلم ویَظهر الجهل ویَفشُو الزنا ویُشرب الخمر ویُکثر النساء ویَقِلُّ الرجال حتی یکون لخمسین امرأة قَیِّم واحد". (حسن صحیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں تمہیں ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے میرے بعد کوئی بھی تم کو یہ نہیں بتا سکے گا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (براہ راست) سنا ہے، (کیونکہ ایسا صحابی ہی کہہ سکتا ہے جو میرے بعد یہاں موجود نہیں رہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا اور جہل ظاہر (عام) ہوجائے گا اور زنا عام ہوجائے گا اور شراب پی جانے لگے گی اور عورتیں زیادہ ہوجائیں گی اور مرد کم ہوجائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک ہی ذمہ دار ہوگا (یعنی منتظم ہوگا)۔

لغات:۔ قولہ: "اشراط" شَرَط بفتح الراء کی جمع ہے بمعنی علامت ونشانی کے کما مر۔ قولہ: "یفشو" فَشَا یفشو فُشُوّاً وفَشْواً بمعنی ظاہر ہونے، پھیلنے اور عام ہونے کے ہے۔ قولہ: "قَیِّم" بفتح القاف وتشدید الیاء المکسورۃ سربراہ، منتظم اور ذمہ دار کو کہتے ہیں۔

تشریح:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس حدیث میں یہ انداز گفتار اپنانا ترغیب کے لئے ہے پس اگر مخاطب اہل بصرہ ہوں تو چونکہ یہ بصرہ میں آخری صحابی رہ گئے تھے لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ میرے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے یہ حدیث بالنفس حدیث آنحضور علیہ السلام سے سنی ہے کہ بصرہ میں ان کے بعد کوئی صحابی تھا ہی نہیں۔ اور اگر یہ عام خطاب ہو تو پھر اگرچہ ان کے بعد صحابہ کرام کا وجود تو تھا مگر شاذ ونادر۔ اس لئے نفی عموم صحیح ہے کہ القلیل کالمعدوم۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ میں کوئی بھی تم کو نبی علیہ السلام سے براہ راست

Maktaba Tul Ishaat.com

نقل نہیں کر سکے گا کہ اس کا سماع آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن حضرات کو حاصل ہے ان میں صرف میں ہی باقی ہوں۔

اس حدیث میں رفع العلم کی پیش گوئی کی گئی ہے جس کا تذکرہ سابقہ باب سے پیوستہ "باب ماجاء فی الھرج" میں گذرا ہے تاہم وہاں بجائے جہل بڑھ جانے کے قتل عام ہونے کا ذکر تھا مگر ان دونوں میں تلازم ہے کیونکہ علم جس تناسب سے کم ہوتا ہے اسی تناسب سے جہل بڑھ جاتا ہے کہ دونوں متضاد چیزیں ہیں اور جہل عام ہونے کی صورت میں قتل بھی عام ہونا لازمی سی بات ہے کہ دنیاوی مفادات کے لئے کسی کا خون بہانا آسان تر ہو جائے گا، علاوہ ازیں آج کل عام علماء میں دنیاوی تذکرہ عام ہوتا ہے یہ بھی تقلیل علم کا سبب ہے جہاں تک شراب پی جانے کے عموم کی بات ہے تو اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یا تو لوگ اس کی حرمت سے انکار کر دیں گے یا نام تبدیل کر کے تاویل کر لیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرمت کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے اجتناب نہیں کیا جائے گا کہ حرام وحلال کی اہمیت ختم ہو جائے گی، اسی پر قیاس کر کے زنا کا عام ہونا مستبعد نہیں بلکہ آج تو یہ دونوں صورتیں ہمارے سامنے ہیں عورتوں کا سیلاب بازاروں میں امڈ آیا ہے اور تحسین کی نت نئی صورتیں روز بروز ترقی کرتی جارہی ہیں ایک سے ایک انداز اختیار کئے جارہے ہیں، موسیقی عام ہوگئی ہے اور مستی کے سارے دروازے کھل گئے ہیں حکومتی کوششوں بلکہ بین الاقوامی سازشوں کی وجہ سے فحاشی وعریانی کو فروغ دینے کے لئے بڑی بڑی رقوم خرچ کی جارہی ہیں اور حقوق نسواں کے نام پر عورتوں کو زنا وغنا کی آزادی دی جارہی ہے ایسے میں ناقصات العقل اپنی عفت کو خیر باد کہنا ترقی نہیں سمجھیں گی تو کیا کریں گی؟

عورتوں کی کثرت کی سائنسی وجہ یہ ہے کہ عورت کے نطفے میں X (ایکس) نوعیت کا بیضہ ہوتا ہے جبکہ مرد کے نطفے میں X اور Y (ایکس اور وائی) دونوں ہوتے ہیں پس اگر جماع کے وقت ایکس منتقل ہو جائے تو دونوں ایکس مل کر لڑکی جنم دینے کا سبب بنتے ہیں جبکہ وائی منتقل ہونے کی صورت میں لڑکا پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ وائی چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر رحم میں X تلاش کر کے اس سے مل جائے ورنہ تو ضائع ہو جاتا ہے جبکہ ایکس کی زندگی نسبتاً زیادہ ہے، دوسری طرف کثرت جماع سے وائی کی پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ نوجوانی میں شادی کر لیتے ہیں یا وہ محنت کش ہوتے ہیں تو مردانہ طاقت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ بیوی سے جلدی جلدی ملتے ہیں اس طرح لڑکے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ بخلاف تاخیر سے شادی کرنے والوں اور سست وکاہل لوگوں کے۔ کیونکہ قدرتی طور پر ان دونوں فریقین کی مردانہ طاقت خود بخود کم ہو جاتی ہے، آج کل لوگ دیر سے شادی

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور کام کاج ومحنت بھی کم ہو گئی اس لئے لڑکیاں کثیر ہو گئیں ان گنت آلات تعیش وصنعت نے انسان کو محنت سے تقریباً فارغ کر دیا ہے جو کام پہلے ہاتھ سے کئے جاتے تھے وہ آج مشینوں کے ذریعے کئے جاتے ہیں اور جو مسافت پیدل چلنے سے طے کی جاتی تھی وہ آج گاڑیوں اور جہازوں کے ذریعے طے کی جاتی ہے لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ مردانہ طاقت اور پھر ''وائی'' کا کم ہونا ہے جس سے لڑکیوں کی شرح پیداوار بڑھ رہی ہیں آج کی دنیا میں بھی لڑکیوں کا تناسب لڑکوں سے زیادہ ہے اور اس میں تیزی سے اضافہ شروع ہو گیا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لڑکے کے ماں باپ رشتے کے لئے لڑکی تلاش کرتے مگر اس میں بعض دفعہ ناکامی ہو جاتی جبکہ آج لڑکی کے ماں باپ کو رشتہ کے لئے سرگرداں پھرنا پڑتا ہے اور پھر بھی بہت سی لڑکیاں رشتۂ ازدواج سے محروم ہیں آگے چل کر یہ اضافہ اور بھی زیادہ ہوگا۔

اس حدیث میں '' قَیِّم'' سے مراد شوہر نہیں بلکہ ذمہ دار اور متولی ہے یعنی ایک گھر میں کثرت سے لڑکیاں ہوں گی خواہ ان میں بہنیں اور بیٹیاں ہوں یا بیویاں اور ماسیاں، نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری دنیا کا یہ حال ہو بلکہ بعض علاقے جیسے گرم خطے اگر اس کی لپیٹ میں آجائیں تو بھی پیش گوئی صادق ہوگی، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ کثرت کا تناسب اٹھانوے فیصد یا ناوے فیصد ہو بلکہ نفس تکثیر سے بھی حدیث کا مصداق پایا جائے گا خواہ وہ اٹھانوے فیصد سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ غرض ان امور سے عقول وانساب برباد ہونگے اور نتیجۃً معاد بھی متاثر ہوگا۔

دوسری حدیث:۔ عن الزبیر بن عدی قال دخلنا علی انس بن مالک قال: "فشکونا الیه ما نلقیٰ من الحجاج فقال: مامن عام الاّ والذی بعده شرٌّ منه حتی تلقوا ربکم سمعت هذا من نبیّکم صلی الله علیه وسلم". (هذا حدیث حسن صحیح)

حضرت زبیر بن عدی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے پاس (اندر یعنی ان کے گھر) گئے اور ان سے حجاج کی جانب سے ملنی والی تکلیفات کی شکایت کی تو حضرت انسؓ نے فرمایا کوئی سال ایسا نہیں مگر اس کے بعد آنے والا سال اس سے زیادہ بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو یہ (بات) میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

تشریح:۔ یہ باعتبار اغلب حالات کے ہیں یا باعتبار زمانہ کے ہے کہ ہر آنے والا وقت گذرے ہوئے

Maktaba Tul Ishaat.com

زمانے سے برا ہوگا کیونکہ مرور زمانہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک سے دوری آنا لازمی بات ہے نہ اس میں پہلے جیسے لوگ رہتے ہیں اور نہ ہی پہلے جیسا علم وعمل اور ورع وتقویٰ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ برکات ہوتی ہیں ہاں البتہ جب ایک سخت دور گذرتا ہے تو لوگ کچھ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اکثریت گناہوں سے توبہ تائب ہو جاتی ہے پھر ان میں سے نیک وصالح قیادت سامنے آجاتی ہے اور جب دوبارہ آسائشوں میں گم ہو جاتے ہیں تو پھر نئی نسل عیاشی کے درپے ہو جاتی ہے پھر ان میں فساق حکمران سامنے آتے ہیں جو اپنے ہی لوگوں پر مظالم ڈھاتے ہیں اس طرح ایک دور اچھا گذرتا ہے اور ایک خراب مگر مجموعی اعتبار سے برائی غالب اور بڑھتی رہتی ہے حتیٰ کہ ان ادوار میں مشکل ترین اور بدترین دور دجال ملعون کا آئے گا پھر اللہ کے فضل سے اسی تناسب سے بہترین دور متصل آئے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع ہوگا، بہرحال حدیث میں شر سے مراد باعتبار دنیا کے نہیں بلکہ باعتبار دین کے ہے۔

تیسری حدیث:۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :لایقوم الساعة حتی لایقال فی الارض "اللہ،اللہ". (حدیث حسن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین میں اللہ،اللہ نہیں کہا جائے گا، یعنی جب تک اللہ کو یاد کرنے والے موجود ہوں گے اور اللہ کی یاد باقی ہوگی اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی کیونکہ دنیا وکائنات کی تخلیق کا اصل فائدہ اللہ کی عبادت اور اس کی یاد ہے تو جب تک ذکر باقی ہے تو دنیا کا فائدہ باقی ہے اور جب ذکر ختم ہوگا تو دنیا کا فائدہ ختم ہو جائے گا اور چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو بلا فائدہ پیدا نہیں کیا ہے لہٰذا ذکر کے اختتام کے ساتھ ہی دنیا کا بھی خاتمہ کر دیا جائے گا تاکہ کوئی فضول اور محض لغویت لازم نہ آئے۔

تشریح:۔ یہ حدیث مسلم وغیرہ میں بھی آئی ہے اس میں لفظ "اللہ" مکرر تاکید کے لئے ہے یا تاسیس کے لئے؟ اس کا دارومدار، اس پر ہے کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف کافی پرانا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ بعض علماء وصوفیاء کرام کے یہاں فقط لفظ اللہ کا ورد کرنا بھی ذکر ہے علی ہذا یہاں تکرار برائے تاسیس ہے یعنی اس میں ذکر کا ایک طریقہ بتلایا گیا ہے، مگر اس کے برعکس بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حدیث کا مطلب تو ذکر اللہ ہی ہے مگر لفظ مفرد کے ساتھ نہیں بلکہ جملہ کی صورت میں مثلاً سبحان اللہ، والحمد للہ، واللہ اکبر وغیرہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر زیادہ بحث نہیں فرمائی ہے بلکہ اس کے بارے میں صرف چند باتیں تحریر فرمائی ہیں:

(۱)مامعنی الحدیث فھوان القیٰمة انماتقوم علی شرار الخلق....

(۲) یہ ہے کہ اللہ، اللہ کا اعراب رفع ہے اور رفع کی صورت میں یہ معرب ہوگا اور کسی محذوف کے ساتھ مرکب ہوگا جیسے "یااللّٰہ" یالَاالٰہ اِلّااللّٰہُ وغیرہ۔تدبرالمستر شد

(۳)واعلم ان الروایات کلھامتفقة علی تکریراسم اللّٰہتعالیٰ فی الروایتین وھکذافی جمیع الاصول ،قال القاضی عیاض وفی روایة ابن ابی جعفریقول :"لااِلٰہَ اِلّااللّٰہ". واللّٰہاعلم (نووی شرح مسلم ص:۸۴ج:۱)

یعنی ابن ابی جعفر کی روایت حدیث الباب کی مفسر ہے، اور مراد ایمان باللہ ہے تاہم اذکار میں اہم قاعدہ یہ ہے کہ بعض اوقات جہر و جمعی میں معاون ثابت ہوتا ہے اور بعض دفعہ اخفاء، کبھی اسم الذات سے دفع وساوس وجمع خواطر میں زیادہ فائدہ محسوس ہوتا ہے اور کبھی ذکر نفی واثبات سے لہٰذا اصل تو پورا جملہ اور اخفاء ہے مگر جن اوقات میں مذکورہ فوائد ملحوظ ہوں تو واضح فائدے کی صورت میں اس طریق کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے مگر معمول اصل ہی ہونا چاہئے فان الضروری یتقدربقدرالضرورة ۔

حدیث آخر:۔عن حذیفة بن الیمان قال قال رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم :"لاتقوم الساعة حتی یکون اَسعَدَالناسِ بالدنیالُکَعُ بن لکع". (حدیث حسن)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کمینہ ولد کمینہ دنیاوی اعتبار سے خوش حال نہ بن جائے۔

لغات وترکیب مع التشریح:۔قولہ:اسعدالناس منصوب ہے بنابرخبریت۔قولہ" لُکَعُ بن لکع" مرفوع ہے کہ یکون کا اسم مؤخر ہے یہاں تقدیم خبر مبالغہ کے لئے ہے یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب وہی ہوگا یعنی تصور کیا جائے گا اور شمار کیا جائے گا جو دنیاوی مال ومتاع اور منصب واثر ورسوخ والا ہوگا خواہ وہ نسب واخلاق اور علم وعقل کے اعتبار سے کمتر ہی کیوں نہ ہو۔لکع بضم اللام وفتح الکاف کمینہ اور نیچ ذات کے آدمی کو کہا جاتا ہے، کم علم اور کم عقل والے پر بھی اطلاق ہوتا ہے یعنی دنیاداری اتنی بڑھ جائے گی کہ تمام تر خوبیوں کا محور مال ومتاع اور منصب ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حاصل مطلب یہ ہے کہ سفلہ اور نیچ ذات کے لوگ جب تک دنیاوی معاملات، سیاسات واختیارات وغیرہ کے متصرف وارباب اختیار نہیں بنیں گے قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی کیونکہ جب تک حسب ونسب کے لوگ ارباب اختیار رہوں گے تب تک خسیس حرکات کا راستہ بند ہوگا اور جب گھٹیا قسم کے لوگ اوپر آجائیں گے اور شریف لوگ بے اثر ہو جائیں گے تو پھر فحاشی وعریانی اور زنا وغنا کا راج ہوگا غرض قلب الحقائق کے بعد ہی قیامت قائم ہوگی، چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے حدیث جبرئیل ودیگر احادیث کو یکجا کرنے کے بعد لکھا ہے: "وهذا كله من انقلاب الحقائق فی آخر الزمان وانعكاس الامور"۔

صحیح الحاکم میں مرفوع حدیث ہے:

"ان من اشراط الساعة ان يوضع الاخيار وترفع الاشرار". (شرح الخمسین ص ۵۵)

آج کل یہ پیش گوئی بھی صادق ہو چکی ہے کیونکہ اب معاشرے میں علماء کو دہشت گرد اور فلمی اداکاروں اور گلوکاروں اور دیگر ان پیشہ ور لوگوں کو جن کا تعلق عموماً غلط والدین اور نیچ ذات کے ساتھ ہوتا ہے امن کے داعی اور قوم کا ہیرو سمجھا اور گردانا جاتا ہے اور اب تو ہیجڑوں نے بھی مطالبہ کر دیا کہ اسمبلی کی سیٹوں میں ہمارا بھی یعنی جیسے اقلیتوں کا ہے کوٹہ مقرر ہونا چاہئے۔

حدیث آخر:۔عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ":تَقِيُّ الارض افلاذ كبدها اَمثَال الأُسطوانة من الذهب والفضة قال: فيجئ سارق فيقول :"فی هذا قُطِعَت يَدِی "ويجئ القاتل فيقول "فی هذا قَتَلتُ "ويجئ القاطع فيقول "فی هذا قَطَعتُ رحمی ثم يَدَعُونَه فلا يأخذون منه شيئا". (هذا حديث حسن غريب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے (یعنی اندرونی) خزانے سونے چاندی کے بشکل ستونوں کے اُگل دے گی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: پس چور آکر کہے گا کہ اسی کے حصول میں میرا ہاتھ کاٹا گیا ہے، اور قاتل (اس کے پاس) آکر کہے گا اسی کی خاطر میں نے قتل کیا ہے اور صلہ رحمی توڑنے والا آئے گا تو کہے گا کہ اسی کے لئے میں نے قطع رحمی کی ہے، پھر وہ سب اس کو چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔

لغات:۔قوله: "تقیٔ" قی سے بمعنی خارج کرنے اور اُگلنے کے ہے۔قوله: "اَفلاذ" بفتح الہمزۃ فَلذَۃٌ کی جمع ہے وہ ٹکڑا جو لمبائی میں کاٹا گیا ہو۔اس لئے فرمایا "امثال الاسطوانة" یعنی جیسے لمبے لمبے ستون

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتے ہیں، سونے چاندی کے یہ ٹکڑے بھی ایسے لمبے لمبے ہونگے، پھران کوزمین کے جگر کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جگر بطن میں یعنی اندر ہوتا ہے اسی طرح یہ معدنیات بھی زمین کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

تشریح:۔زمین کا مرکز جو سطح سے تقریباً ساڑھے چھ ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے مائع مواد پر مشتمل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرکز انتہائی گرم ہے اور درجۂ حرارت زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی چیز منجمد نہیں رہ سکتی چنانچہ وہ حرارت ہر وقت باہر نکلنے کے لئے کوشاں رہتی ہے جو عموماً لاوے کی شکل میں کمزور حصوں سے خارج ہوتی ہے اس کے نتیجے میں زلزلے بھی آتے ہیں اس طرح دونوں صورتوں میں یعنی خواہ زلزلے کی جنبش ہو یا لاوے کا دباؤ معدنیات کو باہر پھینکا جاتا ہے چونکہ قیامت کے قریب لاوے اور زلزلے کثرت سے رونما ہوں گے۔اس لئے سونے چاندی کا اخراج ہوگا۔اور چونکہ زمین میں بھی رگیں ہوتی ہیں اس لئے ان کی صورت ستونوں کی طرح ہوگی۔

اس حدیث میں چور، قاتل اور قاطع سے مراد جنس بھی لے سکتے ہیں اور معین افراد بھی جنہوں نے خود یہ اعمال کئے ہوں اور اپنے ہی بارے میں افسوس کرتے ہوں گے، اوران کا سونا چاندی چھوڑنا دو وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یا تو مال کی بہتات ہوگی اس لئے وہ ضرورت محسوس نہیں کریں گے یا پھر فتنوں کی شدت اتنی زیادہ ہوگی کہ سونا چاندی یا دیگر نقدی کسی کام کی نہ رہے گی کیونکہ بازاروں میں سوداسلف کے بجائے قتل وقتال کا بازار گرم ہوگا یا افراتفری کی وجہ سے ان لوگوں کو اس سونا چاندی میں سے کچھ کاٹ کر لینے کا موقعہ نہیں ملے گا۔(تدبر)

باب

پندرہ علامتیں

"عن علی بن ابی طالب قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم :اذافَعَلَت اُمّتِی خمس عشرۃ خصلۃً حَلَّ بھاالبلاءُ قیل:ماھی؟یارسول اللہ!قال:اذاکان المغنم دُوَلاً والامانۃ مَغنَماً والزکاۃ مغرماً واطاع الرجلُ زوجتہ وعَقَّ اُمَّہ وَبَرَّ صدیقہ وجَفَا اَباہ وارتفعت الاصوات فی المساجد وکان زعیم القوم اَرذلھم واُکرِم الرجلُ مخافۃ شرہ وشُرِبَتِ الخمور ولُبس الحریر واُتّخِذَتِ القِیانِ والمعازف واَلعَنَ اٰخرُھذہ الامۃ اَوَّلَھا،فلیرتقبوا عندذالک

Maktaba Tul Ishaat.com

ریحاً حمراء او خسفا او مسخا". (هذا حديث غريب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادت بنالے گی تو ان پر مصیبت (آزمائش) نازل ہوگی، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! وہ اشیاء کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مال غنیمت کو اپنی دولت سمجھا جائے اور امانت کو غنیمت (یعنی اس میں تصرف اپنا حق) سمجھا جانے لگے اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے اور اپنے دوست سے نیک سلوک کرے اور پدر شفیق پر ستم کرے (یعنی دوری اختیار کرے جو موجب ظلم وستم ہے) اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور قوم کا رذیل آدمی ان کا ذمہ دار (بڑا) بن جائے اور آدمی کا اکرام اس کے شر کے خوف کی بناء پر کیا جائے اور (بکثرت) شراب پی جائے اور ریشم (کا لباس) پہنا جائے اور گانے والیوں کے رکھنے (یعنی پالنے اور حوصلہ افزائی کرنے یا تنخواہ پر رکھنے) کا رواج ہو جائے اور موسیقی کے آلات اختیار کئے جائیں اور اس امت کے آخر والے اس کے اگلوں پر لعن وطعن کرنے لگیں تو چاہئے کہ اس وقت وہ انتظار کریں سُرخ آندھی کا یا دھنس جانے کا یا شکلوں کے بگڑ جانے کا۔

لغات:۔ قولہ: "خصلة" عادت کو کہتے ہیں اچھی ہو یا بری یہاں مذموم عادتیں مراد ہیں۔ قولہ: "حَلَّ بها" بفتح الحاء واللام المشددۃ ای نزل. قولہ: "البلاء" آزمائش، مصیبت اور رنج وغم۔ قولہ: "دُوَلاً" بضم الدال وفتح الواو جو چیز ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے چنانچہ پیسے بھی ہاتھ در ہاتھ ادلتے بدلتے ہیں اس لئے ان کو دولت کہتے ہیں۔ قولہ: "مغرماً" وہ چیز جو لازم نہ ہو اور ذمے پڑ جائے، جرمانے اور تاوان بھرنے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "جفا" سخت ہونے اور بے رُخی وسختی سے پیش آنے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "زعیم" کفیل اور ذمہ دار کو کہتے ہیں چونکہ قوم کا سردار ان کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے اسے زعیم کہتے ہیں۔ قولہ: "القینات" قینۃ بفتح القاف کی جمع ہے قِیَان بروزن قیام بھی جمع آتی ہے باندی کو کہتے ہیں مگر زیادہ تر استعمال مُغَنِّیہ یعنی گانے والی لونڈی میں ہوتا ہے۔ قولہ: "المعازف" بفتح المیم وکسر الزاء معرف بروزن منبر یا عزف کی جمع ہے، باجے ودیگر آلاتِ غنا کو کہتے ہیں پھر معازف وہ آلات کہلاتے ہیں جو ہاتھ سے بجائے جائیں جبکہ مزامیر منہ سے بجائے جانے والے آلات کو کہتے ہیں جیسے بانسری وغیرہ کذا فی الکوکب الدری۔

تشریح:۔ یہ حدیث فرج بن فضالہ کی وجہ سے بظاہر ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے اخیر میں تصریح

Maktaba Tul Ishaat.com

فرمائی ہے تاہم اس مضمون کی اور روایات بھی وارد ہوئی ہیں جیسا کہ باب کی دوسری اور تیسری حدیث مع کمی بیشی الفاظ کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا امور اتنا فروغ پائیں کہ رواج اور معاشرے کا حصہ بن جائے تو پھر علامات قیامت کا انتظار کیا جانا چاہئے یعنی پھر امت کی خیر و بھلائی کی امید منقطع ہو جائے گی اور پورا کا پورا ڈھانچہ خراب ہونے کی وجہ سے قابل علاج نہیں رہے گا اس لئے موت عالم یقینی اور قریب ہو جائے گی ان امور میں سے ایک مال غنیمت پر حکام اور دولت مند لوگوں کا قبضہ ہے حالانکہ غنیمت میں دیگر کا بھی حق ہوتا ہے۔

دوم: امانت میں خیانت کرنے کو اپنا حق شمار کیا جانے لگے گا جیسے آج کل ہوتا ہے اور بہت سارے حرام کاموں کو اپنا ذاتی حق شمار کیا جاتا ہے آپ کسی بھی محکمے کے ارباب اختیار پر نظر ڈالیں وہ لوگوں کی املاک جو ان کے پاس امانتیں ہیں کس طرح ذاتی حق سمجھ کر ان میں تصرف کرتے ہیں۔

سوم: زکوٰۃ کو اپنے اوپر ٹیکس سمجھ کر یا تو ادا نہیں کریں گے اور اگر کسی طرح مجبور بھی ہو جائیں تو ثواب کی نیت سے نہیں بلکہ کسی مفادات کے تحت ادا کریں گے جیسے ایک غیر ضروری بوجھ کو ادا کیا جاتا ہے۔

چہارم: بیوی کی اطاعت یعنی ہر معاملے میں اسے حاکم کی طرح مان کر اس کی فرمانبرداری ہوگی جو قلب الحقیقت ہے۔

۵: ماں کی نافرمانی۔ ۶: دوست کے ساتھ غیر اخلاقی طور پر قرب، خاص کر باپ کے مقابلے میں۔

۷: باپ پر ستم اور بُرا سلوک گویا چوتھا و پانچواں اور چھٹا و ساتواں ایک دوسرے کے تناظر و تقابل کی وجہ سے ہر دو اولین مذموم ہو گئے کہ بیوی کو ماں پر اور دوست کو باپ پر برتری دے دی۔

۸: مسجدوں میں شور کرنا اور زور سے بولنا، اور یہ تب ہی ہوگا جب مسجد کے تقدس کا خیال ختم ہو جائے گا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

"وهذا مما كثير في هذا الزمان وقد نصّ بعض علمائنا يعني الحنفية :بأن رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر حرام". كذا في التحفة عن المرقات.

المستر شد عرض کرتا ہے کہ آج کل مسجدوں میں جلسے ہوتے ہیں اور ان میں انتہائی تیز لاؤڈ سپیکر استعمال ہوتے ہیں چند مقتدیوں کے لئے نمازیں لاؤڈ سپیکر پر پڑھائی جاتی ہے تاہم وعظ و نصیحت میں آواز بلند ہو جائے تو حسب ضرورت جائز ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

۹: لوگوں کا سردار رذیل ونکمہ آدمی ہوگا جیسا کہ سابقہ باب میں گذرا ہے۔

۱۰: آدمی کا اکرام اس کے شر سے بچنے کے لئے کیا جائے گا آج کل اس کا ظہور بھی ہوگیا ہے عام بدمعاشوں سے لے کر پولیس افیسروں اور بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کی مدح کے ترانے گائے جاتے ہیں۔

۱۱: شراب پینا عام ہوگا یعنی حرمت کی پرواہ کئے بغیر یا نام تبدیل کر کے خواہش پوری کرنے کے لئے جو بھی ناجائز راستہ ہوگا اسے اپنایا جائے گا۔

۱۲: ریشمی لباس مذکورہ بالا وجہوں کی بناء پر مرد پہنیں گے۔

۱۳: مُغنّیہ عورتیں جن کو آج کل گلوکار کہا جاتا ہے اور (۱۴) موسیقی کے آلات دونوں عام ہو جائیں گے آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ فلمی صنعت ہو یا ریڈیو اور ٹی وی اور اسٹیج ڈراموں کے پروگرام ہوں ایسی عورتوں کو بھاری رقوم دے کر ان کو بڑی بڑی تنخواہوں پر اور فیسوں پر رکھا جاتا ہے بلکہ باعزت طریقے سے دعوت دی جاتی ہے جس سے اس شعبے کو غیر معمولی ترقی مل رہی ہے۔

۱۵: اسلاف پر لعن طعن کرنے والوں کی بھی آج کوئی کمی نہیں پہلے صرف شیعہ تھے جو خلفاء ثلاثہ کو قابض اور غاصب کہتے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھتے جبکہ آج کل روشن خیال کسی کو معاف نہیں کرتے اور بعض غالی قسم کے غیر مقلدین امام صاحب اور دیگر فقہائے کرام کو بھی نشانۂ سب وشتم بناتے ہیں، ان سب کے جواب میں فرمایا: "فلیر تقبوا الخ"۔

ان لوگوں پر جو آندھی آئے گی اس کا رنگ سُرخ ہوگا جو عذاب کی نشانی ہوگی خسف اور مسخ کے بارے میں باب ماجاء فی الخسف میں گذرا ہے فلیراجع۔

علاوہ ازیں مسخ کا ان گناہوں سے گہرا تعلق ہے کہ جب باطن بگڑ جائے گا تو اس کا اثر ظاہر پر رونما ہوگا اس طرح گناہ کے مناسب حال پر چہرے بگڑ جائیں گے۔

اس باب میں دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے اس کا مفہوم ومضمون بھی پہلی حدیث کی طرح ہے تاہم اس میں دو جملوں کا اضافہ ہے ایک یہ کہ "وتعلم لغیر الدین" یعنی علم شریعت کو دنیا کے لئے حاصل کیا جائے گا، یہ بھی خواہشات کی بہتات کا اثر ہے کہ دین کو دنیائے حقیر کے حصول میں لگائیں گے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ جب صدر پاکستان اور چیف آرمی ضیاء الحق نے وفاق المدارس العربیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پاکستان کے ذمہ داران کی کوششوں سے مدرسوں کی اسانید سرکاری سطح پر ایم اے کی مساوی قرار دیں تو مدارس میں طلبہ کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھ گئی اگر ان میں ایسے طلبہ ہوں جو ہوا کا رُخ دیکھتے ہوں تو وہ اس حدیث سے اپنی اصلاح کریں۔ دوسرا "وآیات تتابع کنظام بالٍ قطع سِلکه فتتابع" جیسے بوسیدہ ہار ہو اس کی لڑی ٹوٹ جانے سے اس کے موتی لگاتار گرنے لگیں، نظام بکسر النون ہار، بال بمعنی پُرانے کے اور سِلک بکسر السین وسکون اللام لڑی اور وہ دھاگا جس میں موتی وغیرہ پروتے ہیں یعنی لڑی ٹوٹتے ہی جس طرح پے درپے موتی گرتے ہیں اسی طرح ان علامات میں تیزی آئے گی، علاوہ ازیں اس روایت میں زلزلوں کی کثرت اور پتھروں کی بارش کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے جو عظیم پر حقیر کو ترجیح دینے والوں پر برسیں گی۔

باب ماجاء فی قول النبی ﷺ: بُعِثتُ انا والساعة كَهَاتَينِ

میں قیامت کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں

"عن المُستَورد بن شداد الفِهری رواه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: بُعِثتُ اَنَا فی نفس الساعة فَسَبَقتُها کما سبقت هٰذِهِ لِاصبَعیه السبابة والوُسطیٰ". (هذا حدیث غریب)

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ (بضم المیم وسکون السین وفتح التاء وکسر الراء) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کی آمد کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں تاہم میں کچھ پہلے آ گیا اس سے جیسے یہ اس سے آگے ہے اپنی دو انگلیوں سبابہ اور درمیانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

تشریح:۔ قوله: "فی نفس الساعة الخ" بفتح النون والفاء نَفَس کے کئی معنی ہیں ازاں جملہ ایک "سانس" بھی ہے مگر یہاں مراد قرب اور ظہور ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور رسول ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا ہی قیامت کو مستلزم ہے پھر لازم وملزوم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی اور اشارے کی انگلیوں سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ جیسے یہ دونوں متصل ہیں اسی طرح میرے اور قیامت کا حال ہے لھذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے تھے مگر علامات کبریٰ کے وقت ان

Maktaba Tul Ishaat.com

کا نزول ہوگا جو شے دیگر ہے، غرض یہاں نفی نبوت جدیدہ اور قرب قیامت کا بیان ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ تشبیہ مقدار میں ہے کہ سبابہ وسطی سے نصف سُبع کے بقدر چھوٹی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے درمیان نصفِ سُبع کی نسبت ہے مگر ابن العربی نے عارضہ میں اس توجیہ کو رد کیا ہے لہٰذا پہلی توجیہ ہی افضل ہے، کیونکہ دنیا کی بقاء کا وقت معلوم نہیں قیامت کا علم اللہ عزوجل نے صرف اپنے پاس رکھا ہے۔

باب کی دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بُعِثتُ انا والساعة" اس میں الساعۃ کو منصوب پڑھنا افضل ہے تاکہ واو بمعنی مع کی وجہ سے مفعول معہ بن جائے اور بعثت کی نسبت قیامت کی طرف نہ آئے، اس حدیث کی وضاحت جو راوی سے منقول ہے "فمافضل احداهماعلى الأُخرىٰ" یعنی جتنی زیادتی وسطی کو حاصل ہے سبابہ پر اتنی ہی سبقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے قیامت پر یعنی نصفِ سُبع، تو اوپر گذر گیا کہ راوی کا یہ مطلب بیان کرنا حدیث کی مرجوح شرح ہے۔ (هذا حديث حسن صحيح)

باب ماجاء فی قتال التُرک

غزوۂ ترک

عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لاتقوم الساعة حتىٰ تقاتلوا قوماً نِعالهم الشَعَر ولاتقوم الساعة حتى تقاتلوا قوماً كَاَنَّ وُجوههم المَجَانُّ المُطرَقة". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم ایسی قوم سے نہ لڑو جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم قتال کرو گے ایسی قوم سے جن کے چہرے ڈھال کی طرح تہ بَتہ ہوں گے۔

لغات: ۔قولہ: "المجان" بفتح الجیم وتشدید النون جمع مجن ہے سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں۔ قولہ: "المطرقة" بضم المیم وفتح الراء تہ بتہ کو کہتے ہیں یعنی پُر گوشت ہوں گے پس ڈھال کے ساتھ تشبیہ گولائی میں ہے اور تہ بتہ کہنا باعتبار پُر گوشت اور سخت ہونے کے ہے۔ بخاری شریف میں چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناکوں کا بھی ذکر ہے۔ (بخاری ص: ۴۱۰ ج: ۱)

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہذا میں جن دوقوموں کا ذکر ہے ان سے مراد ترک ہیں دیکھئے مسلم ج۲ص۳۹۵ پر ایسی متعدد روایات ہیں مثلاً "**لاتقوم الساعة حتیٰ یقاتل المسلمون الترک قوما وجوههم کالمجان المطرقة یلبسونَ الشعر ویمشون فی الشعر**"۔

بالوں سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کے جوتے (بوٹ) ایسے چمڑوں سے بنے ہوئے ہوں گے جن کو دباغت نہ دی گئی ہو، اور ظاہری معنی بھی لے سکتے ہیں کہ مکمل بالوں کے بنے ہوئے ہوں گے اس صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ اہل یورپ اور ترکی مل کر مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کے خلاف متحد ہوکر جنگ لڑیں پس اہل یورپ بالوں والے ہوں گے اور ترکی گول، پُرگوشت چہروں، چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناکوں والے ہوں گے، نیز ترکیوں سے مراد صرف ترکی کے باشندے ہی نہیں لینے چاہئے بلکہ ترکی النسل سب لوگ اس میں شامل ہوسکتے ہیں جو ترکی سے جاپان تک پوری پٹی کے لوگ ہیں جن میں وسط ایشیائی ممالک، چین، منگولیا، دونوں کوریا، جاپان اور تھائی لینڈ تمام ممالک کے لوگ شامل ہیں، اگر مخصوص ترکی کے لوگ ہوں تو یہ بھی بعید نہیں کہ کمال اتاترک کے بعد ترکی یورپ کے قرب اور عربوں سے نفرت کی طرف مسلسل بڑھ رہے ہیں۔ اس توجیہ میں ایک ہی معرکہ ہوگا۔

لیکن اگر حدیث باب میں دونوں قوموں کو الگ الگ لے لیا جائے تو جنگیں دو ماننی پڑیں گی ایک کو ترکوں (ترکی النسل) کے ساتھ جبکہ دوم کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ یورپیوں کے ساتھ ہوگی جو بالوں کی جیکٹ، لباس اور جوتے استعمال کرتے ہیں، ماہرین کے مطابق یہ دنیا کی تیسری جنگ عظیم ہوگی۔

پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ جنگ حضرت مہدیؒ کے وقت میں ہوگی جس سے پہلے کئی چھوٹی چھوٹی جنگیں بھی ہوں گی، جو چھ سات سال تک جاری رہیں گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب ماجاءَ اذاذهب کِسریٰ فلاکِسریٰ بعده

جب کسریٰ ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا

"**عن ابی هریرة قال قال رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم :اذاهلک کِسریٰ فلاکسریٰ بعده واذا هلک قیصر فلاقیصربعده والذی نفسی بیده لَتُنفَقَنّ کنوزهمافی سبیل اللّٰه**". (حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم لامحالہ ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

تشریح:۔ کسری بکسر الکاف والف مقصورہ فارس کے بادشاہ کا لقب تھا اور قیصر رومیوں کے بادشاہ کا لقب تھا۔ چنانچہ اس حدیث میں بیان کردہ پیش گوئی کے مطابق پرویز کی حکومت تو مکمل ختم ہوگئی اگرچہ پرویز کے بعد مزاحمت کرنے والے تھے مگر وہ بھی بالآخر نیست و نابود ہو گئے جیسا کہ حکومتوں اور قوموں کے مٹنے کا عام طریقہ ہے کہ دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہیں اور جہاں تک رومیوں کا تعلق ہے تو وہ اس شان و شوکت کے ساتھ باقی نہ رہے جو مسلمانوں کو چیلنج کر سکیں، پس خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں ان کے دبدبے کی نفی مراد ہے کیونکہ رومیوں کی بقاء کی بھی احادیث ملتی ہیں کہ مثلاً ان سے لڑائیاں ہوں گی جیسا کہ سابقہ باب میں اشارۃً اور دیگر احادیث میں صراحتاً مذکور ہے، چونکہ پرویز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب گرامی کو پھاڑ دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی دعا فرمائی تھی اس لئے وہ تو مکمل ختم ہوا۔ جبکہ قیصر (ہرقل) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ریشمی کپڑے میں بڑے احترام کے ساتھ محفوظ کر لیا تھا اس لئے وہ مکمل تباہی سے محفوظ رہا۔ بہرحال مسلمان ان پر غالب رہے اور ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔

اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی حکومتیں عراق اور شام میں دوبارہ نہیں آئیں گی جو صحابہ کرام کے لئے خوش خبری تھی کہ اسلام لانے کی وجہ سے جو خطرات تجارت کے حوالے سے لاحق ہو گئے تھے وہاں جا کر فارس اور روم والے ہمیں تنگ کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی۔

باب لاتقوم الساعة حتى تخرج نار من قِبَلِ الحجاز

قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک حجاز کی جانب سے آگ نہ نکلے

"عن سالم بن عبداللہ عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ستخرج نارٌ من حَضرَمَوتَ او من نحو بحر حضرموت قبل یوم القیٰمة تحشر الناس، قالوا یارسول اللہ فما تأمرنا؟ فقال علیکم بالشام". (حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عنقریب ایک آگ قبل از قیامت حضرموت سے یا فرمایا کہ بحر حضرموت کی جانب سے نکلے گی جو لوگوں کو جمع کرے گی، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! پس آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ (یعنی خروج نار کے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر شام چلے جانا لازم ہے۔

تشریح:۔ "حضرموت" اس میں ح، ر، م اور ت مفتوح اور باقی دو یعنی ض اور واو ساکن ہیں، یمن کے ایک علاقے اور شہر کا نام ہے یہ وہی آگ ہے جس کا تذکرہ پہلے "باب ماجاء فی الخسف" میں گذرا ہے جو عدن سے نکلے گی چونکہ عدن یمن کے جنوب مغرب میں ایک جزیرے کا نام ہے لہٰذا اصلاً یہ آگ عدن کے قعر (جڑ) سے نکلے گی اور براستہ حضرموت اور حجاز مقدس گذر کر شام تک لوگوں کو ہانکے گی امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب میں اسی تطبیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ شام کی خصوصیت بھی وہاں بیان کی گئی ہے۔

باب ماجاء لاتقوم الساعة حتى يخرج كَذّابون

قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار نہیں نکلیں گے

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتقوم الساعة حتى يَنْبَعِثَ كذّابون دجّالون قريب من ثلاثين كلهم يزعم انه رسول الله". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ برآمد ہو جائیں تیس کے قریب سخت دروغ گو اور سخت فریب کار سب دعوی کریں گے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

لغات:۔ قولہ "ینبعث" انبعاث کے معنی جاگنے، روانہ ہونے، زندہ ہونے، تیز چلنے اور اٹھنے کے آتے ہیں یہاں یہی آخری معنی مراد ہے ای یخرج۔ قولہ: "کذّابون" یہ اور "دجّالون" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں ثانی پہلے کی تاکید معنوی ہے دجل کے معنی خلط کرنے، فریب اور جھوٹ کے آتے ہیں، دجّال اصل میں گوبر پر سونے کے پانی چڑھانے کو کہتے ہیں یعنی ملمّع ساز۔ قولہ: "یزعم" زعم اعتقاد فاسد کو بھی کہتے ہیں اور نفس قول کو بھی یہاں مراد جھوٹا دعوی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ دجال اصل میں مسیح کذّاب کا لقب ہے جب مطلق بولا جائے تو وہی مراد ہوتا ہے مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جب کوئی بڑا واقعہ ہوتا ہے تو اس سے پہلے اس کے آثار رونما ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دجال اعظم سے قبل نسبۃً چھوٹے چھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو نبوت کے دعویدار ہوں گے ان میں سے تین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ظاہر ہوئے تھے ایک اَسود عنسی اور دوم مُسیلمہ کذاب، اسود کو فیروز نے قتل کیا تھا جس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی قاصد آنے سے پہلے ہوگئی تھی جب قاصد پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا جبکہ مسیلمہ جنگ یمامہ میں مارا گیا تھا یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی ایام کی بات ہے، جبکہ تیسرا شخص طلیحہ اسدی بھی مدعی نبوت ہو گیا تھا مگر وہ عہد فاروقی میں توبہ تائب ہو گیا تھا۔ غرض دجال اعظم تک یہ تعداد پوری ہو جائے گی بعض روایات میں تعداد ستائیس آئی ہے جن میں چار عورتیں ہوں گی لہٰذا باب کی زیر بحث روایت اگلی روایت کے لئے شارح ہوگی یعنی تقریباً تیس، جہاں تک دجال اکبر کی بات ہے تو وہ دعوائے الوہیت بھی کرے گا۔ کما سیأتی فی بابہ

بعض روایات میں ستر کی تعداد آئی ہے مگر وہ روایت اولاً تو صحیح نہیں یا پھر وہ چھوٹے یعنی تیسرے درجے کے دجال ہوں گے پس کہا جائے گا کہ سب سے بڑا دجال تو وہ ہوگا جو بالکل آخر میں آئے گا اور جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، دوسرے درجے کے وہ ہوں گے جو تقریباً تیس ہوں گے جبکہ تیسرے درجے والے تیس سے زیادہ ہوں گے جن کا دعویٰ نسبتاً کم درجے کا ہوگا مثلاً مہدی اور مجدد وغیرہ کا دعویٰ۔

حدیث آخر:۔ "عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لاتقوم الساعة حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی یعبُدُوا الاوثان، وانه سیکون فی امتی ثلاثون کذّابون کلهم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیّن لانبی بعدی". (صحیح)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے بہت سے قبائل مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے، اور حتی کہ لوگ (قبائل والے) بتوں کی عبادت کرنے لگ جائیں گے۔ اور یہ کہ عنقریب میری امت میں تیس انتہائی جھوٹے نکلیں گے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں تمام انبیاء میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

تشریح:۔ یہ فتنۂ ارتداد کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے متصل

Maktaba Tul Ishaat.com

رونما ہوا تھا، مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور وفات کے بعد کے حالات کے بارے میں ہے کہ لوگ تیزی سے مرتد ہوں گے اور بتوں کی عبادت کریں گے انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

قولہ :"انا خاتم النبیین" خاتم بکسر التاء وفتحہا دونوں پڑھنا جائز ہے تاہم مشہور فتحہ ہے، یہ کہنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی تا کہ کسی کو ان کذابوں کی چرب زبانی سے سچ کا گمان پیدا نہ ہو، جیسا کہ بہت سے لوگ قادیانی کے جالِ وبال میں پھنس گئے اگر ان جاہلوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اور ختم نبوت پر یقین وایمان ہوتا تو کبھی بھی غلام احمد ملعون کی باتوں پر کان نہ دھرتے، ختم نبوت کے اور بھی بہت سارے دلائل ہیں اور امت کا متفقہ عقیدہ ہے مگر یہ موقعہ اس کے بیان کا نہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ غلام احمد قادیانی تک مدعیان نبوت کی تعداد ستائیس تک جا پہنچی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قادیانی خاتم المتنبیین المضلین ثابت ہوتا ہے یا اس کے کچھ اور بھائی بھی آئیں گے جو گندی میراث کے وارث ہونگے اگر وہ دجال اکبر سے پہلے کے سلسلے کی آخری کڑی ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ دجال اکبر کا زمانہ بہت قریب ہے۔

باب ماجاء فی ثَقیف کذّاب ومُبِیر

بنوثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک سفاک ہے

"عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :فی ثقیف کذّاب ومُبِیر"(حسن غریب)....ویقال الکذّاب المختار بن ابی عبید والمبیر الحجاج بن یوسف.....عن ہِشام بن حسان قال اَحصُوا ماقتل الحجاج صَبراًفبلغ مائة الف وعشرین الف قتیل".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثقیف میں ایک بہت جھوٹا اور ایک سَفّاک ہوگا...کہا جاتا ہے کہ جھوٹا مختار ہے اور سفاک حجاج ہے، ہشام نے کہا کہ گنو حجاج نے جو صرف نہتے اور بے گناہوں کو قتل کیا ہے ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔

لغات:۔قولہ:"مبیر" بضم المیم وکسر الباء وہ شخص جو قتل وسفاکی میں بہت مبالغہ کرتا ہو۔

قولہ:"صبراً" بفتح الصاد وسکون الباء جو شخص کسی لڑائی اور غلطی کے بغیر مارا جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ثقیف طائف کے ایک قبیلے کا نام ہے جو اپنے جداعلیٰ کی طرف منسوب ہے یہ روایت اگر چہ عبداللہ بن عُصم کی وجہ سے سنداً کمزور سی ہے مگر دوسرے طرق کی بناء پر امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے، اسی وجہ سے حضرت اسماء نے حجاج سے کہا تھا: "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: فی ثقیف کذاب ومبیر فانت المبیر" اس پر حجاج نے غلط تاویل کر کے جواب دیا کہ میں منافقین کا مبیر یعنی قاتل ہوں۔ یہ اپنا عیب چھپانے کی غرض سے کہا تھا، حجاج بن یوسف کے ظلم کی داستانیں مشہور ہیں اس لئے وہ ظلم میں ضرب المثل بن گیا، حضرت شاہ صاحبؒ العرف میں فرماتے ہیں: "ویروی عن احمد بن حنبل ان حجاجاً کافر"۔ابن العربیؒ عارضہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"والحجاج ظالم متعدّ ملعون علی لسان النبی علیہ السلام من طرق، خارج عن الاسلام عندی باستخفافہ بالصحابۃ کابن عمر وانس".

شاید امام احمد کا مطلب بھی یہی ہو کہ وہ صحابہ کرام کی توہین کی وجہ سے کافر ہوا تھا۔ واللہ اعلم

ثقیف کا دوسرا آدمی مختار بن ابی عبید ہے اس کی ولادت ہجرت کے سال ہوئی تھی مگر صحبت ثابت نہیں اس کے والد اجل صحابہ میں سے تھے۔ اور اس کی بہن صفیہ بنت ابی عبید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی تھیں جو بڑی زاہدہ خاتون تھیں، مختار نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قصاص اور بدلے کا نعرہ بلند کر کے حب مال وجاہ کی بناء پر شہرت و دولت کے لئے ایک سیڑھی لگائی اور اس کی آڑ میں شہرت و دولت بھی پائی مگر حقیقت میں وہ جھوٹا ہی تھا حتی کہ وہ حضرت جبریل سے ملاقات کا ڈھونگ بھی رچاتا۔ اور بد باطن کو چھپاتا۔

باب ماجاء فی القرن الثالث

قرن سوئم کا بیان

"عن عمران بن حصین قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، ثم یأتی من بعدھم قوم یتسمّنون ویحبّون السِمَنَ یعطون الشھادۃ قبل ان یسألوھا".

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ سب سے اچھے لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ ہیں جو ان کے بعد ہیں پھر وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

لوگ ہیں جوان کے بعد آئیں گے، پھران (تبع تابعین) کے بعد ایسے لوگ (قوم) آئیں گے جو موٹا بننے کی کوشش کریں گے اور موٹاپا پسند کریں گے، وہ گواہی دیں گے قبل اس کے کہ ان سے گواہی کا مطالبہ کیا جائے۔

دوسری حدیث:۔ دوسری حدیث بھی ان ہی سے مروی ہے جس کے الفاظ تھوڑے سے مختلف ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خیر امتی القرن الذی بُعِثتُ فیهم ،ثم الذین یلونهم ولااعلم اَذَکر الثالث ام لا،ثم ینشوء اَقوام یَشهَدُون ولایُستَشهَدُونَ ویخونون ولایؤتمنون ویفشُوفیهم السِمَنُ". (حسن صحیح)

میری امت کا بہترین زمانہ وہ ہے (یعنی سب سے اچھے لوگ وہ ہیں) جس میں میں بھیجا گیا ہوں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد ہوں گے حضرت عمران فرماتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن ثالث کا ذکر فرمایا یا نہیں پھر ایسی قومیں پیدا ہوں گی جو گواہی دیں گی (یعنی از خود) حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جارہی ہوگی اور وہ خیانت کریں گی جب کہ ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔

لغات:۔ **قولہ:** "قرنی" قرن زمانے کے اس حصے کو کہتے ہیں جس میں ایک پیڑھی یعنی نسل اور ہم عصر آکر ختم ہو جائیں جو عموماً سو سال کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ **قولہ:** "یتسمّنون" باب تفعل میں تکلف کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی ان کا موٹاپا طبعی نہیں ہوگا بلکہ زیادہ کھانے کے شوق اور حرص کا نتیجہ ہوگا، یہ لفظ سمن سے مشتق ہے جو بکسر السین وفتح المیم ہے موٹاپے کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "ثم ینشؤ "ای یخلق. **قولہ:** "ولایؤتمنون" یعنی لوگ ان پر عدم اعتماد کی وجہ سے ان کو امین نہیں سمجھیں گے۔ **قولہ:** "ویفشوفیهم" ای یظهر۔

تشریح:۔ یہ حدیث متعدد طرق میں شک کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرن ثالث کا ذکر فرمایا ہے یا نہیں مگر بہت سے طرق میں بغیر شک کے بھی آئی ہے خود حضرت عمرانؓ کی حدیث امام ترمذیؒ نے آگے ابواب الشہادات میں ذکر فرمائی ہے اس میں قرون ثلاثہ کا ذکر بغیر شک کے آیا ہے اسی طرح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

قال رجل یارسول اللّٰہ!اَیُّ الناس خیر قال "القرن الذی انافیه ثم الثانی ،ثم الثالث".

لہٰذا کہا جائے گا کہ آپ علیہ السلام کا عہد پاک اور مابعد کے دو قرنیں، اپنے، ماضی و مستقبل کے تمام

Maktaba Tul Ishaat.com

زمانوں سے افضل اور مشہود لھا بالخیریت ہیں ان میں الاول فالاول بہتر ہے۔

صحابہ کرام کا قرن ۱۱۰ھ ہجری پر ختم ہوا ابناء مشہور اور تبع تابعین کا دوسو بیس ۲۲۰ھ پر منقطع ہوا اس کے بعد وہی حالات رونما ہو گئے جن کی آپ علیہ السلام نے اس حدیث میں پیش گوئی فرمائی تھی، تاہم ان تمام ادوار میں یہ بات طے ہے کہ جو وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے جتنا قریب تر رہا یا ہوگا وہ ہر آنے والے وقت سے افضل ہے اور رہے گا، اور یہ فرق مجموعی اعتبار سے رہتا ہے ورنہ اچھے زمانہ میں کسی بُرے شخص کی موجودگی اور بُرے وقت میں اچھے لوگوں کا ہونا ممکن بھی ہے اور واقع بھی چنانچہ قرن اول میں بعض لوگ نفاق کے مرض میں مبتلاء رہ چکے ہیں جب کہ بدترین زمانہ میں نیک اور صالح لوگ پائے جاتے ہیں گو ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

جس زمانہ میں بُرے لوگ ہوں گے ان کے اندر کون سا عیب ہوگا جس کی بناء پر وہ ناپسندہ ٹھہرا دیئے گئے تو یہاں ان کی تین خامیاں ذکر کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وہ موٹے ہوں گے جو زیادہ کھانے کی وجہ سے اس مذموم شرعی مقام تک جا پہنچے ہوں گے یعنی انہوں نے اپنا نصب العین اور زندگی کا مقصد کھانے پینے کی اشیاء میں توسع بنایا ہوگا جو آج کل کہیں بھی دیکھا جا سکتا ہے حتی کہ زیادہ کھانے پینے سے نہ صرف وہ موٹے ہو گئے بلکہ شوگر کے بھی وہ شکار ہو گئے، البتہ جو شخص پیدائشی طور پر صحت مند ہو اور اس کا وزن بھی زیادہ ہو وہ اس وعید میں نہیں آتا کیونکہ مذموم فقط موٹاپا نہیں بلکہ کھانے پینے میں توسع ہے، عارضہ میں ہے:

"وانما ذکر حب السمن لان المؤمن حسبه لُقیمات یقمن صلبه فان کان ولابُدّ فثُلث طعام وثُلث شراب وثُلث نفس فاما موالاة الشبع والرفاهیة فمکروه واما محبة السِمَن فهی مکروهة فی النفس محبوبة فی الغیر کالزوجة والجاریة" الخ.

الاشباہ والنظائر میں علامہ ابن نُجیم رحمہ اللہ قاعدہ ثانیہ: "الامور بمقاصدھا" کے تحت لکھتے ہیں:

"قالوا الاکل فوق الشبع حرام بقصد الشهوة وان قصد به التَّقَوِّی علی الصوم او مؤاکلة الضیف فمستحب". (ص:۳۳)

یعنی شہوت میں اضافے، موٹاپے اور دیگر مذموم مقاصد کے لئے زیادہ کھانا حرام ہے جب کہ نیک مقصد کے تحت نہ صرف جائز بلکہ حسب اہمیت مقصد عبادت ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حاشیہ ترمذی میں دوسرا مطلب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ اپنی مدح کریں گے اور پسند بھی کریں گے کہ وہ لوگوں سے اپنی تعریفات سنیں حالانکہ وہ ان صفات سے خالی ہوں گے، افسوس ہے کہ کم از کم یہ دونوں باتیں اکثر علماء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فیا اسفا ثم وثم

اس حدیث میں دوسرا عیب گواہی میں پیش پیش رہنا ہے جب کہ اس کا مطالبہ ان سے نہیں ہوگا، ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ مراد یا تو جھوٹی شہادت ہے جس کا مطالبہ نہیں تھا یا پھر جھوٹی قسمیں ہیں جو فساد زمانہ کا اثر ہے کیونکہ اس میں تہمت زیادہ ہوگی اور اعتماد کم جیسا کہ یہ تیسرا عیب ہے کہ وہ لوگ خائن ہوں گے اس لئے ان پر بھروسہ نہیں کیا جائے گا آج کل یہ عیب بھی عام ہے کہ آدمی اپنے پدر شفیق اور رفیق حیات کے ساتھ بھی مخلص نہیں رہا بے شمار واقعات اس پر شاہد ہیں ایسے میں اعتماد کہاں؟

باب ماجاء فی الخُلفاء

خلفاء کا بیان

"عن جابر بن سَمُرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :یکون من بعدی اثناعشر امیراً قال ثم تکلم بشئی لم افهمه فسألت الذی یلینی فقال:قال: کلهم من قریش".(حسن صحیح)

حضرت جابر بن سَمُرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد بعد بارہ امیر ہوں گے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات ارشاد فرمائی جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ پس میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سارے قریش میں سے ہوں گے، مسلم میں ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ: **ماقال؟قال کلهم من قریش.**

تشریح:۔اس حدیث کے مطلب میں متعدد اقوال ہیں جن میں قابل ذکر دو ہیں: ایک قول یہ ہے کہ یہ بارہ امام زمانہ غلبۂ اسلام میں مراد ہیں پس حاصل یہ ہے کہ میرے بعد بارہ امام ایسے ہوں گے جن کی امامت پر امت کا اتفاق اور بیعت پر سب کا اِطباق ہوگا یہ رائے اصلاً قاضی عیاض رحمہ اللہ کی ہے جسے ابن حجر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور امام نووی نے بھی شرح مسلم میں نقل کیا ہے اسی طرح حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے تاریخ

Maktaba Tul Ishaat.com

الخلفاء میں ذکر کیا ہے۔(دیکھئے نووی بر مسلم ص:۱۱۹ج:۲ وتاریخ الخلفاء ص:۹)اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ "کلهم تجتمع علیه الامة "ایک طریق میں ہے:"کلهم یجتمع علیه الناس"۔

علی ہذا ان کی ترتیب یہ ہوگی ،ابوبکر،عمر،عثمان،علی،معاویہ(بعد صلح الحسن)یزید،عبدالملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر، پھر عبدالملک کے چار بیٹے ولید،سلیمان، یزید، ہشام،تاہم سلیمان اور یزید کے درمیان عمر بن عبدالعزیز بھی آئے ہیں والثانی عشر ھوالولید بن یزید بن عبدالملک۔

تاہم یہ تعداد بارہ سے زیادہ ہے بعض حضرات نے بنوامیہ کے بعض ناموں میں اختلاف کیا ہے اور خلافت کا دامن بنوعباس تک پھیلایا ہے بعض نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو بھی شامل کیا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ بارہ کا عدد کم از کم ہے اس سے زیادہ کی نفی مراد نہیں ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے(دیکھئے فتح الباری جلد:۱۳ص:۲۶۳) سے آگے طبع قدیمی:

"وفیه....الی ان لم یبق من الخلافة الاّالاسم فی بعض البلادبعدان کانوافی ایام بنی عبدالملک بن مروان یخطب للخلیفة فی جمیع اقطار الارض شرقاًوغرباًوشمالاًویميناًمماغلب علیه المسلمون ولایتولیٰ احدفی بلدمن البلاد کلهاالاامارة علی شئ منهااِلّابامر الخلیفة "الخ .

دوسرا قول یہ ہے کہ مراد مطلق بارہ کی تعداد ہے اس میں کسی زمانے کی تخصیص ملحوظ نہیں بلکہ اسلام کی ابتداء سے انتہاء تک پورے دور میں یہ تعداد مکمل ہوگی اس توجیہ کے مطابق مراد وہ خلفاء ہوں گے جنہوں نے حق وصداقت اور عدالت کی مستحکم بنیادوں پر قائم عمارت خلافت کا بھرپور خیال رکھ کر قرآن وسنت کے اصول،کلیات وجزئیات کا استعمال کیا ہو اگرچہ ان کی خلافت پر سب کا اتفاق نہ رہا ہو سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں اور دیگر حضرات لکھتے ہیں:

" ویؤیدهذاماخرجه مسدّدفی مسنده الکبیرعن ابی الخلدانه قال :لاتهلک هذه الامة حتی یکون منهااثناعشرخلیفة کلهم یعمل بالهُدیٰ ودین الحق منهم رجلان من اهل البیت محمد(صلی اللّٰہ علیه وسلم) .

پھر آگے لکھتے ہیں کہ وہ بارہ یہ ہیں:

خلفاء اربعه والحسن ،ومعاویة،وابن الزبیروعمربن عبدالعزیزهؤلاء

Maktaba Tul Ishaat.com

ثمانية ويحتمل ان يضم اليهم المهتدى من العباسين لانه فيهم كعمر بن عبدالعزيز في بني امية وكذالك الطاهر لما اوتيه من العدل وبقي الاثنان المنتظران احدهما المهدى لانه من آل بيت محمد صلى الله عليه وسلم".

(ص ۱۰)

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر مراد وہ خلفاء ہوں جن کی خلافت وبیعت پر اتفاق ہوا اور ان کی وجہ سے اسلام کی شوکت ودبدبہ قائم رہا ہو تو پھر پہلا قول ہے اور اگر عدل وحقانیت مراد ہو تو پھر دوسرے قول میں مندرج حضرات ہیں۔ واللہ اعلم، بہرحال شیعوں کا قول قابل التفات نہیں۔

دوسری حدیث:۔ "عن زياد بن كُسَيب العدوي قال كنتُ مع ابي بكرة تحت منبر ابن عامر وهو يخطب وعليه ثياب رِقاق فقال ابو بلال انظروا الى امير نا يلبس ثياب الفساق فقال ابو بكرة: اُسكُت اسمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من اَهان سلطان الله في الارض اهانه الله". (حسن غريب)

حضرت زیاد بن کسیب فرماتے ہیں کہ میں ابوبکرہؓ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا جب کہ ابن عامر باریک (قیمتی) کپڑے پہنے ہوئے تھے تو ابوبلال نے کہا ہمارے امیر کو دیکھو کہ فاسقوں کا لباس پہنتا ہے اس پر ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص زمین پر اللہ کے (بنائے ہوئے) بادشاہ کی توہین کرتا ہے اللہ اس شخص کو ذلیل کرتا ہے۔

تشریح:۔ "كسيب" بروزن زبیر، ثیاب رقاق کے لغوی معنی باریک کپڑوں کے ہیں ہوسکتا ہے کہ یہ ریشمی کپڑے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ریشمی نہ ہوں مگر صلحاء کے لباس سے مختلف ہوں کیونکہ صلحاء عام کپڑے زیب تن فرماتے جو قیمت ونفاست میں اعلیٰ نہ تھے مگر ابن عامر نے بہت اعلیٰ لباس اختیار کیا جو محنت سے بنایا گیا تھا یہ دنیاداری کی علامت ہے۔

چونکہ بادشاہ کے قیام کا اصل مقصد اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام نافذ کرنا اور لوگوں تک عدل وانصاف پہنچانا ہے اس لئے وہ سلطان اللہ بالاضافۃ کہلاتا ہے جیسے تشریفاً ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا جاتا ہے اس لئے ایسے سلطان کی تعظیم اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعظیم کے ضمن میں آتی ہے پس جو شخص اس کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا اللہ کی عزت نہیں کرتا اس لئے بطور مکافات ومجازات من جانب اللہ اس کی توہین ہوگی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

"قال فی العارضة فمن کان بهذه الصفة فهو خلیفة الله، ومن عصاه فهو خلیفة الشیطان".

المستر شد:۔ ہمارے زمانے کے حکام وامراء اگر چہ مذہب سے کافی دور رہتے ہیں مگر رعایا میں بھی ایک بیماری عام ہے جو عجم میں بڑے پیمانے پر اور خصوصاً جنوبی ایشیا میں جہاں انگریزوں کی جمہوریت نے ہمارے اخلاق اور اسلامی اقدار کا ستیاناس کر دیا ہے پائی جاتی ہے کہ حکام کو بُرا بھلا کہنے کی ایک عادت بن چکی ہے حتی کہ اسے منابر پر بھی ضروری سمجھا جاتا ہے اگر یہ چیز رَدّ منکر کے طور پر ہو اور نکیر کرنے والا بذات خود منکرات سے پاک ہو تو یہ امر مستحسن ہے مگر اس کو خواہ مخواہ کے لئے شغل بنانا یا سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے یہ رویہ اپنانا عیب ہے۔

باب ماجاء فی الخلافة

خلافت کا بیان

"عن سعید بن جُمهان قال ثنی سفینة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم مُلکٌ بعد ذالک، ثم قال لی سفینة: امسِک خلافة ابی بکر ثم قال وخلافة عمر وخلافة عثمان ثم قال: اَمسِک خلافة عَلیّ فوجدناها ثلٰثین سنة قال سعید فقلتُ له: ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم، قال: کذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوک من شر الملوک".

حضرت سعید بن جمہانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خلافت میری امت میں تیس سال تک رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی پھر سفینہ نے مجھ سے کہا کہ گنو خلافت ابی بکر (کی مدت) پھر فرمایا اور خلافت عمر (گن) اور عثمان کی خلافت پھر فرمایا شمار کرو علی کی خلافت پس ہم نے وہ (مدت) خلافت تیس سال کے مطابق پائی۔ سعید کہتے ہیں کہ میں نے ان (سفینہ) سے کہا کہ بنو امیہ تو دعوی کرتے ہیں کہ خلافت تو ان میں بھی ہے انہوں نے فرمایا بنو الزرقاء جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ تو بڑے بادشاہوں میں سے بادشاہ لوگ ہیں۔ یعنی دنیوی بادشاہوں کی طرح مرضی کی حکومت

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے ہیں۔

تشریح:۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا تعارف (جلد اول ۲۰۷ "باب الوضوء بالمد") میں گذرا ہے ان کے اصل نام کے بارے میں ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ کسی نے ان سے نام پوچھا تو انہوں نے بتانے سے انکار کیا کہ آپ علیہ السلام نے میرا نام سفینہ رکھا ہے اس لئے دوسرا کوئی نام پسند نہیں کرتا۔

قولہ: "الخلافة فی امتی ثلاثون سنة" یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ خلافت تو تیس سال کے مابعد تک جاری رہی ہے جیسا کہ گزشتہ باب کی حدیث سے معلوم ہوا پھر تیس کی تحدید کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ خلافت مرضیہ تیس سال تک رہے گی یعنی ایسی خلافت جس میں سنت قائمہ سے ذرا بھی انحراف نہ ہو بلکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہج ومنہاج پر سو فیصد قائم ہو جب کہ مابعد از تیس میں بعض اشیاء بھی شامل ہو جائیں گی چنانچہ الکوکب الدری میں اس کو یوں بیان کیا ہے:

"ای لایبقی الامراء بعدذالک علی سِیَر الخلفاء وان کان التغیریسیراً کمافی معاویة رضی اللہ عنه وابن ابنه معاویة بن یزید".

دوسرا جواب یہ ہے کہ خلافت راشدہ متصل یعنی بلا انقطاع تو تیس سال تک رہے گی اس کے بعد کبھی ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی کذا فی الکوکب وغیرہ۔

یہ دونوں جواب اس پر مبنی ہیں کہ اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیا جائے مگر محقق عبدالرحمٰن بن خلدون نے اس سے اختلاف کیا ہے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت کے تحت اس پر بہت زیادہ زور لگایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کسی طرح خلفاء سابقین سے کم نہ تھی وہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی طرف توجہ نہیں دینی چاہئے کہ یہ ضعیف ہے:

"ولاینظرفی ذالک الی حدیث: "الخلافة بعدی ثلاثون "فانه لم یصح .

(دیکھئے تاریخ ابن خلدون ص ۱۲۶ ج ۲، دار الکتب العلمیۃ)

مگر ابن خلدون اس حکم میں ہمارے علم کے مطابق متفرد ہیں عام محدثین نے اس حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن کہا ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بھی اس کو حسن قرار دیا ہے، ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اور امام احمد نے بھی اس کی تخریج فرمائی ہے اگرچہ اس میں حشرج اور سعید بن جُمہان صدوق ہیں مگر روایت کے طرق متعدد ہیں۔ لہٰذا پہلے دو جواب ہی متعین ہو گئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "امسک" یعنی انگلیوں پر شمار کرتا کہ حساب میں غلطی نہ آئے، پھر تیس سال تک خلفاء اربعہ کی خلافت شمار کی تاہم اس مدت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے چھ ماہ اور چند دن بھی شامل ہیں چنانچہ دو سال سے کچھ زائد حضرت ابوبکرؓ کے ہیں ساڑھے دس سال حضرت عمرؓ کے ہیں، تقریباً بارہ سال حضرت عثمانؓ کے ہیں، پھر تین ماہ کم پانچ سال حضرت علیؓ کے ہیں۔

قولہ: "بنو الزرقاء" زرقاء بنو اُمیہ کی جدات میں سے ایک خاتون کا نام ہے، اس جملے "کذبوا بنو الزرقاء" کی ترکیب میں جمع کی ضمیر اسم ظاہر فاعل پر مقدم کی گئی ہے ابن العربی عارضہ میں لکھتے ہیں کہ سیبویہ اس پر استشہاد کے لئے "اکلونی البراغیث" کے محتاج ہوئے "والقرآن وعامۃ الحدیث یشھدلھاوھی فصیحۃ ملیحۃ".

قولہ: "وفی الباب عن عمرو علیؓ قالا: لم یعھدالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلافۃ شیئاً" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نہیں فرمائی ہے۔ یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم الجمل میں فرمایا ہے، سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مراد وفات کے وقت نفی وصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عندالوفات کسی خلیفہ کا تعین نہیں فرمایا لہٰذا اس روایت کی ان روایات سے کوئی منافات وتعارض نہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ وفات کے وقت نہیں بلکہ پہلے کی ہیں۔ (راجع للتفصیل تاریخ الخلفاء ص ۶، قدیمی کتب خانہ)

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال قیل لعمر بن الخطاب: لو استخلفتَ؟ قال: ان استخلفتُ فقد استخلفَ ابوبکر وان لم اَستخلِف لم یستخلِف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (صحیح) کذافی الصحیحین.

اس حدیث میں لفظ "لو" کو تمنا یہ کے بجائے شرطیہ بنانا زیادہ اچھا ہے پس جواب محذوف ہوگا یعنی لکان حسناً یعنی اگر آپ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کر لیتے تو بہت اچھا ہوتا تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہو جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں بناؤں تو بھی ٹھیک ہے کہ ابوبکرؓ نے بنایا تھا اور اگر نہ بناؤں تو بھی درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بنایا تھا، مطلب یہ ہے کہ میرے سامنے دو صورتیں ہیں اور دونوں سنت اور درست ہیں اس لئے مجھے اختیار ہے اور کوئی تنگی نہیں ہے۔ اس کا ایک مطلب تو وہی ہوا جو اوپر گذر گیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عندالوفات کسی کو نہیں بنایا ہے، دوسرا مطلب ابن العربی نے عارضہ میں بیان کیا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

وسلم نے کسی کو صریح طور پر خلیفہ نہیں بنایا ہے۔ جہاں تک اشارے کا تعلق ہے تو اس کی نفی یہاں مراد نہیں، الکوکب میں ہے کہ اس میں جواز تقلید کی طرف اشارہ ہے۔

بہر حال صحابہ کرامؓ کے متفقہ فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنا لازمی ہے اور شیعہ وروافض نے اس بارے میں جو روایات گھڑ لی ہیں وہ قطعاً قابل التفات نہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصب امام کی ذمہ داری چھ رکنی شوریٰ پر ڈالی تھی اس لئے یہ طریقہ بھی صحیح ثابت ہوا۔ "فیجب علی کل مسلم التسلیم لذالک".

(عارضۃ الاحوذی)

باب ماجاء ان الخُلَفاء من قریش الی ان تقوم الساعة

خلفاء قریش میں سے ہوں قیامت تک

"عن حبیب بن الزبیر قال سمعت عبداللہ بن ابی الھزیل یقول: کان ناس من ربیعة عندعمرو بن العاص فقال رجل من بکر بن وائل :لَتَنتَھَیَنَّ قریش اولیجعلنَّ اللہ ھذا الامر فی جمھور من العرب غیرھم ،فقال عمرو بن العاص : کذبتَ اسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول: قریش وُلاۃ الناس فی الخیر والشر الی یوم القیٰمة ". (حسن صحیح غریب)

حبیب بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی الھزیل سے یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ربیعہ قبیلہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے تو بکر بن وائل نامی قبیلہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا تو قریش (اپنی حرکات سے) بالکل ہی باز آجائیں یا پھر اللہ تعالیٰ یہ امر (خلافت) قریش کے علاوہ باقی سب عربوں میں منتقل فرمادیں گے، اس پر عمرو بن العاصؓ نے فرمایا تم نے غلط بات کہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ قریش قیامت تک لوگوں کے والی (حکمران) ہوں گے خیر میں بھی اور شر میں بھی۔

تشریح:۔ بکر بن وائل ربیعہ قبیلے کی ذیلی شاخ ہے یہ لوگ قریش کی ہمسری کے دعویدار تھے مگر حقیقت میں قریش ان سے بہت آگے تھے اگر چہ ربیعہ والے قریش کے اعمام تھے، چونکہ عمومی طور پر رعایا کو ارباب اختیار واقتدار سے عدم مساوات کی شکایات رہتی ہیں اس لئے انہوں نے قریش پر اعتراض کیا کہ وہ اپنی زیادتیوں سے باز آجائیں ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے حکومت لے کر باقی عربوں کو دے دیں گے حالانکہ واقعہ میں ایسا نہ تھا، حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس آدمی کے قول کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ خلافت وسلطنت تو قریش کا حق ہے جیسے

Maktaba Tul Ishaat.com

وہ جاہلیت میں اس کے مستحق تھے تو خیر یعنی اسلام میں بھی وہ اس کے مستحق ہیں وہ الگ بات ہے کہ کوئی متغلبہ ان پر غالب آ کر ان کا یہ حق چھین لیں مگر حدیث باب کی رو سے یہ حق قیامت تک قریش کے پاس ہونا چاہئے کیونکہ ان کے اندر صداقت وعدالت اور شجاعت وغیرہ کی وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو حکمران کے لئے لازمی ہیں جب کہ باقی لوگ مجموعی اعتبار سے ان خوبیوں سے محروم ہیں ہاں اگر چہ کسی جزوی مسئلہ میں یا غلبہ کی صورت میں غیر قریش کی امارت بھی واجب الاطاعت ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو عقائد نسفی اور شرح عقائد میں امامت کی بحث میں ہے:

"ویکون من قریش ولایجوز من غیرھم ولایختص ببنی ھاشم واولادعلیؓ یعنی یشترط ان یکون الامام قریشیاًلقولہٗ:الائمة من قریش وھذاوان کان خبراًواحداًلکن لمارواہ ابوبکر محتجاً بہ علی الانصارولم ینکرہ احدفصارمجمعاًعلیہ ولم یخالف فیہ الاالخوارج وبعض المعتزلة ولایشترط ان یکون ھاشمیاًاوعلویاً"الخ.

اسی طرح عارضہ، شرح مسلم ودیگر میں اجماع کا قول کیا گیا ہے۔اس مسئلہ سے متعلقہ بحث اور سوال وجواب "باب ماجاء فی طاعة الامام" میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(دیکھئے تشریحات ص:۵۲۰ جلد:۵)

باب کی دوسری حدیث:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ختم نہیں ہوں گے رات دن حتی کہ مالک ہو جائے گا (یعنی والی وبادشاہ بن جائے گا) ایک شخص عجمیوں میں سے جس کو جہجاہ کہا جائے گا۔

تشریح:۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے اگر چہ اس کا اطلاق عموماً غلاموں پر ہوتا ہے مگر یہاں مراد اعاجم ہیں، بعض روایات میں ہائے ثانیہ نہیں یعنی جہجا ہے مسلم کی روایت میں جَہجَاہ ہے، ایک اور صحیح حدیث میں ہے: "لاتقوم الساعة حتی یخرج رجل من قحطان یسوق الناس بعصاہ" چنانچہ اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جہجاہ وہی قحطانی ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ حکمران ہوں گے پھر اس حدیث کا یہ مطلب نہیں لینا چاہئے کہ ایسا کرنا جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہوگا کہ زمام حکومت عربوں اور خصوصاً قریش کے ہاتھوں سے نکل کر اعاجم کے پاس چلی جائے گی جو علامات قیامت میں سے ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ شاید یہ دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رونما ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی الائمة المضلّین

گمراہ کرنے والے حکمرانوں کے بارے میں

"عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :انمااخاف علی امتی اَئمةَ مضلین قال وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاھرین لایضرھم من خَذَلھم حتی یأتی امر اللّٰہ". (حدیث صحیح)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے حکمرانوں سے خوف کرتا ہوں اور فرمایا کہ میری امت کی ایک جماعت مسلسل حق پر قائم اور باطل پر غالب رہے گی نقصان نہیں پہنچا سکے گا ان کو وہ شخص جو ان کی مدد کرنا چھوڑ دے گا تا آنکہ اللہ کا حکم آجائے۔

تشریح:۔اس حدیث کے دوسرے حصے کی تشریح "باب ماجاء فی اہل الشام" میں عنقریب گذری ہے فلانعیدھا جہاں تک پہلے حصے کا تعلق ہے تو یہ پیش گوئی بھی صادق آئی ہے دونوں پیش گوئیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہیں۔اس حدیث میں ظاہرین خبر ثانی بھی بن سکتا ہے اور حال بھی پھر غلبہ باعتبار حجت ہمیشہ رہے گا جب کہ باعتبار قوت وسلطنت کے کبھی ہوگا جب صلاح ہو اور کبھی نہیں ہوگا جب فساد ہو۔

باب ماجاء فی المھدی

مہدی کے بارے میں

"عن عبداللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :لاتذھب الدنیاحتی یملک العربَ رجلٌ من اھل بیتی یواطئی اسمہ اسمی". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ عربوں کا حکمران بن جائے گا میرے اہل بیت میں سے ایک شخص جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔

باب کی تیسری روایت میں ہے کہ اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن بچ جائے تو بھی اللہ اس کو لمبا فرمادیں

Maktaba Tul Ishaat.com

گے یہاں تک کہ یہ شخص (یعنی مہدی) والی بن جائے۔

تشریح:۔ "لاتذهب الدنيا" ای لاتنقضی یعنی دنیا مہدی کی آمد کے بغیر ختم نہ ہوگی۔ قوله: "يواطئ" وَطأ بمعنی موافقت کے ہے چنانچہ موطأ امام مالکؒ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ جب انہوں نے اپنی کتاب علماء وقت پر پیش کی تو انہوں نے اس سے موافقت فرمائی، حدیث میں عربوں کا ذکر اصالۃً ہے۔

باب کی یہ دونوں روایتیں بتصریح امام ترمذیؒ صحیح ہیں تاہم باب کی آخری حدیث جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے درجۂ حسن کی ہے۔ اس روایت میں مہدی کی تصریح بھی ہے اور مدت ولایت بھی متعین کی گئی ہے تاہم راوی کو شک ہے کہ وہ مدت پانچ یا سات یا نو سال کی ہے اور یہ کہ ان کے پاس ایک شخص آئے گا اور مال (غنیمت و بیت المال) کا مطالبہ کرے گا، حضرت مہدی لپ بھر بھر کر اسے اتنا دیں گے جتنا وہ اپنی چادر میں اٹھا سکے گا۔ یعنی بہت زیادہ عطا فرمائیں گے۔

مہدی کی آمد:۔ حضرت مہدی کے بارے میں اہل علم کی کل ملا کر تین آراء ہیں: ایک جماعت کے خیال میں حضرت مہدی سے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (۲) احادیث صحیح ہیں مگر حضرت مہدی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں۔ (۳) یہ احادیث متواتر ہیں اور حضرت مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مختلف و مستقل شخصیت کا نام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تشریف لائیں گے پھر ان کے بعد دجال کا خروج ہوگا تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور وہی دجال کو قتل کریں گے جیسا کہ ترمذی کے "باب ماجاء فی فتنۃ الدجال" میں تصریح ہے۔

جو حضرات ظہور و آمد مہدی کے منکر ہیں ان میں سرفہرست علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون المؤرخ کا نام ہے جنہوں نے اپنے مقدمہ کی جلد دوم میں مہدی سے متعلق اکیس مرفوع احادیث نقل کر کے ان کے راویوں پر تفصیلی جرح کی ہے اور ان روایات کی تضعیف کے لئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جرح مقدم ہوتی ہے تعدیل پر لہٰذا ایسے مختلف فیہم راوی ضعیف ہی کہلائیں گے، دوم حضرت مہدی سے متعلق احادیث اور دلائل میں شیعہ و روافض پیش پیش ہیں جس سے ان روایات کی توثیق مشکوک ہوگئی ہے، مگر جمہور علماء کرام نے ابن خلدون کے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ اولاً تو ابن خلدون تاریخ و عمرانیات کے ماہر ہیں فقہ و احادیث کے ماہرین میں ان کا شمار نہیں ہوتا، ثانیاً یہ بات صحیح ہے کہ جرح، تعدیل پر مقدم ہوتی ہے لیکن اگر تعدیل مقدم ہو تو مؤخر جرح قابل التفات نہیں ہوتی دوم کبھی راوی ضعیف یا مختلف فیہ ہوتا ہے مگر کثرت طرق اور تعدد متابعات کی وجہ سے وہ درجۂ

Maktaba Tul Ishaat.com

ضعف سے بلند ہو کر درجۂ حسن اور کبھی کبھی اس کی روایت صحت تک جا پہنچتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے باب کی روایت جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے عاصم کے باوجود پر حسن صحیح کا حکم لگایا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث پر حکم کبھی امور خارجیہ کے پیش نظر بھی ہوتا ہے لہٰذا امام ترمذیؒ کا یہ حکم اس کی ایک اور مثال سمجھیں۔

جہاں تک دوسرے فریق کا تعلق ہے کہ مہدی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو اس رائے کو خود ابن خلدون نے بھی رد کیا ہے کہ ظاہر احادیث سے اس تاویل کی صاف نفی ہوتی ہے۔

اب رہا تیسرے فریق کا موقف تو اس بارے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس پر امت کا اجماع ہے اور یہ کہ مہدی سے مراد وہ امام منتظر نہیں جو شیعوں کے من گھڑت عقیدے کے مطابق وہ بارھویں امام غائب ہیں کیونکہ ان کے نزدیک امام غائب کا نام محمد بن الحسن العسکری ہے جب کہ ابوداؤد (جلد:۲ص:۵۸۸) کی روایت میں تصریح ہے کہ:"یواطئی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی "یعنی محمد بن عبداللہ نام ہوگا۔ ہاں جن روایات میں ہے کہ وہ اولاد فاطمہ میں سے ہوں گے، بعض میں "من اولاد الحسن "اور بعض میں "من اولاد الحسین" کے الفاظ آئے ہیں تو اس کا جواب ابن حجر ہیثمیؒ نے یہ دیا ہے کہ ان روایات میں کوئی منافات نہیں کہ ایک ہی شخص میں دو مختلف قبیلوں کے نسب ملنا عام سی بات ہے کہ ماں مثلاً حسنی ہوں اور باپ حسینی، قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مہدی کے بارے میں کل احادیث پچاس مروی ہیں ان میں اٹھائیس آثار ہیں یعنی باقی مرفوع۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہت سے علماء اپنا حساب لگا کر حضرت مہدی کی آمد کے لئے ایک وقت مقرر کرتے ہیں پھر جب وہ وقت گذر جاتا ہے تو ان کے مرید و شاگرد پھر تاویلات کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ایسی پیشن گوئی شیخ اکبر ابن عربیؒ نے بھی کی تھی کہ مہدی ۶۸۳ھ میں آئیں گے مگر وہ صحیح ثابت نہ ہو سکیں، آج کل بھی بہت سے علماء نے اس بارے میں پیش گوئیاں کی ہیں، اس سے گریز کرنا لازمی ہے کیونکہ اس سے عوام کے عقائد متزلزل ہو جاتے ہیں۔ دجال کے بارے میں بھی یہ قاعدہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی نزول عیسیٰ بن مریم

عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

"عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: والذی نفسی بیده لَیُوشِکَنَّ ان ینزل فیکم ابن مریم حَکَماً مُقسِطاًفَیُکسِرُ الصَّلِیبَ ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویَفِیضُ المالُ حتی لایقبله احد". (حسن صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عنقریب ابن مریم تمہارے درمیان ضرور اتریں گے دراں حالیکہ وہ انصاف والے حاکم ہوں گے پس وہ صلیب توڑیں گے اور خنزیر (سور) کو قتل کریں گے اور جزیہ کو ختم کریں گے اور مال غنیمت زیادہ ہو جائے گا حتی کہ کوئی شخص مال کو قبول نہیں کرے گا (یعنی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا)۔

تشریح:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اہل السنہ والجماعت کا متفقہ اور مجمع علیہا مسئلہ ہے اور یہ کہ وہ دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارہ پر فرشتوں کے کندھوں پر دونوں ہاتھوں سے تکیہ لگائے ہوئے جلوہ افروز ہوں گے پھر منارہ سے سیڑھی کے ذریعہ نیچے اتریں گے اور حضرت مہدی کی امامت میں نماز ادا فرمائیں گے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس امت مرحومہ کی صف میں شامل ہو کر بحیثیت امتی خلافت کے فرائض انجام دیں گے اور یہی وجہ ہے کہ وہ یہود کو قتل کریں گے اور ہر اس کافر کو قتل فرمائیں گے یا اسلام پر مجبور فرمائیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول و نبی یا آخری نبی نہیں مانتا، اس لئے ان کے نزول کے بعد پورا کا پورا دین صرف اللہ ہی کے لئے ہوگا جو اسلام ہی ہے باقی کوئی دین اور کسی بھی دین کے پیروکار نہیں رہیں گے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے یعنی زمین پر کہیں بھی اس کے بنانے یا رکھنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں دیں گے جس سے یہود و نصاریٰ دونوں کا زعم باطل ہو جائے گا کیونکہ یہود نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب (جو لکڑی کی مثلث طرز کا آلہ ونشان ہوتا ہے) پر پھانسی دی گئی ہے اور نصاریٰ اس کو مبارک سمجھ کر اس کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں، اسی طرح خنزیر کے قتل میں بھی ان کے زعم کی تردید ہے کہ خنزیر تو حلال نہیں اس لئے اس کے ذبح سے کوئی حلت وذکاۃ حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو مارے جانے کا مستحق ہے تاکہ نہ تو کوئی اسے پال رکھے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا استفادہ کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

رہا جزیہ ختم کرنے کا مسئلہ تو اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہئے کہ حضرت عیسی علیہ السلام جزیہ کو منسوخ کریں گے کیونکہ وہ تو پورے کے پورے اسلام کے پابند ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کافر ختم ہو جائیں گے تو جزیہ خود بخود ختم ہو جائے گا جیسے مؤلفۃ القلوب کا حکم ہے یا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کا حکم بیان فرمایا کہ یہ حکم حضرت عیسی علیہ السلام تک رہے گا اور ان کے نزول کے ساتھ ختم ہو جائے گا پس یہ تنسیخ حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف سے نہیں بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور انہوں نے پہلے ہی اس کا حکم بتلا دیا۔

نزول عیسیٰ اور حکمت باری:۔ ویسے تو اللہ رب العزت کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور عالمین میں جو کچھ رونما ہوتا ہے اس میں بے شمار حکمتیں اور بے تحاشا راز پنہاں ہوتے ہیں خصوصاً عالم اسباب میں تو ہر شے دوسری شے کے ساتھ اس طرح مرتب ومنسلک ہے جیسے زنجیر کی کڑیاں ہوتی ہیں، اس لئے یہ بات سو فیصد یقینی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو بحالت حیات آسمان کی طرف اٹھانا اور پھر بالکل قیامت کے قریب ان کو نازل فرمانا ضرور کسی بڑی حکمت پر مبنی ہے اور یہ کہ ہماری عقل وفہم اس حکمت کے ادراک سے قاصر ہے مگر ممکن ہے کہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہو کہ جب انسانیت کا بگاڑ انتہاء تک پہنچ جاتا ہے تو عام انسان اس کی اصلاح سے قاصر وعاجز ہو جاتے ہیں ایسے میں اللہ کی مہربانی کا تقاضا ہوتا ہے کہ لوگوں کی دستگیری کے لئے ان میں سے کسی ایسے شخص کا انتخاب کر کے بھیجا جائے جو تمام لوگوں سے زیادہ عاقل، ذہین، دیانت دار اور ہمدرد وخیر خواہ ہو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جب انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر زمانے والوں کے لئے نیا نبی اور رسول بھیجتا مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمارت کی آخری اینٹ کی طرح خاتم النبیین قرار پائے تو وہ سلسلہ مکمل ہوا اور ارسال الرسل کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہوا، دوسری طرف لوگ آخری زمانے میں ہدایت سے بہت دور جا نکلیں گے۔ نصرانیت کے نام پر گمراہی عام ہو جائے گی اور ظلمات وتوہمات ہر سُو چھا جائیں گے، ایسے میں نیا نبی بھی نہیں آسکے گا اور موجودہ لوگوں میں کوئی ایسا بھی نہیں ہوگا جو حالات کو بدل سکے ساری دنیا نصاریٰ کے رحم وکرم پر گویا زندہ ہوگی۔ ایسے میں اللہ نے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور نصاریٰ ویہود کو شرمندہ کرنے کے لئے حضرت عیسی علیہ السلام کو محفوظ رکھا جو اپنے مقررہ وقت پر نزول فرما کر حالات کو اللہ کے حکم سے بدل ڈالیں گے اور تمام مردہ دلوں کو جوان میں قابل علاج ہوں گے باذن اللہ زندہ فرمائیں گے اور جو نا قابل علاج ہوں گے وہ مر جائیں گے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی سانس میں

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ یہ تاثیر ودیعت فرمائیں گے کہ تاحدنگاہ کوئی کافر سامنا نہیں کرسکے گا گویا یہ ایٹم بم کا جواب ہوگا اور اس وقت یہ ٹیکنالوجی دنیا والوں کے پاس نہیں ہوگی اس لئے ان کے آگے سب بے بس ہوں گے ویکون الدین کلہٗ للّٰہ۔

باب ماجاء فی الدجال

دجّال کا بیان

"عن ابی عبیدة ابن الجَرّاح قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: انه لم یکن نبی بعدنوح الّاقدانذرقومَه الدجالَ وانی انذِرُکُمُوہ فوصف لنارسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: لعلہ سیدرکہ بعض من رانی اوسمع کلامی قالوا: یارسول اللہ افکیف قلوبنایومئذٍ؟ فقال مثلھایعنی الیوم اوخیر". (حسن غریب)

حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں گذرا ہے مگر اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حالات سے ہمیں آگاہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید اسے وہ لوگ پالیں گے جنہوں نے مجھے دیکھا ہے یا (وہ لوگ) جنہوں نے میرا کلام سنا ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس وقت ہمارے دل کیسے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کی طرح ہوں گے یا اس سے اچھے۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے چند ابواب میں دجال کے متعلق مختلف زاویوں پر نظر ڈالی ہے اور متعدد سوالات کے جوابات تلاش کئے ہیں جو اس اندھے فتنے کا تقاضا تھا کہ اس پر تفصیل سے بحث کی جائے۔ دجال بتشدید الجیم مبالغے کا صیغہ ہے اور دجل سے مشتق ہے جو بمعنی فریب، جھوٹ اور خلط ملط کرنے کے آتا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے۔

دجال کے متعلق ان ابواب کی تشریحات سے قبل ایک تمہید بیان کرنا مناسب ہے تاکہ صحیح صورت حال سمجھنا آسان رہے وباللہ التوفیق۔

(۱)....حق اور باطل کا معرکہ اس دنیا پر رہنے والے انسانوں کے لئے آزمائش بھی ہے اور ترقی وتباہی

Maktaba Tul Ishaat.com

کا سامان بھی۔ اہل ایمان اس جنگ میں فتح یاب ہو کر ترقی کرتے ہیں اور ایمان کے ثمرات سے بہرور ہو جاتے ہیں جبکہ اہل عصیان تباہ ہو جاتے ہیں۔

قرآن وسنت اور تاریخ گواہ ہے کہ حق و باطل کے میدان جنگ میں آخری فتح حق کو نصیب ہوتی ہے پس جس قدر باطل طاقت ور ہوتا ہے اسی طرح حق بھی من جانب اللہ مضبوط تر ہو جاتا ہے اور بالآخر غالب ہی رہتا ہے اگر کسی کو یہ طاقت عالم اسباب کی رُو سے نظر نہ بھی آجائے تو غیبی مدد کے بے شمار واقعات اس کا بین ثبوت ہے۔ امم معذبہ کے کھنڈرات آج بھی بزبان حال اس کا اعلان کر رہے ہیں۔ علی ہذا جب کفر مزید مضبوط ہوگا تو مسلمانوں کی تقویت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مہدی کو منتخب فرمائیں گے جو اہل باطل کو شکست دے کر ان کو یورپ کی وادیوں میں دھکیل دیں گے وہ ابھی تک خلافت کی بنیادیں صحیح طور پر مضبوط نہ کر چکے ہوں گے کہ ان کے مقابلے کے لئے دجال کا خروج ہو جائے گا جس کی طاقت اور ظاہری شوکت کا عالم وہ ہوگا جس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے جس کا تذکرہ اگلے ابواب میں آرہا ہے، جب اس عظیم فتنہ سے دنیا تقریباً بھر جائے گی اور یوں محسوس ہوگا جیسے دجال غالب ہونے والا، اور پوری دنیا پر حاکم بننے والا ہے تو عین اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے وہ دجال کو قتل فرمائیں گے اس طرح باطل کا مکمل صفایا ہو جائے گا، اگر چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کفر بہت جلد عام ہو جائے گا مگر وہاں مقابلہ کی کوئی صورت نہ ہوگی تو فتح کا سوال ہی بے کار ہے۔

(۲)....اس زمانے میں خرق عادت امور کی کثرت ہو جائے گی جیسا کہ عارضہ میں ہے: "لان ذالک زمان خرق العادات" آج کل عجائبات کی کثرت تو مشاہدۂ عام ہے جس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں تاہم جیسے جیسے وقت گذرے گا تو نت نئی ایجادات اور حیران کن حد تک اشیاء استعمال میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا تا آنکہ دجال ان سے بھی بڑھ کر کرتب دکھائے۔

(۳)....بعض لوگ دجال سے انکار کرتے ہیں اور بعض ان روایات میں ایسی تاویلات کرتے ہیں جو بظاہر نصوص کے خلاف ہیں مثلاً دجال سے مراد ایک طاغوتی نظام ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں پہلے فریق کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ایسی نصوص کا انکار کیا جو معناً متواتر ہیں اور امت کا اس پر اجماع، جبکہ دوسرے فریق نے بلا کسی ناگزیر وجوہ کے نصوص کو ظاہر سے پھیر دیا، یہ دونوں باتیں اصول کے خلاف ہیں۔

شرح عقائد میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

"وما اخبر النبی عم من اشراط الساعة ای من علاماتها من خروج الدجال ودابة الارض ویاجوج وماجوج ونزول عیسی عم من السماء وطلوع الشمس من مغربها فهو حق لانها امور ممکنة اخبر بها الصادق الخ". (ص: ۱۲۴)

دوسری بات کے متعلق لکھا ہے:

"والنصوص من الکتاب والسنة تُحمل علی ظواهرها مالم یصرف عنها دلیل قطعی الخ". (۱۱۹، مکتبہ علوم اسلامیہ پشاور)

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ ان روایات کے مطابق دجال کے متعلق صحیح احادیث کو اپنے ظاہر ہی پر محمول کرنا لازمی ہے تاہم اس کے وقت کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ فلاں سال یا فلاں مہینے میں نکلے گا کیونکہ بڑے واقعات کے رونما ہونے میں صدیاں گذر جاتی ہیں۔ ہم لوگ جلد باز ہوتے ہیں اللہ کو کوئی جلدی نہیں ہے۔

قولہ: "لم یکن نبی بعد نوح الخ" یہاں مبدأ یعنی حضرت نوح بھی اس انذار میں شامل ہیں اور تخصیص ان کی شہرت کی بناء پر ہے یا پھر طولِ زمانہ کی وجہ سے یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک ؟ قال غر محجلون الخ (مشکوٰۃ ص: ۴۰) علی ہذا اس روایت میں اور باب کی اگلی روایت میں کوئی تعارض نہیں، رہی یہ بات کہ ان سب انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو کیوں ڈرایا حالانکہ ان کو پتہ تھا کہ دجال تو علامات کبریٰ میں سے ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت کے قریب نکلے گا؟ اگرچہ ایک رائے کے مطابق ان کو پتہ نہیں تھا اس کا جواب ابن العربیؒ نے عارضہ میں یہ دیا ہے کہ:

انذار الانبیاء من نوح الی محمد علیه السلام بأمر الدجال تحذیراً للقلوب من الفتن وطمأنیة لها.... الخ.

یعنی ان کا مقصد لوگوں کو نفس فتنوں سے ڈرانا تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھرپور انداز سے بیان فرمایا جیسا کہ "باب ماجاء فی فتنة الدجال" میں آرہا ہے:

فخفّض فیه ورفّع حتی ظننّاه فی طائفة النخل الخ ..... لانه ان لم تکن

Maktaba Tul Ishaat.com

فتنة الدجال قريبة فان قريباً منها قريب فی فساد الادیان واتباع الائمة المضلین والافتتان بالسلاطین". (عارضہ)

مطلب یہ ہے کہ جب کسی نوع کا بڑا فرد سامنے ہو تو دیگر چھوٹے چھوٹے افراد کو اس پر قیاس کرنا آسان ہوتا ہے۔ تدبر

قولہ: "وانی انذرکموہ" اگلی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس کے بارے میں ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے نہیں کہی ہے، چونکہ باقی انبیاء کو معلوم تھا کہ وہ ہماری امتوں کے زمانہ میں نہیں آئے گا اس لئے ان کو شخصی تعارف کی ضرورت نہ تھی جبکہ اس امت کے لئے یہ فتنہ یقینی تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی۔

قولہ "لعله سیدرکه بعض من رانی اوسمع کلامی" جو حضرات اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے ہیں ان کے لئے تو کوئی پیچیدگی نہیں جیسا کہ ابن العربیؒ آخری جملے "فقال مثلهایعنی الیوم اوخیر" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فهذه الكلمة واشباهها تسقط الاحاديث وان رواها المستورون الخ.....وقدروی ابوعیسی عن ابن عبدة غریباً وعن ابن عمر صحیحاً".

مگر پہلے عرض کیا چکا ہے کہ امام بخاریؒ اور امام ابن العربیؒ کے نزدیک درجۂ حسن کی روایت بھی ضعیف ہوتی ہے جبکہ جمہور کے نزدیک حسن قابل استدلال ہوتی ہے، لہٰذا یہاں حدیث کو ثابت مان کر توجیہ کی ضرورت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے اور سننے والے کیسے دجال کو پالیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو سال کے بعد کوئی بھی (موجودہ لوگوں میں سے) نہیں بچے گا۔

اس کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ سماع عام ہے خواہ براہ راست ہو یا بالواسطہ لہٰذا مراد اس امت کا کوئی شخص ہے جس نے دجال کے متعلق احادیث بالواسطہ سنی ہوں گی مگر یہ توجیہ پہلے جملے "من رانی" کے ساتھ نہیں لگتی اس لئے بعض شارحینِ بخاری جیسے قسطلانی وغیرہ نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ دجال جس شخص کے دو ٹکڑے کرے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی معمر جن ہوگا حضرت تھانویؒ نے تقریر ترمذی (المسک الذکی) میں فرمایا کہ حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا اولیٰ ہے بلکہ لازمی ہے اور کہا جائے گا کہ اس عہد پاک کا کوئی شخص مراد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

رہا یہ مسئلہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سو سال کے بعد کوئی بھی نہیں رہے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عام مخصوص منہ البعض ہے چونکہ شیطان بالاتفاق اب تک موجود ہے اور دجال بھی زندہ ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت خضر یا کوئی جن وغیرہ بھی اس وقت تک زندہ رہے گا، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم، ابن العربی نے اس کو رد کیا ہے۔

قولہ "مثلھا یعنی الیوم او خیر" اس کے بارے میں تو ابن العربیؒ کی رائے گذر گئی کہ یہ جملہ بہت سی احادیث سے معارض ہے اور دلوں کی حالت میں گراوٹ اور تنزلی امر بدیہی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مانفضنا أیدینا من تربة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انکرنا قلوبنا" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور جیسے ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہوا تو ابھی ہم نے قبر مبارک کی مٹی سے اپنے ہاتھوں کو نہیں جھاڑا تھا کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق محسوس کیا یعنی وہ تجلیات وانوارات اس شان سے نہ رہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تھے۔

بصورت صحت مطلب یہ ہے کہ جن کے دل میں ایمان ہوگا تو وہ فتنے کو یقین سے دفع کریں گے۔ عارضہ میں ہے: "انھم اذا کانوا علی الایمان ثابتین دفعوا الشبھة بالیقین" یعنی یہ مراد نہیں کہ ان کا ایمان صحابہ کرامؓ کے ایمان سے اچھا ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اس فتنہ کو آسانی سے دفع کرسکیں گے جو اس وقت کے حالات کا تقاضا ہوگا، کیونکہ وہ زمانہ ہی خوارق عادات کا ہوگا تو ان کے لئے دجال کے کرتب اتنے اہم اور مسحور کن نہیں ہوں گے، اور کسی کمزور آدمی کا بڑے معرکہ کو سر کرنا ممکن ہے۔

قولہ: "تعلمون انه أعور وان اللہ لیس باعور" اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دجال ناقص الخلقت ہے کیونکہ اعور (کانا) ہونا بڑا عیب ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے پس اس کا دعوائے ربوبیت کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ جو شخص خود کو نہیں بچا سکتا اور اپنا نقصان نہیں ہٹا سکتا وہ دوسروں کا خدا کیونکر بن سکتا ہے؟ گویا یہ ایسا فتنہ ہے جس کے بطلان کی دلیل اسی کے اندر بلکہ اوپر موجود ہے لیکن فتنہ میں مبتلاء لوگ عموماً سوچا نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں اس کے بال بھی بہت زیادہ ہوں گے اور داہنی آنکھ کے کنارے پر گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا بھی ہوگا تو ایسا شخص جس کی بائیں آنکھ کانی، داہنی زائد گوشت کی بناء پر بہت بدنما اور غیر ضروری بالوں کی وجہ سے نہایت قبیح ہو وہ الٰہ ومعبود اور رازق کیسے ہوسکتا ہے؟۔ کذا فی العارضہ

قولہ: "تعلمون انه لن یری احدمنکم ربّہٗ حتی یموت" یہ اس کے دجل وفریب

Maktaba Tul Ishaat.com

کا دوسرا بڑا قرینہ بتلایا کہ دجال تمہارے سامنے ہوگا تو اگر وہ خدا ہوتا آپ کو ہرگز نظر نہ آتا کیونکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی اپنے رب کو نہ دیکھ سکے گا جب تک وہ مر نہ جائے۔

یہاں امت کے دیکھنے کی نفی کی گئی ہے رہی یہ بات کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقعہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے یا نہیں تو وہ الگ مسئلہ ہے اس حدیث سے اس کی نفی مراد نہیں، تاہم وہاں بھی دو قول ہیں حضرت عائشہ وابن مسعود رضی اللہ عنہما نفی کے قائل ہیں اور بعض دیگر صحابہ رؤیت کے، راجع للتفصیل شرح العقائد۔

قولہ: "وانہ مکتوب بین عینیہ کافر" یہ تیسرا قرینہ ہے اس کے بطلان دعوی پر کہ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا پھر لفظ کافر تعبیر اور حاصل مراد ہے ورنہ کتابت کی شکل حروف تہجی میں ہوگی یعنی ک، ف، ر۔

قولہ: "یقرأہ من کرہ عملہ" ہر وہ شخص اس کو پڑھ سکے گا جو دجال کے عمل کو بُرا سمجھے گا۔ عارضہ میں ہے کہ وہ مسلمان بھی اس کو پڑھ سکیں گے جو ان پڑھ ہوں گے کیونکہ وہ زمانہ خوارق کا ہوگا جبکہ کافر اس کو نہیں پڑھ سکے گا کہ اس کی بصیرت ہی ختم ہوگئی ہوگی گویا اس قرأت کا تعلق بجائے بصارت کے بصیرت سے ہے۔

"عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: تقاتلکم الیھود فتُسَلَّطُون علیھم حتی یقول الحجر یامسلم ھذا الیھودی ورائی فاقتلہ". (حسن صحیح)

یعنی یہود تم سے لڑیں گے پس تم ان پر غالب آجاؤ گے یہاں تک کہ پتھر پکارے گا: اے مسلم! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے مار ڈالو۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ زمانہ خرق عادات کا ہوگا اس لئے پتھر کا بولنا قابل یقین ہے بلکہ واجب الیقین ہے کہ ہر ممکن جس کی خبر صادق ومصدوق دے دیں واجب الیقین ہو جاتا ہے مسلم کی روایت میں درخت کا بھی اضافہ ہے البتہ غرقد نامی درخت جو بیت المقدس میں پایا جاتا ہے اور خاردار بھی ہے وہ خاموش رہے گا یہ شائد نوع کی خباثت ہے۔ اس حدیث کی مزید شرح اگلے باب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء من این یخرج الدجال

دجال کہاں سے نکلے گا

"عن ابی بکر الصدیق قال حدثنارسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :قال الدجال یخرج من ارض بالمشرق یقال لھاخُراسان یتبعہ اقوام کَاَنَّ وجوھھم المجانُّ المطرقۃُ".

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا کہ دجال مشرق کے ایک علاقہ جسے خراسان کہا جاتا ہے سے نکلے گا، اس کی پیروی ایسے لوگ کریں گے (یعنی اس کے ساتھ ہوں گے) جن کے چہرے ڈھال کی طرح تہہ بتہہ ہوں گے۔

تشریح:۔ قدیم جغرافیہ میں ایران کا مشرقی اورافغانستان کا مغربی حصہ ہرات وغیرہ خراسان کہلاتا تھا یہ اگر چہ مدینہ منورہ کے عین مشرق میں نہیں ہے مگر اہل عرب عراق اور ایران وغیرہ پورے خطے کو مشرق کہتے ہیں گویا یہاں عرفی مشرق مراد ہے۔

دجال کے خروج کے بارے میں تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں اور یورپ ومغرب والوں کے درمیان سخت لڑائی ہوگی جسے اگلے باب میں "الملحمۃ العظمیٰ" یعنی جنگ عظیم سے تعبیر کیا ہے، اس جنگ میں رومی قُسطنطنیہ یعنی استنبول پر قبضہ کرلیں گے پھر حضرت مہدی آکران کی کمانڈ میں مسلمان اسے دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ ابھی وہ تقسیم غنائم سے فارغ نہیں ہوئے ہوں گے کہ دجال کے خروج کی خبر پہنچ جائے گی گویا جب کافروں کو استنبول کے محاذ پر شکست کا سامنا ہوجائے گا تو وہ پیچھے سے تیاری کرکے حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے اور اپنے زعم کے مطابق ایک ایسی طاقت کے ساتھ میدان میں اتریں گے جو بظاہر ناقابل شکست ہوگی یہ دجالی قوت ہوگی ایک روایت میں ہے کہ دجال کے ساتھ شریک لشکر یہودی ہوں گے اور ان کی تعداد ستر ہزار ہوگی جبکہ باب کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ ان لشکریوں کے چہرے ڈھال کی مانند گول مول اور پر گوشت ہوں گے یہ وصف ترکی النسل ازبک وغیرہ ماوراء النہر کے لوگوں میں پایا جاتا ہے۔

پھر بعض روایات کے مطابق دجال کا خروج ایک جزیرہ سے ہوگا ایک روایت میں شام وعراق کے درمیان سے گذرنا ثابت ہے مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولین خروج تو جزیرہ سے ہوگا مگر وہ خفیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوگا جبکہ خراسان مین ظہور ہوگا اور شام تک پہنچتے پہنچتے اس کی قوت وکثرت اتباع انتہاء تک پہنچ جائے گی مگر اللہ کے فضل سے وہ مزید ترقی کے بجائے ہلاکت کا شکار ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور اس کا لشکر سب ختم ہو جائے گا حتی کہ پتھر اور درخت بھی ان کے خلاف ہو جائیں گے۔

باب ماجاء فی علامات خروج الدجال

خروج دجال کی علامات کے بارے میں مروی حدیث

"عن معاذبن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الملحمة العُظمیٰ وفتح القُسطُنطِنیةِ وخروج الدجال فی سبعة اشهر". (حسن)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ عظیم اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج سات ماہ میں ہوگا۔

تشریح:۔ جنگ کو ملحمہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لحم یعنی گوشت کٹتا ہے قسطنطنیہ میں قاف مضموم اور سین ساکن ہے طائے اول پر ضمہ اور دوم پر کسرہ ہے بعض لغات میں نون کے بعد ایک اور یاء مشددہ کا بھی اضافہ ہے یہ شہر ترکی میں ہے جو قسطنطین بادشاہ کی طرف منسوب ہے آج کل اس کا نام استنبول ہے، ترکی ایشائی ملک ہے مگر یہ صوبہ یورپ میں ہے جس کو بحر اسود کو ملانے والے ابنائے پر ایک پل ملاتا ہے جو بٹن سے کھلتا ہے۔

مذکورہ روایت میں سات مہینوں کا ذکر ہے مگر بعض دیگر روایات میں چھ سالوں کا ذکر ہے اس لئے بعض حضرات نے باب کی روایت کو ابوبکر بن ابی مریم کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ جنگوں کا ایک سلسلہ چھ سال پر مشتمل ہوگا اور دوسرا سلسلہ فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال پر مشتمل ہوگا جس میں پہلے سلسلہ کے آواخر بھی داخل ہوں گے اس کا دورانیہ سات ماہ پر مشتمل ہوگا گویا جنگ عظیم چھ سال تک جاری رہے گی۔ اس موضوع پر آج کل تفصیلی کتابیں لکھی جا چکی ہیں شرح حدیث کے لئے اس قدر وضاحت کافی ہے۔

باب ماجاء فی فتنة الدجال

دجال کے فتنہ سے متعلق حدیث کا بیان

"عن النَّوَّاس بن سمعان الکِلابی قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجالَ

Maktaba Tul Ishaat.com

ذات غـــداة فَـخَـفَّـضَ فـيـه ورَفَعَ حتى ظَنَنّاه فى طائفة النخل قال:فانصرفنامن عندرسول اللهصـلـى اللهعـلـيـه وسـلـم ،ثم رُحنااليه فعرف ذالک فينا،فقال:ماشانکم؟؟قال قلنايارسول الـلـه!ذکرتَ الدجالَ الغداةَ فَخَفَّضتَ ورَفّعتَ حتى ظننناه فى طائفة النخل .قال:غيرالدجال اخـوف لـى عـلـيـکم إن يخرج وانافيکم فاناحجيجه دونکم،وان يخرج ولستُ فيکم فإمرؤ حـجيج نفسه واللهخليفتى على كل مسلم،انه شابٌّقَطَطٌعينُه قائمة شبيه بعبدالعُزّى بن قَطَن فـمـن راٰه منکم فليقرأ فواتح سورة اصحاب الكهف،قال يخرج مابين الشام والعراق فعاث يـمـيـنـاًوشـمـالاً، ياعباد اللّٰه! اَبْشُوا! قلنا يا رسول الله ومالُبثُه فى الارض؟قال:اربعين يوماً،يوم كسنة ويوم كشهرويوم كجمعة وسائرايامه كايامكم ،قال قلنايارسول الله ارأيت اليوم الذى كـالسـنة اَتـكـفـيـنـافيـه صـلاةِ يـوم؟قال:"لا"ولكن اقدروا له اقلنايارسول اللهفماسرعته فى الارض؟قـال: كـالـغـيـث اسـتـدبرته الريح فياتى القوم فيدعوهم فيُكَذِّبُونه ويَرُدُّون عليه قوله فـيـنـصـرف عـنـهـم فتتبـعـه امـوالُهـم فـيـصـبـحون ليس بايديهم شئٌ ثم يأتى القومَ فيدعوهم فيستـجيبون له ويُصَدِّقونه فيأمرالسماءَ ان تمطِرفتمطِرويأمرالارضَ ان تنبتَ فتنبتُ فتروح عـليهم سارحتهم كاطول ماكانت ذُرًى وامدِّه خواصِرَواَدَرّه ضروعاً،ثم يأتى الخَربَةَ فيقول لهـااَخـرِجـى كـنـوزَكِ فـيـنـصـرف مـنـهـافتَتبَعُـه كيعـاسيب النحل ثم يدعورجلاً شـابـاً مـمـتـلـيـاًشـبـابافيضربه بالسيف فيقطعُه جِزلتين ثم يدعوه فيقبل يَتَهَلَّلُ وجههُ يضحکُ، فبينما هـو كـذالک اذهبـط عيسىٰ بـن مـريـم بشـرقى دِمشق عندالمنارة البيضاء بين مهرودتين واضـعـاً يـده عـلـى اجـنـحة مـلـكـيـن اذاطـأطـأرأسَـه قَطَرَواذارفعه تَحَدَّر منه جُمّـان كـالـلـؤلؤقال:ولايجدريحَ نفسِه يعنى احدٌالاّمات وريحُ نفسِه منتهى بصره قال فيطلبه حتى يدرکه بِبَابِ لُدٍّ فيقتله قال فيلبثُ كذالک ماشاء اللهقال ثم يوحِى اللهاليه ان حَوِّزعبادى الى الـطـورفـانـى قـد انـزلت عباداًلِى لايَدَانِ لِاَحَدٍ بقتالهم قال ويبعث اللهياجوج وماجوج وهم كماقال الله"وهم من كل حدب ينسلون"،قال ويمرُّ اولهم بِبُحيرة الطبرية فيشرب مافيهاثم يـمُـرُّ بهـاآخِـرُهـم فـيـقـولـون لـقـدكـان بهذه مرة ماء ثم يسيرون حتى ينتهواالى جبل بيت الـمـقدس فيقولون :لقدقَتَلنَامن فى الارض فَهَلُمَّ فلنقتل من فى السماء فيرمون بنُشّابهم الى

Maktaba Tul Ishaat.com

السماء فيَرُدُّاللهُ عليهم نُشّابهم مُحمرّاً دَماً ويُحاصَرُ عيسىٰ بن مريم واصحابُه حتى يكون رأسُ الثورِ يومئذٍ خيراً لهم من مائة دينار لاحدكم اليوم قال:فيرغبُ عيسىٰ بن مريم الى اللهواصحابه ،قال:فيُرسِلُ اللهعليهم النَّغَفَ فى رِقابهم فيصبحون فَرسىٰ مَوتىٰ كموت نفس واحدة ،قال:ويهبِطُ عيسىٰ واصحابه فلايجدُ موضع شِبرٍ الّاوقدملأته زَهَمَتُهم ونَتْنُهُمْ ودِماءُهم قال فيرغب عيسىٰ الى اللهواصحابه قال فيرسل اللهعليهم طيراً كاعناق البُخت فتحمِلهم فَتطرَحُهُم بالمَهبَل ويَستَوْقِدُالمسلمون من قِسِيّهم ونُشّابهم وجِعابِهم سبع سنين ويرسل اللهعليهم مطراًلايُكِن منه بيت وَبَرٍ ولامَدَرٍ قال:فَيَغسِلُ الارضَ فيتركها كالزَّلَفَة قال ثم يقال للارض اَخرِجي ثمرتكِ ورُدّي بركتكِ فيومئذٍ تاكل العِصابةُ الرمانة ويستظلون بِقحفِها ويبارک فى الرِّسل حتى ان الفِئامَ من الناس لَيَكتَفُونَ باللَّقحَةِ من الابل وان القبيلة لَيَكتَفون باللَّقحةِ من البقروان الفَخِذلَيَكتَفُون باللقحة من الغنم فبينماهم كذالک اذبعث اللهريحافقبضت روحَ كل مؤمن ويبقىٰ سائرالناس يتهارجون كمايتهارج الحُمرفعليهم تقوم الساعة". (غريب حسن صحيح)واخرجه مسلم واحمدرحمهماالله.

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا پس اس کے حال کو نیچا بھی کیا اور بلند بھی کیا (یعنی اس کی حقارت بھری حالت بھی پیش کی اور اس کی بڑی بڑی کرتوت بھی بیان کیں) حتی کہ ہم اس کو کھجوروں کے جھنڈ میں (یا کنارے پر) سمجھنے لگے چنانچہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے لوٹ گئے (یعنی گھروں کو چلے گئے) پھر شام کے وقت دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خوف کو بھانپ لیا اور فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے صبح دجال کا ذکر کیا اور اسے پست بھی کیا اور اونچا بھی، یہاں تک کہ ہم نے اسے کھجوروں کے درختوں کے پاس تصور کیا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دجال کے علاوہ ایک اور چیز کا تم پر خوف کرتا ہوں (کیونکہ) اگر وہ نکلے اور میں تمہارے درمیان موجود رہا تو میں تم سے آگے بڑھ کر اس پر حجت میں غالب رہوں گا، اور اگر وہ نکلے اور میں موجود نہ رہا تو ہر آدمی اپنے طور پر (یعنی اپنی طرف سے) حجت پیش کر کے اس پر غالب آجائے گا (یعنی پکے مؤمن) اور میرے بعد اللہ ہر مسلمان کا محافظ ہے (یعنی میں رہوں یا نہ رہوں اللہ تمہاری حفاظت کرے گا)

Maktaba Tul Ishaat.com

دجال جوان ہے اس کے بہت زیادہ گھنگھریالے بال ہیں اس کی آنکھ اپنی جگہ باقی ہے (یعنی باوجود یکہ باہر کی طرف نکلی ہوئی ہے) وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے ہم شکل ہے تم میں سے جو بھی اس کو دیکھے تو سورۃ الکہف کی شروع کی آیتیں پڑھ لے (کیونکہ یہ آیات دفع فتنہ کے لئے مجرب ہیں)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شام اور عراق کے درمیانی علاقے سے برآمد ہوگا پس خراب وبرباد کرے گا دائیں بائیں کو (یعنی دونوں جانب فساد پھیلائے گا) اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہو! ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! زمین میں اس کا رہنا کتنا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس دن، ایک یوم سال جتنا ہوگا دوسرا مہینے کے برابر ہوگا اور ایک (تیسرا) دن ایک ہفتے کے مساوی ہوگا جبکہ باقی تمام دن تمہارے دنوں (یعنی معمول کے ایام) کے بقدر ہوں گے، حضرت نواسؓ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بتائیں کہ جو دن سال کے برابر ہے تو اس میں ہمارے لئے ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوجائیں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس کا اندازہ (حساب) لگالینا، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! زمین میں اس کی تیز رفتاری کتنی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسے بادل (یا بارش) ہوتا ہے جس کی پشت پر (تیز) ہوا ہو۔

چنانچہ وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور ان کو اپنی (الوہیت کی) دعوت دے گا تو وہ لوگ اس کو جھٹلائیں گے اور اس کے دعوے کو مسترد کریں گے چنانچہ وہ ان کو چھوڑ کر واپس لوٹے گا پس ان کے اموال اس کے پیچھے چلے جائیں گے جب وہ سو کر صبح اٹھیں گے تو ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچا ہوگا پھر وہ ان لوگوں کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ لوگ (یا دوسرے لوگ) اس کی بات مان لیں گے اور اس کی تصدیق کرلیں گے (یعنی اقرار)، دجال بادلوں کو حکم دے گا کہ بارش برسا! تو بادل بارش برسائیں گے اور زمین کو حکم دے گا کہ گھاس اُگا تو وہ چارہ وغیرہ اُگائے گی چنانچہ ان کے جانور شام کو چراگاہ سے واپس آئیں گے تو ان کے کوہاں لمبے (بڑے) ہوں گے اور کوکھ بہت پھولی ہوئی ہوں گی اور تھنوں میں دودھ بہت ہوگا، پھر وہ ایک ویران زمین کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا کہ اپنے خزانے باہر نکال دو، پس جب وہ وہاں سے واپس لوٹے گا تو وہ خزانے اس کے پیچھے ایسے دوڑیں گے جیسے شہد کی مکھیوں کے بہت سے سردار ہوں (جن کے پیچھے شہد کی مکھیوں کے غول کے غول ہوتے ہیں)

پھر دجال ایک جوان آدمی کو تلاش کرے گا (جو اس کا مخالف ہوگا) جو بھرا ہوا ہوگا جوانی سے اس پر تلوار

Maktaba Tul Ishaat.com

سے وار کر کے اس کے دو ٹکڑے کرے گا، پھر اسے بلائے گا (یعنی زندہ ہو کر اٹھنے کو کہے گا) تو وہ چمکتے ہوئے چہرے اور (دجال پر طنزاً) مسکراتا ہوا سامنے آئے گا ابھی وہ (جوان) اسی حالت پر ہوگا (یعنی دجال کے دوبارہ نشانہ بننے سے قبل ہی) اچانک عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے (اوپر) پاس دو زرد کپڑوں میں اتر جائیں گے دراں حالیکہ وہ اپنا ہاتھ فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے ہوں گے، پھر سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح چاندی کے دانے جھڑیں گے (یعنی پانی کے صاف قطرے گریں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی سانس کی مہک جو بھی (کافر) پائے گا تو وہ مرے گا اور ان کی سانس کی خوشبو تا حد نگاہ پہنچے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ دجال کو ڈھونڈیں گے تو (مقام) لُدّ کے دروازے کے پاس اسے پائیں گے اور پاتے ہی قتل کر دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح رہیں گے جتنا اللہ کو منظور ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ ان کو وحی فرمائیں گے کہ میرے بندوں کو، کوہ طور پر لے جاؤ کہ میں نے اپنے ایسے بندے بھیجے ہیں جن سے لڑنے کی تاب کسی میں نہیں۔

چنانچہ اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ایسے ہی ہوں گے جیسے اللہ نے فرمایا ہے "وہ ہر بلندی سے پھیل پڑیں گے" (یعنی پھسلتے دوڑتے آئیں گے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے اگلے بحیرۂ طبریہ پر سے گذریں گے تو اس کا سارا پانی پی جائیں گے، پھر ان کے بعد والے اس پر سے گذریں گے تو (اسے خشک پا کر) کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی تھا (کہ اس کا اثر کیچڑ باقی ہے) پھر چل پڑیں گے اور چلتے چلتے بیت المقدس کے پہاڑ کے پاس پہنچ جائیں گے تو کہیں گے کہ ہم نے سب زمین والوں کو قتل کر دیا، آؤ اب آسمان والوں کو قتل کر ڈالیں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود لوٹائیں گے اور (ادھر) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کو کوہ طور پر روک لیا جائے گا (فاقہ کا یہ عالم ہوگا) حتی کہ اس وقت ان کے لئے بیل کا سر اس سے بھی بہتر ہوگا جتنے آپ کے لئے آج سو دینار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دیکھ کر عیسیٰ بن مریم اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے تو اللہ ان (یاجوج، ماجوج) پر ایک قسم کے کیڑے مسلط کر دیں گے جو ان کی گردنوں میں ہوں گے پس (نتیجۃً) سارے یاجوج، ماجوج زخمی ہو کر یکبارگی مر جائیں گے جیسے ایک آدمی کی موت ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ اور ان کے ساتھی اتریں گے جبکہ ایک بالشت کے بقدر خالی جگہ نہیں پائیں گے مگر اس کو یاجوج، ماجوج کی چکنائی اور بدبو اور خون

Maktaba Tul Ishaat.com

نے بھر دیا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی طرف خوب متوجہ ہوں گے اور ان کے ساتھی بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اللہ ان پر ایسے پرندے بھیجیں گے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی طرح لمبی ہوں گی، تو وہ ان کو اٹھا کر پہاڑوں کے دروں میں پھینک دیں گے، اور ان کی کمانوں اور تیروں اور ترکشوں سے مسلمان سات سالوں تک آگ جلاتے رہیں گے، اور اللہ ان پر بارش برسائیں گے جس سے کوئی خیمہ یا گھر نہیں بچے گا پس وہ زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف ستھرا کر دے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد زمین سے ارشاد ہوگا کہ اپنے میوے اور پھل نکال! اور اپنی برکت دوبارہ لوٹا! پس اس وقت ایک جماعت ایک انار کھائے گی اور اس کے چھلکے کی چھاؤں میں آرام کرے گی، اسی طرح دودھ میں برکت دی جائے گی یہاں تک کہ تازہ جنم دینے والی ایک اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کے لئے کافی ہوگا اور ایک قبیلہ ایک گائے (کے دودھ) پر گذر بسر کرے گا اور ایک چھوٹا قبیلہ تازہ جنم دینے والی بکری (کے دودھ) پر بسر کرے گا،

دریں اثنا کہ لوگ اسی حالت پر ہوں گے کہ ناگہاں اللہ ایک ہوا بھیجیں گے جو ہر مسلمان کی روح قبض کر لے گی اور باقی (بُرے) لوگ بچ جائیں گے ان کا حال یہ ہوگا کہ بے حجاب عورتوں سے جماع کریں گے جیسے گدھے کیا کرتے ہیں۔ پس انہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

تشریح:۔قولہ: "فخفّض فیه ورَفَّعَ" دونوں میں فائین مشدد ہیں یعنی دجال کو اعور کانا وغیرہ کہہ کر اسے معمولی نوعیت کا شخص قرار دیا اور اس کے خوارق کا ذکر فرما کر اس کا ظاہری رعب و دبدبہ ظاہر فرمایا۔**قولہ:** "حتی ظننا ہ فی طائفة النخل" کنایہ ہے شدت خوف سے کیونکہ جس چیز سے ڈر لگتا ہے وہ قریب ہی محسوس ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ کھجور کے جھنڈ و جھرمٹ کے اندر محسوس ہو رہا تھا کیونکہ یہ تو یقین تھا کہ اس کا ظہور بعد میں ہوگا۔**قولہ:** "غیر الدجال اخوف لی علیکم" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مراد ائمۂ مضلین ہیں یعنی گمراہ اور گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا فتنہ دجال کے فتنہ سے زیادہ خطرناک ہے مگر عارضہ میں ہے کہ قریب خواہ چھوٹا ہو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔تدبر

قولہ: "فانا حجیجه" فعیل بمعنی فاعل ہے حجت سے مشتق ہے یعنی میں حجت قائم کرنے میں اس پر غالب رہوں گا۔**قولہ:** "فامرؤٌ حجیج نفسه" مضاف مقدر ہے ای فکل امرأ لھذا مبتدا معرفہ ہی ہے پورا جملہ اس طرح بنتا ہے "فکل امرأ یحاجه ویحاوره ویغالبه لِنفسه کذا قال الطیبی"۔

قولہ: "قطط" بروزن سبب بہت مڑے ہوئے بال جو بہت معیوب اور بُرے لگتے ہیں اور جو جعودت حسن کی

Maktaba Tul Ishaat.com

علامت ہے وہ معمولی پیچدار بال ہوتے ہیں۔قولہ:"عینه قائمة"مسلم کی روایت میں طافیۃ ہے یعنی مرتفعۃ مطلب یہ ہے کہ اس کی آنکھ خراب اور بے نور ہوگی، اپنی جگہ اٹھی ہوئی باہر کی طرف ابھری ہوئی قائم ہوگی۔قولہ: "فعاث" بمعنی افسد یعنی دائیں بائیں سخت فساد پھیلائے گا۔قولہ:"البثوا"لبث باب سمع سے ہے بمعنی مکث بمعنی ٹھہراؤ اور ثبات کے ہے، مسلم کی روایت میں "فالبثوا" ہے۔قولہ:"یوم کسنة الخ"جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ زمانہ خوارق کا ہوگا لہٰذا اس میں کسی طرح کا استبعاد نہیں ہے خواہ وہاں کوئی ظاہری اسباب پیدا کردیئے جائیں یا باطنی وغیبی۔

قولہ:"ولکن اقدروا له" اس سے فقہاء نے استنباط کرکے ناروے وغیرہ ان ممالک کے باشندوں کے لئے جو ۶۶ درجے سے زیادہ دوری پر واقع ہیں نمازوں کے اوقات کو اندازے کے مطابق پڑھنے کا حکم دیا ہے اس میں شمالی ناروے، فن لینڈ اور سویڈن وغیرہ شمالی روس اور شمالی امریکہ کے قطب سے قریب ترین خطے داخل ہیں جبکہ جنوبی قطب کے پاس اب تک انسانی آبادی نہیں ہے۔مندرجہ بالا منطقوں میں یہ مسئلہ جون کے مہینے میں پیدا ہوتا ہے۔قولہ:"ثم یأتی القوم" ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جن کے پاس وہ پہلے آیا تھا کیونکہ معرفہ جب معاد ہوجائے تو ثانی عین اولیٰ ہوتا ہے۔قولہ:"سارحتهم"ان کے جانور۔قولہ: "ذُرَی" کسی بھی چیز کی بلند ترین حصے کو کہتے ہیں مگر عموماً کوہان کی چوٹی اور اوپر والے حصے پر اطلاق ہوتا ہے مفرد ذروۃ بکسر الذال وضمتھا آتا ہے یہ اور مابعد کا جملہ "وامدّه خواصر"، زیادہ کھانے اور فربہ وموٹے ہونے سے کنایہ ہے یعنی زمین میں گھاس اور چراگاہوں کی اتنی کثرت ہوجائے گی کہ جانوروں کے کوہان بڑے بڑے اور کوکھ پھولی ہوئی اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے۔قولہ:"کیعاسیب النحل"، یعسوب کی جمع ہے شہد کی مکھیوں کے سردار کو کہتے ہیں یہ کنایہ ہے کثرتِ اتباع اور سرعت اِتباع سے یعنی جیسے یعسوب کے پیچھے بے شمار شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں اور انتہائی سرعت سے اس کی پیروی کرتی ہیں جبکہ یعاسیب میں یہ تعداد اور رفتار اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے اسی طرح دجال کے پیچھے خزانوں کا ہجوم ہوگا۔

قولہ:"ثم یدعو رجلا شابا الخ" باور کیا جاتا ہے کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے مگر ابن العربیؒ نے اس تاثر کو رد کیا ہے۔واللہ اعلم قولہ:"ممتلیاً" جوانی سے بھرا ہونا کنایہ ہے بھرپور جوانی سے۔ قولہ:"جزلتین" ای قطعتین" اس میں جیم کا کسرہ فتحہ سے افضل ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں ٹکڑوں کو دور دور پھینک دے گا جن کے درمیان میں تیر پھینکنے جتنا فاصلہ ہوگا اور مقصد لوگوں کو باور کرانا ہوگا جیسے

Maktaba Tul Ishaat.com

جادوگر اور شعبدہ باز لوگ کرتے ہیں۔ قولہ "ثم یدعوہ فیقبل یتھلّل وجھُہ" یعنی اسے کہے گا کہ زندہ ہو کر اٹھو اور میرے پاس آجاؤ پس وہ اُٹھ کر آئے گا جس کا چہرہ چمکتا دمکتا ہوگا۔ قولہ: "یضحک" ای ضاحکا بالدجال یعنی وہ دجال پر ہنسے گا اور کہے گا کہ یہ کیسے خدا ہوسکتا ہے... بخاری شریف جلد ا ص ۲۵۳ پر ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کے باہر قریب میں ہوگا جب یہ شخص زندہ ہوجائے گا تو کہنے لگے گا "واللہ ما کنت قط اشد بصیرۃ منی الیوم فیقول الدجال اقتلہ فلایسلّط علیہ" یعنی مجھے آج اس بات کا زیادہ یقین ہوگیا کہ تم دجال ہو مگر دجال اسے دوبارہ مارنے سے قاصر رہے گا، گویا اس کی قوت وشوکت اور ظاہری رعب ودبدبے کا خاتمہ یہی ہوجائے گا جبکہ مکمل صفایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بیت المقدس کے قریب ہوگا۔

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ زمانہ خوارق کا ہوگا اس لئے یہ امور بطور استدراج دجال سے سرزد ہوں گے جن میں لوگوں کے لئے زبردست آزمائش وامتحان ہے دجال کے اور بھی بہت سی خصوصیات ہیں جو مختلف روایات میں پائی جاتی ہیں مثلاً وہ جس گدھے پر سوار ہوگا اس کے دونوں کانوں کے درمیان فاصلہ چالیس گز کا ہوگا جس سے فتنے کا ہول اور بھی بڑھ جائے گا، رہا یہ امر کہ حمار سے کیا مراد ہے؟ تو اس قسم کی روایات میں تاویل کی بھی گنجائش ہے کہ گاڑی یا ہوائی جہاز مراد ہو اور اپنے معنی حقیقی پر بھی محمول کرنا ممکن ہیں جیسا کہ آج کل کلوننگ کا نظریہ فروغ پا رہا ہے ممکن ہے اس سے بڑے بڑے جانور معرض وجود میں آجائے۔

خوارق کی چھ قسمیں:۔ خیالی وغیرہ میں امر خارق للعادۃ کی تقسیم کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ جس کے ہاتھوں امر خارق دکھایا جاتا ہے وہ یا تو دین سماوی کا تابع ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے پھر قسم اول میں وہ شخص یا تو نبوت کا مدعی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اگر مدعی نبوت ہو تو امر خارق قبل الدعوی ارہاص کہلاتا ہے اور بعد الدعوی معجزہ، جبکہ غیر مدعی نبوت اگر ولی ہو تو اس سے سرزد ہونے والا امر خارق کرامت ہے اور عام آدمی کے بارے میں معونت ہے۔ قسم دوم میں اگر امر خارق اس کے دعوی کے مطابق ہو تو استدراج کہلاتا ہے جبکہ ناموافق کو اہانت کہتے ہیں۔

قولہ: "مھرودتین" دال اور ذال دونوں جائز ہیں البتہ دال کے ساتھ اکثر اور زیادہ مشہور ہے وہ کپڑے جس کو ورس اور زعفران سے رنگا گیا ہو یعنی زرد۔ قولہ: "طاطا" بہمز تین بمعنی خفض یعنی جب سر جھکائیں گے۔ قولہ: "تحدّر" ماضی معلوم کا صیغہ ہے بمعنی نزل یعنی اتریں گے اور ٹپکیں گے۔ قولہ: "جمان" بضم الجیم وتخفیف المیم موتیوں کی طرح چاندی کے دانوں کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

السلام کے سر مبارک کے بالوں سے انتہائی صاف پانی چاندی اور موتیوں کی مانند کے قطرے گریں گے۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ حمام میں غسل کر کے آسمان پر اٹھالئے گئے تھے اس لئے بالوں سے پانی ٹپکے گا جو لوگ سائنس کے نظریۂ اضافت کو جانتے ہیں ان کے لئے یہ حقیقت سمجھنا نہایت آسان ہے۔ قولہ: "ولا یجد ریح نفسه الخ" جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے سانس اور آواز میں مردوں کو زندہ کرنے کی قوت ودیعت فرمادی تھی اس کے برعکس اب زندوں کو مارنے کی طاقت ودیعت فرمائیں گے کہ پہلے زمانہ میں طِب کا عروج تھا تو اس وقت یہی معجزہ مناسب تھا جب کہ دوبارہ آمد پر ایٹمی طاقت اور مہلک ہتھیار کا مقابلہ ہوگا تو دوسرا مناسب ہوگا۔

قولہ: "حتی یدرکه بباب لُدّ" بضم اللام وتشدید الدال، لُدّ تل ابیب سے جنوب مشرق میں اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا شہر ہے یہاں اسرائیل نے دنیا کا جدید ترین سیکورٹی سے لیس ایئرپورٹ بنایا ہے، ممکن ہے کہ دجال یہاں سے فرار کی کوشش کرنا چاہتا ہو جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناکام بنائیں گے۔

قولہ: "عِباداً لی" اتنی سی بات تو طے شدہ ہے کہ یاجوج، ماجوج وحشی، جاہل اور جفاکش اور ظالم قسم کے لوگ ہیں مگر اس کے ساتھ وہ سارے کافر بھی ہوں گے؟ تو حضرت تھانوی صاحبؒ المسک الذکی میں فرماتے ہیں کہ ان پر ایمان یا کفر کا حکم نہیں لگانا چاہئے اگرچہ وہ کسی ایک حالت سے خالی نہیں ہوں گے اور جہاں تک آسمان کی طرف تیر پھینکنے کا تعلق ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ جہالت کا نتیجہ ہوسکتا ہے اور اللہ عزوجل کا معاملہ ہر بندے کے ساتھ اس کی حالت کے مطابق ہوتا ہے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ عمومات سے یاجوج، ماجوج کا بے راہ وگمراہ ہونے کا تأثر ملتا ہے ممکن ہے کہ ان میں اچھے بُرے دونوں قسم کے لوگ ہوں مگر غالب اکثریت شاید کفار کی ہو۔ واللہ اعلم

قولہ: "لایدان" ید کا تثنیہ برائے مبالغہ ہے یعنی کسی کی قدرت وطاقت نہیں کہ ان سے مقابلہ کر سکے۔

قولہ: "ببحیرة الطبریة" بحیرۂ طبریہ ایک بہت بڑی جھیل ہے جو اسرائیل کے شمال مشرق میں اردن کی سرحد کے قریب واقع ہے شمالاً وجنوباً اس کی لمبائی تئیس (۲۳) کلومیٹر اور چوڑائی شمال میں زیادہ سے زیادہ تیرہ (۱۳) کلومیٹر ہے جبکہ انتہائی گہرائی ۱۵۷ فٹ ہے کل رقبہ ۱۶۶ مربع کلومیٹر ہے۔ قولہ: "النغف" بروزن سبب ایک سفید قسم کے کیڑے ہیں جو جانوروں کی ناک میں پیدا ہوتے ہیں واحد نغفۃ آتا ہے۔ قولہ: "فرسی" فریس کی جمع ہے جیسے "قتلی" قتیل کی جمع ہے فریس وہ ہوتا ہے جسے کوئی حیوان مفترس یعنی پھاڑنے والا جانور زخمی کر کے پھاڑ چیر دے۔ قولہ: "زهمتهم" مسلم میں بغیر تاء کے آیا ہے چکناہٹ کو کہتے ہیں جبکہ "نتن" بسکون التاء

Maktaba Tul Ishaat.com

بدبو کو اور بکسر التاء بدبودار چیز کو کہتے ہیں یعنی ان کی چربی کی چکناہٹ اور دیگر بدبودار اشیاء اور خون نے زمین کو بھر دیا ہوگا۔ قولہ: "المهبل" کھائی اور درے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "قِسيهم" بکسر القاف والسین وتشدید الیاء قوس کی جمع ہے کمان کو کہتے ہیں۔ قولہ: "نُشابهم" بضم النون وتشدید الشین نُشابۃ کی جمع بمعنی تیر کے ہے۔ قولہ: "وجعابهم" بکسر الجیم جعبۃ کی جمع بمعنی ترکش کے ہے۔ قولہ: "كالزلفة" بفتح الزاء واللام یہ لفظ بجائے فاء کے قاف کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے آئینہ اور شیشے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "عِصابة" بکسر العین دس تا چالیس آدمیوں پر مشتمل جماعت کو کہتے ہیں۔ قولہ: "بِقحفها" بکسر القاف چھلکا۔ قولہ "الرسل" بکسر الراء دودھ۔ قولہ: "فئام" بکسر الفاء جماعتوں یا بڑی جماعت کو کہتے ہیں اس کا واحد نہیں آتا ہے۔ قولہ: "لقحة" وہ اونٹنی وغیرہ جس کو بچہ جنم دینے میں زیادہ عرصہ نہ گذرا ہو یعنی تازہ۔ قولہ: "فخذ" بطن سے چھوٹا قبیلہ جو اقربہ پر مشتمل ہو۔

قولہ: "هرج" بسکون الراء کسی چیز کی کثرت کو کہتے ہیں یہاں مراد کثرت سے اور بے شرمی سے جماع ہے یعنی ان لوگوں میں زنا عام ہوگا اور اس میں کسی سے شرم وحیاء بھی نہیں کی جائے گی بلکہ گدھوں کی طرح جہاں موقعہ میسّر ہو خواہ پردہ ہو یا نہ ہو اس میں لگ جائیں گے پس انہی پر قیامت آئے گی کہ وہ حد انسانیت سے گذر گئے ہوں گے وہ انسان نما جانور ہوں گے جبکہ یہ زمین انسانوں کے لئے ہے نہ کہ جانوروں کے لئے اس لئے وہ قیامت کے زلزلے سے نیست ونابود کردئے جائیں گے، علاوہ ازیں ان لوگوں میں بت پرستی بھی عام ہوجائے گی۔

ملحوظ:۔ ایک روایت میں ہے کہ دجال جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو نمک کی طرح پگل جائے گا لہٰذا یا تو عیسیٰ علیہ السلام اس کو اسی حالت میں قتل کریں گے یا قتل کی نسبت مجازی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سبب قتل بن جائیں گے۔

باب ماجاء فی صفة الدجال

دجال کی حالت کے بیان میں

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه سئل عن الدجال فقال: ألا ان ربكم ليس باعور ألا وانه اعور عينه اليمنىٰ كانها عِنَبَةٌ طافية". (حسن صحيح غريب)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو کہ تمہارا رب کانا نہیں، آگاہ ہو کہ دجال کانا ہے اس کی داہنی آنکھ گویا انگور کا ابھرا ہوا دانہ ہے۔

تشریح:۔اس باب میں دجال کی علامت بتلانا مقصود ہے کیونکہ صفت بمعنی حالت ونشانی کے آتی ہے یعنی دجال خدا کیسے بن سکتا ہے؟ جبکہ وہ خود کو عیوب سے نہیں بچا سکتا؟ تفصیل سابقہ باب میں گذری ہے۔

باب ماجاء ان الدجال لایدخل المدینة

دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا

"عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :یأتی الدجال المدینة فیجد الملائکة یحرسونھافلایدخلھاالطاغون ولاالدجال انشاء اللّٰہ".(صحیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال مدینہ (میں داخل ہونے کی غرض سے) آئے گا تو فرشتوں کو اس کا پہرا دیتے ہوئے پائے گا، پس مدینہ میں نہ تو طاعون داخل ہوسکتا ہے اور نہ ہی دجال۔

تشریح:۔طاعون ایک وبائی مرض ہے جو جلد میں پھوڑے کی طرح خطرناک ورم کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے یہ بیماری وبائی بھی ہے اور مہلک بھی وبائی امراض کی تفصیل پہلے گذری ہے۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ دجال مکہ ومدینہ کے علاوہ تمام شہروں میں داخل ہوگا جبکہ حرمین کے نقاب یعنی داخل ہونے کے مقامات (دروازوں اور گیٹوں) پر صف بندی کئے ہوئے فرشتے ہوں گے جو اس کی حفاظت کریں گے پھر مدینہ منورہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر کافر ومنافق کو نکال باہر کردیں گے۔(ص:۲۵۳ جلد:۲ باب لایدخل الدجال المدینۃ)

جیسا کہ پہلے گذرا ہے کہ باطل قوت کے ظاہری غلبہ سے بھی مسلمانوں کی مرکزیت ختم نہیں ہوگی اس لئے دجال کی طاقت اور اسباب ظاہریہ کے لحاظ سے اس کی حکومت جتنی بھی وسیع اور مضبوط ہوگی مگر مخلص ایمان والوں پر اس کا کچھ بھی اثر نہ چلے گا۔اور نہ ہی ان کے مرکز وبیضہ تک اس کی رسائی ممکن ہوگی۔

"عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:الایمان یمان والکفر من قِبَل

Maktaba Tul Ishaat.com

المشرق والسكينة لاهل الغنم والفخر والرِّياء فى الفدادين اهل الخيل واهل الوبر، يأتى المسيحُ اذاجاء دُبُرَاُحدصرفت الملائكةُ وجهَه قبل الشام وهناك يُهلك". (صحيح)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان تو یمنی ہے اور کفر مشرق کی طرف سے ظاہر ہوگا اور سکون (وقار) بکری والوں میں ہوتا ہے جبکہ فخر اور دکھاوا چیخنے چلانے والوں میں ہوتا ہے جو گھوڑوں والے اور پشم (اونٹ اور خیموں) والے ہوتے ہیں مسیح (دجال) آئے گا تو جب احد کے پیچھے پہنچے گا فرشتے اس کا رُخ شام کی جانب موڑ دیں گے اور وہیں جا کے مرے گا۔

تشریح:۔ "الایمان یمان" اصل میں یمنی منسوب بسوئے یمن تھا اخیر سے یا کو حذف کر کے اس کے عوض میں الف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے، چونکہ یمن ساحلی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا موسم معتدل رہتا ہے اور ضابطے کے مطابق معتدل خطے کے لوگوں کا مزاج بھی معتدل ہوتا ہے اس لئے معتدل مذہب یعنی ایمان واسلام ان کے مزاج کے عین مطابق ہوتا ہے اور ہم مزاج چیز کو قبول کرنا آسان بھی ہوتا ہے، دائم بھی، اسی بناء پر اہل یمن والوں نے بغیر لڑائی کے ایمان کو قبول کیا گویا یہ ان کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اس کی کچھ تفصیل "باب ما جاء فى اهل الشام" من ابواب الفتن میں گذری ہے فلیراجع۔

اس ارشاد کا مقصد اہل حرمین کی ایمانی حالت کی کمزوری بتانا نہیں بلکہ اہل یمن کی فضیلت مراد ہے نہ کہ افضلیت اور بلاغت میں ایسا ہوتا ہے کہ قابل ذکر چیز کی فضیلت کو اُجاگر کرنے کے لئے کلام میں ادوات حصر شامل کئے جاتے ہیں یا انداز کلام بظاہر مفید للحصر لایا جاتا ہے حالانکہ وہاں حصر مقصود نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مطول ومختصر المعانی وغیرہ میں ہے۔

"والكفر من قبل المشرق" اگر مراد حقیقی مشرق ہو تو پھر مشرق والوں سے مراد قبیلۂ مضر ہے جو اہل یمن کے مقابلے میں ایمان سے پیچھے رہا تھا اور ان کا کفر شدید بھی تھا اور اگر عرفی مشرق مراد ہو جو عراق وایران وغیرہ ہیں تو اگر کفر سے مراد حقیقی کفر ہو تو مجوس کا مذہب مراد ہے ممکن ہے ہندومت اور بدھ مت وغیرہما بھی مراد ہو لیکن اگر کفر سے مراد اعمال کفریہ ہوں تو پھر وہ فتنے مراد ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے باہمی جنگ وارتداد کے موجب بنے، اور یہ سلسلہ جاری ہے تا آنکہ دجال کا خروج مشرق سے ہو جائے غرض مشرق ایسے فتنوں کی جولان گاہ بنا ہوا ہے جبکہ یمن ان فتنوں سے محفوظ رہا ہے، چنانچہ فتنۂ خوارج، معتزلہ، روافض، انکار حدیث اور قادیانیت وذکری سب مشرقی فتنے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "والسکینة لاهل الغنم" یہ صحبت کا اثر ظاہر فرمایا چونکہ بکریاں نرم مزاج اور متواضع جانور ہیں اس لئے ان کے چرانے والے پر مثبت اثرات ظاہر ہوجاتے ہیں جبکہ اونٹ وغیرہ سرکش اور طاقتور جانور ہیں جن میں "ھم چنیں دیگرے نیست" کا جذبہ پایا جاتا ہے تو ان کی صحبت میں رہنے والے پر وہی اثر ہوگا۔ قولہ: "فَدّادِین" فَدّاد کی جمع ہے بتشدید الدال الاولی وہ لوگ جو کھیتوں میں اور جانوروں کے پیچھے چلاّ چلاّ کر بولتے ہیں اور چیختے ہیں۔ قولہ: "وبر" اونٹ کے بالوں کو کہتے ہیں مراد خیمہ ہے یعنی خانہ بدوش اور دیہاتی لوگ فخر ومباہات میں پیش پیش ہوتے ہیں یہ بھی صحبت اور ماحول کا منحوس اثر ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ ایک عام دیہاتی، گدھا چرانے والا بھی اپنی حالت پر فخر کرتا ہے بلکہ گاؤں دیہات والے عموماً ہر کام میں افتخار کا دامن تھامے ہوئے ہوتے ہیں مسجد بنانے، مہمان نوازی اور دیگر ان امور میں بھی مقابلے کرتے ہیں جن کا مقصد محض اللہ کی خوشنودی کا حصول ہو۔

قولہ: "یأتی المسیح" دجال کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ایک آنکھ ممسوح یعنی ہموار ہے یا کثرت مساحت کی بناء پر مسیح کہلاتا ہے، یہ لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی بولا جاتا ہے مگر اس کی وجوہات مختلف ہیں مثلاً اندھے کو مسح کرنے سے وہ ٹھیک ہوتا، یا وہ کثرت سے سیاحت برائے عبرت یا برائے تبلیغ فرماتے وغیرہ وغیرہ۔

باب ماجاء فی قتل عیسیٰ بن مریم الدّجال

حضرت عیسیٰ بن مریم کا دجال کو قتل کرنے کے بارے میں

باب کی حدیث کی تشریح "باب ماجاء فی فتنة الدجال" میں عنقریب گذری ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

"وفیه عن قتادة عن انسؓ الخ" اس باب کی حدیث کی تشریح "باب ماجاء فی الدجال" میں گذری ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی ذکر ابن صیّاد

ابن صیاد کا ذکر

"عن ابی سعیدقال صحبنی ابن صیادامّاحُجّاجاًوامّامعتمرین فانطلق الناس وتُرِکتُ اناوھوفَلَمّا خلصتُ به اقشعررتُ منه واستوحشتُ منه ممایقول الناس فیه فلمانزلتُ قلتُ له ضَع متاعکَ حیثُ تلک الشجرة قال:فابصرَ غنماًفاخذ القدح فانطلق فاستحلَبَ ثم اَتانی بلبن فقال لی:یااباسعیداِشرب !فَکرِھتُ ان اشرب عن یده شیئاً لِمَایقول الناس فیه، فقلت له هذاالیوم یوم صائف وانی اکره فیه اللبن فقال:یااباسعیدلقدھَممتُ ان اٰخذ حبلاً فاوثقه الی الشجرة ثم اَختنِقَ لِمَایقول الناس لی وفِیَّ ،اَرأیتَ من خَفِیَ علیه حدیثی فلن یخفی علیکم !أنتم اعلم الناس بحدیث رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم ،یامعشرالانصار!اَلَم یقل رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم انه کافر؟ وانامسلم ،اَلَم یقل رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم انه عقیم لایولدله؟وقدخَلّفتُ ولدی بالمدینة ،اَلم یقل رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیه وسلم لاتحل له مکة والمدینة؟ اَلستُ من اهل المدینة؟وهوذاانطلِقُ معک الی مکة!قال:فواللّٰہمازال یجیءُ بهذاحتی قلتُ فلعلّه مکذوب علیه، ثم قال یااباسعیدواللّٰہلَاُخبرنک خبراًحقاًواللّٰہانی لَاَعرفهُ واعرف والده واین هوالساعة من الارض فقلتُ تباً لّکَ سائرالیوم.(حسن)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ ابن صیاد ہو گیا دراں حالیکہ ہم حج یا عمرہ کے لئے جارہے تھے پس لوگ آگے نکلے جبکہ میں اور وہ (ابن صیاد) دونوں پیچھے رہ گئے پس جب میں اس کے ساتھ تنہا رہ گیا تو اس سے (ڈر کے مارے) میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے اس سے وحشت محسوس کی اس بات کی وجہ سے جو لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے (یعنی کہ یہ دجال ہے) پس جب میں سواری سے اُترا تو میں نے اس سے کہا کہ تو اپنا سامان اس درخت کے نیچے رکھ! ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس نے ایک بکری دیکھی تو پیالہ لے کر وہ چلا اور دودھ دوہ کر پھر میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا: اے ابوسعید! پیو، مگر میں نے اس کے ہاتھ سے کچھ پینا مناسب نہیں سمجھا اس وجہ سے کہ لوگ اس کے بارے میں چہ می گوئیاں

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے تھے پس میں نے اس سے کہا کہ آج کا دن گرم ہے اور میں اس میں دودھ پسند نہیں کرتا، پھر وہ کہنے لگا اے ابوسعید! میں چاہتا ہوں کہ ایک رسی لے لوں اور اسے درخت سے باندھ لوں پھر گلا گھونٹ کر مر جاؤں بوجہ اس بات کے جو لوگ مجھ سے اور میرے بارے میں کہتے ہیں، آپ بتائیں کہ اگر میری بات کسی اور پر پوشیدہ ہے تو تم پر تو مخفی نہیں ہو سکتی، کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے خوب باخبر ہو اے انصار کی جماعت! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ دجال کافر ہوگا؟ جبکہ میں مسلمان ہوں، کیا نہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ (دجال) بے اولاد ہوگا اور میں نے مدینہ میں اولاد چھوڑی ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ حلال نہیں ہے دجال کے لئے مکہ و مدینہ، تو کیا مدینہ والوں میں سے نہیں ہوں اور شان یہ ہے کہ اب تیرے ساتھ مکہ جا رہا ہوں ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ بخدا! وہ اس طرح کی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میرا گمان ہونے لگا کہ اس پر جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں، وہ پھر کہنے لگا اے ابوسعید! بخدا میں تم کو صحیح بات بتلاتا ہوں، خدا کی قسم میں اس (دجال) کو جانتا ہوں اور اس کے باپ کو بھی پہچانتا ہوں اور یہ کہ وہ اس وقت زمین میں کہاں ہے (ابوسعید فرتے ہیں کہ) پس میں نے کہا تیری ہلاکت ہو ہمیشہ کے لئے (کہ تیرا معاملہ پھر مشتبہ ہو گیا)۔

تشریح:۔ ابن صیاد بتشدید الیاء کو ابن صائد بھی کہتے ہیں اصلی نام صاف تھا بعض نے عبداللہ بھی بتایا ہے۔ قولہ: "حُجّاجاً او معتمرین" صحبنی کے فاعل سے حال ہے۔ قولہ: "خلصت" ای انفردت به یعنی جب میں اس کے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا۔ قولہ: "اِقشعررت" ای قام شعری رونگٹے کھڑے ہو گئے میرے کیونکہ مجھے اس کے بارے میں اندیشہ تھا کہ یہ دجال ہے۔ قولہ: "استوحشت" میں نے اس سے وحشت محسوس کی اُنس کی ضد ہے، اسی بناء پر جب اس نے اپنا سامان دوپہر کے آرام کے وقت اسی درخت کے نیچے رکھا جہاں میں نے اپنا سامان رکھا ہوا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ تم اپنا سامان اس دوسرے درخت کے نیچے رکھدو، تاکہ میں اس کے شر سے دور رہوں۔ قولہ: "صائف" ای حار، گرم۔ قولہ: "اکره فیه اللبن" یعنی عن یدک یا لبن معین یا مطلب یہ ہے کہ دودھ بھی طبعاً گرم ہے اس لئے آج گرمی کی سے وجہ میں نہیں پیتا۔ قولہ: "اختنق" گلا گھونٹ کر خودکشی کرلوں۔ قولہ "عقیم" بانجھ۔ قولہ: "مکذوب علیه" یعنی اس پر لوگوں نے جھوٹ بولا ہے۔ قولہ: "سائر الیوم" باقی دن یعنی ساری زندگی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس نے پہلے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر علم غیب کا مدعی بن گیا اور

Maktaba Tul Ishaat.com

مدعی علم غیب کافر ہوتا ہے اس لئے اس کا معاملہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پر پھر مشتبہ ہو گیا۔

ابن صیاد کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ وہی دجال اکبر تھا اور بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بھی اس کے دجال ہونے کا جزم حاصل تھا چنانچہ حضرت عمر، حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف بھی یہی تھا حتی کہ ان حضرات نے اس پر قسم بھی کھائی ہے پھر ان میں دو رائے پائی جاتی ہیں ایک یہ کہ ابن صیاد غائب ہو کر اصفہان چلا گیا ہے جہاں سے وقت موعود پر خروج وظہور کرے گا جبکہ دوسری رائے کے مطابق وہ مر گیا ہے مگر وقت مقررہ پر حکم خداوندی سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا گویا کہ اس کے دیگر معاملات کی طرح یہ عمل بھی یکے از خوارق العادت امر ہے، اور ایسا ہونا کوئی بعید از وقوع نہیں ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ ابن صیاد اگر چہ دجال تو تھا کہ اس نے بہت سے معاملات کو خلط ملط کر دیا تھا لہٰذا اس میں دجل کے معنی پائے جاتے ہیں مگر وہ دجال اعظم نہ تھا بلکہ وہ مدینہ منورہ میں مر گیا تھا بعض کے نزدیک تو بہ تائب ہو کر اور بعض کے نزدیک اس کے انجام کے بارے میں وثوق سے کہنا مشکل ہے، جہاں تک بعض صحابہ کی قسم کا تعلق ہے تو وہ ان کے ظن کے مطابق تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو قسم کھانے سے نہ روکنا بھی توقف کی وجہ سے تھا بعض لوگ طبعی کاہن ہوتے ہیں اگلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد بھی ایک کاہن تھا اگر چہ کسبی نہ تھا مگر طبعی تو تھا ہی۔ واللہ اعلم

ابن حجرؒ و بعض دیگر شارحین کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کی صرف علامات بتلائی گئی تھیں اور چونکہ ابن صیاد میں وہ اکثر علامات پائی جاتی تھیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء میں اس کے دجال ہونے یا نہ ہونے میں توقف فرماتے مگر جب تمیم داری کا قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان ہوا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا توقف ختم ہوا اور اسی محصور فی الجزیرہ کے بارے میں رائے مجتمع ہو گئی کہ وہی دجال اعظم ہے۔

نوٹ:۔ جو لوگ ابن صیاد کے دجال ہونے کا باور کرتے ہیں وہ ابن صیاد کے مدینہ میں ہونے اور صاحب اولاد ہونے وغیرہ کے کچھ جوابات دیتے ہیں کہ مثلاً یہ علامات اس کے خروج کے بعد ہوں گی نہ کہ ابتداءً مگر ان کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی گئی کیونکہ یہ رائے کمزور ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

"عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَرّ بابن صیاد فی نَفَرٍ من اصحابہ منھم عمر بن الخطاب ھو یلعب مع الغلمان عند اُطُم بنی مغالۃ وھو غلام فلم یشعُر حتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ضرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ظھرہ بیدہ ثم قال: اَتَشھدُ انی رسول اللّٰہ؟ فَنَظَرَ الیہ ابن صیاد قال: اشھدُ انک رسول الاُمِّیِّین قال ثم قال ابن صیاد للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم :أتشھدُ انی رسول اللّٰہ؟ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اٰمنتُ باللّٰہ وَرُسُلِہ ،ثم قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما یأتیکَ؟ قال ابن صیاد: یأتینی صادق و کاذب فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم :خُلِّطَ علیک الامر ائم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی قد خَبَأتُ لَکَ خبیئا، وخَبَأ لہ "یوم تأتی السَّمَاءُ بدخان مبین" فقال ابن صیاد: وھو الدخ، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِخسَأ فلن تعدُو قدرَک اقال عمر یارسول اللّٰہ! إئذن لی فَاَضرب عنقہ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اِن یکُ حقاً فلن تُسَلَّطَ علیہ وإن لایَک فلاخیر لک فی قتلہ قال عبدالرزاق یعنی الدجال".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ جن میں عمرؓ بھی تھے ابن صیاد کے پاس سے گذرے جبکہ وہ بچوں کے ساتھ بنی مغالہ کے قلعے کے پاس کھیل رہا تھا وہ ابھی بچہ ہی تھا پس اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا پتہ نہ چل سکا تا آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پُشت پر مارا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ کر کہا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اُمّیّین کے رسول ہیں ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر ابن صیاد نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں اور اس کے رسولوں پر پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس کیا چیز آتی ہے؟ ابن صیاد نے کہا میرے پاس سچا اور جھوٹا (یا سچ اور جھوٹ) دونوں آتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے اوپر معاملہ گڈمڈ (خلط ملط) ہو گیا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھ سے ایک بات چھپاتا ہوں (تم بتاؤ وہ کیا ہے؟) اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "یوم تأتی السماء بدخان مبین" (آیت کو صحابہ کے سامنے آہستہ تلاوت کر کے یا) دل میں متعین و منتخب فرمالی، تو ابن صیاد کہنے لگا وہ "الدّخ" ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پَرے ہو تیری قدر ہرگز نہیں بڑھے گی، حضرت عمرؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نہیں) اگر یہ واقعی (وہ دجال) ہے تو پھر آپ اس پر مسلط نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

ہو سکتے (کیونکہ اس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں) اور اگر یہ وہ نہیں تو پھر آپ کو اس کے قتل سے کوئی فائدہ نہیں ملے گا۔ راوی عبدالرزاق فرماتے ہے کہ ان یکن حقا کی ضمیر سے مراد دجال ہے۔

تشریح:۔ "اُطُـــم" بروزن کُتُب پتھروں کی بلند عمارت کو کہتے ہیں جو قلعہ نما ہوتی ہے جمع آطام آتی ہے۔ قولہ: "امنت باللہ ورسلہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لطیف انداز اس لئے اختیار فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے دجال ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں تأمل تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے آپ علیہ السلام کے سامنے قسم کھا کر فرمایا کہ یہی دجال ہے تو آپ نے اس کی نفی نہیں فرمائی پس یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کی بات کی تردید غیر محسوس انداز سے فرمائی کہ بالفرض اگر یہی دجال ہے تو کہیں بڑا فتنہ قبل از وقت برپا نہ ہو جائے۔

(کذا فی المسک الذکی للتھانوی رحمہ اللہ)

قولہ: "یأتینی صادق و کاذب" یا تو فرشتہ اور شیطان مراد ہے یا پھر موصوف مقدر ہے ای خبرٌ صادق وخبر کاذبٌ یعنی مجھے بعض سچی باتیں القاء ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی اور یہ کاہنوں کا شیوہ ہے جن کی باتوں میں ننانوے فیصد باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ لہٰذا صادق کی تنوین برائے تقلیل اور کاذب کی برائے تعظیم وتکثیر لیں گے۔ یعنی معمولی سچ اور زیادہ تر جھوٹ۔ قولہ: "وھو الدخ" بعض حضرات کہتے ہیں کہ دخ ایک لغت میں دخان کو کہتے ہیں عارضہ میں ہے کہ وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا پھر یہ اطلاع علم غیب کی دلیل نہیں بلکہ کہانت کی علامت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کاہنوں کو ایسے امور پر اطلاع دینے میں آزمائش کی حکمت مستتر ہوتی ہے تا کہ اہل زیغ گمراہ ہوں اور اہل ایمان جان لیں کہ یہ کاہن ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِخسـا" یہ الفاظ کُتے کو دھتکارنے کے لئے بولے جاتے ہیں، یعنی جب تمہیں اس قسم کی خبریں معلوم ہو جاتی ہیں تو پھر تم کاہن ہی ہو پھر ابن صیاد کو اس اطلاع کی صورت کیا تھی؟ تو اس بارے میں مشہور یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے چھپکے سے مشورہ کیا تھا جس کو ابن صیاد نے یا اس کے شیطان نے سُن لیا تھا، مگر حضرت تھانویؒ نے اس پر زور دیا ہے کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام کے قلوب تک رسائی کوئی مستبعد نہیں ہاں اس سے گناہ نہیں کروا سکتا ہے اس پر بطور استدلال حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ "انی مَسَّنِیَ الشیطٰن بنصب وعذاب" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ "وما انسٰنیہ الا الشیطٰن" نقل فرمایا ہے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ پہلا قول اسلم واحوط ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کو یہ تکلیف براہ راست

Maktaba Tul Ishaat.com

شیطان سے نہیں بلکہ ان کی بیوی کو ورغلانے سے پہنچی تھی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ نسبت شیطان کی طرف کرنا بطور تأدب بھی ممکن ہے۔ واللہ اعلم

سوال:۔ جب ابن صیاد نے نبوت کا دعویٰ کیا تو پھر آپ علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت کس حکمت کے تحت مرحمت نہیں فرمائی؟؟؟

جواب:۔ (۱) اس لئے کہ ابن صیاد یہودی بچہ تھا اور ان دنوں میں آپ علیہ السلام کی یہود کے ساتھ صلح چل رہی تھی۔

جواب:۔ (۲) ابن صیاد نابالغ تھا جیسا کہ روایت میں "وھو غلام" سے معلوم ہوتا ہے اور نابالغ بچوں کی بات کو اتنی سنجیدگی سے لینا لازمی تصور نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ مکلف نہیں ہوتے ہیں جبکہ قتل کی سزا اس عظیم جرم پر جاری ہوتی ہے جو اپنے محل میں ہو یعنی عاقل، بالغ سے صادر ہو۔

باب کی اگلی روایت کا مضمون بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر کی روایت کا ہے بعض الفاظ کا اختلاف معنوی اختلاف کو مستلزم نہیں ہوتا ہے۔

قولہ: "وله ذوابة" چٹیا یعنی سر کے بالوں کی چوٹی کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "اری عرشا فوق الماء" ابن صیاد نے کہا میں پانی (سمندر) پر تخت دیکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ابلیس کا تخت دیکھتا ہے جو سمندر پر ہے، عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ جب ابلیس نے سنا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ رب العزت کا عرش پانی پر (بلا احتیاج) تھا تو ابلیس نے بھی ایک تخت بنا کر سمندر پر رکھ دیا تا کہ وہ اللہ کی ہمسری کا تأثر دے۔ والعیاذ باللہ، لعنة اللہ علی ابلیس واعوانه.

رہا یہ مسئلہ کہ ابن صیاد ابلیس کو کیسے دیکھ سکتا تھا جبکہ باقی لوگوں کو تو نظر نہیں آتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی مستبعد نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ آنکھوں میں جس طرح قوت وصلاحیت ودیعت فرمانا چاہے اس کے لئے آسان ہے۔ آج کل کے دور میں جدید آلات سے یہ اشکال آسان ہو گیا ہے کہ جس آدمی نے اندھیرے میں دیکھنے والی عینک لگائی ہو وہ تاریکی میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ **قولہ:** "قال اَرٰی صادقا وکاذبین الخ" یعنی میرے پاس ملی جلی مخلوط خبریں آتی ہیں بعض سچی اور باقی جھوٹی ہیں۔ **قولہ:** "لُبِّسَ علیه" بصیغۂ مجہول لبس یا تلبیس سے ہے باب ضرب سے بمعنی مشتبہ اور گڈمڈ، خلط ملط ہونے اور کرنے کے ہیں یعنی اس پر اشتباہ ہو گیا ہے۔ **قولہ:** "فدعاه" امر کا صیغہ برائے تثنیہ ہے مخاطب شیخین رضی اللہ عنہما ہیں یعنی آپ دونوں اس کو چھوڑ

Maktaba Tul Ishaat.com

دیں۔ مسلم میں جمع کا صیغہ "دَعُوہ" آیا ہے یعنی اگر تثنیہ ہو تو معنی اُترکاہ ہے جبکہ جمع بمعنی اُترکوہ ہے۔

"عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن ابیه قال قال رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم :یمکث ابوالدجال واُمّه ثلاثین عاماً لایولدلهماولدثم یولدلهماغلام اعوراَضَرُّشئی واقله منفعةً تنام عیناه ولاینام قلبُه ثم نعت لنارسول اللهصلی اللهعلیه وسلم ابویه فقال :ابوه طُوال ضرب اللحم کَاَنّ انفه مِنقار وامه امرأة فرضاخِیّة طویلة الثدیین قال ابوبکرة فسمعتُ بمولود فی الیهود بالمدینة فذهبتُ اناوالزبیربن العوام حتی دخلناعلی ابویه فاذانعتُ رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم فیهما،قلنا:هل لکماولد؟فقالامکثناثلاثین عاماً لایولدلناولدثم ولدلناغلام اعوراَضَرُّشئی وَاَقَلُّه منفعة تنام عیناه ولاینام قلبه قال فخرجنامن عندهمافاذاهومنجدل فی الشمس فی قطیفة وله هَمهَمَةٌ فَکَشَفَ عن رأسه فقال ماقلتما؟قلناوهل سمعتَ ماقلنا؟قال نعم تنام عینایَ ولاینام قلبی".(حسن غریب)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے ماں باپ تیس سال تک بے اولاد رہیں گے ان کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوگی پھران کا ایک بیٹا پیدا ہوگا جو کانا ہوگا جس کا ضرر بہت ہوگا اور نفع بہت معمولی ،اس کی آنکھیں تو سوئیں گی مگر دل اس کا نہیں سوئے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس کے ماں باپ کا احوال بیان فرمایا کہ اس کا باپ لمبا تڑنگا اور کم گوشت (پتلا) ہوگا اس کی ناک گویا چونچ کی سی ہوگی جبکہ اس کی ماں بے تکی موٹی اور لمبی چھاتیوں والی ہوگی ،ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ کے یہودی گھرانے کے ایک بچے کے بارے میں سُنا پس میں اور زبیر بن عوام دونوں گئے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ کے پاس پہنچے، کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو حالت بیان فرمائی تھی وہ ان میں ہو بہو پائی جاتی تھی، ہم نے ان سے پوچھا کیا تمہاری کوئی اولاد ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ تیس سال تو ہم اسی طرح (بے اولاد) رہے ہماری کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی پھر ہمارا ایک کانا بچہ پیدا ہوا جو بہت نقصان دہ اور معمولی منفعت والا ہے اس کی آنکھیں تو سو جاتی ہیں مگر دل اس کا نہیں سوتا، فرماتے ہیں کہ ہم وہاں سے نکلے تو دیکھا کہ وہ دھوپ میں زمین پر چادر میں لپٹا ہوا لیٹا تھا، اور اس کی بھنبھناہٹ سُنائی دے رہی تھی، پس اس نے سر سے کپڑا ہٹایا اور کہا تم دونوں نے کیا کہا؟ ہم نے جواب دیا کیا تم نے سُن لیا اس نے کہا ہاں، میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں لیکن دِل نہیں سوتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"اضر شئی واقله منفعة"ای اقل شئی منفعة یعنی اولاد کے جو منافع ہوتے ہیں وہ اس سے عاری تھا اگر چہ نفس اولاد محبت وسکون کا سامان تو ہے مگر وہ تسکین قلب کا اتنا سامان نہ تھا جتنا کہ تشویش اور پریشانی کا سبب تھا مع ھذا وہ معیوب بھی تھا۔**قولہ:"طوال"** بروزن غراب اس میں طوالت کے معنی بنسبت طویل کے زیادہ پائے جاتے ہیں۔**قولہ:"ضرب اللحم"** یعنی کم گوشت والا اور لاغر قسم کا۔ **قولہ:"مِنقار"** بکسر المیم چونچ۔**قولہ:"فِرضاخية"** بکسر الفاء وتشدید الیاء وہ عورت جس کی ضخامت و جسامت بھی زیادہ ہو اور چھاتیاں بھی بڑی بڑی ہوں مع ھذا اس میں طوالت ولمبائی بھی ہو۔**قولہ: "منجدل"** بکسر الدال جدالہ زمین کو کہتے ہیں یعنی زمین پر پڑا ہوا تھا۔**قولہ:"قطيفة"** مخمل نما چادر۔ **قولہ: "همهمة"** نگنانے اور ایسی آواز کو کہتے ہیں جو شہد کی مکھیوں کی طرح سُنائی دے لیکن مفہوم نہ سمجھا جا سکے۔

ابن صیاد کے بارے میں سابقہ روایات سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اصلی دجال یعنی دجال کبیر نہ تھا ہاں نفس دجال ضرور تھا مگر علامات کا پایا جانا ذی العلامات کی دلیل نہیں ہوتی ہے، پھر حضرت ابوبکرہؓ چونکہ فتح مکہ کے بعد ہجرت فرما کر مدینہ میں آئے ہیں لہٰذا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ انہوں نے اس وقت اس بچے کی پیدائش کے بارے میں سُنا کیونکہ وہ تو مراہق تھا بلکہ جب انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علامات سُن لیں تو ان کو جستجو ہوئی پھر آپ نے سنا کہ اس طرح کا ایک بچہ مدینہ میں موجود ہے، چنانچہ بچے کی بات چیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نومولود نہ تھا بلکہ عاقل قریب الاحتلام تھا۔

نیز شیطان وابلیس کا بھی ایک سلسلۂ نبوت ہوتا ہے جس میں وہ جھوٹے نبیوں کی کڑیاں ملاتا رہتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کے دل بیدار رہتے ہیں۔تدبر وتشکر

باب (بلاترجمہ)

"عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماعلى الارض نفس منفوسة يعنى اليوم يأتى عليهامائة سنة".(حسن)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی متنفس زمین پر ایسا نہیں یعنی آج جس پر سو سال گذر جائیں گے۔

تشریح:۔ نفس سے مراد انسان ہے اور منفوسہ جو سانس لیتا ہو یعنی آج جو بھی روئے زمین پر زندہ ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

خواہ بالکل نومولود بچہ ہی کیوں نہ ہو وہ اگلے سو سال کے اندر اندر انتقال کر جائے گا۔

مسلم میں ہے کہ یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا تھا چنانچہ سب سے آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ ۱۱۰ھ کو وفات پائے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۱۱ھ ربیع الاول میں ہوا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ سو سال کے بعد قیامت آئے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ اس قرن کے لوگ ختم ہو جائیں گے پس جن حضرات نے اس سے مراد قیامت لی ہے تو اس سے مراد قیامت صغریٰ ہے یعنی "من مات فقد قامت قیامته" کے تحت اس قرن کی قیامت مراد ہے۔

اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ وہ زمین پر نہ تھے بلکہ آسمان میں تھے، اسی طرح ابلیس بھی پانی پر تھا نیز ابلیس انسان بھی نہیں جبکہ یہاں انسانی حیات کی بات ہو رہی ہے، ہاں البتہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات اختلافی ہے، امام بخاریؒ، ابوبکر بن العربیؒ وغیرہ بعض محدثین ان کی وفات کے قائل ہیں ان کی دلیل باب کی حدیث ہے۔ جبکہ جمہور ان کی حیات کے قائل ہیں، جمہور کے نزدیک یہ عام مخصوص منہ البعض ہے یا پھر حضرت خضر اس رات کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے تھے پانی پر ہوں گے نہ کہ ارض یعنی خشکی پر۔

اس بارے میں طرفین و فریقین کے دلائل ظنی ہیں اور کوئی حتمی و یقینی بات کسی کے پاس نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

قوله: "فوهل الناس" بمعنی فزع بھی آتا ہے اور بمعنی غلط بھی آتا ہے پہلے معنی کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ لوگ اس ارشاد کی وجہ سے گھبرا گئے کہ سو سال میں خروج دجال وغیرہ سارے فتنے آجائیں گے جبکہ دوسرے معنی کے مطابق مطلب یہ ہے کہ لوگ اس حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکے بلکہ اس میں غلطی کر گئے کہ قیامت آجائے گی حالانکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ "ان ینخرم ذالک القرن" یہ قرن ختم ہو جائے گا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ انخرام بمعنی انقطاع وفنا کے ہے ای لایبقیٰ احد۔ قوله: "فی مقالة رسول الله صلی الله علیه وسلم فیما یتحدثون بهذه الاحادیث الخ" یعنی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کو سمجھنے میں غلطی کی یا اس سے خوف زدہ ہو گئے اور اس بارے میں اس قسم کی باتیں کرنے لگے کہ مثلاً سو سال کے بعد قیامت آئے گی یا سارے فتنے دجال اور خروج یاجوج وماجوج وغیرہ سب آجائیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی النهی عن سَبِّ الرِّیاح

ہوا کو بُرا بھلا کہنے کی ممانعت کے بارے میں

"عن ابی بن کعب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :لاتَسُبُّوا الریح فاذا رأیتم ماتکرھون فقولوا: اللھم انانسئلک من خیر ھذہ الریح وخیر مافیھا وخیر ماأُمِرَت بہ ونعوذبک من شر ھذہ الریح وشر مافیھا وشر ماأُمِرَت بہ". (حسن صحیح)

ہوا کو بُرا مت کہو پس جب تم کوئی ناگوار صورت حال دیکھو تو یوں کہو اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور جو خیر اس میں ہے اور جس خیر کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے، اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کی شر سے اور جو شر اس کے اندر ہے اور جس شر کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

تشریح:۔ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ لوگوں کی نفسیات اور طبعیت یہ ہے کہ جب بار بار کسی چیز کو دوسری چیز سے منسلک دیکھتے ہیں تو ثانی کی نسبت اول کی طرف کرتے ہیں جیسے زمانے کی طرف خیر وشر کو منسوب کرنا اور دواء کی طرف شفاء کو منسوب کرنا، علی ہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہوا تو بذات خود کچھ نہیں کر سکتی یہ تو اللہ کی طرف سے مامور و مجبور ہے اس لئے ہوا کو قصوروار نہ سمجھا جائے، دوسری جانب اللہ حکیم ذات ہے وہ خیر کے فیصلے فرماتے ہیں اور حکیم کبھی بھی قلیل شر و نقصان کی بناء پر عظیم نفع و خیر یعنی مفاد عامہ کو نہیں روکتا لہٰذا ہوا ہو یا بارش وغیرہ ان سے اگر کسی کو جزوی نقصان اٹھانا پڑے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ پورا عمل بُرا ہے اور اس کو گالیاں دینے لگے بلکہ فائدہ کا سوال اور نقصان سے بچنے کی دعا مانگنی چاہئے۔

بابٌ

دجال کے بارے میں

"عن فاطمة بنت قیس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صَعِدعلی المنبر فضحک فقال: ان تمیما الداری حدثنی بحدیث ففرحت فاحببتُ ان اُحدِّثکم :ان ناسامن اھل فلسطین رکبوا سفینة فی البحر فجالت بھم حتی قذفتھم فی جزیرة من جزائر البحر فاذاھم بدابّةٍ لبّاسةٍ ناشرةٍ شعرَھا، فقالوا ماانتِ قالت: انا الجساسه ،قالوا فاَخبرینا قالت: لااخبرکم

Maktaba Tul Ishaat.com

ولااستخبركم ولكن ائتوا اقصىٰ القرية فان ثَمَّ من يخبركم ويستخبركم فاتيناالقصىٰ القرية فاذارجل مُوْثَقٌ بسلسلة فقال: اخبرونی عن عين زُغَرَ قلنامَلاٰیٔ تدفُق قال اخبرونی عن البحيرة قلنامَلاٰیٔ تدفُق قال اخبرونی عن نخل بَيسان الذی بين الاُردن وفلسطين هل اَطعَمَ؟قلنانعم قال اخبرونی عن النبی هل بُعِثَ؟قلنانعم قال اخبرونی كيف الناس اليه؟ قلنااِسراع ،قال فنزانزوةً حتىٰ كَادَ ،قلنافماانتَ؟ قال انا الدجال وانه يدخل الامصار كلَّهاالّاطيبة وطيبة المدينة ۔ (حسن صحيح)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے (جلوہ افروز ہوگئے) اور مسکرا گئے اس کے ساتھ فرمانے لگے کہ تمیم داری نے مجھ سے ایک بات (واقعہ) بیان کی جس سے مجھے خوشی ہوئی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کو بھی بتادوں، بے شک فلسطین کے کچھ لوگ سمندر میں کشتی پر سوار ہوگئے تو وہ کشتی ان کو دوسری طرف لے گئی (یعنی ناموافق ہوا کی وجہ سے) تا آنکہ ان کو سمندر کے جزائر میں سے کسی جزیرہ پر پھینک دیا (اتار دیا) پس اچانک ان کا واسطہ ایک ایسے جانور سے پڑا جو بہت زیادہ بالوں والا (یا بہت فریب کار) تھا بکھرے ہوئے (یا لمبے لمبے) اس کے بال تھے، چنانچہ انہوں نے اس سے پوچھا تو کیا ہے؟ وہ کہنے لگا میں خبر رساں ہوں (جاسوسی کرنے والا) ان فلسطینیوں نے کہا پھر تم ہم کو (اپنی حقیقت یا خبروں سے) آگاہ کرو، وہ کہنے لگا کہ نہ تو میں تمہیں کوئی خبر دونگا اور نہ ہی تم سے کوئی بات پوچھوں گا، لیکن تم لوگ (میرے ساتھ) اس بستی کے اخیر میں چلے جاؤ بے شک وہاں ایسا شخص ہے جو تم کو خبر بھی دے گا اور تم سے خبریں بھی معلوم کرے گا، چنانچہ ہم اس بستی کے اخیر میں آئے تو دیکھا کہ ایک شخص زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اس نے کہا مجھے زغر چشمے کے بارے میں بتاؤ ہم نے کہا وہ تو بھرپور بہہ رہا ہے، اس نے کہا مجھے بُحیرہ کے متعلق بتاؤ (یعنی طبریہ) ہم نے کہا وہ بھی بھرا ہوا چھلک رہا ہے اس نے کہا بیسان کے نخلستان کے بارے میں بتاؤ جو اردن اور فلسطین کے درمیان ہے کہ آیا وہ پھل دینے لگا ہے؟؟ ہم نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا مجھے نبی (آخر الزمان) کے بارے میں بتاؤ کہ آیا وہ مبعوث ہوگئے ہیں؟ ہم نے کہا ''ہاں'' پوچھا مجھے بتاؤ ان کے بارے میں لوگوں کا ردعمل کیا ہے؟ ہم نے کہا تیزی سے ان پر ایمان لا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اس نے ایک زبردست جنبش کی حتی کی زنجیروں سے نکلنے کے قریب ہوگیا ہم نے پوچھا تم کون ہو (کیا ہے؟) اس نے کہا میں دجال ہوں، دجال سب شہروں میں داخل ہوگا سوائے طیبہ اور طیبہ وہی مدینہ ہے۔ اخرجه مسلم وابوداؤد وابن ماجه

Maktaba Tul Ishaat.com

واحمدوالحمیدی

تشریح:۔یہ روایت مسلم میں نسبتاً زیادہ تفصیل سے آئی ہے اس لئے تشریح میں اس کو بھی ملحوظ رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔قولہ:"صعدعلی المنبر"مسلم میں ہے کہ اس سے قبل اعلان ہوا تھا کہ"الصلوٰۃ جامعۃ"چنانچہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ میں مسجد میں آئی اور عورتوں کی اس صف میں بیٹھ گئی جو مردوں کی صف سے متصل تھی، پھر جب آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوگئے تو مسکراتے ہوئے منبر پر جلوہ افروز ہوگئے چونکہ اس میں جلس علی المنبر کی تصریح ہے اس لئے معلوم ہوا کہ خطبۂ مشہورہ (جمعہ وغیرہ) کے علاوہ وعظ اور نصیحت کی غرض سے منبر پر بیٹھنا جائز ہے اگرچہ جمعہ وغیرہ مسنون خطبہ کھڑے ہوکر ہی دیا جائے گا۔قولہ:"ان تمیما الداری" یہ اپنے جد"دار"کی طرف منسوب ہے اس وقت مشرف بایمان نہ ہوئے تھے یہ روایت ان کی بڑی منقبت ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ واقعہ ان کے حوالے سے بیان فرمایا۔قولہ:"رکبوا سفینۃ" مسلم میں ہے کہ کل تیس آدمی تھے۔قولہ:"فجالت بھم"کشتی ان کو گھما پھیرا کر لے گئی یعنی موجوں نے ان کی کشتی دھکیل دی یہاں تک کہ"قذفتھم"ان کو ایک جزیرہ پر ڈال دیا مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ سفر ایک مہینے کا تھا اور مغرب الشمس میں ایک جزیرے تک پہنچ گئے، علی ہذا معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ بحیرۂ روم میں سفر کررہے تھے تو پھر یہ واقعہ بحراوقیانوس میں شمال مغربی افریقہ اور جنوب مغربی یورپ میں سپین اور مراکش کے مغرب میں پیش آیا ہوگا، اور اگر ان کا سفر بحرقلزم (بحراحمر) میں تھا تو پھر بھی یہ بحراوقیانوس جنوبی افریقہ کی سمت میں پیش آیا ہوگا کیونکہ بحرقلزم (بحراحمر) بجانب مشرق ومغرب اتنا چوڑا نہیں ہے بلکہ ایک خلیج ہے، اور جس روایت میں دجال کو از جانب مشرق برآمد ہونے والا قرار دیا ہے تو اس سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں خروج کی بات ہے جبکہ مندرجہ بالا جملے میں اس کی موجودگی کی بات کی گئی ہے۔قولہ:"بدابۃ لباسۃ"مسلم کی روایت میں ہے کہ"فلقی انساناًیجرشعرہ" جبکہ ابوداؤد کی روایت میں اس پر امرأۃ کا اطلاق بھی کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان نما کوئی جانور تھا یا شیطان تھا، لباسہ مبالغے کا صیغہ ہے یا تو لبس بمعنی خلط ملط سے ہے یعنی بہت فریب کار یا بمعنی لباس سے ہے اور یہی راجح ہے یعنی وہ سرتاپا بالوں میں لپٹا ہوا تھا جیسے کوئی کپڑوں میں چھپا ہوا ہو، ایک روایت میں ہے کہ ان کی کشتی ٹوٹ گئی تھی یہ لوگ ایک تختے پر سوار ہوکر اس جزیرے تک پہنچے تھے جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی بڑی کشتی کے اندر موجود چھوٹی کشتی پر سوار ہوکر اس جزیرے تک پہنچے تھے اور پانی تلاش کررہے تھے کہ اچانک ساحل پر اس دابہ سے آمنا سامنا ہوگیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "ناشرة شعرها" اس میں ناشرۃ مجرور ہے کہ دابہ کی صفت ثانیہ ہے جبکہ شعرھا بنا بر مفعولیت منصوب ہے، یہ گویا لباسۃ کا بیان ہے۔ قولہ: "الجسّاسه" تجسّس کرنے والا یعنی میں خبر رساں اور مخبری کرنے والا ہوں۔ "ائتوا اقصیٰ القریة" مسلم میں ہے "انطلقوا الی هذاالرجل فی الدیر" یعنی اس گرجے میں موجود شخص کی طرف چلو چنانچہ جب اس سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا خوفناک انسان زنجیروں میں اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اس کے ہاتھ کندھوں تک اور گھٹنے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے، پھر مسلم کی روایت کے مطابق دجال نے ان سے تعارف پوچھا تو انہوں نے پوری تفصیل سے واقعہ بیان کیا کہ ہم یہاں کیسے پہنچے۔

قولہ: "زغر" بضم الزاء وفتح الغین (معجم البلدان جلد: ۳، ۴ ص: ۴۷۷) پر ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ جب حضرت لوط علیہ السلام سدوم سے نکلے تو ان کی دو صاحبزادیاں ان کے ہمراہ تھیں بڑی کا نام "ریّہ" تھا اور چھوٹی کا "زُغر" تھا، راستہ میں پہلے ریّہ کا انتقال ہوا جن کو ایک چشمے کے پاس دفنایا جس سے اس چشمے کا نام "عین رَیّہ" پڑ گیا پھر زغر کا دوسرے مقام پر انتقال ہوا وہ جس چشمے کے پاس مدفون ہیں اس کا نام "عین زُغر" ہے۔ قولہ: "مَلأی" بھرا ہوا۔ قولہ: "تدفق" دفق کودنے اور اُچھلنے کو کہتے ہیں یعنی وہ خوب لبریز ہے اس کا پانی پُر جوش انداز سے بہہ رہا ہے لوگ اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ قولہ: "البحیرة" وہی طبریہ کا بحیرہ ہے جس کے بارے میں پہلے بتایا گیا ہے مسلم میں ہے کہ دجال نے کہا یہ بحیرہ خشک ہو جائے گا۔ قولہ: "نخل بیسان" بفتح الباء وسکون الیاء یہ علاقہ پہلے فلسطین اور اردن کا حصہ تھا مگر اب اس پر اسرائیل نے قبضہ کیا ہے مسلم میں ہے کہ دجال نے کہا کہ قریب ہے کہ یہ نخلستان ختم ہو جائے گا چنانچہ مشہور مؤرخ ابوعبداللہ حموی المتوفی ۶۲۶ھ فرماتے ہیں کہ بیسان اپنی کھجوروں کی وجہ سے مشہور تھا میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں مگر مجھے وہاں صرف دو پُرانے کھجوروں کے باغ ہی نظر آئے۔ (معجم البلدان ج: ۱-۲ ص: ۴۱۴) تاہم آج کل بیسان کا جو حصہ اردن میں داخل ہے وہاں زیادہ تر گندم اور سبزیاں وغیرہ ہوتی ہیں۔

قولہ: "فنزانزوة حتی کاد" یعنی اس نے اس زور کے ساتھ جنبش کی کہ قریب تھا کہ وہ زنجیروں کی قید سے آزاد ہو جاتا، یہ جنبش یا تو خوشی کے مارے تھی کہ اس کو وہ علامات معلوم ہو گئیں جن کا اس کو انتظار تھا کہ اس کے خروج کا زمانہ قریب آ گیا، یا پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبولیت کے بارے میں سُن کر وہ غم اور غصے سے بھر گیا اور پھر ایک مایوسی بھری جنبش کی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ حدیث دیگر متعدد صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے جیسے حضرت عائشہ، حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم۔ قالہ الحافظ

بابٌ

"عن حذیفة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :لاینبغی للمؤمن ان یُذِلَّ نفسه ،قالوا: وکیف یذل نفسه ؟قال یعترض من البلاء لِمَالایطیق". (حسن غریب) اخرجه احمدایضاً

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو رسوا کرے، صحابہ نے عرض کیا وہ خود کو کیسے ذلیل کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسی آزمائش کا بیڑا اٹھائے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔

تشریح:۔ ذلت، عزت کے مقابل آتی ہے خصوصاً جب آدمی اپنی مراد میں ناکام رہے تو اس پر اطلاق بوجہ اتم ہوتا ہے جبکہ بلاء آزمائش ومصیبت کو بھی کہتے ہیں اور زبردست کوشش ومحنت کو بھی، یہاں بمعنی آزمائش بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی تعب ومشقت یعنی ناقابل برداشت عمل یا قول بھی۔

غارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہ فعل یا قول اگر مندوبات کے زمرے میں سے ہوں تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں گویا لاینبغی بمعنی لاتحل ولا یجوز ہوا، اور اگر فرائض میں سے ہوں جیسے امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو اس میں تفصیل واختلاف ہے جو پہلے اپنے باب میں گذرا ہے۔

غرض ہر کام اور ہر بات میں اپنی قدرت کا جائزہ لینا لازمی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک کام یا ذمہ داری قبول کرے یا شروع کرے اور پھر اسے نبھا نہ سکے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وقت ضائع ہوگا، وسائل ضائع ہوں گے، مسائل میں اضافہ ہوگا اور لوگوں کے طنز وتمسخر کا دروازہ کھل جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ

باب

"عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: اُنصر اخاک ظالماًاو مظلوماً،قیل یارسول اللّٰہ!نَصَرتُه مظلوماًفکیف اَنصره ظالماً؟قال تَکُفُّه عن الظلم فذاک نصرُک ایاه". (حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے (اسلامی) بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! جب وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد تو کر سکتا ہوں مگر جب وہ ظالم ہو تو اس کی مدد کیسے کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بایں طور) کہ تم اس کو ظلم سے روک دو گے تو یہ اس کی مدد ہو جائے گی تیری طرف سے۔

تشریح:۔ قولہ: "ظالماً" اخاک مفعول سے بناء برحالیت منصوب ہے۔ سائل کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ شاید ظالم کا ساتھ دینا مراد ہے اور جواب کا مطلب ظاہر ہے کہ جب اسے ظلم سے اور جھگڑے کے اسباب سے باز رکھو گے تو یہ چیز اس کے ظلم سے روکنے اور ہلاکت اور شیطان کی شرارت سے حفاظت کا سبب ثابت ہوگی۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ مظلوم کی مدد کا وجوب استطاعت اور عدم فساد سے مشروط ہے اگر استطاعت نہ ہو تو وجوبِ نصرۃ ساقط ہو جائے گا جبکہ کسی بڑے فساد کے برپا ہونے کی صورت میں شاید ندب وجواز بھی ختم ہو جائے جیسے آج کل کے دور میں بعض دفعہ مظلوم کی مدد خطرناک ثابت ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

باب

"عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من سکن البادیة جَفَا ومن اِتَّبَعَ الصیدغفل، ومن اَتیٰ ابواب السلطان اُفتُتِنَ". (حسن غریب)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بادیہ (صحراء، دیہات وجنگل) میں رہائش پذیر ہوگا اس کا دل سخت ہوگا اور جو شکار کے پیچھے پڑے گا وہ غافل ہوگا اور جو شخص بادشاہوں کے دروازوں پر جائے گا وہ فتنہ (آزمائش وگناہ وغیرہ) میں مبتلاء ہوگا۔

تشریح:۔ "جفا" ستم اور غلظت کو کہتے ہیں مشاہدہ یہی ہے کہ دیہاتی لوگ بڑے سخت جان اور سخت دل ہوتے ہیں کیونکہ وہ اہل علم اور شہری ماحول اور تہذیب سے دور ہوتے ہیں دیہاتیوں کی اپنی تہذیب ہوتی ہے جس پر عموماً جانوروں کی عادات کا اثر ہوتا ہے یہ صحبت اور پیشے کی تاثیر ہے، پتھروں اور لوہے کا اثر ان کے مزاج پر پڑتا ہے تاہم اگر شہری ماحول دیہی ماحول سے زیادہ بگڑ جائے تو پھر دیہات وجنگلات شہروں سے افضل ہیں جیسا کہ پہلے تفصیل سے گذرا ہے چونکہ اثر قبول کرنے کے لئے وقت درکار ہے اس لئے یہ ارشاد عادی دیہاتی کے بارے میں ہے جو مستقل وہاں رہتا ہو چند ایام کے رہنے سے جیسے کوئی بطور سیر وتفریح یا کسی وقتی ضرورت

Maktaba Tul Ishaat.com

سے وہاں جائے، کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔

شکار اگر بطور لہو ولعب کے ہو تو وہ غفلت کو مستلزم ہے کہ ایسا آدمی تعلیم، نمازوں اور دیگر لوازمات کا خیال نہیں رکھتا ہے یا کم رکھتا ہے اور شکار کے شوق سے یہ مرض اور بھی بڑھ جاتا ہے مگر بطور ضرورت وحاجت اور نمازوں کی رعایت کی صورت میں شکار معیوب نہیں۔

جہاں تک بادشاہوں کے دروازوں پر دستک دینے کی بات ہے تو آج کے دور میں اس سے فتنہ میں مبتلا ہونا اغلب ہے کہ وہ آدمی سے غلط کام لیتے ہیں اگر عالم ہے تو اس سے من پسند فتوی صادر کرواتے ہیں، ان کی طرز زندگی دیکھ کر آدمی اپنی حالت پر ناشکری کرتا ہے وغیرہ وغیرہ تاہم اگر کوئی نیک نیتی سے ان کے دربار میں جاتا ہے اور ان کی اصلاح پر قادر بھی ہے اور کلمۂ حق بلند کرسکتا ہے تو وہ شخص ماجور ہوگا اگر چہ آج کل یہ ممکن عقلاً تو ہے مگر امکان وقوعی سے دور ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

دوسری حدیث:۔ "انکم منصورون ومصیبون ومفتوح لکم فمن ادرک ذاک منکم فلیتّق اللّٰہ ولیأمر بالمعروف ولینہَ عن المنکر ومن یکذِب عَلَیَّ متعمدافلیتبوأ مقعدہ من النار". (حسن صحیح)

تم مدد کئے جاؤ گے اور تم (مال تک یعنی غنیمت تک) رسائی حاصل کرنے والے ہو اور تمہارے لئے فتح کئے جائیں گے (شہر وممالک) پس جو شخص اس مذکور کو پائے تو اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا رہے اور جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنادے۔

چونکہ دولت وحکومت دونوں تقویٰ سے دور لے جانے کے اسباب میں سے ہیں کہ عموماً ان میں مبتلا شخص کم ہی تقویٰ بجالاتا ہے اس لئے آپ علیہ السلام نے فتوحات کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ ان کو تقویٰ کی بھی وصیت کی اور یہ کہ اپنا اصل فریضہ نیکی کی طرف بلانے اور بدی سے روکنے کا عمل کبھی بھی نہ چھوڑیں۔

حدیث کا آخری جملہ ان شاء اللہ "ابواب العلم، باب ماجاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" میں آئے گا، خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر بمعنی اخبار ہے اور یہ روایت بیس سے زیادہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن حذيفة قال قال عمر: ايكم يحفظ ماقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الفتنة؟ فقال حذيفة انا، قال حُذيفة: فتنة الرجل فى اهله وماله وولده وجاره تكفرّها الصلوٰة والصوم والصدقة والامر بالمعروف والنهى عن المنكر، قال عمر: لستُ عن هذا اَسالكَ ولكن عن الفتنة التى تموج كموج البحر، قال: ياامير المؤمنين ان بينكَ وبينها بابا مغلقاً قال عمر أيُفتح ام يُكسر؟ قال: بل يُكسَرُ قال: اذاً لايُغلق الى يوم القيٰمة، قال ابو وائل فى حديث حماد فقلتُ لمسروق سَل حذيفة عن الباب فَسَألَه فقال: عمر".

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان یاد کیا ہے جو فتنے کے بارے میں ہے؟ تو حذیفہؓ نے فرمایا "میں نے" حضرت حذیفہؓ نے فرمایا (آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے) آدمی کا فتنہ اس کے اہل و مال اور اولاد و پڑوسی کے بارے میں، ان کی تلافی کرتی ہے نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھ رہا بلکہ اس فتنے کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو سمندری موج کی طرح موج زن ہوگا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! بے شک آپ کے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ (حائل) ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حذیفہؓ نے فرمایا بلکہ وہ توڑا جائے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر تو وہ قیامت تک بند نہیں کیا جائے گا۔

ابو وائل کہتے ہیں (یہ صرف ان کے شاگرد) حماد کی حدیث میں ہے (نہ کہ اعمش وعاصم کی) پس میں نے مسروق سے کہا کہ حضرت حذیفہؓ سے اس دروازے کے بارے میں پوچھو (کہ اس سے کون مراد ہے؟) چنانچہ انہوں نے پوچھ لیا تو حذیفہؓ نے کہا وہ عمرؓ ہیں۔

تشریح: ۔قولہ: "فتنة الرجل فى اهله" یعنی آدمی سے مال وعیال اور جار کی وجہ سے کچھ نہ کچھ بے اعتدالیاں ضرور ہوتی ہیں اور کبھی اولاد اور پڑوسیوں کے بعض مستحب حقوق میں بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں ان دونوں صورتوں میں نماز وغیرہ عبادات سے ان کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ کبائر تک نہ پہنچیں کیونکہ کبیرہ کے لئے توبہ لازمی ہے جیسا کہ کتاب کے شروع مباحث میں گذرا ہے۔ قولہ: "التى تموج كموج البحر" سمندر کی موج

Maktaba Tul Ishaat.com

سے تشبیہ دینے سے غرض فتنے کی شدت اور کثرت شیوع ہے یعنی وہ فتنہ بتاؤ جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے گا، ابن العربیؒ عارضہ میں اشارہ کررہے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے مابعد کے واقعات ہیں گویا وہ بند دروازہ حضرت عثمانؓ ہیں۔ لیکن حدیث کا ظاہری مطلب وہی ہے جو آخر میں بیان ہوا ہے یعنی حضرت عمرؓ۔

قولہ: "ان بینک وبینہا بابا مغلقاً" یعنی وہ فتنہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا اور آپ کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتا کہ آپ بند دروازے کے پیچھے مکمل محفوظ ہیں۔ قولہ: "ایفتح ام یُکسر" کیونکہ کھلا ہوا دروازہ بند کرنا تو آسان ہے مگر جو ٹوٹ جائے تو اسے کیسے بند کیا جائے گا۔ قولہ: "قال بل یکسر" یعنی پھر بند نہیں ہوگا، بلغاء کے کلام میں ایسے ہی کنایات میں بات ہوتی ہے، نیز حضرت حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب السر یعنی رازداں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام اور بہت سے آنے والے فتنوں کے بارے میں آگاہ فرمایا تھا حضرت حذیفہؓ اس راز کو فاش نہیں کرنا چاہتے تھے اس لئے کنایات میں بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ راز صرف حضرت عمرؓ تک محدود رہے، اس لئے بخاری شریف (جلد: ا ص: ۷۵) پر ہے جب حذیفہؓ سے دریافت کیا گیا کہ "اکان عمر یعلم الباب ؟" وہ دروازے کا مطلب جانتے تھے تو انہوں نے جواب دیا "نعم کما ان دون الغد اللیلۃ الخ" یعنی جی ہاں جس طرح کل سے پہلے رات کا یقین ہوتا ہے۔

قولہ: "فقال عمر" یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ اور فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ دروازہ حضرت عمرؓ سے غیر اور مختلف ہو جبکہ یہاں اسے عین عمر قرار دیا گیا فما جوابہ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا وجود فتنوں اور عہدِ محفوظ از فتن کے مابین رُکاوٹ وحاجز وساتر ہے جب تک آپ زندہ ہیں فتنے سر نہیں اٹھا سکیں گے مگر جب آپ کو شہید کیا جائے گا تو پھر فتنوں کا دروازہ گویا نہ صرف کھلے گا بلکہ ٹوٹے گا جیسا کہ بعد میں ایسا ہی ہوا، نیز اس میں آپؓ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہؓ اس حد تک بتانے کے مجاز تھے۔

باب

"عن کعب بن عجرۃ قال خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن تسعۃ خمسۃ واربعۃ احد العددین من العرب والآخر من العجم فقال اسمعوا اھل سمعتم انہ

Maktaba Tul Ishaat.com

سیکون بعدی امراء فمن دخل علیهم فَصَدَّقهم بکذبهم واعانهم علی ظلمهم فلیس منی ولستُ منه ولیس بوارد عَلَیَّ الحوض ومن لم یدخل علیهم ولم یُعنهم علی ظلمهم ولم یصدقهم بکذبهم فهو منی وانا منه وهو وارد عَلَیَّ الحوض". (صحیح غریب) اخرجه النسائی واحمد

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حجرے سے باہر مسجد کی طرف) ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم نو آدمی تھے یعنی پانچ اور چار، ایک عدد ان میں سے عربوں کا تھا (مثلاً پانچ) اور دوسرا عجمیوں کا (مثلاً باقی چار) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ عنقریب میرے بعد امراء (برے حکمران) ہوں گے، جو شخص ان کے پاس جائے گا اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ان کے ظلم میں تعاون کرے گا تو وہ مجھ سے نہیں اور نہ ہی میں اس سے ہوں وہ میرے پاس حوض (کوثر) پر نہیں آئے گا اور جو شخص ان کے پاس نہیں جائے گا اور ان کے مظالم میں ان کی مدد نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے پاس حوض پر (بھی) آئے گا۔

تشریح: ۔قولہ: "خمسة واربعة" یہ نو (تسعہ) کی تفسیر ہے یعنی ان نو میں عرب وعجم دونوں طرح کے لوگ تھے، حدیث کی باقی شرح سابقہ باب سے پیوستہ باب حدیث ابن عباسؓ میں گذری ہے۔ قولہ: "فلیس منی ولست منه" یہ شدید ناراضگی کا اظہار ہے یعنی گویا میرے اور ایسے شخص (عالم) کے درمیان کوئی گہرا تعلق نہیں اور میری طرف سے خلاصی کی شفاعت کا عہد نہیں ہے۔ قولہ: امراء "امراء کی یہ حالت باعتبار اغلب کے ہے ورنہ ان میں اچھے بھی گذرے ہیں۔

حدیث انسؓ: ۔"یأتی علی الناس زمان الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر". (حدیث غریب، تفرد به الترمذی)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جن میں اپنے دین پر صبر کرنے (جمنے) والا ایسا ہوگا جیسے چنگاریوں کو ہاتھ میں تھامنے والا ہوتا ہے۔

تشریح: ۔ترمذی کی یہ حدیث ثلاثی ہے، ثلاثی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مؤلف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہوں چنانچہ یہاں اسماعیل بن موسیٰ، عمر بن شاکر اور حضرت انسؓ تین رجال

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں اور ترمذی میں فقط یہی ایک ثلاثی حدیث ہے تاہم اس میں عمر بن شاکر ضعیف ہیں اگر چہ ضعف زیادہ نہیں۔

قولہ: "جمر" جمرۃ کی جمع ہے چنگاری کو کہتے ہیں پس مطلب یہ ہے کہ جس طرح چنگاریاں مٹھی میں بند کر کے رکھنا آسان کام نہیں ایسا ہی اُس زمانے میں دین کی حفاظت اور اس پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہو جائے گا یا مطلب یہ ہے کہ ضعف ایمان کی وجہ سے اور نامساعد حالات کی بناء پر کوئی شخص دین پر عمل کرنا گوارا نہیں کرے گا جیسے کوئی انگارے مٹھی میں بند کرنا گوارا نہیں کرتا۔

باب

"عن ابی هریرة ان رسول اللهصلی اللهعلیه وسلم وقف علی ناس جلوس فقال: اَلا اخبرکم بخیرکم من شرکم قال فَسَکتوافقال :ذالک ثلاث مرات فقال رجل بلیٰ یارسول اللهاَخبِرنابخیرنامن شرنااقال: خیرکم من یُرجیٰ خیره ویُؤمن شره وشرکم من لایُرجیٰ خیره ولایُؤمَن شره". (صحیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس آ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں آگاہ نہ کروں تم میں سے اچھے لوگوں کے بارے میں بنسبت بُرے لوگوں کے راوی نے کہا پس لوگ خاموش ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد تین بار فرمایا تب ایک آدمی نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ہمیں خبر دیجئے ہم میں سے بہتر لوگوں کی بابت بنسبت اہل شر کے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں اچھا آدمی وہ ہے جس سے خیر کی توقع کی جاتی ہو اور اس کے شر سے بے فکر رہا جائے جبکہ تم میں بُرا شخص وہ ہے جس سے خیر کی امید نہ رکھی جائے اور اس کے شر سے اطمینان نہ ہو۔

تشریح:۔ صحابہ کرامؓ کی خاموشی اس بناء پر تھی کہ وہ اس سے ڈر گئے کہ اگر آپ علیہ السلام نے ہمارے اندر یعنی ان لوگوں میں بُرے افراد کا تعین فرما دیا تو وہ رسوا و تباہ ہو جائیں گے اور چونکہ الایمان بین الخوف والرجاء اس لئے ہر شخص اس خوف کا شکار ہوا تاہم جب آپ علیہ السلام نے اصرار فرمایا تب ایک صحابی نے ہمت کر کے فرمایا کہ ضرور بتلائے ،اور حضور علیہ السلام نے عام ضابطہ ارشاد فرما کر ان کا خوف بھی زائل فرمایا اور تعلیم عام بھی ہو گئی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ کسی کا نام لئے بغیر حکم ارشاد فرماتے ،چونکہ خیر اچھی چیز ہے اس لئے خیر والا افضل ہے جبکہ شر والا اپنے شر کی وجہ سے بُرا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

"عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذامشت امتی المُطیطیاء وخَدَمَهَا ابناء الملوک ابناء فارس والروم سُلِّطَ شرارها علی خیارها. (غریب ،تفرد به الترمذی وموسی بن عبیدة ضعیف)

جب میری امت اِتراتی ہوئی چلنے لگے اور شہزادے اس کی خدمت کرنے لگیں یعنی فارس وروم کے بیٹے تو اس کے بُرے لوگ اچھے لوگوں پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔

تشریح:۔ قولہ: "المُطَیطِیاء" اس میں دو طاء اور دو یاء ہیں میم مضموم اور طاء اولیٰ مفتوح ہے بعض یاء ثانیہ کو حذف کر کے مطیطاء بھی پڑھتے ہیں یہ لفظ مصغر ہے اس کا مکبر نہیں آتا، مَطَّ بمعنی تکبر کے اور مططت بمعنی تمدّد یعنی لمبا کرنا لہٰذا دونوں معنوں کی رعایت کرتے ہوئے مطلب یہ بنتا ہے کہ جب اس امت کے لوگ اکڑ کر اور اپنے بازوؤں مارتے ہوئے چلنے لگیں گے، اور شہزادے ان کے خادم ہوں گے تو پھر اشرار اخیار کے ملوک ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اشرار اس چیز کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کی نظر میں اس انداز اور طرز معاش کی بڑی مانگ ہوتی ہے اس لئے وہ حکومتوں پر قبضے کی خاطر آگے بڑھیں گے چنانچہ محشی نے لکھا ہے کہ بنوامیہ کے دور میں ایسا ہی ہوا اور آپ علیہ السلام کی پیش گوئی جوں کی توں ثابت ہوئی تاہم جس زمانے میں فارس وروم کی فتوحات ہوئیں اور جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس وقت موجود تھے تو وہ دوسری احادیث کی وجہ سے مستثناء ہیں لہٰذا اس سے مراد مابعد کا زمانہ ہے۔

قولہ: "لن یفلح قوم ولّوا امرهم امراء ة الخ" حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس چیز (حدیث) کی وجہ سے میری حفاظت فرمائی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی کہ جب کِسریٰ ہلاک ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کا جانشین کس کو بنایا؟ صحابی نے عرض کیا اس کی بیٹی کو پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنی حکومت عورت کے سپرد کرے چنانچہ جب حضرت عائشہ ؓ بصرہ تشریف لائیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (یہ) فرمان یاد آیا، پس اللہ نے اس کی وجہ سے میری حفاظت فرمائی۔ (یعنی میں جنگ جمل میں شرکت سے گریزاں رہا)

تشریح:۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دونوں نے مکہ جا کر حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے سامنے واقعہ کی تفصیل بیان کی جوان دنوں میں حج کرنے تشریف لے گئی تھیں باہمی مشاورت سے طے ہوا کہ بصرہ جا کر لوگوں کی ذہن سازی کی جائے تاکہ حضرت عثمانؓ کے خون

Maktaba Tul Ishaat.com

کا بدلہ لیا جائے ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کے ہاتھ پر لوگ شہادت عثمان کے فوراً بعد بیعت کر چکے تھے حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا چاہتے تھے مگر ان کو اولیاء عثمان کے آنے اور طلب قصاص کا انتظار تھا دوسری طرف باغیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی جن پر قابو پانا خاصا مشکل امر تھا بہرحال جب حضرت علیؓ کو ان حضرات کے بصرہ جانے کا پتہ چلا تو وہ بھی وہاں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی رائے وہی تھی جو حضرت عائشہؓ کی تھی مگر مذکورہ روایت کے مطابق انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ فتح حضرت علیؓ کو نصیب ہوگی کہ وہ مرد ہیں جبکہ ام المؤمنین عورت ہیں، اس لئے وہ لڑائی سے اجتناب کرتے رہے۔

اس حدیث کے مطابق اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو حکمران بنالیا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایسا کرنے والی کوئی قوم کامیاب نہ ہوگی۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملوک کے نام خطوط ارسال فرمائے تو حضرت عبداللہ بن خذافہ سہمیؓ کو ایک مکتوب دے کر شاہ فارس جس کا لقب کسریٰ اور نام خسرو پرویز تھا کی طرف بھیجا اس بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے پہلے لکھا ہوا دیکھا تو کبر و نخوت کے نشہ میں دھت طیش میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ چاک کر دیا جس کی اطلاع مدینہ میں بھی پہنچی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ اے اللہ! اس کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے، چنانچہ اس کی بیوی ''شیرین'' پر اس کا بیٹا شیرویہ جو عاشق ہوگیا تھا (یعنی اپنی سوتیلی ماں پر) نے باپ کو راستہ سے ہٹایا باپ کو اس کے ارادے کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے اس نے شاہی دواخانہ میں زہر کی شیشی رکھ کر اس پر لکھا ''مقوی باہ دوا'' جب شیرویہ نے یہ شیشی بعد میں دیکھی تو اسے شوق سے پی لیا کیونکہ وہ جماع کرنے کا بہت شوق رکھتا تھا، پس وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا، اس طرح چھ ماہ کے اندر اندر اس خاندان کے سب مرد ختم ہوگئے اور بالآخر اس کی بیٹی ''بوران'' کو تخت پر بٹھا دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ ان کو کامیابی نہیں ہوگی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ کے زمانہ میں ایران مسلمانوں کے قدموں کے نیچے آگیا، ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ:

''هذا يدل على ان الولاية لِلرجال ليس للنساء فيها مدخل باجماع اللّٰهم الّا ان اباحنيفة قال تكون المرأة قاضية فيما تشهد فيه يعنى على الخصوص الخ''.

یعنی عورت کو بالاجماع ولایت کا حق حاصل نہیں البتہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جن مواقع میں

Maktaba Tul Ishaat.com

عورت گواہ بن سکتی ہے تو ان میں قاضیہ بھی بن سکتی ہے۔

شرح عقائد وغیرہ میں عورت کی عدم ولایت کی دلیل یہ دی ہے کہ وہ "ناقصات العقل والدّین" ہوتی ہیں، نیز امام کے لئے شجاعت وغیرہ ضروری ہے جو عورت میں بڑے پیمانے پر نہیں پائی جاتی ہے، البتہ قضا میں ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز میں جس شخص کی شہادت معتبر ہے اس میں وہ قاضی بھی بن سکتا ہے کہ قضاء کا دارومدار شہادت پر ہے لہٰذا عورت حدود اور قصاص کے علاوہ باقی خصومات میں قاضیہ بن سکتی ہے۔ (کذا فی الہدایہ، باب کتاب القاضی الی القاضی فی فصل آخر)

اس باب میں حضرت عمرؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو! میں تم کو بتاتا ہوں تمہارے حکمرانوں میں سے اچھے اور بُرے، اچھے امراء وہ ہیں جن کو تم پسند کرو اور تم کو وہ پسند کریں تم ان کے لئے دعائیں مانگو اور وہ تمہارے لئے دعا کریں، اور برے حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

یعنی اگر ان کے اندر ہمدردی اور خیر رسانی کا جذبہ اور خدمت وسیاست کا سلیقہ اور عدل کا ملکہ ہوگا تو تمہارے تعلقات خوشگوار اور ایک دوسرے کے لئے دعا گو ہوں گے، ورنہ دشمنی، نفرت اور عداوت واختلافات ہوں گے۔

"انہ سیکون علیکم ائمة تعرفون وتنکرون الخ" تم پر ایسے حکمران آئیں گے جن (کے بعض افعال) کو تم جانتے ہوں گے اور بعض (کاموں) کو ناآشنا سمجھو گے پس جس نے اعتراض کیا بے شک وہ بری (الذمہ) ہوگیا اور جس نے ناپسند کیا وہ (گناہ کی شرکت سے) محفوظ رہا ولیکن جو شخص راضی ہو کر ان کی پیروی کرے گا.... (یعنی وہ شریک گناہ ہوگا).... عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان کے ساتھ قتال نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں"۔ قولہ: "تعرفون وتنکرون" معرفت ونکارت اگرچہ حکام کی طرف راجع صفات ہیں مگر باعتبار متعلقہ کی طرح افعال مراد ہیں یعنی ان کے بعض افعال تو شریعت کے مطابق ہوں گے جو تمہیں معلوم اور آپ کے لئے مانوس ہوں گے مگر بعض دیگر نامانوس اور غیر مشروع ہوں گے پس جس نے ان کے ایسے امور جو غیر شرعی ہوں پر کھل کر نکیر واعتراض کیا اس نے تبلیغ ودعوت کا حق ادا کیا اس لئے اس کا ذمہ فارغ ہے اور "ومن کرہ" یعنی جس نے ان افعال کو بُرا جانا اور دل سے ان کو ناپسند کیا، یہ اس شخص کے لئے یا اس زمانے کے اعتبار سے ہے جو واضح اور قولی اعتراض کا حامل نہ ہو تو وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کم از کم گناہ کی شرکت سے تو سالم ومحفوظ رہا مگر جو شخص ان افعال پر خوش بھی ہو اور شریک بھی ہو تو وہ گناہ میں برابر کا شریک ہوگا، یہاں "لکن من رضی" کی خبر کو ظاہر ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا "ای فھو الذی شارکھم فی العصیان" وجہ ظہور یہ ہے کہ یہ صورت پہلی دونوں کے مقابل ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر:۹۱ "قل فلِمَ تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مؤمنین" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا میں کہیں بھی معصیت ہو رہی ہو تو اس پر اعتراض کرنے والا بری اور راضی ہونے والا شریک شمار ہوتا ہے "قیل اذا عملت المعصیۃ فی الارض فمن کرِھھا وانکر بَرِیٔ ومن رضیھا کان من اھلھا" تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لڑنے کی ممانعت فرمادی کیونکہ یہ ایک عموم بلویٰ کی کیفیت ہوگی اور ایسے منکرات کو بزور بازو روکنے کے لئے بہت زیادہ خون بہانے کی ضرورت ہوتی ہے جو بذات خود ایک المیہ سے کم نہیں۔ (ھذا حدیث حسن صحیح)

قولہ: "اذا کانت امراء کم خیارکم واغنیاء کم سُمحاء کم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا". جب تمہارے امراء تمہارے افضل لوگ ہوں گے اور تمہارے اغنیاء تمہارے سخی لوگ ہوں اور تمہارے کام باہمی مشاورت کے ساتھ ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ یعنی ایسی صورت حال میں حیات موت کے مقابلہ میں افضل ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جب ارباب اقتدار شریف اور متقی لوگ ہوں گے اور مالدار لوگ سخاوت کرتے ہوں اور معاملات وغیرہ باہمی مشورے کے ساتھ چل رہے ہوں تو یقیناً وہ زمانہ نیکی کمانے کا بہترین موسم ہوگا۔ کہ نیک عمل میں تعاون کرنے والے موجود ہوں گے لہٰذا زندہ رہنا اچھے اعمال کا ذریعہ ہوگا جو موت سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر حکمران بُرے ہوں اور اغنیاء بخل کرتے ہوں اور معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو پھر موت ہی اچھی ہے کیونکہ اس سے قبل جتنے اعمال کئے ہیں کم از کم وہ تو محفوظ رہیں گے اگرچہ جمہور اہل سنت کے نزدیک گناہوں سے نیکیاں حبط نہیں ہوتی ہیں مگر نیکی کے اوپر بدی بہرحال ایک بدنما دھبہ اور بدشگون تو ہے ہی اور اگر ایسے میں موت بچپن میں آجائے تو وہ تو اور بھی اچھی بات ہے کیونکہ گناہوں کی نوبت ہی نہیں آئے گی، بہرحال جب ماحول بگڑ جائے اور نیکی کرنا متعذر ہو جائے تو پھر زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں کہ ؎

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث میں عام فضا کی بات ہوئی ہے کہ جب عمومی فضا اس طرح بن جائے کہ اہل اقتدار سارے یا اکثر بُرے ہوں، اغنیاء بخیل ہوں اور عورتیں بااختیار یا معاملات میں پیش پیش ہوں یا کم از کم مردان کے مشوروں واشاروں پر چلنے لگیں تو چونکہ وہ "ناقصات العقل والدین" ہیں ظاہر ہے کہ وہ کسی بھلائی کا مشورہ تو نہیں دے سکتیں یا نہیں دیتیں تو ایسے میں خیر ونیکی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے اگرچہ نیک سیرت اور فضائل و اخلاق سے آراستہ خاتون اس فہرست سے مستثنیٰ ہے کہ وہ اگر صحیح مشورہ نہ بھی دے سکے تو کم از کم غلط رائے سے بھی گریز کرے گی لیکن ان کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے۔

باب

"عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: انکم فی زمان من ترک منکم عُشر ما اُمر به هلک، ثم یأتی زمان من عَمِل منهم بِعُشرِ ما اُمر به نَجَا". (هذا حدیث غریب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ تم میں سے جو شخص اس کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کا اسے حکم ہے تو ہلاک ہو جائے گا پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں سے جو شخص اس کا دسواں حصہ عمل میں لائے گا جس کا اسے حکم ہے تو نجات پائے گا (کیونکہ اس دور میں دین کے انصار کم یا معدوم ہوں گے)۔

تشریح: ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ اسلام کے شباب وطاقت کا دور تھا اور نیکیوں کی برکات وبارش کے لئے بمنزلہ ساون کا مہینہ تھا ظاہر ہے ایسے میں کوئی پودا خشک اور کوئی درخت بے ثمر نہیں رہتا ایسے ماحول میں نیکی کمانا نہ صرف آسان ہوتا ہے بلکہ ماحول کا تقاضا بھی ہوتا ہے جبکہ موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور پھل گر جاتا ہے شاذ ونادر درختوں میں پھل نظر آتا ہے مگر کسی پودے یا درخت کا اپنی تازگی کو محفوظ وبرقرار رکھنا موسم کے اعتبار سے ایک دشوار امر ہوتا ہے، ایسا ہی جب فتنوں کا زمانہ آئے گا تو ہر طرف نیکیوں کے خلاف ہوائیں اُمنڈ آئیں گی اور نیکی کو کرنے ہی نہیں دیں گی، وہ آدمی بڑا ہی باہمت اور ایمانی اعتبار سے مضبوط ہوگا جو ایسے میں بھی نیکی کے حصول کے پیچھے لگا رہے۔

یہاں تک تو بات بدیہی ہے مگر "ما مور بہ" اور نیکی سے کیا مراد ہے؟ تو بعض حضرات سے اس کے تعین میں سہو ہوا ہے اور مراد فرائض لئے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ فرائض تا قیامت پوری امت پر یکساں لازم

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں ان میں کمی ورخصت کی کوئی گنجائش نہیں ہے سوائے عاجز کے۔

پھراس کا مطلب کیا ہے؟ تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مراد اخلاص ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں تھوڑا سا اخلاص بھی نجات کا سبب بنے گا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مراد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے کہ قرون اولیٰ میں منکرات کمزور تھے اس لئے ان کو سر اٹھانے سے روکنا آسان تھا اس لئے اس میں سُستی کی گنجائش نہ تھی جبکہ آج کل یا آگے چل کر منکرات کی جڑیں مضبوط ہیں اور مزید پختہ ہوں گی ایسے میں ان کو جڑ سے اکھاڑنا متعذر ہے البتہ استیصال کی دس فیصد کوشش بھی نجات کا ذریعہ بنے گی، ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ جب دسواں حصہ بھی قابل عمل نہ رہے تو پھر آدمی کو اس کی اجازت ہے کہ وہ لوگوں کے مسائل چھوڑ کر یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ کر صرف اپنی فکر میں لگا رہے اور پھر ایک دور ایسا بھی آجائے گا کہ خود بھی عمل دشوار ہو جائے گا جتنا مٹھی میں انگارے تھامنا متعذر ومشکل ہے جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں گذرا ہے "الصابر فیهم علی دینه کالقابض علی الجمر" حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ مراد کمیت نہیں بلکہ کیفیت ہے یعنی نماز میں خشوع وخلوص وغیرہ یا جیسے مستحبات وآداب بھی لے سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

قولہ: "ھھُنا ارض الفتن واشار الی المشرق" اس پر بحث **"باب ماجاء ان الدجال لایدخل المدینة"** میں گذری ہے حدیث ابوھریرہؓ کی تشریح میں دیکھئے۔ **قولہ: "حیث یطلع قرن الشیطان"** جہاں شیطان کا سینگ نکلتا ہے، یہ تو لفظی ترجمہ ہے مگر قرن الشیطان سے مراد اس کا تسلط اور اس کی جماعت وکارندے ہیں جو شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں چنانچہ جتنے فرق مبتدعہ گزرے ہیں یا آج کل نئے نئے نظریات لے کر نکل رہے ہیں یہ سب مشرقی لوگ ہیں یعنی عموماً ممکن ہے کہ شیطان سے مراد عام ہو خواہ من الجنات ہوں یا من الانس ہوں چنانچہ یہ فتنہ انگیز لوگ یورپی اقوام وانگریزوں کے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔

قولہ: "اوقال قرن الشمس" لفظ اوشک راوی کے لئے ہے یعنی جہاں سے سورج کا کنارہ طلوع ہوتا ہے۔ ھذا حدیث حسن صحیح واخرجہ الشیخان

قولہ: "یخرج من خراسان رایات سُود فلایردھا شئی حتیٰ تنصب بایلیآء". (غریب حسن) خراسان سے کالے جھنڈے نکلیں گے پس کوئی چیز ان کو نہیں لوٹا سکے گی تا آنکہ وہ ایلیاء (مقام) میں گاڑھ دیئے جائیں گے۔ **قولہ: "رایات"** رایۃ کی جمع ہے بمعنی جھنڈے کے اور سود جمع ہے اسود کی۔ **قولہ:**

Maktaba Tul Ishaat.com

"حتیٰ تُنصب" بصیغۂ مجہول نصب کے معنی گاڑھنے اور لہرانے کے ہیں۔ قولہ: "بایلیاء" اِیلیاء بکسر الہمزہ وکسر اللام مدوقصر دونوں جائز ہیں بیت المقدس کے قریب ایک شہر کا نام ہے، پھر حتی متعلق ہے یخرج کے ساتھ نہ کہ "فلایردھا" کے ساتھ۔

اس لشکر اور جھنڈوں کو واپس کرنے کی کسی میں تاب وطاقت نہ ہوگی کیونکہ کنز العمال اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ان میں حضرت مہدی ہوں گے۔

"اذا رأیتم رایات السود قد جاء ت من قِبَلِ خراسان فائتوھا فان فیھا خلیفة اللہ المھدی". لفظه لاحمد و رجاله ثقات

آخر ابواب الفتن ویلیه ابواب الرؤیا

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الرؤیا

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

باب اِن رؤیا المؤمن جزء من ستة واربعین جزءً من النبوة

(مومن کا خواب نبوت کا ۴۶/ چھیالیسواں حصہ ہے)

"عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اذااِقترب الزمان لم تکد رؤیا المؤمن تَکذِبُ واصدَقُهم رؤیاً اصدقهم حدیثاً ،ورؤیاالمسلم جزء من ستة واربعین جزءً من النبوة ،والرؤیاثلاث فالرؤیاالصالحة بُشریٰ من اللہ والرؤیامن تحزین الشیطان والرؤیامما یُحَدِّث بهاالرجلُ نفسَه فاذارأیٰ احدکم مایکره فلیقم ولیتفُل ولایُحَدِّث به الناسَ قال واُحِبُّ القیدفی النوم واکره الغُلَّ ،القیدثباتٌ فی الدین". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمانہ قریب ہوجائے گا تو مؤمن کا خواب بہت کم جھوٹا ہوگا لوگوں میں سب سے زیادہ سچے خواب والا وہ ہوگا جس کی بات (یا سوچ) سب سے زیادہ سچی ہو اور مسلمان کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء (حصہ) ہے اور خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، پس اچھا خواب اللہ کی طرف سے بشارت (خوشخبری) ہے اور ایک خواب شیطان کی طرف سے پریشان کن خیال ہوتا ہے اور ایک خواب آدمی کے دل میں سوچ وبچار کی وجہ سے ہوتا ہے پس تم میں کوئی اگر ایسا خواب دیکھے جو اسے ناگوار لگے تو اسے چاہئے کہ اُٹھ کر (بائیں جانب) تھوکے اور لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خواب میں بیڑی کو پسند کرتا ہوں اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں (کیونکہ) بیڑی (کی تعبیر) دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"اذااقترب الزمان" اس کے معنی ومطلب میں شارحین نے متعدداقوال بیان کئے ہیں مثلاً جب صبح کا وقت قریب ہو۔بعض نے کہا کہ دن رات مساوی ہوجائے یہ اس وقت ہوتا ہے جب سورج خط استواء پر ہو جیسے مارچ اور ستمبر کے مہینوں میں مگر اس کو ابن العربیؒ نے سختی سے رد کیا ہے لہٰذا بے غبار مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کا دن قریب ہوجائے گا پھر چاہے وہ حضرت مہدی وعیسیٰ علیہما السلام کا زمانہ ہو یا خروج دجال اور فتنوں کا زمانہ مانا جائے کیونکہ ایک تو وہ زمانہ عجائبات وخوارق کا ہوگا اور ازاں جملہ ایک خواب بھی ہے دوم مؤمن ان فتنوں میں نامانوس ہوگا تو جس طرح ابتداء اسلام میں مؤمن کا خواب سچا ہوا کرتا تھا اسی طرح ان کی تالیف کے لئے آخرالزمان میں بھی ان کو سچے خواب دکھائے جائیں گے،اور اگر حضرت مہدی کا زمانہ لیا جائے تو پھر عدل وانصاف کی فراوانی کی وجہ سے خواب سچے ہوں گے۔

قولہ"لم تکدرؤیا المؤمن الخ" رؤیا بروزن یسریٰ اصل میں مصدر ہے مگر جب اس کا اطلاق خواب پر ہونے لگا تو اسے اسم کی طرح مانا گیا،خواب کی حقیقت جاننا ایک مشکل امر ہے بہت سے ماہرین نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بعض حضرات نے اسے اپنی کتابوں میں ضمناً ذکر کیا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ دہلوی کی اس موضوع پر مستقل کتاب بنام"تحقیق الرؤیا" بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، حجۃ اللہ البالغہ اور مقدمۂ ابن خلدون میں بھی اس موضوع کو اُجاگر کیا گیا ہے،تحقیق الرؤیا کے صفحہ نمبر۶ پر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"فمِن ثم اضطرب الناس فی امر الرؤیا واختلفوا اختلافاً فاحشاً علی حسب اصولهم المختلفة فقال المتکلمون الرؤیا خیال الخ".

یعنی اس مسئلہ میں بہت سارا اختلاف ہے حکماء کچھ کہتے ہیں اور دیگر کچھ،مگر بعض متکلمین یعنی اہل سنت والجماعت کے نزدیک خواب ایک خیال ہے جس کا مطلب علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور مقدمہ میں یوں بیان کیا ہے کہ جب انسان سوجاتا ہے تو روح بجائے حواس ظاہرہ کے باطنی قویٰ کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے جس سے اس کو حافظہ کی صورتیں نظر آتی ہیں یہ صورتیں زیادہ تر وہی ہوتی ہیں جو عادی ومانوس ہوتی ہیں پھر حس مشترک ان کا حواس ظاہرہ کے مطابق ادراک کرلیتی ہیں۔(مقدمہ ص:۳۰۹ مترجم حصہ اول)

مگر صوفیاء اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خواب ایک حقیقت ہے پس خواب تین طرح کا ہوتا ہے:

(۱) شیطانی وسوسہ (۲) خیالی (۳) الہامی خواب جو یہاں مراد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "اصدقھم رؤیا الخ" اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب درحقیقت ایک خیال ہوتا ہے لہٰذا جس کے مزاج میں دروغ گوئی نہیں ہوگی تو اس کی سوچ بھی اچھی اور حقیقت پر مبنی ہوگی اس لئے خواب سچے ہوں گے۔

قولہ: "رؤیاالمسلم جزء من الخ" بعض شارحین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت چالیس سال پر مل گئی تھی جبکہ وحی کے آغاز سے چھ ماہ قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھانے کا سلسلہ شروع ہوا تھا مگر ابن خلدون نے اس توجیہ کو سختی سے رد کر کے اپنی توجیہ اس طرح کی ہے کہ: ''انبیائے کرام کو مدارکِ بدنیہ سے مجرد ہو کر جو علم حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ تر خواب کے علم سے مشابہ ہے اگرچہ نیند کی حالت، حالتِ وحی سے بہت پست ہے عام خواب اور وحی کے مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی مشابہت کی وجہ سے شارع علیہ السلام نے خواب کو نبوت کا ۴۶واں یا ۴۳واں یا ۷۰ ستر واں حصہ فرمایا ہے مقصد عدد نہیں بلکہ خواب و نبوت (میں مشابہت کے بعد دونوں) کے مرتبوں میں کثرت فرق کا اظہار مقصود ہے، کیونکہ عرب لفظ سبعین اظہار کثرت کے لئے استعمال کیا کرتے ہیں۔ (مقدمہ حصہ اول ص: ۳۰۷ نفیس اکیڈمی)

اس حدیث سے قادنیوں کا استدلال:۔ قادیانی اس حدیث سے استدلال کی کوشش کر کے کہتے ہیں کہ جب نبوت کا جزء باقی ہے تو پھر مطلب یہ ہوا کہ نبوت بھی باقی ہے کیونکہ جزء من حیث الجزء بغیر کل کے موجود نہیں ہوسکتا، مگر یہ استدلال انتہائی کمزور بنیاد پر قائم ہے کہ اوّلاً تو جیسا کہ اوپر محقق عبدالرحمٰن بن خلدون کی عبارت میں تصریح کی گئی ہے کہ یہاں تشبیہ دے کر دونوں میں تباعد و تفارق بتلانا مقصود ہے نہ کہ جزئیت وکلیت۔ دوم جزء کے اندر حیثیت کو ملحوظ رکھنا ایک سنگین غلطی ہے، جیسا کہ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے شرح عقائد میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے جو "وھی لاھو ولاغیرہ" کے تحت دیکھی جاسکتی ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگر اس قسم کی قیودات صحیح مانی جائیں تو پھر باپ من حیث الباپ بغیر بیٹے کے اور تمام متضائفین ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکیں گے بلکہ دو متغائر چیزیں بھی پھر ساتھ ساتھ رہیں گی جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

قولہ: "ولیتفل الخ" پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد جب آدمی نیند سے بیدار ہو جائے تو فوراً تعوذ کر کے بائیں جانب تھوکے کیونکہ شیطان بائیں جانب سے آکر وسوسہ ڈالتا ہے نیز جیسے دم کرنے والا تھوکتا ہے اسی طرح تعوذ کی صورت میں بھی تھوکنا چاہئے اور دل میں یہ خیال لائے کہ اس نے گویا شیطان کے منہ پر تھوکا، اس سے دفع وساوس میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے اور لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کرے کیونکہ جب لوگ اس کا آپس میں تذکرہ کریں گے تو اس سے وسوسے دوبارہ لوٹ آئیں گے بعض علماء فرماتے ہیں کہ کچھ صدقہ بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

دے دے اور جتنا دے گا اُتنا ہی اس کے ضرر سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم اس کے لئے آگے مستقل باب آرہا ہے۔ فلینتظرہ

قولہ: "وأُحِبّ القید الخ" عارضہ میں ہے کہ یہ جملہ آخر تک مدرج من الراوی ہے یہ مرفوع حدیث کا حصہ نہیں ہے بحوالہ خطیب ابوبکر فی کتاب الفصل بہر حال اس کو مرفوع مانیں تو مطلب یہ ہے کہ مقید آدمی چلنے سے قاصر ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی جگہ مقیم رہتا ہے جبکہ اغلال یعنی طوق تو اس کا تذکرہ قرآن میں جہنمیوں کی مذموم حالت کے بیان کے طور پر کیا گیا ہے۔

باب ذهبت النبوة وبقيت المبشرات

(نبوت اختتام پذیر ہوئی جبکہ مبشرات باقی ہیں)

"مختار بن فلفل نا انس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبیّ قال: فَشَقَّ ذالک علی الناس، فقال: "لکن المبشرات" فقالوا یارسول الله! وما المبشرات؟ قال: رؤیا المسلم وهی جزء من اجزاء النبوة". (صحیح غریب)

مختار بن فلفل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک رسالت ونبوت یقیناً ختم ہوگئی پس نہ کوئی رسول آئے گا میرے بعد اور نہ ہی نبی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو یہ بات گراں معلوم ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر مبشرات (خوشخبریاں) باقی رہیں گی، صحابہ کرامؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! مبشرات کیا ہیں؟؟ فرمایا مسلمان کا خواب، جبکہ وہ اجزائے نبوت کا ایک جزء ہے (یعنی مشابہ بجز ہے)۔

تشریح:۔ مبشرات کی تفسیر خود ہی حدیث میں کی گئی ہے یعنی ایسے خواب جن سے بشارت معلوم ہو یہ صیغہ اسم فاعل بکسر الشین المشددہ ہے، چونکہ پہلے ارشاد سے صحابہ کرامؓ پر غم کا اثر ہوا کہ آپ علیہ السلام کے بعد جب نبوت کا دروازہ بند ہونے کی بناء پر کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا تو بھلے بُرے افعال کے بارے میں کوئی بشارت یا تنذیر بھی نہ رہے گی اس طرح تو لوگ جلد ہی راہِ مستقیم سے ہٹ سکتے ہیں کہ ان کا رابطہ عالم بالا سے مکمل منقطع ہوگا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ مبشرات باقی رہیں گی جو نیک آدمی کے لئے خوشخبری

Maktaba Tul Ishaat.com

لائیں گی اور بدعمل کرنے والے کے لئے تنبیہ ہوگی، پھر یہ کیفیت اگر بیداری کی حالت میں ہو تو اس کو الہام کہتے ہیں خواب اور الہام دونوں باقی ہیں مگر انبیاء کے علاوہ کسی اور کا خواب یا الہام شرعی حجت و دلیل نہیں گو اس سے تسلی مل سکتی ہے مگر جہاں کوئی اشارہ شریعت کے خلاف محسوس ہوگا تو اس پر عمل درآمد جائز نہیں، پھر خواب اگر عالم بالا میں دوری پر دیکھا جائے تو اس کی تعبیر آنے میں سالہا سال لگتے ہیں جبکہ قریب سے دیکھنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

دوسری حدیث میں ایک مصری شخص نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا "لهم البشرىٰ فى الحياة الدنيا" تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا ہے تو سوائے تیرے اور ایک شخص کے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں پوچھا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے یہ آیت نازل ہوئی تیرے (ابودرداء کے) سوا کسی نے مجھ سے اس کے متعلق نہیں پوچھا ہے، یہ اچھے (سچے) خواب مراد ہیں جو کوئی مسلمان دیکھے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔

اس روایت میں مصری شخص مجہول ہے اس کے باوجود امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے یہ شاید دیگر شواہد کے پیش نظر ہو۔ یہاں بھی اوپر حدیث کے ضمن میں جو بات کی گئی ہے اس کو ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی زندگانی دنیا میں اہل ایمان کے لئے خوشخبری بذریعۂ خواب ہو یا بذریعۂ الہام ہو، تاہم آیت کا مفہوم کافی عام ہے لہٰذا بشارت کی اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً لوگوں میں مقبولیت، نیک اعمال سے شرح صدر اور مزید اعمال میں دلچسپی میں اضافہ اور موت کے وقت فرشتوں کی طرف سے نیک سلوک اور خوشخبری وغیرہ وغیرہ۔

قولہ: "اصدق الرؤيا بالاسحار" زیادہ سچا خواب وہ ہے جو سحر (طلوع فجر) کے وقت دیکھا جائے، اسحار جمع ہے سَحَر کی اگر رات کے چھ حصے بنا دیئے جائیں تو آخری چھٹے حصہ کو سحر کہتے ہیں اس وقت کے خواب کا زیادہ سچا ہونا دو باتوں پر مبنی ہے ایک یہ کہ یہ نزول رحمت کا وقت ہوتا ہے دوم یہ کہ دماغ اور قلب معدے کے بخارات سے خالی ہوتے ہیں چونکہ رات کے پہلے اور دوسرے وغیرہ پہروں اور حصوں میں قلب و دماغ حدیث النفس اور خیالات میں مبتلاء ہوتے ہیں اس لئے وہ خواب زیادہ معتبر نہیں کہ ان میں زیادہ احتمال خیال کا ہے جبکہ آخری حصہ میں دل و دماغ مکمل راحت حاصل کر چکے ہوتے ہیں اس لئے ان کا تعلق عالم بالا سے قوی تر ہو جاتا ہے اس لئے اس گھڑی کے خواب عموماً سچے اور الہامی ہوتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

"من رانی فی المنام فقدرانی"

جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھ لیا تحقیق اس نے مجھ کو ہی دیکھا

"عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رانی فی المنام فقدرانی فان الشیطان لایتمثّلُ بی". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھ لیا پس تحقیق اس نے مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میرا روپ نہیں دھار سکتا۔

تشریح:۔اس حدیث میں "من رانی فی المنام فقدرانی" شرط اور جزاء دونوں متحد ہیں جو مبالغہ کے لئے ہیں یعنی اس نے حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھ لیا کیونکہ "فان الشیطان لایتمثل بی" یعنی شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ ہدایت ہیں اور شیطان مظہرِ ضلالت، اور دونوں میں تناقض ہے۔عارضہ میں ہے کہ اس حدیث کے چار الفاظ ہیں: (۱) ایک جو یہاں حدیث میں ہے (۲) دوم "من رانی فقد رأی الحق" (۳) سوم "فسیرانی فی الیقظة (۴) چہارم "لکأنمارانی فی الیقظة"۔ پس اول کی وجہ تو گذر گئی جبکہ دوم میں شیطانی خیال وصورت کی نفی مراد ہے جبکہ سوم میں یہ بھی احتمال ہے کہ اسے اپنے خواب کی تفسیر وتاویل معلوم ہوجائے گی اور چہارم میں تشبیہ ہے یعنی اگر وہ مجھے بیداری کی حالت میں دیکھتا تو یقیناً وہ دیکھنا حق یعنی حقیقت پر مبنی ہوتا تو اسی طرح خواب کا دیکھنا بھی ایک حقیقت ہے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے "الحاوی" میں مضارع کا صیغہ نقل کرکے لکھا ہے کہ جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ لیا اسے چاہئے کہ اپنے باطن کی صفائی پر توجہ دے کیونکہ وہ یقظہ میں آپ علیہ السلام کی زیارت کرے گا جیسے فرشتوں کا دیکھنا تصفیہ قلب کے بعد ہوسکتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی ہوسکتا ہے پھر جمہور کے نزدیک آپ علیہ السلام کا حلیہ مبارک آخری عمر کے مطابق ہو یا کہولت اور جوانی کا سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار میں برابر ہیں۔البتہ اگر کسی شخص نے آپ علیہ السلام کو خواب میں کسی ایسی حالت میں دیکھا جو آپ علیہ السلام کے ساتھ مناسب یا منطبق نہیں تو وہ بھی آپ علیہ السلام کی رؤیت میں آتا ہے البتہ وہ دیکھنے والے کی حالت کا عکاس خواب شمار ہوگا غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

Maktaba Tul Ishaat.com

میں تبدیلی نہیں آتی مگر صفات میں دیکھنے والے کی حالت کے مطابق تبدیلی آسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور آئینے کی مانند ہے جس میں دیکھنے والے کو اپنی حالت نظر آتی ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے کی حالت عینک کی طرح ہے عینک جس رنگ کے شیشے کی ہوگی تو منظر اسی رنگ میں نظر آتا ہے، مثلاً انگریزی لباس والا شخص اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوٹ پتلون میں ملبوس دیکھے گا تو اس سے رائی کی حالت مراد ہوگی، چنانچہ محمد ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص نے آکر کہا کہ اس نے آپ علیہ السلام کو لیٹے ہوئے حالتِ وفات میں دیکھا ہے تو ابن سیرینؒ نے تعبیر دی کہ تم مسجد میں جا کر خلافِ سنت کرتے ہو اس سے اماتۂ سنت مراد ہے، غرض ذات میں تمثل نہیں ہوسکتا مگر صفات میں ہوسکتا ہے اسی طرح اگر خواب میں آپ علیہ السلام کا ارشاد سنے تو اگر وہ ظاہر احادیث وشریعت کے منافی ہو تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہاں البتہ اگر وہ موافق ہو تو اس پر عمل جائز ہے واجب پھر بھی نہیں۔

یہ حدیث شمائل ترمذی میں بھی آئی ہے وہاں حضرت مدنی اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہما اللہ نے بڑی نفیس بحثیں فرمائی ہیں جو دیکھنے کے قابل ہیں۔ شیخ الحدیثؒ نے اس کی ایک مثال دی ہے کہ جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فاصلے پر ایک بڑا آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص اس آئینہ کو دیکھے تو اس میں بیٹھنے والے شخص کی مثال یعنی عکس نظر آتا ہے، اس سے یہ اشکال بھی دور ہوا کہ بیک وقت مختلف خطوں میں آپ کی زیارت کیونکر ہوسکتی ہے؟ جواب آسان ہے کہ عالم مثال ایک بڑے آئینے کی طرح اسکرین ہے اس کو ہر جگہ سے دیکھا جاسکتا ہے جیسے آفتاب وماہتاب، تاہم صوفیاء اس کو حقیقت اور اصل رؤیت پر محمول کرتے ہیں یہ بحث کافی مشکل ہے، جس کو عالم مثال سمجھنا ہو تو وہ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ ضرور کرے۔

باب ماجاء اذا رأى فى المنام مايكره مايصنع؟

خوفناک خواب دیکھ کر کیا کرنا چاہئے؟

عن ابى قتادة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال: الرؤيا من الله والحُلُمُ من الشيطان فاذا رأى احدكم شيئا يكرهُه فلينفث عن يساره ثلث مرات وليستعذ بالله من شرها فانها لاتضره". (حسن صحيح)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: سچا خواب

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ کی طرف سے (الہام) ہوتا ہے اور بُرا خواب شیطان کی جانب سے (وسوسہ) ہوتا ہے پس اگر تم میں سے کوئی ایک ایسا خواب دیکھے جو اسے ناگوار گذرے تو (اٹھتے ہی) بائیں جانب تین بار تھوک دے اور چاہئے کہ اس کے مضر اثر سے اللہ کی پناہ مانگے کیونکہ (ایسا کرنے سے) وہ اس کو نقصان نہیں دے گا۔

لغات:۔قولہ: "الحُلُم" بضم الحاء واللام، لام کو ساکن بھی پڑھا جاسکتا ہے لغت میں مطلق خواب کو کہتے ہیں مگر عرف میں رؤیا کا اطلاق اچھے خواب پر ہوتا ہے اور حلم کا پراگندہ اور پریشان کن پر۔

قولہ: "فلینفث" بعض روایات میں "فلیبصق" ہے اور بعض میں "فلیتفل" ہے تینوں کے معنی تھوکنے کے ہیں، مگر نفث میں لعاب زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

تشریح:۔ اصالتاً تو خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: (۱) پراگندہ خیالات جو عموماً معدے کی تبخیر اور دماغی خشکی یا طبعیت کی ناسازی کے وقت ہوتے ہیں (۲) شیطانی تخیلات (۳) جو فرشتہ اللہ کے حکم سے کسی مؤمن کے دل ودماغ میں القاء کرے۔ پہلی دونوں قسموں کو شیطانی قرار دے کر دو ہی اقسام بنادی گئیں پھر اللہ کی طرف نسبت تشریف کی بناء پر اور شیطان کی جانب سوء ادب سے بچنے کے لئے ہے جیسا کہ عام ضابطہ ہے کہ اچھی چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف مستحب ہے اور بُری اشیاء کی شیطان کی طرف، ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پریشان کن خواب از قبیل انذار کے سچا ہو جو من جانب اللہ ہوتا ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔

بہرحال حدیث کے بموجب اچھے خواب پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور پریشان کن خواب دیکھنے کے بعد جب آنکھیں کھل جائیں تو فوراً بائیں کندھے کی طرف تین مرتبہ تھوکے کیونکہ شیطان اسی جانب آکر وسوسہ ڈالتا ہے اور تھوکنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی زیادہ لعاب تھوکے جیسا کہ لغات میں بتایا جاچکا ہے کہ لفظ "فلینفث" میں اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ نفث بمعنی نفخ کے آتا ہے جس کے معنی سانس کے آتے ہیں لہٰذا تھوکتے وقت تھوک کے معمولی ذرات بھی اس مقصد کے لئے کفایت کرتے ہیں، اس سے بھی شیطان مردود رسوا ہوتا ہے اس کے ساتھ "اعوذ باللہ من الشیطان .... اعوذ باللہ من شرھا" بھی پڑھ لے، اور جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ کروٹ بھی تبدیل کرے بلکہ اگر ہوسکے تو اٹھ کر نماز پڑھ لے اور کچھ صدقہ بھی دے دے لوگوں سے اس خواب کا تذکرہ نہ کرے، اس طرح وہ ان شاء اللہ اس خواب کے ضرر سے بچ جائے گا خصوصاً جب وہ خیالی یا شیطانی خواب ہوگا ہاں اگر من جانب اللہ سچا خواب ہو اور اس کا ہونا مقدر ہو، تو وہ لامحالہ ہوکر رہے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض اس عمل سے ایک طرف تسلی ہوگی جو علاج کا ایک طریقہ ہے اور دوسری جانب یہ اس خواب کے نقصان کو روکنے کا ایک ذریعہ ہے جیسے دعاء ہوتی ہے۔ (تدبر)

باب ماجاء فی تعبیر الرؤیا

خواب کی تعبیر کا بیان

تعبیر عبور سے بمعنی انتقال کے ہے خیالی صورت کے جسمانی صورت سے بیان کرنے کو تعبیر کہتے ہیں۔

"رؤیاالمؤمن جزء من اربعین جزءً من النبوة وهي علی رِجل طائرمالم یتحدث بها فاذا تحدث بهاسقطت قال واحسبه؟ قال (ﷺ) : ولاتُحدث بهاإلالبیباً اوحبیباً". (حسن صحیح)

مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور وہ پرندے کے پیر پر ہوتا ہے جب تک اس کو بیان نہ کر دیا جائے پس جب بیان کر دیا جاتا ہے تو وہ ساقط (یعنی واقع) ہو جاتا ہے راوی نے کہا میرا گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے ہوشیار اور غم خوار (دوست) کے اور کسی کو نہ بتایا جائے۔

تشریح:۔ حدیث کا پہلا حصہ اس بحث کی پہلی حدیث میں گذرا ہے۔ قولہ: "علی رِجل طائر" حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب میں فرمایا ہے کہ یہ بے قراری سے کنایہ ہے جو خواب دیکھنے والے کے دل میں تعبیر کے حوالے سے ہوتی ہے اس کا ذھن کبھی ایک تعبیر کی طرف جاتا ہے اور کبھی دوسری کی جانب مگر جب وہ کسی معبر سے بیان کرتا ہے تو دل کو ایک تعبیر پر قرار حاصل ہوتا ہے تو جس طرح پرندہ کے پیر پر رکھی ہوئی چیز غیر مستقل اور متزلزل ہوتی ہے مگر جب گر جاتی ہے تو ساکن ہو جاتی ہے اسی طرح حال خواب کا ہے تعبیر سے قبل کچا اور بعد میں پکا ہو جاتا ہے۔

عام شارحین کی شرح ذرا مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کی تعبیر محتمل ہوتی ہے مگر جب تعبیر نکالی جاتی ہے تو وہی متعین ہو جاتی ہے وفیہ مافیہ۔ حاشیہ قوت میں ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ طائر سے مراد تقدیر ہے کیونکہ جو چیز کسی کے لئے مقرر و مختص کی جاتی ہے اسے طائر کہا جاتا ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ خواب خیر و شر کے مابین کشمکش میں ہوتا ہے پس اس کلام میں تشبیہ ہے خواب کی پرندے کے پیر پر موجود چیز کے ساتھ لہٰذا اس کی تعبیر کے لئے ہوشیار اور غمخوار شخص کا انتخاب کرنا چاہئے تاکہ وہ اچھی تعبیر نکالے اور اگر تعبیر اچھی نہ ہو وہ خاموش رہے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

صوفیاء اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب اس عالم ناسوتی میں کوئی واقعہ رونما ہونے والا ہو تو پہلے عالم مثال میں اس کی صورت منقش ہو جاتی ہے، خواب دیکھنے والا (یعنی تیسری قسم، خواب میں) وہی نقشہ دیکھتا ہے مگر کبھی وہ صاف ہوتا ہے اور کبھی مدہم جس کو تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے ہوشیار آدمی ہوگا یعنی عالم مثال کی چیز کو سمجھنے والا ہوگا تو وہ تعبیر بتلا سکے گا ناواقف کو اس سے کیا واسطہ؟ پھر ماہر شخص وہ ہے جسے اللہ کی معرفت اور عالم مثال سے اُنس ہو جو عام طور پر لدنی علم ہوتا ہے اگرچہ کسب کے ذریعہ بھی آدمی اس کے قریب پہنچ سکتا ہے، مشہور یہ ہے کہ خواب تعبیر کے تابع رہتا ہے مگر یہ تأثر صحیح نہیں۔

باب

" الرؤیا ثلٰث فرؤیا حق ورؤیا یُحدِّث الرجل بھانفسه ورؤیا تحزین من الشیطان فمن رأی مایکره فلیقم فلیصل وکان یقول یعجبنی القیدواکره الغل القیدثبات فی الدین وکان یقول من رأنی فانی اناهوفانه لیس للشیطان ان یتمثّل بی وکان یقول لاتقص الرؤیاالاعلی عالم اوناصح". (حسن صحیح)

حدیث کے تمام حصے گذشتہ ابواب میں مع تشریح گذر گئے ہیں۔

یہاں صرف ترجمہ پیش ہے۔ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں سچا خواب اور وہ خواب جو آدمی اپنے دل میں سوچتا ہے (یعنی سوچ کا اثر) اور ایک خواب شیطان کی طرف سے پریشان کرنے والا ہوتا ہے، پس جو شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اٹھ کر نماز پڑھ لے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے بیڑی پسند ہے اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں، بیڑی سے مراد دین پر استقامت ہے اور فرماتے ہیں کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو وہ میں ہی ہوں گا کیونکہ شیطان کے لئے روا نہیں کہ وہ میرا حلیہ اختیار کرے، اور فرماتے خواب سوائے عالم یا خیر خواہ کے کسی سے بیان نہ کیا جائے۔

باب ماجاء فی الذی یکذب فی حلمه

(اس شخص کے بارے میں جو جھوٹا خواب بیان کرتا ہے)

"من کذب فی حُلمه کُلِّفَ یوم القیٰمة عقدشعیرة".

Maktaba Tul Ishaat.com

ابوعبدالرحمٰن راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع نقل کیا ہے کہ جس شخص نے بیانِ خواب میں جھوٹ بولا اس کو قیامت کے دن ''جَو'' کی گرہ بندی پر مجبور کیا جائے گا۔

اگلی سند کے ساتھ یہ حدیث مرفوع ہی ہے جبکہ تیسری سند میں یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے کہ جھوٹا خواب بیان کرنے والے کو قیامت کے دن دو ''جَو'' میں گرہ لگانے کا مکلف بنادیا جائے گا جبکہ وہ ان میں گرہ کبھی بھی نہیں لگا سکے گا۔

تشریح:۔قولہ: ''من کذب فی حلمه'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس نے خواب تو دیکھا ہے مگر اس میں اپنی طرف سے اضافہ بھی ملاتا ہے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ پورا خواب ہی جھوٹا ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے ''من تحلّم کاذباً'' کیونکہ تحلّم باب تفعُّل سے بمعنی تکلف کرنے اور گھڑنے کے ہے، چونکہ اس شخص نے الہام کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے اس لئے اس نے گویا اللہ پر جھوٹ بولا ہے کیونکہ الہام تو من جانب اللہ ہوتا ہے، اس بناء پر اس کی سزا دو جَو میں گرہ بندی مقرر کردی گئی ہے یعنی ایسا عمل جس کے اجزاء میں کوئی جوڑ نہیں بن سکتا ہے چونکہ یہ آدمی جھوٹا ہے اور الہام تو صادقین اور سچے لوگوں کو ہی ہوتا ہے کہ مشابہ جزء نبوت ہے تو جھوٹے کو الہام سے کیا مناسبت ہے اسی طرح دو جَو میں گرہ بندی کا کوئی امکان نہیں کہ گرہ بندی کے لئے کچھ طول درکار ہوتا ہے جو ان میں نہیں اس لئے وہ یہ سزا کا شمار ہے گا اور یہ اس کے جھوٹا ہونے کی نشانی بھی ہوگی جو اہل محشر کو نظر آئے گی۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ ہم لفظ شعیرۃ کو شعیر تین پر محمول بھی کر سکتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب پورا خواب جھوٹا ہو تو اس کو ایک جَو دیا جائے اور جب اس میں جھوٹ ملائے تو اسے دو جَو دیئے جائیں گویا یہ عذاب اپنے عمل کے ساتھ لفظی مناسبت کی بناء پر ہے کہ اس نے بلاشعور الہام کا دعویٰ کیا تو اسے شعیرۃ برائے گرہ دے دیا گیا۔(تدبر)

پھر کُلّفت سے تکلیف شرعی مراد نہیں بلکہ سزا مراد ہے لہٰذا یہاں سے تکلیف بمالایطاق کی بحث نہیں نکلتی۔ابن العربیؒ ان احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں ''ذکرهما ابوعیسیٰ وغیره ،وهو صحیح کله''۔

قولہ: ''وهذا اصح من الحدیث الاول'' اگرچہ پہلی سند کے رجال بھی ثقات ہیں مگر ابواحمد الزبیری، سفیان ثوریؒ کی روایات میں کبھی کبھی غلطی کرتے ہیں۔(کذا فی التحفہ عن التقریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: بينما انا نائم إذْ أُتِيتُ بقدح لبنٍ فشربتُ منه، ثم اعطيتُ فضلي عمر بن الخطاب قالوا فما اوّلته يارسول الله؟ قال "العلم". (صحيح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ دریں اثنا جبکہ میں سویا تھا مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا پس میں نے اس سے پیا پھر اپنا بچا ہوا میں نے عمر بن خطابؓ کو دیا، صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر نکالی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم۔

تشریح:۔ خواب کا تعلق چونکہ عالم مثال سے ہے جہاں اشیاء دنیا میں رونما ہونے سے پہلے ہی متشکل ہو جاتی ہیں تاہم دونوں حالتوں میں مناسبت ضروری ہوتی ہے یعنی امر دنیوی اور امر مثالی میں، مثلاً کوئی خواب میں انسان کی گندگی دیکھے تو اسے مال ملے گا، دنیا کی محبت اور انہماک سے عالم برزخ میں سانپ بن کر مسلط کر دیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح دنیا بظاہر خوشنما اور پیاری مگر درحقیقت زہر سے بھری ہوئی ہے سپیرا اس سے کھیل سکتا ہے مگر ناواقف اس کے زہر سے ہلاک ہوتا ہے اسی طرح سانپ بھی بظاہر رنگ برنگی لکیروں اور نرم وملائم کھال کی وجہ سے بہت خوبصورت لگتا ہے مگر سپیرا کے علاوہ جو شخص اس سے کھیلتا ہے تو سانپ اسے ڈھنتا ہے، غرض بظاہر خوبصورت منظر اور اندر سے سب زہر ہی زہر ہوتا ہے، وعلی ھذا القیاس۔

شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ کے "باب ذکر عالم المثال" میں لکھتے ہیں:

"تَتَمَثَّلُ فيه المعاني باجسام مناسبة لها في الصفة وتتحقق هناك الاشياء قبل وجودها في الارض نحوا من التحقق".

یعنی اس عالم مثال میں معانی ایسے جسموں کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو ان معانی کی حالت کے ساتھ مناسبت رکھنے والے ہوں اور زمین میں رونما ہونے سے پہلے وہاں چیزیں پائی جاتی ہیں وجود کی مخصوص نوعیت کے ساتھ۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی تعبیر علم سے فرمادی کیونکہ جس طرح دودھ ایک فطری غذا ہے اسی طرح علم بھی ہے خصوصاً ابتداء خلق میں بچے کی تغذی کا دارومدار دودھ ہی پر ہوتا ہے تاہم دودھ جسمانی غذا ہے اور علم روحانی مگر یہ بات ذہن میں رہے کہ دونوں میں ایک نوع تلازم بھی پایا جاتا ہے۔ (تدبر)

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) دودھ مصلح جسم ہے بلکہ اطباء کہتے ہیں کہ دودھ ہر دوا کا بھی مصلح ہے اسی طرح علم بھی مصلح ہے، دودھ سے جسمانی جراثیم مرجاتے ہیں اور علم سے روحانی اور جسمانی دونوں، یعنی شک وجہل اور گندگیوں کے جراثیم۔

(۳) جس طرح انتہائی پاکیزہ دودھ گندگیوں کے درمیان سے ہوتا ہوا نکلتا ہے اسی طرح علم کی روشنی اندھیروں کو چیرتی ہوئی اُجالا کردیتی ہے یعنی شک اور جہل کی تاریکیوں سے نکل کر معرفت کا سبب بنتی ہے۔ قالہ ابن العربی فی العارضۃ۔

بظاہر یہاں یہ اشکال سا وارد ہوتا ہے کہ حدیث باب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ثابت ہورہی ہے حالانکہ دیگر نصوص سے واضح طور پر صدیق اکبرؓ کی افضلیت متحقق ہوتی ہے چنانچہ عقائد نسفی میں ہے: "وافضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیقؓ ثم عمر الفاروقؓ الخ" اور یہ افضلیت علم وغیرہ سب صفات میں مراد ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ یہاں پر اضافت مراد نہیں ہے کہ ابوبکرؓ کو چھوڑ کر ان کو دیا بلکہ حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے اس لئے ان کو دیا جبکہ ابوبکرؓ وہاں پر موجود نہ تھے، یا اس علم سے مراد علم السیاست ہے یا پھر جزوی افضلیت مراد ہے یعنی الہامی جو کلی افضلیت کو مستلزم نہیں چنانچہ الہامات کے حوالے سے حضرت عمرؓ کے موافقات وحی تقریباً اکیس تک ہیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ کسی کو الہام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسروں سے الہام کی بناء پر افضل ہی ہو کیونکہ کبھی اس کے مقابلہ میں ایسا شخص بھی ہوتا ہے جو یقین وتصدیق اور محبت ومعرفت کے اس مقام ودرجہ پر فائز ہوتا ہے جہاں اس کو الہام وکشف کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس لئے سابقہ امم میں مُلہم لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔ اس آخری توجیہ کو عام علماء شاید نہ سمجھ سکیں اہل تصوف واہل عرفان کے ہاں یہ مسلم ہے جس کو معلوم کرنا ہو تو وہ صوفیہ اور خصوصاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی متعلقہ کتب کا مطالعہ کریں جو اس علم کے مجدد ہیں۔

قولہ: "العلم" منصوب ہے کہ فعل مقدر کا مفعول ہے ای اَوّلتُہ العلم۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"بينا انا نائم رأيت الناس يُعرضون عليّ وعليهم قُمُصٌ منها ما يبلغ الثُدِيَّ ومنها ما يبلغ اسفل من ذالك قال فعُرض عليَّ عمر وعليه قميص يَجُرُّه قالوا فما اوّلتَه يارسول الله؟ قال الدينَ". (واخرجه احمد في مسنده)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریں اثناء کہ جب میں سویا تھا خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جارہے ہیں اوران (کے بدنوں) پر قمیص ہیں ان میں سے بعض قمیص سینوں تک ہیں اور بعض اس سے نیچے تک (لمبی) ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس عمر میرے سامنے پیش کئے گئے جبکہ ان کی قمیص اتنی (لمبی) تھی کہ وہ اسے گھسیٹ رہے تھے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر نکالی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دین" حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

تشریح:۔قولہ: "قمص" بضمتین بروزن کتب قمیص کی جمع ہے۔**قولہ:** "الثدی" بضم الثاء وکسر الدال وتشدید الیاء ثُدِیّ، ثدی بفتح الثاء وسکون الدال کی جمع بمعنی پستان کے ہے ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ قمیصوں کا سینے تک ہونا اشارہ ہے کہ دلوں کو کفر سے محفوظ کئے ہوئے تھیں، اور جو مزید نیچے تھیں انہوں نے شرمگاہوں کو بھی محفوظ کرلیا تھا جبکہ پیروں تک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی بھی گناہ کے راستے پر چلنے سے روکے ہوئے تھیں جبکہ گھسیٹنے والے حضرت عمرؓ ہر قسم کے تقویٰ میں مستور ومحفوظ اور ملبوس تھے، یہ تشریح اس روایت کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے جس میں گھٹنوں اور ساقین کا ذکر ہے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں ایک اور لطیف وجہ کی تصریح کی ہے کہ جَر یعنی گھسیٹنے سے مراد اچھے اثرات کی بقاء ہے یعنی حضرت عمرؓ نے ایسے کارنامہائے خیر کی بنیادیں ڈالی ہیں جن پر اہل اسلام چل رہے ہیں اور وہ آثار آج تک باقی ہیں۔

یہاں بھی افضلیت عمر علی الصدیق والا اعتراض ہوسکتا ہے جیسا کہ سابقہ باب میں گذرا ہے، مگر حل بھی وہی ہے جو وہاں بیان ہوا یعنی یا تو یہ حضرت عمرؓ کی خلافت طولیٰ کی طرف اشارہ ہے جس میں ان کو تاسیس قواعد واجتماعات منعقد کرنے کا موقعہ میسر ہوا اور دینِ اسلام اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے عروج کو پہنچا جو امت کے تمام ادوار سے مضبوط ترین دور ہے یعنی مابعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادوار میں سے، لہٰذا یہ فضیلت جزوی ہوگئی جبکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ابوبکرؓ کے فضائل دیگر اعتبارات سے بہت زیادہ ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابوبکرؓ ان پیش کئے جانے والوں میں موجود نہ ہوں کہ ان کو پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی یا وہ بھی موجود ہوں اور ان کا کرتہ بھی حضرت عمرؓ جتنا یا اس سے زیادہ لمبا ہو جیسا کہ حاشیہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

باب ماجاء فی رؤیاالنبی ﷺ فی المیزان والدلو

ترازو اور ڈول کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب (اور تعبیر)

"عن ابی بکرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم :من رای منکم رؤیا؟ فقال رجل انا رأیت ،کَاَنّ میزانا نَزَلَ من السماء فَوُزِنتَ اَنتَ وابوبکر فرجحتَ انت بابی بکر، وَوُزِنَ ابوبکر وعمر فَرَجَحَ ابوبکر ووُزِنَ عمر وعثمان فَرَجَحَ عمر ثم رفع المیزان فرأینا الکراھیۃ فی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم". (حسن صحیح)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پوچھا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو ایک شخص نے کہا میں نے دیکھا ہے، میں نے دیکھا جیسا ایک ترازو ہے وہ آسمان سے اُتری پس آپ اور ابوبکر دونوں تولے گئے تو آپ ابوبکر پر بھاری رہے اور ابوبکر و عمر تولے گئے تو ابوبکر بھاری ٹھہرے پھر عمر و عثمان تولے گئے تو عمر بھاری ہوئے پھر وہ میزان اٹھالی گئی، پس (یہ سن کر) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں ناگواری کے آثار محسوس کئے۔

تشریح:۔ آگے ترمذی اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام فجر کی نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتے کہ تم میں سے کسی نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہے؟..... حدیث باب میں اسی طرح ایک دن کا ذکر ہے چونکہ موازنہ ملتی جلتی متقارب اشیاء میں ہوتا ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت تک اخیار کی کثرت تھی جن میں مہاجرین وانصار اور بالخصوص السابقون الاولون بھی پائے جاتے تھے جبکہ خلفاء کا مقام ان میں بہت نمایاں تھا اس لئے میزان اتاری گئی تاکہ ان کے مراتب معلوم ہو جائیں جبکہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں آپ کے فضائل بلا موازنہ نمایاں تھے کہ سابق الایمان تھے۔

عام شارحین حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس خواب میں اشارہ ہے کہ امن وامان کا بہترین دور شہادت عثمانؓ پر ختم ہونے والا ہے پھر فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں

Maktaba Tul Ishaat.com

باہمی لڑائی پورے دور پر محیط رہی اگرچہ یہ ان حضرات کے لئے اُخروی نقصان کی موجب نہ تھی مگر آنے والی امت کے لئے ایک آزمائش تھی۔

بنابر ہر تقدیر آپ علیہ السلام اس خواب سے پریشان نظر آئے پہلی توجیہ کی بناء اس لئے کہ آپ کی خواہش تھی کہ اخیار کا یہ دورانیہ طویل ہوتا تو اچھا ہوتا، جبکہ دوسری توجیہ میں پریشانی کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انحطاط کا خطرہ محسوس ہوا۔

حدیث سے ان تینوں خلفاء کی فضیلت باقی صحابہ پر اور ان کے آپس میں ایک دوسرے پر اسی ترتیب سے ثابت ہوئی اور یہی جمہور کا مذہب ہے جبکہ بعض حضرات حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل مانتے ہیں اس مسئلہ کا موضع شرح عقائد ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موازنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی ایسی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے کہ کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا، ابن العربیؒ نے اس مقام پر بہت تفصیل سے بحث فرمائی ہے جسے درکار ہو وہ عارضۃ الاحوذی میں دیکھے۔

حدیث آخر:۔ دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل ابن اسد کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت خدیجہؓ نے ورقہ کی طرف سے کہا کہ انہوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی اور آپ کے اظہارِ نبوت سے قبل ہی فوت ہوگئے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مجھے خواب میں دکھادیئے گئے دراں حالیکہ ان پر سفید لباس تھا اگر وہ دوزخی ہوتے تو ان پر سفید کے علاوہ دوسرے کپڑے ہوتے۔ (یعنی سیاہ رنگ کے) یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح:۔ ورقہ بفتحتین ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے زمانہ فترۃ میں نصرانی ہوگئے تھے اور شرک سے بے زار تھے، بخاری شریف کی تیسری حدیث میں ان کا تذکرہ یوں آیا ہے کہ جب آپ علیہ السلام پر پہلی وحی نازل ہوئی اور غار حراء سے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ آپ علیہ السلام کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو ورقہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "هذا الناموس الذی نَزَّلَ الله علی موسیٰ یالیتنی فیها جذعا الخ" یعنی یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کرتا تھا، کاش میں اس زمانے (دعوت یا نبوت) میں توانا جوان اور زندہ ہوتا۔ یعنی آپ کی نصرت کرتا

چونکہ پہلی وحی کے بعد کچھ مدت کے لئے وحی بند ہوگئی تھی اور ورقہ کا انتقال بظاہر اسی دوران ہوا تھا اس

Maktaba Tul Ishaat.com

لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ آپ علیہ السلام کے باقاعدہ تبلیغ کے آغاز سے قبل ورقہ کا ایمان کیسا تھا اس لئے اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں مگر زیادہ تر محققین ان کی نجاۃ کے قائل ہیں چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں کوئی وحی جلی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ ان کے لباس سے وہ جنتی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ سفید لباس طہارتِ قول وعمل پر دلالت کرتا ہے اسی طرح سبز کپڑے بھی جنتی ہونے کی علامت ہیں یہ روایت بظاہر ان کے جنتی ہونے پر صریح ہے مگر یہ عثمان بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے کمزور ہے ہاں البتہ دیگر قرائن ان کے نجات یافتہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ بن عمر عن رؤیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر و عمر فقال: رأیتُ الناس اجتمعوا فنزع ابوبکر ذَنُوباً اَوذَنوبین فیه ضعف واللہ یغفرله ثم قام عمر فنزع فاستحالت غرباً فلم اَرَعَبقَرِیّاً یَفرِی فَرِیَّه حتی ضرب الناس بالعَطَنِ". (صحیح غریب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے خواب کے بارے میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے کہ لوگ جمع ہوئے پس ابوبکرؓ نے ایک ڈول یا دو ڈول پانی نکالا اور اس میں ضعف تھا اللہ ان کو معاف فرمائے پھر عمر کھڑے ہوئے پس انہوں نے کھینچا تو وہ ڈول بڑا بن گیا پس میں نے کسی پہلوان کو نہیں دیکھا جوان جیسا کام کرے، یہاں تک کہ جگہ پکڑی لوگوں نے اپنی آرام گاہوں میں (یعنی خوب سیراب ہو گئے)

تشریح:۔ عام نسخوں میں "ابوبکر" مرفوع ہے حالانکہ یہ "النبیؐ" پر عطف کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے، اسی طرح "فقال" بغیر فاء کے اصح ہے یعنی "قال رأیت" الخ۔ قولہ: "فنزع ابوبکر ذنوبا او ذنوبین فیه ضعف" ذنوب وہ بڑا ڈول کہلاتا ہے جو بیل کے چمڑے سے بنا ہوا ہو، عام شارحین اس جملے کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ دو ڈول ان کی خلافت کے دو سال کی طرف اور ضعف فتنۂ ارتداد کی جانب اشارہ کرتا ہے، مگر زیادہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذنوبا او ذنوبین قلت فتوحات اور ضعف میں قلت مدت خلافت کی طرف اشارہ ہے (تدبر) جہاں تک ان کے لئے مغفرت کی دعاء کا تعلق ہے تو یہ کسی تقصیر وکوتاہی سے بخشش کے لئے نہیں بلکہ عارضہ میں ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو کم مدتِ خلافت پر بھی طویل خلافت کا اجر دے یعنی زیادہ عمل کا جبکہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یغفر اللہ لہ یا لک عام طور پر کلام میں بطور تکیۂ کلام کے مستعمل ہوتا ہے۔

قولہ: "فاستحالت غربا" بروزن عبدا و شمسا حاشیۂ قوت میں ہے کہ وہ بڑا ڈول جو بیل کی کھال سے

Maktaba Tul Ishaat.com

بنا ہوا ہو ہم نے اوپر ذنوب کی تشریح بھی اسی طرح کی تھی وہ عارضۃ الاحوذی سے لی ہے، بہرحال مراد یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب پانی نکالنے کے لئے وہ ڈول کھینچا تو وہ بہت بڑے ڈول سے تبدیل ہو گیا جو کہ اشارہ ہے کثرت فتوحات اور مملکت کے پھیلاؤ کی طرف۔

قولہ: "عَبقَرِیًّا" بفتح العین وسکون الباء وفتح القاف وکسر الرّاء وتشدید الیاء توانا وطاقت ور شخص کو کہتے ہیں جبکہ یفری بروزن یرمی اور فریہ بفتح الفاء وکسر الراء وتشدید الیاء ہے فریہ اصل میں کھال بنانے اور درست کرنے کو کہتے ہیں یہاں مراد اصلاح ہے، یعنی جو مثل عمر کے عمل کرے۔ قولہ: "عطن" بروزن قمر وہ جگہ جہاں بڑے جانور گھاٹ میں پانی پینے کے بعد آرام کرتے ہیں یعنی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں لوگ بے فکر ہو کر زندگی بسر کریں گے۔ عارضہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اور اسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کی طرف اشارہ نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ شر پسندوں کی شرارت سے اخیار کے مراتب میں کسی طرح کمی نہیں آتی کیونکہ اہل عدل کے ساتھ اہل جور کی دشمنی لازمی سی بات ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ سے ایک اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے پراگندہ بالوں والی ایک کالی عورت کو دیکھا وہ مدینہ سے نکل کر مہیعَہ میں قیام پذیر ہو گئی اور وہ (مہیعہ) جُحفہ ہے پس میں نے اس کی تعبیر یہ کر دی کہ مدینہ کی وباء جُحفہ منتقل کر دی جائے گی۔

تشریح:۔ مدینہ کا جاہلی نام یثرب بمعنی ندامت و پچھتاوے کے تھا کیونکہ یہاں کی آب و ہوا میں وبائی امراض کا اثر تھا اس لئے جو شخص یہاں باہر سے آتا وہ اپنے آنے پر نادم ہوتا صحابہ کرامؓ نے جب اس کی طرف ہجرت فرمائی تو تقریباً سب بیمار ہو گئے، بخار میں مبتلاء ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی بدولت اللہ نے اس کو طیبہ بنایا اور وہاں کی وباء کو مہیعہ یعنی جُحفہ منتقل فرمایا جو یہود و مشرکین کا علاقہ تھا مہیعَہ میں ہاء ساکن اور باقی مفتوح ہیں جبکہ جُحفہ بروزن غرفۃ مہیعہ کی تفسیر ہے جو بظاہر مدرج من الراوی ہے۔

ابن العربیؒ لکھتے ہیں کہ عورت کی تعبیر میں ہزار احتمالات و درجات ہیں جبکہ سیاہی مطلقاً مکروہ اور بیاض مطلقاً پسندیدہ ہے الّا یہ کہ ان کے ساتھ کوئی ایسی چیز شامل ہو جائے جو اسے اپنے اطلاق سے خارج کر دے پھر سیاہی میں خیر اور سفیدی میں شر داخل ہو جاتا ہے جبکہ منتشر بال بھی ناگواری کی طرف مشیر ہیں پس مدینہ تو منورہ تھا اس لئے اس میں کسی بکھرے بالوں والی کالی عورت کا نظر آنا وباء ہی ہو گئی کیونکہ ان میں مناسبت نہیں لہٰذا کالے ملکوں میں کالی عورت دیکھنا بُرا نہ ہوگا کہ دونوں میں مناسبت پائی جاتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے تمام قطعات پہلے گذرے ہیں اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سونے کے دو کنگن میرے ہاتھوں میں ہیں چنانچہ ان کی موجودگی نے مجھے پریشان کر دیا پس مجھے وحی کی گئی کہ میں ان کو پھونک دوں چنانچہ میں نے ان کو پھونک دیا تو وہ دونوں اُڑ گئے، تو میں نے اس کی یہ تعبیر نکالی کہ میرے بعد دو جھوٹے (متنبی) نکلیں گے ایک کو مسلمہ کہا جائے گا یمامہ والا اور دوسرا عنسی ہوگا صنعاء (یمن) والا۔

تشریح:۔ قولہ: "سوارین" بکسر السین اور ضمہ بھی جائز ہے سوار بروزن کتاب کا تثنیہ ہے بمعنی کنگن کے۔ **قولہ:** "أنفخهما" بضم الفاء وسکون الخاء ای اَرمھما یعنی کہ میں ان کو پھینک دوں اگر چہ لفظی معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ **قولہ:** "مسلمہ" بفتح المیم واللام اس کو مسیلمہ (بالتصغیر) بھی کہتے ہیں یمامہ کے حدود اربعہ یہ ہیں مشرق میں عمان اور بحرین، مغرب میں حجاز اور حصۂ یمن، جنوب میں احقاف یا الربع الخالی شمال میں نجد۔ (تاریخ ارض القرآن ص:۹۶)

قولہ: "عنسی" بفتح العین وسکون النون کا نام اسود تھا جو صنعاءِ یمن کا رہنے والا تھا کنگنوں کی اس تعبیر تنبئی سے کیا مناسبت ہے؟ تو اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ سونا مردوں کے لئے نا قابل استعمال ہے اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھوں میں دیکھا تو پریشان ہو گئے چونکہ یہ کنگن بے محل دیکھے گئے تھے اس لئے تعبیر جھوٹی نبوت سے کی گئی کیونکہ جھوٹ بھی بے محل ہوتا ہے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کی تائید اور تحسین کرتے ہیں کنگنوں کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ جن سے ہاتھ خوبصورت اور مالی وسلطانی اعتبار سے طاقت ور بن جاتے ہیں مگر یہاں مسئلہ یہ تھا کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اس لئے ایسے کنگن سونے کی صورت میں دکھائے گئے جو کہ جھوٹے نبی ہی ہو سکتے ہیں جو بظاہر سلسلہ نبوت کی کڑیاں دکھائی دیتے ہیں مگر درحقیقت وہ متنبی یعنی جھوٹے تھے۔

دوسری وجہ ابن العربیؒ نے عارضہ میں بیان فرمائی ہے کہ کنگن ملوک کا زیور ہے اس لئے کفار نے اعتراض کیا تھا "فلو لا القی علیه اسورة من ذهب" (سورۂ زخرف آیت:۵۳) یعنی اگر یہ واقعی قیادت کے

Maktaba Tul Ishaat.com

مستحق ہیں تو پھر ان کے ہاتھوں میں کنگن کیوں نہیں ہیں؟ جبکہ 'یَدَان' یا 'یَد' عربی میں کئی معانی کے لئے آتا ہے۔ یہاں بمعنی غلبہ کے ہے یعنی آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان کے امر (نبوت) پر قبضہ حاصل کرنا چاہتا ہے کہ علامت سے ذی العلامت پر استدلال ہوتا ہے، چونکہ غلط چیز کا ازالہ ضروری ہوتا ہے اس لئے آپ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم ہوا کہ ان میں پھونک ماریں، چنانچہ اسود عنسی تو آپ علیہ السلام کے مرض الوفات ہی میں فیروز دیلمیؓ کے ہاتھوں مارا گیا جس کی اطلاع آپ علیہ السلام کو سرلانے سے پہلے ہی دی گئی اور آپ علیہ السلام نے فرمایا "فـازفیـروز" اس کا واقعہ تاریخ ابن خلدون میں تفصیلاً پڑھا جاسکتا ہے، جبکہ مسیلمہ کو حضرت وحشیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں قتل کر دیا تھا جس کا قصہ اور جنگ یمامہ کی تفصیل سیر و تاریخ کی کتب میں پڑھی جاسکتی ہے۔ حضرت وحشیؓ نے اسلام سے قبل حضرت حمزہؓ کو اُحد میں شہید کر دیا تھا۔

یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ان دونوں کا دعویٰ تو آپ علیہ السلام کے عین حیات ہی سامنے آیا تھا پھر "یـخـرجـان مـن بـعـدی" کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ من بعدی سے مراد بعد موتی نہیں بلکہ بعد نبوتی ہے، شاہ صاحبؒ عرف میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مدعی نبوت اب بالاجماع کافر ہے اور واجب القتل ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ ایک سائبان ہے اس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے ہاتھوں میں بھر بھر کر لے رہے ہیں کچھ زیادہ حاصل کرنے والے ہیں اور کچھ کم، اور میں نے دیکھا کہ ایک رسی آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے، پس میں نے آپ کو دیکھا اے اللہ کے رسول! کہ آپ نے اس رسی کو پکڑ لیا اور آپ چڑھ گئے پھر آپ کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑ لیا اور وہ بھی چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے وہ رسی پکڑی اور وہ بھی چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے وہ رسی پکڑی پس وہ ٹوٹ گئی، پھر اس کو جوڑ دیا گیا اس طرح وہ بھی چڑھ گیا، پس حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اس کی تعبیر دینے دیجئے (یعنی تعبیر کی اجازت فرمائیں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تعبیر دو! پس ابوبکرؓ نے فرمایا کہ وہ سائبان تو اسلام کا سائبان ہے اور جو گھی اور شہد اس سے ٹپک رہا ہے وہ قرآن ہے جس کے مضامین نرم اور میٹھے ہیں اور زیادہ اور کم لینے (پینے) والے وہ قرآن کریم کو زیادہ اور کم اختیار کرنے (حاصل کرنے) والے ہیں اور وہ رسی جو واصل ہے آسمان سے زمین تک

Maktaba Tul Ishaat.com

تو وہ حق ہے جس پر آپ ہیں پس آپ نے اس کو اختیار فرمایا تو اللہ نے آپ کو اوپر چڑھا دیا پھر آپ کے بعد کسی شخص نے حق کو اختیار کیا وہ بھی اوپر چڑھے گا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص اس کو پکڑے گا تو وہ بھی چڑھے گا، پھر اس کے بعد ایک اور شخص اُسے پکڑے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی پھر وہ اس کے لئے جوڑ دی جائے گی تو وہ بھی چڑھ جائے گا اے اللہ کے رسول! آپ ضرور بتائے کہ میں نے صحیح تعبیر دی ہے یا غلطی کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض صحیح بتلا دی اور بعض میں غلطی کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ بتائیے کہ میں نے کیا خطا کی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دیں۔ (یہ متفق علیہ صحیح حدیث ہے)

تشریح:۔ عارضہ میں ہے کہ اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ کی شان و منزلت اور تعبیر الرؤیا میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے بعد ان جیسا کوئی نہ تھا ''ظلہ'' کو اسلام سے تعبیر کرنا صحیح تھا مگر گھی اور شہد کو ایک ہی معنی میں لینا شاید وہم تھا کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں پس مراد تو یا قرآن و سنت دونوں ہیں یا علم و عمل، یا پھر حفظ اور سمجھ،

آپ علیہ السلام کے بعد جن تین آدمیوں کا ذکر ہے وہ بالترتیب ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ ہیں البتہ یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی تو قتل کیا گیا ہے ان کی رسی بھی ٹوٹنی چاہئے تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی رسی بوجہ ولایت کے توڑی گئی تھی جبکہ حضرت عمرؓ کی بوجہ ذاتی دشمنی کے نہ کہ بوجہ خلافت کے۔ (تدبر وانتظر)

قولہ: ''ثم وصل'' یعنی خلافت کی رسی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے جوڑ دی گئی البتہ اس میں علو یعنی اتفاق نہ تھا اس لئے کوئی نئی فتوحات اور غلبہ حاصل نہ ہو سکا اگرچہ وہ حق پر تھے، غلطی کی وجہ ایک تو وہی ہوئی جو اوپر گذر گئی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے رسی کو حق کہا حالانکہ اس سے مراد خلافت تھی کیونکہ حضرت عثمانؓ کے لئے حق منقطع نہیں ہوا تھا بلکہ خلافت منقطع کر دی گئی تھی۔ **قولہ: ''اقسم''** کے ساتھ اگر باللہ کو ذکر نہ کیا جائے تو امام مالکؒ کے نزدیک قسم نہیں ہوتی الا یہ کہ اس کی نیت کی ہو جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لفظ اقسم سے بھی قسم ہو جاتی ہے یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے مالکیہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے باللہ کی نیت کی تھی کہ غیر اللہ کی قسم جائز نہیں۔ (هذا كله من عارضة الاحوذی)

حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی کو قسم دے اور ابراء مصلحت کے خلاف ہو تو اس سے اعراض کیا

Maktaba Tul Ishaat.com

جاسکتا ہے یہاں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر آپ علیہ السلام افشاء کرنا فی الحال مناسب نہیں سمجھ رہے تھے۔

حدیث سمرۃ بن جندبؓ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرماتے: تم میں سے کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے؟ (حسن صحیح)

اگر کوئی نہ دیکھ چکا ہوتا اور آپ علیہ السلام دیکھ چکے ہوتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیان فرماتے جیسا کہ "رأیت رجلین أتیانی فاخذابیدی الخ" معراج کا ایک واقعہ تفصیل سے بیان فرمانا وغیرہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم کے حصول میں بہت دلچسپی فرماتے اس لئے صحابہ کرامؓ سے خواب پوچھتے پھر جب کوئی صحابی خواب بیان کرتا تو آپ فرماتے ماشاء اللہ مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بعض خواب ناپسندیدہ معنی پر مشتمل ہوتے ہیں اور ایسے خوابوں کا بیان مناسب نہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معمول چھوڑ دیا۔ (کذا فی العارضۃ)

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الشہادات

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(گواہی کا بیان)

شہادات جمع ہے شہادت کی بمعنی گواہی کے ہے۔

قولہ: "اَلَا اخبرکم بخیر الشھداء الذی یأتی بشھادتہ قبل ان یُسئلھا". (حسن)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو خبر نہ دوں گواہوں میں سے اچھے کی، یہ وہ شخص ہے جو گواہی کے مطالبہ سے پہلے ہی اپنی گواہی دے۔

تشریح: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ ابواب الفتن میں "باب ماجاء فی القرن الثالث" میں حضرت عمران بن حصین کی مرفوع حدیث میں ایسے لوگوں کو ناپسندیدہ ظاہر کیا گیا ہے جو بغیر طلب کے از خود گواہی دیں گے "یعطون الشھادۃ قبل ان یسألوھا" جبکہ باب کی حدیث میں ایسے گواہ کو خیر الشہداء کہا گیا ہے، اور یہ تو تعارض ہے عمران بن حصین ؓ کی، یہ حدیث ابواب الشہادات کے آخر میں بھی آرہی ہے۔

اس کا جواب وہیں پر گذرا ہے کہ معیوب اور مذموم جھوٹی گواہی ہے جس میں لوگ پیش پیش ہوں گے جیسے آج کل ہوتا ہے یا مراد جھوٹی قسمیں ہیں جو لاپرواہی کی وجہ سے لوگ کھاتے رہیں گے اگرچہ ان سے مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔

جبکہ باب کی حدیث میں سچی گواہی کا ذکر ہے جو ہرگز مذموم نہیں ہے بشرطیکہ اس سے کسی بڑے مفسدہ یا نقصان کا خطرہ نہ ہو، کیونکہ کبھی گواہی تو سچی ہوتی ہے مگر اس کی ادائیگی معیوب ہوتی ہے جیسے چھوٹے بچے اور بچی کو ناجائز تعلقات میں دیکھا اور خاندانی اعتبار سے دونوں شریف لوگ ہیں تو بجائے شور مچانے کے ان کو ڈرائے دھمکائے تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی حرکت نہ کریں شور مچانے سے دونوں خاندانوں کی رسوائی ہوگی اسی طرح اگر گواہی کی نوبت آجائے تو حتی الامکان بچنے کی کوشش کرے۔ واللہ اعلم۔ لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہ سمجھا جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بعض حضرات نے حدیث باب کا یہ بھی مطلب لیا ہے کہ صاحب حق کو اپنے گواہ کا علم نہ ہو تو اچھا گواہ وہ ہے جو از خود گواہی دے کر اس کو حق دلا دے، یا یہ کنایہ ہے سرعت قبولیت سے یعنی وہ گواہ طلب کے بعد اتنی جلدی آتا ہے گویا کہ وہ مطالبہ سے پہلے ہی پہنچ گیا۔

قولہ:"لاتجوز شهادة خائن ولاخائنة ولامجلودٍ حداً ولامجلودةٍ ولاذی غِمرٍ لِاَحَدٍ (والصواب لِاَخِیه) ولامجرّب شهادة ولاالقانع اهل البیت لهم ولاظنین فی وِلاء ولاقرابة". (غریب)

جائز نہیں گواہی کسی خیانت کرنے والے مرد اور عورت کی اور نہ ہی اس مرد اور عورت کی جن کو کسی حد میں کوڑے لگائے گئے ہوں (یعنی حد قذف) اور قبول نہیں شہادت حسد کرنے والے کی کینہ کی وجہ سے (یا محسود بھائی کے خلاف) اور ایسے شخص کی بھی جو جھوٹی گواہی میں آزمودہ ہو اور قبول نہیں ایسے شخص کی بھی جس کی روزی کسی گھر سے وابستہ ہو، اس گھر والوں کے لئے۔ اور نہ ہی اس شخص کی جو موالات اور قرابت کے انتساب میں متہم ہو (یعنی جھوٹا سمجھا جاتا ہو)۔

تشریح ولغات:۔ قولہ:"خائن" خیانت کرنے والا خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں خصوصاً حقوق مالیہ میں، چونکہ ایسا شخص فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں اس لئے خائن کی گواہی نہیں چلے گی۔

قولہ:"ولامجلود حداً" مجلود وہ شخص ہے جس کو جلد یعنی کوڑے بطور حد لگ چکے ہوں پس اگر مراد مطلق حد ہو تو پھر عدم قبولیت اس وقت ہوگی جب تک اس نے گناہ سے توبہ نہ کی ہو اور اگر حد قذف مراد ہو تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت حد کے بعد کسی صورت میں قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو جبکہ شافعیہ و مالکیہ وغیرہ کے نزدیک توبہ کرنے کے بعد محدود فی القذف کی شہادت قابل قبول ہے۔ اس اختلاف کا دارومدار اس اصولی اختلاف پر ہے کہ اگر کلام میں متعدد معطوفات مذکور ہوں اور آخر میں استثناء آجائے تو کیا وہ صرف آخری حکم یعنی معطوف سے ہوگا یا سب سے؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق آخری معطوف سے ہوتا ہے جبکہ جمہور کے نزدیک سب سے ہوتا ہے۔ چنانچہ حد قذف کے بارے میں حکم ہے۔

"فاجلدوهم ثمٰنین جلدة ولاتقبلوالهم شهادة ابداً واُولٰئِکَ هم الفاسقون0 الاالذین تابوا من بعدذالک واصلحوا". (نور آیت نمبر:۵)

Maktaba Tul Ishaat.com

پس احناف کے نزدیک توبہ کرنے سے فقط اس کا فسق ختم ہوگا جو آخری حکم اور معطوف ہے اس سے قبل والا حکم "ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً" بدستور باقی رہے گا لہٰذا کہا جائے گا کہ قاذف کی حد دو سزاؤں سے مرکب ہے ایک کوڑے لگانا اور دوم گواہی ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول ہونا۔ مزید تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قولہ: "ولا ذی غمر" بکسر الغین بروزن سدرٍ حقد اور کینہ کو کہتے ہیں۔

قولہ: "لإحنه" لام اجلیہ ہے جبکہ إحن بکسر الہمزہ وسکون الحاء بھی حقد اور غضب کو کہتے ہیں یعنی اس کے کینہ کی وجہ سے محقود و محسود کے خلاف گواہی منظور نہیں۔ بعض نسخوں میں "لِاَخیہ" بالخاء والیاء ہے جبکہ بعض میں لِاختہ بالتاء ہے اس میں لاخیہ زیادہ صحیح ہے، دونوں میں لام بمعنی علی ہوگا یعنی جس بہن بھائی سے اس کا کینہ چل رہا ہے اس کے خلاف اس کی گواہی نہیں چلے گی۔

قولہ: "ولا مجرب الخ" یعنی جس کی جھوٹی گواہی مشہور ہو اور اسے بار بار آزمایا گیا ہو۔

قولہ: "ولا القانع" قانع اصل میں اس سائل کو کہتے ہیں جو تھوڑے بہت پر صبر کرتا ہو مگر یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی گھر سے کھاتا پیتا ہو خواہ مفت میں وہ کھلاتے ہوں یا بطور خادم واجیر کے ان کے گھر میں رہتا ہو جیسے چوکیدار، ڈرائیور اور خانساماں وغیرہ۔

قولہ: "ظنین" متہم کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ ہے جو اپنی ولاء کی نسبت اپنے اصلی موالی کے بجائے غیر کی طرف کرتا ہو یا اپنا نسب غیر باپ کی طرف منسوب کرتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص فاسق ہو یا گواہی میں متہم یعنی مشکوک ہو اس کی گواہی نامنظور ہوگی چنانچہ خائن اور ظنین اور محدود بغیر توبہ کے فاسق ہیں اس لئے ان کی گواہی نہیں مانی جائے گی جبکہ ذی غمر اور قانع کی گواہی مشکوک ہے کیونکہ دشمنی عداوت رکھنے والا دشمن کے خلاف گواہی اپنے ذاتی مفاد کے لئے بھی دے سکتا ہے جبکہ عام قانع اہل بیت کے حق میں گواہی دے کر اپنی وفاداری اور نفع رسانی کا تأثر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اسی بناء پر باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ذکر فرمایا ہے اور یہی جمہور وحنفیہ کا مذہب بھی ہے اگرچہ حضرت عمرؓ اور بعض اہل الظواہر نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ غرض اصول وفروع کے لئے گواہی ممنوع ہے تہمت کی وجہ سے اس کے علاوہ تمام رشتہ داروں کے لئے گواہی دینا منظور ہے، سوائے زوجین کے کہ ان میں بھی تہمت قائم ہے کہ مفادات مشترک ہوتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

خلافاللشافعیؒ۔ابن العربیؒ لکھتے ہیں:''وساعدنا ابو حنیفة علیه وهو الصحیح''یعنی شہادۃ الزوجین قبول نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔''قوله فما زال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقولها حتی قلنا لیته سکت'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے گناہوں میں جب جھوٹی گواہی کا ذکر فرمایا تو اس جملہ کو بار بار دہراتے اور مکرر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہماری خواہش ہوئی کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تھک رہے ہیں۔

اگلی حدیث میں شہادت زور کو شرک کے برابر قرار دیا گیا''عُدِلت''یعنی برابر کی گئی ہے اس کی وجہ ابن العربیؒ نے عارضہ میں یہ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح شرک موجب فساد ہے اسی طرح جھوٹی گواہی بھی باعث فساد ہے کہ کبھی بے گناہ کو گواہی کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے اور کبھی دوسری سزا دی جاتی ہے اس طرح نظام سِارا تباہ و برباد ہو جاتا ہے جیسا کہ آج کل ہوا ہے۔آخری حدیث عمران بن حصینؓ کی ابواب الفتن''باب ماجاء فی القرن الثالث''میں مع التشریح گذری ہے۔فلیراجع

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الزھد

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس،الصحة والفراغ". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ خسارہ میں رہتے ہیں صحت مندی اور فارغ البالی۔

تشریح:۔ زہد اور زھادت بمعنی بے رغبتی کے ہیں یعنی دنیا سے زیادہ تعلق نہ جوڑنا۔

قولہ: "مغبون" دراصل اس شخص کو کہتے ہیں جو تجارت میں نقصان یعنی گھاٹے میں رہتا ہے چونکہ اعمال صالحہ اُخروی ثواب کا سامان ہے اس لئے اس عمل کو بھی بزبان قرآن تجارت کہا گیا ہے یعنی نیکیوں کی تجارت، یہاں جن دو نعمتوں کا ذکر ہے ان میں ایک تو تندرستی ہے جو عبادت کے لئے کلیدی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ بیمار آدمی عموماً اپنی ہی فکر اور پریشانیوں میں گھرا رہتا ہے یا پھر عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ دوسری نعمت فراغت ہے یعنی آدمی کا دنیوی مصائب و پریشانیوں سے محفوظ ہونا، کیونکہ پریشانیوں میں گھرا آدمی کہاں جاندار عبادت کرسکتا ہے خصوصاً عبادتِ تفکر۔ مطلب یہ ہے کہ کم ہی لوگ ایسے ہیں جو ان دو نعمتوں سے خوب اُخروی تجارت کرتے ہیں جبکہ عام لوگ ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتے وہ نہ تو صحت سے نفع اٹھاتے ہیں اور نہ ہی خوشحالی سے نفع کما سکتے ہیں بلکہ عموماً وہ اس سرمایہ کو فضول کاموں یا دنیوی مشاغل اور کبھی گناہ کے عوامل میں خرچ کر کے آخرت کے فائدے سے محروم رہتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسے ایک آدمی کی دکان مال تجارت سے بھری پڑی ہو مگر وہ اسے بند رکھتا ہو یا اس میں بجائے کاروبار کے کھیل تماشے اور گپ شپ کرتا ہو ظاہر ہے وہ اس سے کیا کمائے گا؟۔

غرض آدمی کو چاہئے کہ بجائے حظِ دنیا کے حُبِ آخرت پر زور لگائے اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی دنیا کو ضرورت سمجھ کر اس کے مطابق حاصل کرے آخرت کو مقصود و مطلوب جان کر اس پر توجہ

Maktaba Tul Ishaat.com

دینا چاہئے، اسی نکتہ کی طرف حضرت شاہ صاحبؒ نے اشارہ کر کے عرف میں فرمایا ہے: ''قالوا ان ذرة من الزهد خير من عبادة الثقلين''۔

دوسری حدیث:۔ اس باب میں دوسری حدیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے یہ باتیں (احکام ومشورے) حاصل کر کے ان پر خود عمل کرے اور اس شخص کو بتلادے جو ان پر عمل کرے؟ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میں ہوں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر وہ پانچ باتیں شمار کرائیں۔ (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرام سے بچ کر رہنا اس طرح تم لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار بن جاؤ گے۔ (۲) اور اللہ نے تیرے لئے جو مقدر فرمایا ہے اس پر راضی رہو تو لوگوں میں سب سے زیادہ غنی بن جاؤ گے۔ (۳) اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو تو کامل مؤمن بن جاؤ گے۔ (۴) لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو کامل مسلمان ہو جاؤ گے اور (۵) زیادہ مت ہنسو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

تشریح:۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوھریرہؓ کا ہاتھ پکڑنا ان باتوں کی اہمیت کے پیش نظر تھا، اس حدیث میں ''اَویُعلّم الخ'' کا ''او'' بمعنی واو کے ہے حدیث کا مطلب آسان ہے البتہ اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ دین اسلام میں علم اور عمل دونوں اہم ہیں۔ دوم یہ کہ علم اس کو پڑھانا چاہئے جو عمل کی غرض سے پڑھتا ہو یا کم از کم عمل کا شوق رکھتا ہو اگر چہ اتمام حجت کے لئے عام تعلیم دینا بھی جائز ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ عبادت صرف کرنے کا نام نہیں بلکہ ترک اور چھوڑنا بھی عبادت ہے لہٰذا ترک دنیا اور ترک گناہ بھی عبادت بلکہ عبادت کی جڑ ہے۔ چوتھی بات ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے ایمان مضبوط تر ہو جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کا سماع حضرت ابو ہریرہؓ سے ثابت نہیں۔

باب ماجاء فی المبادرة بالعمل

(عمل کرنے میں جلدی کرنا)

''عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بادروا بالاعمال سبعاً هل تنظرون اِلّا الى فقرٍ مُنسٍ اوغِنىً مُطغٍ اومرض مُفسدٍ اوهَرَمٍ مُفنِدٍ اوموت مُجهزٍ اوالدجال

Maktaba Tul Ishaat.com

فَشَرٌّ غائب یُنتَظَرُ او الساعة فالساعة اَدهٰی و اَمَرُّ. (حدیث غریب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات چیزوں سے پہلے ہی عمل میں شتابی (جلدی) کرو (عمل نہ کرکے) تم انتظار نہیں کرتے ہو مگر (۱) بھلا دینے والے فقر کا (۲) یا بھٹکا دینے والی مالداری کا (۳) یا بگاڑ دینے والے مرض کا (جس سے دین اور بدن دونوں برباد ہو جاتے ہیں) (۴) یا (عقل کو) فاسد کرنے والے بڑھاپے کا (پھر صحیح قول وعمل کی قدرت نہیں رہتی) (۵) یا اچانک آنے والی موت کا (۶) یا پھر دجال کا انتظار ہے پس وہ تو ایسا شر ہے جو غائب ہے اور اس (کے خروج) کا انتظار ہو رہا ہے (۷) یا قیامت کا انتظار ہے پس قیامت تو بہت ہی ہولناک اور سخت کڑوی ہے۔

تشریح:۔ "مُنسی" اور باقی تمام صفات مجھزٌ تک باب افعال سے اسم فاعل کے صیغے ہیں نسیان سے ہے کیونکہ فقر وفاقہ عموماً لوگوں کو معاش کی فکر میں لگا کر معاد کی طرف توجہ کو بھلا دیتا ہے۔

قولہ: "مُطغٍ" طغیان سے ہے بمعنی سرکشی کے کیونکہ مال عموماً آدمی کو سرکش ونافرمان بنا دیتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ **قولہ:** "ھرم" بروزن قمر بڑھاپا اور "مفند" افناد سے بمعنی فَند میں یعنی فتور دماغی اور عقل کی شکست وریخت میں مبتلا کر دینے والا، کیونکہ زیادہ بوڑھا آدمی بچوں کی طرح بے معنی باتوں اور بے مقصد کاموں میں سرگرم ہو جاتا ہے عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا بلکہ بعض تو چھوڑ ہی دیتے ہیں۔

قولہ: "مجھز" اِجہاز سے بمعنی جلدی رخصت کرنے والی موت کے ہے۔ **قولہ:** "ادھی وامر" دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں داھیہ گھبرا دینے والی چیز اور امرمرّ سے بمعنی کڑوا کے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مندرجہ موانع عبادت کی آمد سے پہلے پہلے عبادت میں لگے رہو تاکہ آخرت کے لئے کچھ ذخیرۂ اعمال جمع کیا جا سکے کیونکہ ان آفات کے آنے کے بعد عبادت کرنے کی فرصت یا طاقت نہیں رہے گی یا پھر عبادت کی اہمیت نہیں رہے گی کیونکہ جو شخص جوانی میں اور صحت کے دور میں عبادت پر توجہ نہ دے تو یہ امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ ان فتنوں میں وہ عبادت کے لئے کمر کس لے گا، چونکہ ان آفات میں سے بعض کا آنا تو یقینی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ عبادت میں خوب محنت نہیں کرتے ہو کیا تمہیں ان آفات کا انتظار ہے پس اگر ایسا ہے تو یہ تباہ کن بیماریاں ہیں ان میں ابتلاء کے بعد عبادت کہاں ہو سکے گی اس لئے ان سے سبقت کرو۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ علیہ السلام کے سامنے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ وہ گویا اعمال میں کمزور تھے کلّا وحاشا صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بڑھ کر کون زیادہ عبادت کر سکتا ہے بلکہ یہ خطاب

Maktaba Tul Ishaat.com

امت کے ہر اس شخص سے ہے جو عمل کے اعتبار سے سُست ہو اور جتنی عبادت کرتا ہو اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہو مگر بوجہ سُستی کے نہ کرتا ہو تو اس سے کہا جا رہا ہے کہ تمہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ تحفۃ الاحوذی اور عارضۃ الاحوذی میں اس حدیث کو حسن بھی کہا ہے۔

باب ماجاء فی ذکر الموت

(موت کے تذکرہ کے بارے میں)

"اکثروا هاذم اللذات یعنی الموت". (غریب حسن)

لذتوں کو منقطع کرنے والی چیز کو بکثرت یاد کرو یعنی موت کو۔

تشریح:۔ یہ لفظ دال مہملہ اور ذال معجمہ دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے دونوں قریب المعنی ہیں ھادم کے معنی ڈھانے دینے والی چیز اور ھاذم کے معنی قاطع کے ہیں مراد موت ہے جیسا کہ راوی نے اس کی تفسیر میں کہا ہے "یعنی الموت" حاشیۂ قوت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ "موت" بالجر بغیر یعنی کے عطف بیان ہے۔

موت کو بکثرت یاد کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے دنیا کی حقارت اور بے وفائی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ جب موت سے مادی تعمیر و ترقی منہدم ہو کر ختم ہو جاتی ہے تو پھر کیوں نہ ایسی زندگی کے لئے تیاری کریں جس کی حیات ابدی، میوے لافانی اور عمر بھر جوانی ہی جوانی رہتی ہے جہاں کا منظر کچھ اس طرح ہے کہ:

"افتضاض الأبکار، علی شطِ الانهار، تحت الاشجار، اوضرب الاوتار و ضیافة الجبار. (کذافی المدارک، سوره یس آیت: ۵۵)

باب

قبر کی ہولناکی کا بیان

"کان عثمان اذا وقف علی قبر بکیٰ حتی یبل لحیته فقیل له تُذْکَرُ الجنةُ والنارُ فلا تبکیٰ وتبکی من هذا؟ فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ان القبر اول منزل من منازل الآخرة فان نجامنه فمابعده ایسرُ منه وان لم ینجُ منه فمابعده اشدمنه قال وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: مارأیتُ منظراً قطُّ اِلاالقبر افظع منه". (حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہو جاتے تو رونے لگتے یہاں تک کہ ان کی داڑھی گیلی ہو جاتی چنانچہ ان سے دریافت کیا گیا کہ جب جنت وجہنم کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو آپ نہیں روتے اور قبر کے پاس روتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے پس اگر آدمی یہاں سے بحفاظت گذرا تو اس کے بعد (کی منزلیں) اس سے آسان تر ہیں لیکن اگر یہاں نجات نہ ملی تو اس کے بعد (کی منازل) زیادہ کٹھن ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے کوئی منظر نہیں دیکھا مگر قبر اس سے زیادہ بھیانک ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "بیل" بضم الباء وتشدید اللام بلل تری کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "تذکر" بصیغۂ مجہول۔ **قولہ:** "فان نجا" ضمیر مقبور یعنی صاحب قبر کی طرف راجع ہے۔

قولہ: "افظع" فظع سے ہے بمعنی بھیانک اور ڈراؤنے کے۔ یہاں باقی مناظر سے مراد دنیاوی مقامات ہیں ورنہ تو اُخروی عذابوں میں قبر سے زیادہ خطرناک بھی پائے جاتے ہیں جیسے آگ۔ جب موت آتی ہے تو نامہ اعمال لپیٹ دیا جاتا ہے اور جزا وسزا کا عمل شروع ہو جاتا ہے چونکہ صحیح معنوں میں آنکھیں اسی وقت کھل جاتی ہیں اس لئے گناہ میں لت پت شخص پر اتنا خوف طاری ہوتا ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، پھر قبر کی تنہائی الگ مصیبت اور فرشتوں کی سختی الگ عذاب اور باقی انواع عذاب کا تسلط تو ہے ہی عذاب، اگر کوئی خوش نصیب یہاں نرمی اور رحمت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یہ اس کے نجات یافتہ ہونے کا نیک شگون ہے جبکہ قبر کے عذاب میں مبتلاء شخص اگر کافر ومنافق ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد بطریق اولیٰ وہ سختیوں کا مستحق ہے لیکن اگر مومن ہو تو ممکن ہے کہ قبر کا عذاب اس کے سارے گناہوں یا خوف کا کفارہ نہ بن سکے اور اسے مزید کٹھن مراحل سے گذرنا پڑے۔ اعاذنا اللہ منھا

ضروری نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رونا اپنے اوپر ہو کیونکہ وہ تو جنت کی خوش خبری صادق ومصدوق علیہ السلام کی زبان مبارک سے سُن چکے تھے بلکہ امت کے گنہگاروں کے بارے میں وہ رویا کرتے تھے جیسے ماں باپ اپنے قیدی یا بیمار بیٹے کی تکلیف پر روتے ہیں کتنے لوگ ہیں جو امت کے غم سے بیمار پڑ گئے، یہ بھی ممکن ہے کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر وہ عذاب قبر کے بارے میں سوچتے ہوں اور بدرجہ "لا بشرط شئ" یعنی خوش خبری سے قطع نظر کر کے روتے کیونکہ "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء"۔ الآیۃ

Maktaba Tul Ishaat.com

باب من اَحَبَّ لِقاء اللہ اَحَبَّ اللہ لِقاء ہ

(جو اللہ سے ملنا پسند کرے، اللہ اس سے ملنا پسند فرماتے ہیں)

"من اَحَبَّ لِقاء اللہ اَحَبّ اللہ لقائہ ،ومن کَرِہَ لِقاء اللہ کَرِہَ اللہ لقاء ہ". (صحیح)

جو شخص اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے۔

تشریح:۔اس حدیث میں شوق ملاقات اور عدم شوق کا تعلق نزع کی حالت اور زندگی کے ان آخری لمحات سے ہے جن میں توبہ وغیرہ اعمال کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور آخرت کے مناظر اور اپنا انجام نظر آنے لگتا ہے مومن اور نیک آدمی اس وقت دنیوی وابستگیوں سے لاتعلق ہو کر خوشی میں جلدی کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا جنازہ جلدی لے جاؤ، اللہ کی طرف سے ملاقات پسند کرنے کا مطلب اس کے لئے انعامات اور خوشیوں کا مافوق التصور تیاری کرنا ہے جبکہ محروم آدمی نزع کی حالت میں بھاگنے اور بچنے کی کوشش میں ہوتا ہے اگرچہ وہ بھاگ نہیں سکتا اور انعامات سے محروم رکھ کر عذاب میں مبتلاء کرنا اللہ کی طرف سے ملاقات کو ناپسند کرنا ہے، اس حدیث کی تشریح ابواب الجنائز میں گذری ہے۔(دیکھئے "باب ماجاء من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاء ہ" من حدیث عبادۃ بن الصامتؓ، تشریحات ترمذی ص:۳۹۰ جلد:۴)

باب ماجاء فی اِنذار النبی ﷺ قومَہ

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قوم کو شفقت کے ساتھ ڈرانا)

"عن عائشۃ قالت لمانزلت ھذہ الایۃ:"وانذرعشیرتک الاقربین "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :یاصفیّۃ بنت عبدالمطلب!یافاطمۃ بنت محمد!یابنی عبدالمطلب!انی لااَملکُ لکم من اللہ شیئاسلونی مِن مالی ماشئتم ". (حسن وصحیح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو" (سورۃ شعراء آیت ۲۱۴) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صفیہ بنت عبدالمطلب !اے فاطمہ بنت محمد !اور اے عبدالمطلب کی اولاد میں اللہ کے ہاں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا، میرے مال میں سے

Maktaba Tul Ishaat.com

جو چاہو مانگ لو۔

تشریح:۔ تفسیر عثمانی میں اس آیت کے حاشیہ پر لکھا ہے: یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں اُن کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت، اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اُتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سُنا دیا اور اپنی پھوپی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کو کہہ سُنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کرسکتا۔ انتہیٰ

المستر شد عرض کرتا ہے کہ انذار مطلق ڈرانے کو نہیں کہتے بلکہ اللہ کے عذاب سے شفقت کے ساتھ ڈرانے کو کہا جاتا ہے اس لئے سب انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے کہ وہ امتیوں کے لئے باپ کے مانند تھے، یہ روایت تفسیر میں بھی آرہی ہے وہاں امام ترمذیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے، مسلم میں یہ نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ آئی ہے اور یہ کہ یہ اجتماع صفا پہاڑی پر پیش آیا اور ان لوگوں میں ابولہب بھی تھا جس نے دعوت کو حقارت کے ساتھ رد کر دیا جو "تبت یدا ابی لهب " کے نزول کا سبب بنا، آپ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سے ناراض ہو کر اس کے گناہوں یا کفر پر سزا دینا چاہیں گے تو میں اس عذاب کو نہیں ٹال سکتا کہ میں اس کا مالک نہیں ہوں البتہ دنیاوی امور میں جہاں تک مجھے تصرف کا حق ہے اس میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں لیکن یہ فائدہ آخرت کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے اس لئے تم لوگ آخرت کے لئے تیاری کر کے خود ہی تقویٰ اختیار کرو۔

بظاہر یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے ایک شروع میں ہجرت سے قبل اور دوسری بار ہجرت کے بعد لہٰذا دونی الباب کی روایات جو حضرت ابو ہریرۃ و دیگر اصحاب سے مروی ہیں کو مرسل ماننے کی ضرورت نہیں اور ایک آیت کا متعدد بار نازل ہونا ثابت ہے جیسا کہ امام سیوطیؒ نے "الاتقان" میں بیان فرمایا ہے راقم نے بھی "زاد یسیر" میں اس کی مثالیں نقل کی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش امت کے عُصاۃ المؤمنین کے لئے حق ہے جیسا کہ شرح عقائد وغیرہ میں ہے ممکن ہے کہ حدیث باب کا واقعہ اس کے علم سے قبل ہو۔ یا مطلب یہ ہے کہ "انی لا املک " یعنی میں اللہ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا لہٰذا تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ ہماری نجات بہر حال ہو جائے گی جیسے دنیا کے لوگ دنیا میں اپنے اقربہ کو بہر حال پاس کرتے اور کراتے ہیں، اللہ کے ہاں شفاعت اِذنی تو ہو سکتی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن اس سے ہٹ کر کوئی زور، کوئی شور وغیرہ نہیں چلتا۔

باب ماجاء فی فضل البکاء من خشیة اللّٰه

(اللہ کے خوف سے رونے کی فضیلت کا بیان)

"لایلج النار رجل بکیٰ من خشیة الله حتی یعود اللبن فی الضرع ولایجتمع غبار فی سبیل الله ودخان جهنم". (صحیح)

جہنم میں ہرگز وہ شخص داخل نہیں ہوگا جو اللہ کے خوف سے روئے تا آنکہ داخل ہو جائے دودھ تھن میں اور اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔

تشریح:۔ چونکہ اللہ کے خوف سے رونا اور اس کے راستہ میں چلنا ایمان کے ساتھ لازم ہیں اور دوزخ اور اس کا دھواں کفر کے لوازمات میں سے ہیں اور ملزوم میں یعنی ایمان اور کفر میں تو تضاد ہے اس لئے ان کے لوازم میں بھی تضاد ہے اور نفی لازم سے نفی ملزوم ہونا بدیہی ہے جیسا کہ منطق کی کتب میں بیان ہوا ہے اور "حتی یعود اللبن الخ" تعلیق بالمحال ہے "حتی یلج الجمل فی سم الخیاط" کی طرح یعنی دودھ تو واپس تھنوں میں نہیں جا سکتا اسی طرح اللہ کے خوف سے رونے والا اور اللہ کی راہ میں غبار سے گرد آلود ہونے والا بھی دوزخ میں نہیں جا سکتا، پھر اس گرد آلود ہونے سے مراد غیر اختیاری گرد و غبار ہے اگر کوئی شخص مٹی لے کر اپنے اوپر چھڑک دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ نیز یہ بھی گذرا ہے کہ اس قسم کی تاثیرات خاصیات المفردات کہلاتی ہیں۔

باب ماجاء فی قول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

لوتعلمون ماعلم لضحکتم قلیلاً

(اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو بخدا تم کم ہی ہنستے)

"عن ابی ذر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: انی اریٰ مالاترون واسمع مالاتسمعون اطّتِ السماء وحُقَّ لها ان تئطّ مافیها موضع اربع اصابع اِلاوملک واضع جبهته لِلّٰه ساجداً والله لوتعلمون ماعلم لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً، وماتلذذتم بالنساء

Maktaba Tul Ishaat.com

علی الفُرش ولخَرَجتم الی الصَّعَدات تجارون الی اللّٰہ لَوَدِدتُ انی کنتُ شجرۃً تُعضَد".

(حسن غریب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں وہ اشیاء دیکھتا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے اور سنتا ہوں وہ جو تم نہیں سُنتے ہو چَر چَراتا ہے آسمان اور اس کے لئے یہی چرچراہٹ مناسب ہے کہ اس میں بقدر چار انگشت خالی جگہ نہیں مگر فرشتہ اس پر اپنی پیشانی اللہ کے لئے سجدہ میں رکھے ہوئے ہے، بخدا اگر تمہیں معلوم ہوتا وہ جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہی ہنستے اور زیادہ ہی روتے اور بیویوں سے بستروں پر ہرگز لطف اندوز نہ ہوتے بلکہ بیابانوں کی طرف ضرور نکل کر اللہ کی طرف گریہ وزاری کرتے۔ (یہ روایت بیان کر کے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا) کاش! میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔

تشریح:۔ قولہ: "انی اَریٰ و اسمع" اس سے مراد آسمان کی حالت بھی ہوسکتی ہے اور دیگر وہ سب قرائن جو اللہ کی عظمتِ شان پر دال ہیں۔

قولہ: "اَطت" بتشدید الطاء الطیط چَر چَرانے اور چرچراہٹ کو کہتے ہیں جو لکڑی کے ٹوٹنے اور کجاوے کی آواز ہوتی ہے جو بوجھ بوجھ نکلتی ہے۔

قولہ: "وحق" بصیغۂ مجہول یعنی اس کے لئے یہی مناسب ہے۔

قولہ: "الصُعُدات" بضمتین صعید کی جمع بھی ہوسکتی ہے اور صُعدۃ کی بھی صحرا اور بیابان کو کہتے ہیں۔

قولہ: "تجارون" تم فریاد کر کے زار و قطار روتے اور چیختے چلاتے یعنی صرف دعائیں ہی مانگتے۔

بعض روایات کے مطابق آپ علیہ السلام نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ مسجد میں تشریف لائے اور وہاں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کو دیکھا جو باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔

حدیث کا لُب لباب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی عظمت اور قدرت اتنی زیادہ ہے کہ آسمان بھی بغیر چرچراہٹ کے نہیں رہ سکتا پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ اس پر قدم رکھنے کی جگہ بھی خالی نہیں اس لئے وہ اس بوجھ تلے دبا رہتا ہے اگر تم لوگوں کو موت اور اس کی سختیوں اور قبر اور اس کے مابعد والی پریشانیوں کا علم ہوتا تو تم گھروں سے نکل جاتے اور جنگلوں میں اللہ سے دعائیں مانگتے اور چیختے چلاتے، کیونکہ جب کسی آدمی پر بہت زیادہ پریشانی آتی ہے تو وہ گھر سے نکل جاتا ہے اور دشت و صحراء کا رُخ کر کے نجات طلب کرنے لگتا ہے۔ آخر میں جو "لوددتُ انی الخ" جملہ ہے یہ دیگر روایات کی تصریح کے مطابق حضرت ابوذرؓ کا قول ہے جیسا کہ امام

Maktaba Tul Ishaat.com

ترمذیؒ نے فرمایا ہے "ویُروی من غیر هذا الوجه ان اباذرؓ قال لوددتُ الخ"۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

باب ماجاء من تَكَلّم بالكلمة لِيُضحكَ الناسَ

(جس نے ایک بات کی تا کہ لوگوں کو ہنسائے)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان الرجل لَيَتَكَلّم بالكلمة لايرى بهاباساً يهوى بهاسبعين خريفاً فى النار". (حسن غريب)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے شک آدمی ایک ایسی بات کرتا ہے جس میں وہ کوئی حرج (برائی) نہیں سمجھتا (مگر) وہ اس کی وجہ سے دوزخ میں ستر سال گرتا چلا جاتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "یھوی" ھوَیٰ یھوی باب ضرب سے نیچے کی طرف گرنے کو کہتے ہیں جب کہ "خریف" اصالۃً موسم خزاں کو کہتے ہیں مگر اس کا اطلاق سال پر بھی ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے، جیسے جمعہ اور ہفتہ بولے جاتے ہیں مگر ان سے مراد پورے سات دن ہوتے ہیں۔ قولہ: "سبعین" کا عدد تحدید کے لئے نہیں بلکہ کثرت اور دوام مراد ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی اتنی غلط بات منہ سے نکالتا ہے کہ وہ شخص اگرچہ اسے غیر معمولی نہیں سمجھتا لیکن درحقیقت وہ اتنی تباہ کن ہوتی ہے کہ سب کچھ لُٹ جاتا ہے اور ایمان کی دولت ختم ہو جاتی ہے۔ آج کل بہت سے لوگ مذاق میں داڑھی والے کو "داڑھی" کے نام سے پکارتے ہیں کوئی شخص پردہ پوش عورت کا ہتک آمیز نام رکھتا ہے کبھی مولوی صاحب کا مذاق اڑایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ درحقیقت دین کا تمسخر ہے جو زوالِ ایمان کا سبب بن سکتا ہے اس سے پرہیز لازمی ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو ہلاکت کی بددعاء دی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹی بات بنا کر پیش کرتا ہے، جھوٹ اگرچہ بذاتِ خود بھی گناہ ہے مگر جب اس سے حاصل کردہ مراد بھی فضول یا غلط ہو تو اس کی شناعت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ جس طرح ایک نیکی کسی زمان و مکان یا محل کے اعتبار سے مزید بلند ہو جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی زمان و مکان اور موقع و محل کے حوالے سے بڑھ جاتا ہے اس لئے جب لوگوں کے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولا جائے گا تو ڈبل گناہ ہوگا، خاص کر جب اسے مشغلہ بنایا جائے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت بکواس

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتے رہتے ہیں۔

البتہ کبھی کبھار سچی بات سے کسی کی دلداری ودلجوئی کی غرض سے مزاح کیا جائے تو وہ معیوب نہیں بلکہ بعض دفعہ سابقہ ضابطے کے مطابق مستحسن ہوتا ہے، جیسے کسی دوست کو منانے کے لئے یا اس کا غم کم کرنے کے لئے مزاح کیا جائے اس میں بھی یہ خیال ہونا چاہئے کہ بات صرف سچی ہی نہیں بلکہ مفید بھی ہو جیسے کوئی علمی لطیفہ ہے، پھر اس طرز کو بھی عادت ومعمول نہیں بنانا چاہئے۔ ہمارے اساتذہ کرام جب کسی مجلس میں جلوہ افروز ہوتے تو اکثر علمی بحث کرتے اب فضاء یکدم ویکسر تبدیل ہوگئی اکثر اہل علم اپنا عیب چھپانے کے لئے علمی بحث سے گریز کرتے ہیں اور تمام تر توجہ سیاسی گفتگو پر ہوتی ہے جس میں غیبت بھی آتی ہے اور ضیاع وقت اور طنز وتمسخر وغیرہ کئی خرابیاں مجتمع ہو جاتی ہیں اس سے بھی بچنا چاہئے ہاں مفید وجائز سیاست اور سیاسی گفتگو جائز بلکہ نیک نیتی سے بسا اوقات عبادت بن جاتی ہے۔

باب

کسی کو جنت کی خوشخبری دینے کا بیان

"عن انس بن مالک قال تُوُفِّیَ رجل من اصحابه فقال یعنی رجلا(رَجُلٌ) "اَبشر بالجنة" افقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اَوَلاتدری؟ فَلَعَلّه تکلم فیما لایعنیه اوبخل بما لاینقصُه". (غریب)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک شخص کی وفات ہوگئی تو ایک شخص نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے ہو؟ شاید اس نے کوئی فضول سی بات کی ہو یا کسی ایسی چیز کو روکا ہو جس کے خرچ کرنے سے اسے نقصان نہ ہوتا ہو۔

تشریح: ۔قولہ: "اَوَلاتدری" جب بھی کلام میں حرف استفہام اور حرف عطف اس طرح جمع ہو جائیں تو وہاں معطوف علیہ مقدر ہوگا کیونکہ ہمزہ صدارتِ کلام کو مقتضی ہے اور "واؤ" کو معطوفین چاہئے۔ لہٰذا یہاں تقدیر یہ ہوگی: اَتُبَشِّرہ وَلاتدری؟"۔

جنائز ترمذی میں ایک باب گذرا ہے "باب ماجاء فی الثناء الحسن علی المیت "جس میں صاف کہا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک جنازے کی تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وجبت" اسی

Maktaba Tul Ishaat.com

طرح ترمذی کے جنائز میں یہ حدیث بھی گذری ہے: ''اذکروا محاسن موتاکم'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے اور ان کے محاسن کا تذکرہ کر لینا چاہئے لیکن جہاں تک اُخروی فلاح کا تعلق ہے تو اس بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے بارے میں نص معلوم نہ ہوئی ہو تب تک یہ حکم نہیں لگانا چاہئے کہ وہ جنتی ہے، چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک انصاری بچے کے بارے میں فرمایا:

''طوبیٰ لھٰذا عُصفور من عصافیر الجنة لم یعمل السوء ولم یدرکه فقال (رسول الله صلی الله علیه وسلم) اَوَغیر ذالک یاعائشة الخ'' (مشکوٰة ص: ۲۰ الایمان بالقدر) یعنی اَتعتقدی ماقلتِ والحق غیر ذالک وھو عدم الجزم بِکونه من اھل الجنة. کذافی المرقاة.

قولہ: ''فلعله تکلم الخ'' یعنی جزم اور بشارت تو اس کے بارے میں ہے جو حساب سے آزاد ہو یا حساب کے بعد جنت کا پروانہ وصول کر چکا ہو اس سے پہلے بشارت نہیں دینی چاہئے کیونکہ کبھی مباحات پر بھی محاسبہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ بے محل عمل اپنے درجہ سے اوپر نیچے ہو جاتا ہے، اسی طرح بے فائدہ بخل بھی قابل گرفت ہو سکتا ہے مثلاً ایک آدمی کو اللہ نے صلاحیت تدریس کی دی ہے اور تدریس یا افتاء وغیرہ میں کوئی رکاوٹ یا مالی نقصان بھی نہیں مگر وہ اس میں حصہ نہیں لیتا تو یہ ایسا بخل ہے جس سے کوئی کمی نہیں ہوتی علی ہذا زائد کھانا، بھلی بات، کسی کو راستہ بتانا وغیرہ کا حکم ہے۔ حدیث الباب کے سارے راوی ثقہ ہیں البتہ اعمش کا سماع انسؓ سے نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ ''من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه''. (غریب)

آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے ہے بے مقصد بات (اور کام) کو چھوڑنا اگر غیر مسلم فضولیات میں لگا رہے تو شاید اس لئے کہ اس کے سامنے کوئی عظیم مقصد نہیں اور نہ ہی اس نے اپنی اصلی منزل پہچانی ہے، مگر مسلمان تو اصل صورت حال اور زندگی و اعمال کے مآل سے آگاہ ہوتا ہے پھر بھی اگر وہ ایسی بات کرتا ہے یا ایسا کام کرتا ہے جو اس کی ضرورت اور فائدے کے زمرے میں نہ آتا ہو تو اس کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ اس کا انتہائی قیمتی وقت ضائع ہوا اگر وہ اس وقت میں اللہ کا ذکر کرتا یا آخرت کی فکر کرتا، یا کوئی اور کارِ خیر کرتا تو یقیناً اس کا بہت فائدہ ملتا، اور جب فضول بات اور لغو عمل کا یہ حال ہے تو جس کا عمل یا قول گناہ پر مشتمل ہو اس کا عالم کیا ہوگا؟۔ بہر حال

Maktaba Tul Ishaat.com

''لایعنی'' قول یا عمل وہ ہوتا ہے جس سے نہ ضرورت متعلق ہو اور نہ ہی کوئی فائدہ وابستہ ہو اس کا آسان ضابطہ یہ ہے کہ جس کے ترک میں ضرر نہ ہو بس وہ لایعنی ہے۔ امام نوویؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے۔

باب ماجاء في قلة الكلام

(کم گوئی کا بیان)

"ان احدکم لیتکلم بالکلمة من رضوان الله مایظن ان تبلُغ مابَلَغَت فیکتب الله له بهارضوانَه الی یوم یلقاه و ان احدکم لیتکلم بالکلمة من سَخَط الله مایظن ان تبلغ مابلغت فیکتب الله علیه بهاسَخَطَه الی یوم یلقاه". (حسن صحیح)

بے شک تم میں سے کوئی ایک اللہ کی خوشنودی کے مطابق بات کرتا ہے جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتا کہ وہ پہنچے گی وہاں جہاں تک وہ جا چکی ہے پس اللہ اس پر اس کے لئے ملاقات (قیامت) کے دن تک اپنی رضا مقدر فرما دیتے ہیں اور بے شک تم میں سے کوئی ایک ایسی بات کرتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہے وہ گمان نہیں کرتا کہ وہ اس مقام تک پہنچے گی جہاں تک وہ گئی ہے اللہ اس پر اس کے لئے اپنی ناراضگی قیامت تک لکھ دیتے ہیں۔

تشریح:۔ **قولہ:** "مایظن ان تبلغ مابلغت" یعنی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ بات میں اس قدر اچھی ہوگی یا دوسری صورت میں اس قدر بُری ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ جزاء وسزاء کا دارومدار عامل وقائل کے علم پر موقوف نہیں بلکہ قول وفعل کی اپنی ایک ماہیت وحقیقت ہے اسی پر ترتب ہوتا ہے جزاء یا سزا کا۔

قولہ: "الی یوم القیامة" یعنی اچھی بات کی صورت میں قیامت تک اس کے اعمال میں برکت واضافہ ہوتا رہتا ہے جیسے کسی نے کوئی اچھی بات کی مثلاً اس کے کہنے پر ایک بادشاہ نے ملک کا نظام عادلانہ بنایا اب وہ کہنے والا تو مر گیا مگر اس بات کے ثمرات اسے قیامت تک ملتے رہیں گے، اس کے برعکس اگر کسی کی بات پر بُرائی کی بنیاد پڑ گئی تو اس کے جانے کے بعد بھی اس بات کی نحوست قیامت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔

کتنے ایسے لوگ گذرے ہیں جن کی باتوں سے آج ہم مستفید ہو رہے ہیں اور کتنے گلوکار اور شیطانی صفات کے حامل لوگ گذرے ہیں جن کی باتوں کا زہر آج بھی پھیل رہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی ھوان الدنیاعلی اللّٰہ

(اللہ کے نزدیک دنیا کی بے وقعتی کا بیان)

"لو کانت الدنیاتَعدِلُ عنداللہ جناح بعوضة ماسَقیٰ کافراً منھاشَربَةَ مَاء". (صحیح غریب)

اگر دنیا اللہ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا بھی نہ پلاتے۔

تشریح:۔ قولہ: "ھوان" بے وقعتی اور حقارت کو کہتے ہیں یعنی اللہ کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر نہیں حتیٰ کہ اگر دنیا عنداللہ مچھر کے پر کے برابر و مساوی بھی ہوتی تو پوری دنیا کیا بلکہ پانی کا ایک گھونٹ بھی کافر کو نہ دیتے حالانکہ پانی ایک عام سی چیز ہے اور اس کے ایک گھونٹ کی کوئی قدر نہیں۔

اس حدیث میں دنیا کی مثال مچھر کے پر کے ساتھ دینے کا مطلب تحقیر ہے کیونکہ مچھر کا پر چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بے وقعت بھی، مع ھذا جب ہم کائنات میں کرۂ ارض کا موازنہ باقی اجرام فلکیہ کے ساتھ کرتے ہیں تو اس کی نسبت یقیناً مچھر کے پر سے کم ہے ہاں البتہ جب دنیا کا ذکر آتا ہے تو کبھی اس سے مراد دنیوی حیات ہوتی ہے اور کبھی مال و اسباب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو یہاں مراد ہیں، چونکہ دنیا کی حیثیت ایک پُل کی ہے اس لئے یہ وسیلہ اور ذریعہ آخرت تو ہے مگر بذاتِ خود اس کی کوئی حیثیت نہیں، خصوصاً آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں۔

حدیث آخر:۔ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان سواروں کے ساتھ تھا جو رُکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بھیڑ (یا بکری) کے مرے ہوئے بچے کے پاس، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ اپنے مالکوں کے ہاں بے وقعت ہے جب ہی تو انہوں نے پھینک ڈالا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا (ہاں) اے اللہ کے رسول! انہوں نے اس کو بے وقعتی کی وجہ سے ہی پھینک ڈالا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا اللہ کے یہاں اس سے بھی زیادہ بے قدر ہے جتنا یہ اپنے مالکوں کے یہاں بے وقعت ہے۔ (حدیث حسن)

اس حدیث میں لفظ "سَخلَة" بروزن نخلۃ ہے بکری یا بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں۔ صرف جدید تحقیق ہی

Maktaba Tul Ishaat.com

نہیں بلکہ زمانۂ غربت وجہالت میں بھی لوگ جانتے تھے کہ مرا ہوا جانور کھانا یا اپنے پاس رکھنا مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے اسی طرح جن لوگوں پر اللہ نے حقیقت کو منکشف کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا کی ماہیت کیا ہے؟ اگر چہ دنیادار اس پر ایسے ٹوٹ پڑتے اور لپکتے ہیں جیسے مکھیاں گندگی پر۔

حدیث آخر:۔"ان الدنیا ملعونة ،ملعون ما فیها اِلّا ذکر الله وَمَا وَالاه وعالم او متعلم". (حسن غریب)

بے شک دنیا ملعون ہے، جو اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور وہ جو اللہ کو پسند ہے اور عالم و متعلم کے۔

ملعون بمعنی مبغوض کے ہے یعنی دنیا اور اس کی وہ تمام چیزیں جو اللہ کی یاد سے غافل کر دینے والی ہیں اللہ کو ناپسند ہیں "وَالاہ" بمعنی اَحَبّہ یعنی جو چیزیں واعمال وغیرہ اللہ کی طرف کھینچتے اور قرب باری تعالیٰ کا ذریعہ بنتے ہیں وہ اللہ کو محبوب ہیں یہ اس صورت میں ہے جب اس کو "موالات" بمعنی دوستی ومحبت سے لیا جائے اگر چہ یہ باب مفاعلہ سے محبت جانبین کو مقتضی ہے مگر کبھی کبھی مفاعلہ وتفاعل وغیرہ ابواب میں یکطرفہ فعل بھی مراد ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی مطلب ہے یعنی اللہ کو پسند ومحبوب ہونا۔ یا موالاۃ بمعنی مقارب اور متابع کے ہے یعنی جو چیزیں اللہ کے ذکر کی تابع اور مقارب ہیں وہ ملعون نہیں مثلاً علوم عربیت جتنے بھی ہیں اگر ان کو قرآن فہمی اور دین کی سمجھ کی غرض سے پڑھا اور پڑھایا جائے تو یہ قرآن کے تابع اور مقارب ہیں۔

قولہ:"عالم او متعلم" او بمعنی واؤ بھی ہوسکتا ہے اور تنویع کے لئے بھی ابن ماجہ کی روایت میں یہ دونوں منصوب آئے ہیں اور قاعدے کے مطابق وہی روایت اصح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ذکر اللہ پر عطف ہے جو بوجہ استثناء منصوب ہے۔

عالم اور متعلم کا ذکر ماوالاہ کے بعد ان کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لئے ہے کہ باقی لوگوں کا حال بے کار سا ہے جہاں تک علماء کا تعلق ہے تو اللہ نے ان کی خیر کا ارادہ فرمایا ہے "من یرد الله به خیراً یفقّهه فی الدین" (بخاری جلد:۱ص:۱۶) بہر حال معلوم ہوا کہ کسی چیز کا حسن وقبح اس سے متعلق غرض پر مبنی ہے اگر کوئی عمل اللہ کے قرب کا ذریعہ بنتا ہے جیسے نیکی اور شرعی علم تو وہ اللہ کو محبوب ہے جبکہ اللہ سے دور کرنے والا ہر عمل اور ہر علم ملعون یعنی اللہ کو ناپسند ہے اگر چہ وہ ساری دنیا والوں کی نظر میں محبوب ہی کیوں نہ ہو۔

اس بارے میں ضابطہ گذرا ہے کہ صحیح نیت وغرض کی وجہ سے مباح اور عادت کو بھی عبادت بنایا جاسکتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے جبکہ غلط ارادے سے مباحات گناہ بن جاتے ہیں۔ فلیتذکر

حدیث آخر:۔ "ماالدنیافی الآخرۃ الامثل مایجعل احدکم اصبعه فی الیم فلینظر بما ذا ترجع". (حسن صحیح)

آخرت کے مقابلے میں دنیا بس ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی داخل کرے سمندر میں پھر دیکھے کہ وہ کتنے پانی کے ساتھ لوٹتی (نکلتی) ہے۔

آج کل ماہرین نے حساب لگایا ہے کہ اگر ایک آدمی کی عمر سو سال پر مشتمل ہو تو وہ قیامت کے پچاس ہزار سال کے مقابلہ میں صرف تین منٹ کے بقدر بنتی ہے، اس میں بھی ایک منٹ بچپن کا، دوسرا سونے کا جبکہ تیسرا جوانی کے جوش و بیداری کا مگر سو سال آج کس کو ملتے ہیں؟

بہر حال یہ موازنہ تو قیامت کے دن کے ساتھ ہے جبکہ اس کے مابعد کی زندگی تو لامحدود ہے اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث میں یہ مثال نہیں بلکہ نظیر ہے اور تقریب الی الفہم کے لئے دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح پانی کے ایک قطرہ کی سمندر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ایسا ہی دنیا و آخرت کا موازنہ فرض کیا جائے اور سمجھا جائے۔

باب ماجاء ان الدنیاسجن المؤمن وجنة الکافر

(دنیا مؤمن کی جیل اور کافر کی جنت ہے)

"الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر". (حسن صحیح)

دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ (کی مانند) ہے اور کافر کے لئے جنت (کی طرح) ہے

تشریح:۔ جیل میں آدمی اپنی مرضی سے جو کچھ چاہے کرنے کا مجاز نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے محدود دائرہ ہوتا ہے اس کے اندر رہنا پڑتا ہے، بحیثیت مسلمان ہر آدمی کو دنیا میں اوامر و نواہی کے دائرہ میں محدود کر دیا جاتا ہے، سارے محرمات شدید خواہش کے باوجود ممنوع ہوتے ہیں اور جس طرح بامشقت قید میں کام کاج بھی کرنا پڑتا ہے اسی طرح مؤمن پر احکام تکلیفیہ کا بار بھی لدا رہتا ہے جو زندگی بھر اس کے کندھوں پر پڑا رہتا ہے علاوہ ازیں جیل میں دیگر مصائب کی بھی بوچھاڑ ہوتی ہے مؤمن بھی ان مراحل سے گذرتا ہے خواہ وہ اس کے اختیار میں ہوں جیسے فقر اختیاری اور نفلی روزہ وغیرہ یا وہ بے اختیار ان میں مبتلا ہو جیسے بیماریاں اور دکھ درد وغیرہا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جب مؤمن مرتا ہے تو ان مصائب وآلام سے آزاد ہو کر جنت میں ہر قسم کی خواہش پوری کرنے میں آزاد ہو جاتا ہے جبکہ کافر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

باب ماجاء مَثَلُ الدنیامَثَلُ اربعة نفر

(دنیا کی حالت، چار آدمیوں کی حالت)

"ثلاث اُقسم علیهن ،واُحَدِّثکم حدیثاً فاحفظوه !قال :مانقص مالُ عبدمن صدقة، ولاظُلِمَ عبدمظلمة صبرعلیهااِلّازاده الله عِزّاً ،ولافتح عبدٌ بابَ مسئلة الافتح الله علیه بَابَ فقراو کلمة نحوها،واُحَدِّثکم حدیثاً فاحفظوه !فقال انماالدنیالاربعة نفرٍ عبدٍ رَزَقَه الله مالاً وعلماً فهویتقی رَبَّه فیه ویصل به رَحِمَهٗ ویعلم لله فیه حقاً فهذابافضل المنازل ،وعبدٍ رزقه الله عِلماً ولم یرزقه مالاً فهوصادق النیة یقول لوان لی مالالَعَمِلتُ بعمل فلان، فهو بنیّتِه فَاَجرُهماسواء ،وعبدرزقه الله مالاً ولم یرزقه علماً ،یخبِط فی ماله بغیرعلم لایتقی فیه ربه ولایصل فیه رَحِمَه ولایعلم لِلّٰه فیه حقافهوباخبث المنازل وعبدٍ لم یرزقه الله مالا و لاعلما فهویقول: لوان لی مالاً لَعَمِلتُ فیه بعمل فلان فهوبنیّتِه فَوِزرُهماسواء ".(حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اور ایک حدیث تم لوگوں سے بیان کرتا ہوں اس کو یاد رکھو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم نہیں ہوا کسی بندے کا مال صدقہ دینے سے، اور کسی بندے پر کوئی (چھوٹی بڑی زیادتی والا) ظلم نہیں کیا گیا اور اس نے اس پر صبر کیا مگر اللہ اس کی عزت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اور نہیں کھولا کسی بندہ نے سوال کا دروازہ مگر اللہ اس پر فقر کا دروازہ کھول دیتے ہیں یا اس طرح کوئی بات فرمادی۔ (یعنی مضمون یہی ہے اور الفاظ شاید یہ نہ ہوں) اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد کرو! پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا چار آدمیوں کے درمیان ہے:

(۱).....اول وہ بندہ جس کو اللہ نے مال اور علم دیا ہو پس وہ اس کے حوالے سے اللہ سے خوف کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کے بارے میں اللہ کا حق بھی جانتا ہے تو ایسا شخص بہتر مرتبہ پر ہے۔

(۲).....دوم وہ بندہ جس کو اللہ نے علم تو دیا ہے لیکن اسے مال نہیں دیا ہے پس وہ نیت میں سچا ہے (دل میں) کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (امیر وعالم) کی طرح عمل (خرچ) کرتا پس وہ شخص

Maktaba Tul Ishaat.com

اپنی نیت کی وجہ سے ماجور ہے، ان دونوں کا ثواب برابر ہے۔

(۳).....سوم وہ بندہ جس کو اللہ نے مال تو دیا ہے مگر علم نہیں دیا ہے وہ اپنا مال بے علمی میں خراب کرتا ہے نہ تو اس کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ اس میں اللہ کا حق جانتا (سمجھتا) ہے پس وہ شخص بُرے مقام پر ہے۔

(۴).....چہارم وہ بندہ جس کو اللہ نے نہ تو مال دیا ہے اور نہ ہی علم، پس وہ کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں (مالدار جاہل) کی طرح عمل کرتا پس وہ اپنی نیت کے مطابق (گنہگار) ہے دونوں کا گناہ برابر ہے۔

تشریح:۔قولہ: "مظلمة" بفتح المیم وکسر اللام مصدر ہے تنوین تنکیر کے لئے ہے۔

قولہ: "عبد" چاروں مقامات پر مجرور ہیں کہ نفر سے بدل ہیں۔**قولہ:** "یخبط" بکسر الباء باب ضرب سے بمعنی روندنے، سخت کچلنے کو کہتے ہیں یعنی بے سوچے سمجھے خرچ کرتا ہے جہاں خواہش ہوئی وہاں خرچ کر دیا، علم اور شریعت کے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتا۔

اس حدیث شریف میں انتہائی اہم باتیں فرمائی گئی ہیں ایک یہ کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی یہ باعتبار دنیا کے بھی صحیح ہے کیونکہ سخی آدمی کا ہاتھ کبھی بھی پیسوں سے خالی نہیں ہوتا اور باعتبار آخرت کے بھی صحیح ہے کیونکہ جو صدقہ دیا جاتا ہے وہ درحقیقت کم اور ضائع نہیں ہوتا بلکہ دار آخرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی اپنے مال کا کچھ حصہ یقینی نفع بخش کاروبار میں لگائے جیسے آج کل لوگ بینکوں میں جمع کرانے کو گھٹنا نہیں کہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تجربہ شاہد ہے کہ جو کوئی بھی کسی کی زیادتی پر صبر کرتا ہے تو اس سے اس کی عزت اور وقار میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ تجربہ گواہ وناطق ہے کہ جو شخص بھیک اور گدائی کا عمل شروع کرتا ہے تو زندگی بھر وہ اس کو پیشہ اختیار کر کے دوسروں کے دروازوں پر دستک دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ مسجد میں بھی وہ اللہ سے مانگنے کے بجائے مخلوق سے مانگتا رہتا ہے، یہ باتیں اتنی یقینی ہیں کہ ان پر آپ علیہ السلام نے قسم کھائی ہے اور آج تک ان میں کوئی دوسرا پہلو نظر نہیں آیا ہے۔**او کلمة نحوها** شک من الراوی کے لئے ہے جہاں تک مابعد حدیث کا تعلق ہے تو اس میں مجموعی طور پر چار اقسام کو بیان کیا گیا ہے اور تقریباً سارے افراد ان میں منحصر ہیں ایک وہ جس کے پاس علم و مال دونوں کی دولت ہے اور وہ علم کے مقتضی پر چلتا ہوا مال کو خرچ کرتا ہے یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بے شک اچھا ہی آدمی ہے دوم وہ جو عالم تو ہے مگر مالدار نہیں تاہم اس کا جذبہ پہلے والے شخص کی طرح ہے تو اسے بھی صدق نیت اور عزم کی وجہ سے پورا ثواب ملتا ہے۔

سوم وہ جو جاہل اور مالدار ہے وہ اپنا مال خواہشات میں خرچ کرتا ہے اور جہالت کی بناء پر اس کی وعید اور انجام بد سے نہیں ڈرتا یہ اپنی دنیا کی وجہ سے گنہگار ہو جاتا ہے۔ چہارم وہ ہے جو غریب بھی ہے اور جاہل بھی، مگر وہ باوجود غربت کے تیسرے آدمی کے عمل پر رشک کرتا ہے اور تمنی کرتا ہے کہ اگر مال ملا تو وہ بھی عیاشی کرے گا تو وہ اس حرصِ گناہ کی وجہ سے جاہل مالدار کی طرح گنہگار ہو جاتا ہے۔

باب ماجاء فی هَمِّ الدنیا وحُبِّها

(دنیا کی فکرمندی اور محبت کے بیان میں)

"من نزلت به فاقة فَانزَلَهَا بالناس لم تُسَدفاقته ومن نزلت به فاقة فانزلها بالله فیوشک الله له برزق عاجل او اٰجل".(حسن صحیح غریب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس کو فاقہ (فقر) پیش آئے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے رکھ دے تو اس کا فاقہ بند (ختم) نہیں کیا جائیگا۔ اور جس شخص کو فاقہ عارض ہو جائے اور وہ اس کو اللہ کے حوالے کر دے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو جلد یا بدیر رزق عطا فرما دے۔

تشریح:۔ کاملین کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا دکھ درد مخلوق کے سامنے بیان نہیں کرتے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: "اِنما اَشکو بَثّی و حزنی الی اللّٰه"۔ (یوسف آیت نمبر: ۸۶) مگر اکثر عوام صبر کے دائرہ سے جلد ہی نکل جاتے ہیں اور تھوڑی سی آزمائش میں بھی آہ و بکا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر یہ چیز اللہ کے حضور ہو تو یہ آزمائش میں کامیابی کی علامت ہے مگر لوگوں کے سامنے جزع و فزع اور سوال کرنا ناکامی کی نشانی ہے۔ اس پر اللہ ناراض ہو جاتا ہے اور بندے کو اسی حالت پر چھوڑ دیتا ہے چنانچہ وہ ہمیشہ کے لئے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے اگرچہ وہ مادی اعتبار سے بہت بڑا مالدار کیوں نہ بن جائے۔ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ اگر کوئی دور غربت و افلاس کا آجائے تو بجائے مخلوق کے خالق کی طرف انابت کی جائے حسب ایمان کی پختگی کے بعد اللہ جل جلالہ تکلیف کو دور فرما کر آسانی و مہربانی کا معاملہ فرما دے گا بایں صورت کہ دنیا میں بھی آرام عطاء فرمائے ورنہ آخرت میں دے دے گا یہ اس صورت میں کہ عاجل سے مراد دنیا اور آجل سے آخرت لی جائے، اگر عاجل

Maktaba Tul Ishaat.com

واجل دونوں کا تعلق دنیا سے ہو تو پھر مطلب یہ ہے کہ یا جلدی دے کہ بغیر کمائے کسی ذریعہ کے اسے مالدار بنائے مثلاً وراثت کا ملنا یا کسی اور ذریعہ سے اور آجل جیسے اس کی نوکری لگ جائے اور اس میں بچت شروع کردے یا تجارت وغیرہ یا اس کے بیٹے بڑے ہو کر اس کی تسکین کا ذریعہ بن جائیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابو ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ جو کہ بیمار تھے کے پاس عیادت کی غرض سے تشریف لائے، حضرت معاویہؓ کہنے لگے اے ماموں! آپ کو کیا چیز رُلاتی ہے؟ کوئی درد ہے جو آپ کو اذیت دیتا ہے یا دنیا کی حرص؟ ابو ہاشم نے کہا ایسی کوئی بات نہیں البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا (یعنی وصیت فرمائی تھی) جو میں پورا نہ کرسکا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: بس تمہیں مال جمع کرنے کے لئے ایک خادم اور ایک سواری راہِ خدا کے لئے کافی ہے جب کہ میں آج اپنے آپ کو (اس سے زیادہ) مال جمع کرنے والا پاتا ہوں۔

تشریح:۔ ابو ہاشمؓ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے مگر پھر شام میں قیام پذیر ہوئے تھے، باب کا واقعہ وہیں پیش آیا، یہ حضرت معاویہؓ کے ماموں تھے۔

قولہ: "اَوَجع یشئزک" وجع درد کو کہتے ہیں اور یشئزُ باب افعال سے قلق کو اور بے چین و پریشان کردینے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "کل لا" ای کل من هذین الامرین لایشئزنی یعنی رونے کی وجہ ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے مجھے ایک وصیت فرمائی تھی جس پر میں پوری طرح عمل نہ کرسکا، ابو ہاشم کا نام شیبہ بن عتبہ بن ربیعہ ہے الکوکب الدری میں ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے پاس سولہ دراہم تھے، تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ جب ان کی وفات کے بعد ان کے ترکہ کی قیمت لگادی گئی تو وہ تیس دراہم تک پہنچ گیا جس میں ایک وہ پیالہ بھی شامل تھا جس میں آٹا گوندھا جاتا اور کھانا کھایا جاتا تھا۔ (بحوالہ رزین)

حدیث آخر:۔ "لاتتخذوا الضیعة فترغبوا فی الدنیا". (حسن)

"جاگیر مت بناؤ ورنہ دنیا ہی میں لگ جاؤ گے۔"

ضیعہ مالداری کے ذرائع واسباب کو کہتے ہیں جیسے زمینداری اور باغات و باغبانی وغیرہ یعنی کوئی بھی جائیداد خواہ زمین کی شکل میں ہو یا جیسے آج کل ملوں اور فیکٹریوں کی صورت میں۔

حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہ کرو بلکہ معنی یہ ہیں کہ اپنے دنیوی مشاغل

Maktaba Tul Ishaat.com

اور کاروبار کو زیادہ مت پھیلاؤ کیونکہ اس طرح تم اللہ کے ذکر اور آخرت کی فکر سے محروم ہو جاؤ گے چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جن لوگوں کا وسیع کاروبار ہوتا ہے وہ باقی ذکر و اذکار کیا بلکہ نماز بھی نہیں پڑھتے الا ماشاء اللہ و قلیل ما ہم، اور جب ان سے کہا جائے تو کہتے ہیں کیا کریں ٹائم ہی نہیں ملتا، ان کی نظر میں اپنے کام کی اہمیت نماز سے بھی زیادہ ہوتی ہے بہر حال دنیا اگر اللہ کے ذکر سے غافل کر دینے والی بنے تو یہ دشمن ہے اور زہر آلود شہد ہے اس لئے عالمِ مثال کے قانون کے مطابق قبر میں آدمی پر اژدھا مسلط کر دیا جاتا ہے جو بظاہر خوشنما اور در حقیقت انتہائی المناک ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقہ سے کمایا جائے اور شرعی طریقہ پر صرف کیا جائے یعنی آمد و رفت میں کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب نہ کیا جائے تو دنیا ہرگز مذموم نہیں بلکہ ممدوح بن جاتی ہے تاہم چونکہ اکثر لوگ اس میں احتیاط نہیں کرتے اس لئے شریعت میں اس سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ خطرات سے یقینی طور پر بچا جائے، غرض مال میں سے حقوق ادا کرنے کے بعد وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے سانپ کا زہر نکال پھینکا جائے۔ ورنہ وہ زہریلا سانپ بن کر قیامت میں اس کا طوق بنا رہے گا۔

آج کل لوگ فقر و فاقہ پر صبر نہیں کر سکتے ہیں اس لئے لوگوں کو زہد کے اس معیار پر چلانا جس پر اسلاف گذرے ہیں ناممکن بلکہ خطرناک ہے اور "کاد الفقر ان یکون کفراً" ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے جو ایمانی حالت کے حوالہ سے کمزور ہوں اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ خود بھی اور لوگوں کو نصیحت میں بھی یہ اصول اپنایا جائے کہ دنیا حاصل کرنے اور استعمال کرنے میں احتیاط کی جائے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں اس کے لئے ایک باب بعنوان "استحباب المال و العمر للطاعة" باندھا گیا ہے۔ اس کی فصل سوم میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا گیا ہے:

"قال: کان المال فیما مضیٰ یُکرَہ فاما الیوم فھو تُرس المؤمن وقال: لو لا ھذہ الدنیا لَتَمَنْدَل بنا ھؤلاء الملوک، وقال: من کان فی یدہ من ھذہ شیء فلیصلحہ فانہ زمان اِن احتاج کان اول من یبذل دینہ الخ". (ص:۴۵۱)

یعنی اگلے زمانہ میں مال معیوب سمجھا جاتا تھا جب کہ آج وہ مسلمان کی ڈھال ہے اگر یہ دنیا (مالداری) نہ ہوتی تو یہ حکمران ہمیں پونچھا بنا دیتے (یعنی اپنی مذموم غرض میں استعمال کرتے اور تحقیر کرتے) اور فرمایا جس کے پاس کچھ مال ہو تو اس کی حفاظت کرے کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر مال کی ضرورت پڑے گی تو وہ سب سے پہلے اپنا دین دنیا پر قربان کرے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

آج ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ نوکری کی خاطر آغا خانی اور قادیانی وغیرہ بن جاتے ہیں والعیاذ باللہ، بہرحال اصل چیز اللہ کی اطاعت اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے اس کے لئے اطمینان، دلجمعی اور یکسوئی درکار ہے کسی کو غربت میں عبادت کا زیادہ موقع ملتا ہے یہ عام لوگوں کا حال ہے جب کہ بعض کو مالداری میں یہ کیف نصیب ہوتا ہے۔

مدرس کے لئے بھی یہ ضابطہ ہے کوئی مدرس کم تنخواہ میں صحیح کام کرتا ہے جب کہ بعض حضرات زیادہ تنخواہ لے کر اپنے کام کے لئے یکسو ہو جاتے ہیں ہر آدمی اپنی حالت کے مطابق لائحہ عمل طے کرے۔

باب ماجاء فی طول العمر للمؤمن

(مؤمن کی درازی عمر کی فضیلت)

"عن عبداللہ بن قیس ان اعرابیاً قال: یارسول اللّٰہ امن خیر الناس ؟قال: من طال عمرُہ وحَسُنَ عَمَلُہ". (حسن غریب)

ایک اعرابی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! لوگوں میں بہتر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جس کی عمر دراز، اور عمل اچھا ہو۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے نقل کیا ہے کہ صحیح عبداللہ بن بُسر ہے، نہ کہ قیس۔

نیک عمل پر آخرت میں بہت کچھ ملتا ہے اس لئے عمل جتنا زیادہ ہوگا اُخروی نعمتوں میں اس قدر اضافہ ہوگا الّا یہ کہ اللہ عزوجل کسی کے تھوڑے سے عمل میں برکت دے۔ اور کثیر عمل کے لئے طویل مدت درکار ہے، اس کے برعکس جس نے جتنے زیادہ گناہ کئے اسی تناسب سے آخرت میں وبال پائے گا اس لئے اگلی حدیث میں بُرے لوگوں کے بارے میں پوچھے گئے سوال پر فرمایا کہ بُرے وہ ہیں جن کی عمریں طویل اور اعمال بُرے ہوں۔

باب ماجاء فی اعمار ھذہ الامۃ مابین ستین الیٰ سبعین

(اس امت کی عمر 60 تا 70 سال کے درمیان ہے۔)

"عُمر امتی من ستین سنۃ الیٰ سبعین". (حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

میری امت کی عمر ساٹھ تا ستر سال ہے۔

یعنی عام طور پر اوسط عمر ساٹھ ستر سال ہے کیونکہ زیادہ تر لوگ ساٹھ کی دہائی میں انتقال کر جاتے ہیں اگر چہ بعض لوگ ساٹھ سے پہلے اور بعض ستر کے بعد مرتے ہیں، اسی طرح عمومی اقوام کی زندگیاں اتنی ہیں یعنی اوسط ساٹھ، ستر سال ورنہ بعض ممالک جیسے جاپان کے لوگوں کی عمریں اوسطاً ستر سے متجاوز ہوتی ہیں، جبکہ افغانستان اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں اوسط عمریں ساٹھ سے کم ہیں۔

حدیث کا سیاق اس بات کی تلقین ہے کہ ہر آدمی کو سوچنا چاہئے کہ وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا عملِ صالح کی کوشش تیز تر کر دے۔

باب ماجاء فی تقارب الزمن وقصر الاَمَل

(زمانہ کا سمٹنا اور امید کا چھوٹا پا)

"عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاتقوم الساعة حتیٰ یتقارب الزمان ویکون السنة کالشھر والشھر کالجمعة وتکون الجمعة کالیوم ویکون الیوم کالساعة وتکون الساعة کالضَرَمَة بالنار". (غریب)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمانہ کوتاہ ہو جائے گا چنانچہ ایک سال ایک ماہ کی مانند ہو جائے گا اور مہینہ جمعہ کی طرح اور جمعہ ایک دن جیسا ہوگا اور ایک یوم ایک گھڑی (گھنٹے) جیسا لگے گا اور ایک گھڑی آگ کی بھڑک کی طرح ہوگی۔

تشریح:۔ قولہ "ضرمة" بفتح الضاد وسکون الراء بروزن رحمۃ اور راء کا فتحہ بھی صحیح ہے یعنی بروزن رَقَبَۃ آگ کا شعلہ جب بلند ہو کر بجھ جائے ضرمہ کہلاتا ہے۔ زمانہ کی رفتار تو ہمیشہ ایک ہی طرح جاری ہے کہیں ہزاروں یا سینکڑوں سالوں میں ایک دو سیکنڈ کا فرق آجاتا ہے اس لئے حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ زمانہ کی رفتار تیز ہو جائے گی پھر کیا مطلب ہے؟ تو اس بارے میں شروحات میں متعدد توجیہات کی گئی ہیں جن میں راجح دو ہی ہیں ایک یہ کہ مراد برکت کا اٹھ جانا ہے کہ جو کام تھوڑی دیر میں ہو سکتا ہے وہ گھنٹہ بھر میں ہوگا اور گھنٹے کا کام پورے دن میں ہو سکے گا، اس طرح دن کا کام جمعہ میں، جمعے کا ایک ماہ میں اور مہینہ کا پورے سال میں چنانچہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اسلاف نے جو کارنامے اپنی حیات میں سرانجام دیئے ہیں آج کئی لوگ مل کر بھی وہ کام نہیں کر سکتے ہیں وہ ایک ہی دن میں ہزاروں احادیث یاد کرتے مگر آج وہ کام سال میں بھی نہیں ہوسکتا وہ ایک دن میں ایک کتاب تصنیف کرتے جس سے آج لوگ قاصر ہیں تصنیف تو بڑی بات ہے تالیف کے لئے بھی بہت وقت درکار ہے وعلیٰ ھذا القیاس۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیاداری و مالداری بڑھے گی اور دین کا اہتمام کم یا ختم ہوگا پس لوگ خرمستیوں میں مصروف ہوں گے جن کی زندگی سکر اور نشہ کی حالت کی طرح گذرے گی جس میں وقت کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

باب ماجاء فی قصر الامل

(کوتاہ امیدوں کے بارے میں)

"عن ابن عمر قال اخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ببعض جسدی قال کُن فی الدنیا کانک غریب اوعابر سبیل وَعُدَّنفسَکَ من اھل القبور،فقال لی :ابن عمر! اذا اصبحتَ فلا تُحدِّث نَفسَکَ بالمساء واذااَمسیتَ فلا تحدِّث نفسک بالصباح وخُذ من صحتک قبل سَقَمِکَ ومن حیاتک قبل موتک فانک لا تدری یاعبداللّٰہ مااسمکَ غداً".

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے ایک حصے (عضو یعنی کندھے) کو پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں یوں رہا کرو جیسا تم کوئی پردیسی ہو یا (بلکہ) ایک مسافر ہو جو راستہ سے گذر رہے ہو اور خود کو قبرستان والوں میں سے شمار کرتے رہنا اور فرمایا مجھ سے کہ اے ابن عمر! جب تم صبح کو اٹھو تو اپنے ساتھ شام کی باتیں مت کرو اور جب شام تک زندہ رہو تو دل میں صبح (کل) کی باتیں مت سوچو اور اپنی بیماری سے قبل ہی اپنی صحت سے فائدہ اٹھاؤ اور زندگی سے نفع حاصل کرو موت آنے سے پہلے کیونکہ اے عبداللہ! تم نہیں جانتے ہو کہ کل تیرا نام کیا ہوگا؟ (یعنی زندہ یا مردہ یا صالح او طالح؟)

تشریح:۔قولہ :"ببعض جسدی" اس روایت میں ابہام ہے جبکہ بخاری شریف میں "بِمنکبی" کی تصریح ہے لہٰذا یہاں بھی کندھا ہی مراد ہے جس کے پکڑنے سے مراد مخاطب کی توجہ بات پر مرکوز کرنا ہوتی ہے۔**قولہ**:"غریب" نامانوس اور پردیسی کو کہتے ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "عابر" عبور سے ہے بمعنی گذرنے کے "او عابر سبیل" میں او کا لفظ شک کے لئے نہیں بلکہ تخییر کے لئے ہے جیسے جالسِ الحسن او ابن سیرین، یا بمعنی بل کے ہے۔ **قولہ:** "عُدّ" بضم العین وتشدید الدال عَدَّ یَعُدّ سے امر کا صیغہ ہے۔

قولہ: "فقال لی ابن عمر" اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قال کا فاعل ابن عمر ہو علیٰ ھذا ابن مرفوع ہوگا اور اس کا قائل حضرت مجاہد ہوں گے پس مرفوع حدیث اہل القبور پر ختم ہوئی اور آگے ابن عمرؓ مجاہد کو نصیحت فرمارہے ہیں، بخاری کی روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ بھی مرفوع حدیث کا حصہ ہو اور پوری حدیث مرفوع ہو علیٰ ھذا ابن عمر میں ابن منادی مضاف کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا اور حدیث کے آخری جملہ "فانک لاتدری یاعبد اللہ" سے اس کی تائید بھی ہورہی ہے۔ واللہ اعلم

قولہ: "سقمک" اس لفظ میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر سین پر فتحہ پڑھا جائے تو قاف کو بھی مفتوح پڑھا جائے گا جبکہ سین کے ضمہ کی صورت میں قاف کو ساکن پڑھا جائے گا۔

حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ دنیا میں دل لگا کر اسے مستقل ٹھکانہ اور مقصد حیات نہیں بنانا چاہئے بلکہ ایک پردیسی کی طرح صرف عارضی ٹھکانہ اختیار کیا جائے پھر ترقی کر کے فرمایا کہ مسافر کی طرح بننا چاہئے جو اگلی منزل طے کرنے کے لئے کچھ دیر کے لئے درخت کے نیچے استراحت کی غرض سے ٹھہرتا ہے اور جب پسینہ خشک ہوجائے اور ٹانگوں میں جان آجائے تو پھر چل پڑتا ہے تاکہ منزل تک پہنچ جائے، پھر اس میں ترقی کر کے فرمایا کہ اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرنا چاہئے کہ گویا زندگی نام کی چیز ختم ہی ختم ہے اب میرا معاملہ اللہ کی عدالت میں ہے اور میں اس کے رُوبرُو کھڑا ہوں، اس لئے ایک دن بھر کی منصوبہ بندی بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اور صحت میں زیادہ عمل کرے تاکہ بیماری میں زائد عبادت کا ثواب ملتا رہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متعدد پہلو ہیں آپ علیہ السلام بحیثیت استاذ مخاطبین کی حالت کو جس طرح سمجھتے اور تربیت فرماتے اس سے اچھا کون کرسکتا ہے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتماعی تعلیم دیتے اور کبھی انفرادی طور پر فرداً فرداً کو الگ الگ پیرایہ میں سمجھاتے، یہ استاذ کی ذہانت ومہارت پر منحصر ہے کہ وہ ہر ہر شاگرد کی صلاحیتوں کو کس طرح سمجھ سکتا ہے، اس لئے آپ علیہ السلام صحابہ کے افراد میں صلاحیتوں کو بھانپ کر ان کے مناسب حال تعلیم دیتے، یہ نکتہ بہت سے مقامات میں کارآمد ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

بہت سے اشکال کے حل میں معاون ومفید ہے۔

حدیث آخر:۔ "هذاابن اٰدم وهذا اجله ووضع يده عند قفاه ثم بَسَطَها فقال وثَمَّ اَمَلُه وَثَمَّ اَمَلُه". (حسن صحيح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آدمی ہے اور یہ اس کی اجل ہے اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ گردن پر رکھ کر پھر اسے (آگے کی طرف) پھیلا دیا اور فرمایا وہاں اس کی امید ہے، وہاں اس کی امید ہے۔

تشریح:۔ حدیث میں تمثیل وتشبیہ ہے کہ آدمی کی موت اس کے اتنی قریب ہوتی ہے جیسے یہ ہاتھ گردن کے قریب ہے شاید "عند قفاه" کی تعبیر میں یہ اشارہ مقصود ہو کہ آپ علیہ السلام نے ہاتھ مبارک کو گردن سے لگایا نہ ہو بلکہ تھوڑا سا فاصلہ گردن اور ہاتھ کے درمیان رکھا ہو یعنی موت آدمی پر ہر وقت ننگی تلوار کی طرح لٹکتی اور سوار رہتی ہے اور کسی بھی وقت "انشبت المنية اظفارها" کا قضیہ صادق ہو سکتا ہے تو ایک طرف موت اپنے پنجے گاڑنے کے لئے حکم کی منتظر ہے اور دوسری طرف آدمی اپنی اجل سے کہیں زیادہ اور دور دور کی منصوبہ بندیوں میں مصروف عمل رہتا ہے کہ موت گردن کے پاس ہے اور دنیوی اھداف وہاں دور ہیں جس کی طرف آپ علیہ السلام نے ہاتھ پھیلا کر اشارہ فرمایا۔ پل کی خبر نہیں سامان سو برس کا۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام ہمارے پاس سے گذرے جبکہ ہم اپنا ایک چھپرہ درست کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ یہ ذرا ڈھیلا ہو گیا تھا تو ہم اسے ٹھیک یعنی ٹائٹ کر رہے ہیں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو امر (موت) کو اس سے جلدی (قبل) آتے دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیث میں "نعالج" بضم النون وکسر اللام بمعنی اصلاح کے ہے اصل میں عَالَجَ کے کئی معنی آتے ہیں از اں جملہ ایک انجام دہی اور حل نکالنا بھی آتے ہیں۔

قوله: "خُصَّالنا" بضم الخاء وتشدید الصاد لکڑی یا بانس کی جھونپڑی یا چھپر کو کہتے ہیں۔

قوله: "وَهِيَ" بمعنی ضعف یعنی سُست وکمزور ہو گیا ہے۔

قوله: "ماأرىٰ الامر الخ" بضم الهمزة بمعنی اظن یعنی میں موت کو اس جھونپڑی کی ویرانی سے قبل آنے والا سمجھتا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے خیال میں طویل زندگی گذارنے کے لئے طویل المدتی رہائش گاہ کی ضرورت ہے اس لئے آپ اپنے گھر وغیرہ کی مرمت میں لگے ہوئے ہو حالانکہ آدمی کو یہ سوچنا چاہئے کہ موت اس کے بالکل قریب ہے لہٰذا لمبی امیدیں نہیں رکھنی چاہئے۔

پس یہاں صیغہ اگرچہ متکلم کا ہے مگر مراد اس سے مخاطب پر تعریض ہے کہ آپ کو اتنی طویل امید نہیں رکھنی چاہئے جیسے سورت یٰسٓ کی اس آیت ''ومالی لااعبدالذی فطرنی ''میں صیغہ متکلم کا ہے مگر مقصود تعریض ہے یعنی ''مالکم لاتعبدون الذی فطرکم '' کیونکہ اس طرح وعظ ونصیحت زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ (ہذا حدیث حسن صحیح)

باب ماجاء ان فتنة هذه الامة فی المال

(اس امت کا فتنہ مال میں ہے)

''عن کعب بن عیاض قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: ان لکل امة فتنةً وفتنة امتی المال''. (حسن صحیح غریب)

ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

تشریح:۔ قرآن پاک میں بھی آیا ہے ''اِنما اموالکم واولادکم فتنة ''الایۃ۔ شاہ ولی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لوگوں کے اقسام سے تفصیلاً بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قسم کی قوتیں ہیں: (۱) ایک قوت ملکیہ (۲) دوم قوت بہیمیہ، چونکہ زیادہ تر لوگوں میں قوت بہیمیہ کا غلبہ رہتا ہے اور زیادہ کھانے پینے سے اس کو مزید فروغ بھی ملتا ہے اس لئے مال آنے کی صورت میں انسان عموماً قوت بہیمیہ کے تقاضوں کو پورا کرنا اپنی ضرورت اور زندگی کا مقصد سمجھنے لگتا ہے چونکہ مال کی فراوانی میں قوت بہیمیہ کے تقاضے بھی بڑھ جاتے ہیں اس لئے فکر آخرت سے بے نیاز ہو کر آدمی عیاشی میں گھر جاتا ہے جس سے بڑا فتنہ کیا ہو سکتا ہے، یہ بڑے فتنہ کا ذکر ہے ورنہ جس طرح دوسری امتوں کے بہت سارے فتنے تھے اسی طرح اس امت کے فتنے بھی زیادہ ہیں مگر مال اکثر فتنوں کا دروازہ ہے اس لئے بطور خاص اس کا ذکر فرمایا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء لو کان لابن اٰدم وادیان من مال لَابتغیٰ ثالثاً

(اگر ابن آدم (آدمی) کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری بھی طلب کرے گا)

"لو کان لابن آدم وادیاً من ذھب لَاَحبَّ ان یکون له ثانیاً ولا یملأُفاه اِلّاالتراب ویتوب الله علی من تاب". (حسن صحیح غریب)

اگر ابن آدم کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ اس کے پاس دوسری بھی ہو اور اس کے منہ کو نہیں بھر سکتی (کوئی چیز) سوائے مٹی کے اور اللہ رحم فرماتے ہیں اس شخص پر بھی جو باز رہے۔

تشریح:۔ شروع کتاب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ترمذیؒ اکثر و بیشتر تراجم مذکور فی الباب کی احادیث سے لیتے ہیں مگر کبھی کبھار کسی دوسری حدیث سے بھی اخذ کرتے ہیں اور شاذ و نادر بطور استنباط بھی ذکر فرماتے ہیں چنانچہ یہاں باب کی حدیث میں صرف ایک وادی کا ذکر ہے اس لئے یا تو ترجمۃ الباب صحیحین کی اس حدیث سے لیا گیا ہے جس میں وادیان کا لفظ ہے یا کہا جائے گا کہ انہوں نے حدیث کے معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہ ترجمہ ذکر کیا ہے کہ حدیث الباب کو حصر پر محمول نہ کیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ ابن آدم کی حرص اور ہوس مال کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے وہ نہ ایک وادی پر اکتفا کرتا ہے اور نہ دو اور تین وغیرہ پر۔

قولہ: "ولا یملأفاہ الا التراب" تراب سے مراد قبر کی مٹی ہے اور لا یملأ الخ کنایہ ہے مسلسل حرص اور حُبِّ دنیا سے یعنی آدمی جب تک زندہ رہتا ہے مسلسل دنیا کی تلاش میں رہتا ہے اور جب مرجاتا ہے تو اس کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ یعنی حقیقت منکشف ہونے پر اس کا دل و دماغ ٹھنڈا ہو کر منہ بند اور پیٹ بھر جاتا ہے یعنی طلب ختم ہو جاتی ہے۔

قولہ: "ویتوب الله الخ" میں اشارہ ہے کہ آدمی اگرچہ ایک طرف حُبِّ دنیا کو لیے پیدا ہوتا ہے مگر دوسری طرف وہ اس محبت کے ازالہ پر مامور ہے اور اس کا ازالہ کوئی ناممکنات میں سے نہیں کہ تکلیف بمالا یطاق لازم آجائے اس لئے جو شروع ہی سے حب مال سے اپنا سینہ پاک رکھے گا وہ تو ہے ہی مرحوم مگر جو کسی حد تک جانے کے بعد ہوش کے ناخن لے کر اپنی ہوس کو مزید آگے جانے سے روکے اور فکر کثرت مال کے بجائے فکر آخرت کی طرف رجوع کرے اور دنیا صرف ضرورت سمجھ کر حاصل کرے اور غلط آمد و خرچ سے باز آجائے تو اللہ اس پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ اس موضوع پر راقم نے نقش قدم میں تفصیل سے لکھا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء قلب الشيخ شابّ على حُبّ اثنتين

(بوڑھے کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان رہتا ہے)

"قلب الشيخ شابّ على حُبِّ اثنتين طولِ الحياة و كثرةِ المال". (حسن صحيح)

بوڑھے شخص کا دل دو چیزوں (کے شوق) میں جوان رہتا ہے (ایک) لمبی زندگی اور (دوم) زیادہ مال۔

تشریح:۔ "طول الحياة و كثرة المال" دونوں مجرور پڑھنا بھی جائز ہے کہ اثنتین سے بدل ہیں اور خبر مبتدا بنا کر مرفوع پڑھنا بھی صحیح ہے یعنی "هما يا احداهما و ثانيتهما"، بوڑھے کے دل کی جوانی سے مراد، ہمت، دلچسپی اور شوق ہے کہ جس طرح ایک جوان شخص درازئ عمر اور کثرتِ مال کو پسند کرتا ہے کہ اس کے پیش نظر کچھ خواہشات کی تکمیل ملحوظ ہوتی ہے جو عمر اور مال پر موقوف ہوتی ہے اسی طرح بوڑھا شخص باوجود جسمانی ضعف و کم ہمتی اور موت کے قریب آنے کے، زندگی کو طویل مدت تک جاری رکھنے میں پرعزم اور مال کی طلب میں سرگرم رہتا ہے، چنانچہ ساٹھ سال کے بوڑھے کو اگر کہا جائے کہ ایک لڑکی آپ سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر تیری عمر زیادہ ہے جو تیری سفید داڑھی سے معلوم ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تو ابھی جوان ہوں یہ داڑھی تو قبل از وقت سفید ہوئی ہے چنانچہ وہ اس کو کالا کرتا ہے اور خود کو جوان سمجھنے لگتا ہے، جبکہ عورتوں میں کم عمری کی محبت تو عام سی بات ہے اسی طرح ریٹائرمنٹ ملنے کے بعد بھی ساٹھ سالہ بوڑھا پرائیویٹ نوکری تلاش کرتا رہتا ہے، غرض آدمی بڑھاپے میں بھی دونوں کا دامن چھوڑنے کو تیار نہیں۔

اس مضمون کو باب کی اگلی حدیث میں یوں بیان کیا ہے کہ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں (یعنی بدستور طاقت ور رہتی ہیں) زندگی کی خواہش اور مال کی حرص و لالچ۔ (حسن صحیح)

باب ماجاء في الزهادة في الدنيا

(دنیا {مال} میں دلچسپی نہ رکھنا)

"الزهادة في الدنيا ليست بتحريم الحلال و لا اضاعة المال و لكن الزهادة في الدنيا ان لا تكون بما في يديكَ اوثق مما في يدالله و ان تكون في ثواب المصيبة اذا انت أُصبتَ

Maktaba Tul Ishaat.com

بها ارغبَ فيها لو انها اُبقيَت لک.(غريب)

دنیا (مال) کے ترکِ رغبت کا مطلب یہ نہیں کہ کسی حلال کو حرام قرار دیا جائے یا مال کو ضائع کر دیا جائے بلکہ دنیا کا ترکِ رغبت یہ ہے کہ تیرے ہاتھوں میں جو چیز (مال) ہے وہ اس چیز سے زیادہ قابل بھروسہ نہ ہو جو اللہ کے قبضے میں ہے، اور یہ کہ تجھ پر کوئی مصیبت آن پڑے تو تم اس پر بوجۂ ثواب زیادہ خوش ہو بمقابلہ اس کے کہ وہ تیرے لئے مؤخر کر دی جاتی (یعنی وہ مصیبت آخرت تک مؤخر کر دی جاتی)۔

تشریح:۔یعنی زہد کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو جائے کہ جنگل میں جا کر رہبانیت اختیار کرے نہ مال کمائے اور نہ کھائے پیئے، نہ شادی کرے اور نہ لباس زیب تن کرے کیونکہ یہ تو شیطان کا دھوکہ ہے جو آدمی سے حلال چیزوں کو حرام کراتا ہے بلکہ زہد کا مطلب یہ ہے کہ جب تیرے پاس کوئی مادی طاقت ہو جیسے زرو زمین، دوا اور بندوق وغیرہ تو ان پر پورا اعتماد نہ ہو بلکہ یہ یقین ہو کہ اگر اللہ کا فیصلہ ان اسباب کے مسببات کے خلاف ہو تو یہ سب اسباب فیل ہو جائیں گے نہ زرو زمین کارآمد ہوگی اور نہ ہی دوا اور بندوق کچھ کر سکیں گی اور یہی فرق ہوتا ہے مسلمان اور کافر کے درمیان کہ مسلمان اسباب تو اختیار کر لیتا ہے لیکن یقین تقدیر پر کرتا ہے جبکہ کافر کو اسباب پر ناز ہوتا ہے۔

قولہ:"وان تكون فی ثواب المصيبة اذاانت اُصبتَ بها" بصیغۂ مجہول یعنی جب تجھ پر کوئی مصیبت مسلط کر دی جائے۔اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک وہ جو اوپر ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یعنی مصیبت کے وقت یہ سوچنا چاہئے کہ مصیبت کا آنا تو تھا ہی یا دنیا میں یا پھر آخرت میں (جیسا کہ عام ضابطہ ہے اگرچہ بعض لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں کہ یا تو ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہوتی ہیں یا دونوں بہتر ہوتی ہیں مگر عموماً دنیا و آخرت مدمقابل ہیں اگر یہاں نعمت ملتی ہے تو وہاں سے کٹ جاتی ہے اور یہاں مصیبت ملتی ہے بخار آلام وغیرہ کوئی بھی تکلیف، تو اس کے بدلے آخرت میں ثواب ملتا ہے جبکہ یہاں کی پرتعیش زندگی آخرت کی مصیبت کی گھنٹی ہے) تو اچھا ہوا کہ دنیا میں آ گئی ورنہ آخرت میں یہ مصیبت و تکلیف آتی تو ناقابل برداشت اور اللہ کی ناراضگی کا اثر ہوتا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ مصیبت کا باقی رہنا تیرے نزدیک ختم ہونے سے زیادہ محبوب ہو کیونکہ جب تک تکلیف جاری رہے گی تو ثواب بھی جاری رہے گا، بظاہر پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے۔

حدیث عثمان بن عفانؓ:۔"ليس لابن ادم الخ" یعنی آدمی کو ان خصال (چار اشیاء) کے علاوہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کسی چیز میں (حصول کا) حق نہیں ایک گھر جس میں رہے اور کپڑا جو اس کے ستر کو چھپائے، اور خشک روٹی اور پانی۔ (حدیث صحیح)

قولہ: "جلف" بکسر الجیم وسکون اللام بروزن سدر خشک موٹی روٹی جو بغیر سالن کے ہو اس کو لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے بروزنِ عنب روٹی رکھنے کے ظرف کو کہتے ہیں تاہم یہاں مراد مظروف یعنی روٹی کا ٹکڑا ہے۔

حق سے مراد ضروریات زندگی بھی لے سکتے ہیں اور وہ اسباب بھی ہو سکتے ہیں جو جائز صورت میں حصول کے باوجود قیامت میں سوال کا موجب نہیں بنیں گے جبکہ ان سے زیادہ کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا؟ کیسے کمایا، کہاں خرچ کیا اور شکر کتنا کیا؟؟؟ وغیرہ

مطلب یہ ہے کہ ہونا یہ چاہئے کہ آدمی اقل قلیل پر اکتفاء کرے حتیٰ کہ اگر یہ چار چیزیں آدمی کو مُیَسّر ہوں تو ان سے زیادہ کی تعب وطلب میں لگنے کے بجائے عبادت میں لگنا چاہئے کیونکہ زیادہ کی تو حد نہیں لہٰذا ابتدائی حدودِ سامانِ زندگی کو اپنانا چاہئے ورنہ ساری زندگی دوڑ دھوپ میں گذر جائے گی اور پھر بھی اھداف حاصل نہیں ہوں گے، یہاں وہ ضابطہ ملحوظ رکھا جائے کہ آپ علیہ السلام صحابہ کی بطور خاص تربیت کرنا چاہتے اور جانتے تھے ظاہر ہے کہ ایسے اصول ہر ایک کے بس کی بات نہیں لہٰذا اہلِ دنیا کو اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ زندگی کو تنگ بنا دیا گیا۔ تدبر

حدیث عبداللہ بن الشخیر: حضرت مُطَرِّف بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد (عبداللہ بن شخیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم "الھاکم التکاثر" پڑھ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم زاد کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے صدقہ کر کے روانہ کر دیا (یعنی اللہ کے پاس) یا کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پُرانا کر دیا۔ "الھاکم التکاثر" کا مطلب مشہور تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ تم کو غافل بنا دیا بُہتات نے یعنی مال واولاد وغیرہ کی کثرت نے تم کو آخرت سے بے نیاز بنا دیا اس حدیث کے مطابق آدمی اپنے مال پر اتراتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ مال اسی کا ہے حالانکہ آدمی کا مال میں سے فقط اتنا حصہ ہوتا ہے کہ یا تو صدقہ کر کے اللہ کے یہاں بھیج دے یا جتنا کھا لے اور زیب تن کر کے ختم کر دے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض خوش فہمی میں مبتلا کر دینے والا ہے لہٰذا اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے "یحسب ان مالہ اخلدہ" آدمی سمجھتا ہے کہ وہ اور اس کا مال سدا باقی اور ساتھ رہیں گے "کلا" ہرگز نہیں وہ مال یقیناً پیچھے

Maktaba Tul Ishaat.com

رہنے والا ہے۔(ھذا حدیث حسن صحیح)

حدیث ابی امامۃ:۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن آدم! اگر تم زائد چیز خرچ کرو گے تو یہ تیرے لئے بہتر ہوگا اور اگر اسے روکو گے تو تیرے لئے بُرا ہوگا اور تیری ملامت نہیں کی جائے گی گذارہ کرنے پر، اور خرچ کرنے میں اس سے شروع کر جو تیری عیال داری میں ہے اور اوپر کا (دینے والا) ہاتھ، نیچے (لینے والے) سے بہتر ہے۔(حسن صحیح)

یعنی کاملین کو چاہئے کہ بقدر کفاف اور قوت لایموت پر اکتفاء کریں کیونکہ اتنی قلیل مقدار کا آخرت میں حساب نہیں ہوگا جبکہ زائد پر سوال وحساب ہوگا لہٰذا حساب کی زحمت سے بچنا چاہئے اگر چہ حقوق ادا کرنے کے بعد مال جمع کرنا جائز ہے مگر خطرناک بھی ہے لہٰذا خطرہ مول لینے سے بچنا ہی احتیاط ہے، اور خرچ کرنے میں ضابطہ یہ ہے کہ پہلے اپنے بچوں، بیوی، ماں باپ وغیرہ الاقرب فالاقرب جن کے نان نفقے کی ذمہ داری آدمی پر عائد ہوتی ہے کو مقدم رکھے ایسا آدمی جو دوسروں پر خرچ کرتا ہے دنیا وآخرت میں لینے والے سے افضل ہے لہٰذا آدمی کو افضل بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حدیث عمر بن الخطابؓ:۔ "لو انکم توکلون علی اللہ حق توکلہ الخ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر اس کے شایان شان توکل کرتے تو تم اس طرح رزق دیئے جاتے جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ یعنی بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس لوٹتے ہیں۔(حسن صحیح)

قولہ: "تغدو" صبح جانے کو غُدوۃ کہتے ہیں جبکہ تروح روحۃ سے بمعنی شام کو چلنے کو کہتے ہیں یہاں مراد شام کو اپنے گھونسلوں میں واپسی ہے۔قولہ: "خِماصاً" بروزن کتاب خمیص کی جمع ہے جبکہ بِطان بھی کتاب کے وزن پر بطین کی جمع ہے، خَمص البطن اس وقت کہتے ہیں جب پیٹ اندر کو ہو جائے یعنی خالی ہو جائے کنایہ ہے بھوک کی شدت سے جبکہ بطان اس کے برعکس پیٹ کی عظمت اور بڑھنے کے لئے آتا ہے مراد سیر ہونا اور پیٹ کا بھر جانا ہے۔حاشیۂ قوت میں بحوالۂ امام بیہقیؒ لکھا ہے کہ اس حدیث میں ترک اسباب پر کسی طرح کی دلالت نہیں ہوتی کیونکہ پرندوں کے ساتھ تشبیہ سے اسباب اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ رزق کمانے کے لئے اتنا بے تاب نہیں ہونا چاہئے کہ اس کے لئے حرام ذریعوں کو استعمال میں لایا جائے، نہ جھوٹ کی پرواہ کرے اور نہ کسی کی حق تلفی کی پرواہ ہو بس صرف کمانے سے غرض ہو وہ خواہ جیسا بھی ہو یہ غلط ہے، ہونا یہ چاہئے کہ آدمی پرندوں کی طرح صبح نکلے اور یقین رکھے کہ اللہ نے اس کے لئے جو رزق مقرر کیا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے وہ اسے ضرور ملے گا وہ کوئی دوسرا نہیں چھین سکتا اور جو اس کا رزق نہیں وہ اسے کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتا، اس طرح وہ رزق بھی بآسانی حاصل کرے گا اور سکون سے اپنی عبادت کو بھی بروقت کر سکے گا۔

حدیث انسؓ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے ان میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتا تھا اور دوسرا کام کاج میں لگا رہتا تھا چنانچہ اس کاروباری بھائی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی (مثلاً فارغ بیٹھا رہتا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باور کرو تجھے اس کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے۔

قولہ: "یحترف" حرفت سے ہے بمعنی ہاتھ کے ہنر، پیشہ اور عادت کے آتا ہے یہاں مطلق اسباب معاش اختیار کرنے کے معنی میں ہے۔ **قولہ:** "لعلک" شارع کے کلام میں جب بھی لعل کا لفظ آجائے تو تردد وترجی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ بمعنی یقین کے آتا ہے ہاں اگر ترجی مخاطب کے اعتبار سے ہو تو پھر معنی ترجی کا صحیح بنتا ہے اور ترجمہ یوں ہوگا کہ امید رکھو۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان دو بھائیوں میں سے ایک اپنے کاروزگار میں معروف رہتا اور دوسرا آپ علیہ السلام کی خدمت میں علم ومعرفت حاصل کرنے کی غرض سے آتا، دوسرے بھائی نے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے ساتھ تعاون تو کرتا نہیں اور خرچ میں مثلاً شریک رہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ کچھ ایسے مخفی اسباب ہوتے ہیں جو ظاہری اسباب سے زیادہ مفید ہوتے ہیں لہٰذا تم یہ نہ سمجھو کہ تم جو کچھ کمارہے ہو وہ بس تیرے ہنر اور کمال کا نتیجہ ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تیرے بھائی کی یہاں آمد کی وجہ سے تیرے کاروبار میں برکت ڈالتا ہے لہٰذا تم اس کو اپنی کمائی تصور مت کرو یہ تم دونوں کی ہے، کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو سب کمانے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ غربت کی دلدل سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوتے اس کے برعکس کبھی ایک ہی بھائی کماتا ہے اور باقی سب بھائی پڑھتے ہیں مگر ان کا روزگار عروج پر ہوتا ہے یہ دینی تعلیم ہی کی تو برکت ہوتی ہے، بشرط صحت نیت۔

باب کی آخری حدیث:۔ حضرت عبیداللہ بن محصن صحابیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ وہ اپنے گھر میں محفوظ ہو اور جسمانی اعتبار سے تندرست ہو، اس کے پاس ایک دن کا خرچہ ہو تو گویا اس کے لئے دنیا سمیٹی گئی ہے۔ (حسن غریب)

قولہ: "وکانت لہ صحبۃ" چونکہ عبیداللہ بن محصن کی صحابیت میں اختلاف تھا اس لئے امام ترمذیؒ

Maktaba Tul Ishaat.com

نے صحابی ہونے کی تصریح فرمادی اور یہی محقق قول ہے۔ قولہ: "فی سِربه" یہ لفظ بروزن قمر بمعنی بیت اور گھر کے آتا ہے جو اوپر ترجمہ میں لیا گیا ہے جبکہ بکسر السین بروزن سِدر بمعنی نفس کے آتا ہے یعنی جو فارغ البال اور خوش حال ہو، اور عبد وشمس کے وزن پر بمعنی راستے کے آتا ہے بنابر ہر تقدیر مطلب یہ ہے کہ وہ شخص خود اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ گھر میں اور باہر، ہر لحاظ سے بے خوف ہو نہ دشمن کا خطرہ ہو اور نہ کوئی بیماری ہو اور گھر میں اس دن کے کھانے پینے کی اشیاء بھی موجود ہوں تو بس یہ ایسا ہے جیسے اس کے لئے ساری دنیا کو جمع کر دیا گیا ہے، کیونکہ جس کے پاس ساری دنیا ہوگی وہ بھی تو صرف اتنا ہی کھا سکے گا جتنا یہ شخص کھاتا ہے باقی تو خوش فہمی اور افتخار کا سامان ہے۔ عقلمند کے نزدیک دونوں میں کوئی معتد بہ فرق نہیں جیسے ایک آدمی کا وزن ساٹھ کلو ہے اور دوسرے کا دوسو کلوگرام، بظاہر دوسو کلو والا اچھا لگتا ہے مگر اسے اپنے جسم سے جتنا فائدہ پہنچ رہا ہے اس لاغر کا فائدۂ جسمانی اس سے کسی طرح کم نہیں بلکہ شاید وہ زیادہ اچھا ہو۔ قولہ: "مُعَافَی" باب مفاعلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

باب ماجاء فی الکفاف و الصبر علیه

(کفایت وقناعت کے بیان میں)

"ان اَغبَطَ اولیائی عندی لَمؤمن خفیف الحاذذوحظّ من الصلوٰة اَحسَنَ عبادة ربه وَاَطَاعَه فی السر وکان غامضافی الناس لایُشارالیه بالاصابع وکان رزقه کفافاً فصبرعلی ذالک، ثم نقربیده فقال عُجّلت منیّتهٗ قَلّت بَوَاکِیه قَلّ تُراثُه ...وبهذاالاسناد...قال عَرَضَ عَلَیَّ ربی لِیجعل لی بطحَاءَ مکة ذهباً ،قلتُ: لایارب ولکن اَشبَعُ یوماً واجوع یوماوقال ثلاثاً اونحوهذا فاذا جُعتُ تضرّعتُ الیک وذکرتک واذاشَبِعتُ شکرتُک وحمدتُکَ". (حسن)

آپ علیہ السلام نے فرمایا میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے جو ہلکی بار برداری والا ہو نماز میں حصہ رکھنے (ملانے) والا ہو، اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ کرنے والا ہو، اور خلوت میں (بھی) اس کی اطاعت کرتا ہو وہ لوگوں میں چھپا ہوا (غیر معروف) ہو، اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جاتا ہو (یعنی کسی طرح شہرت کا حامل نہ ہو) اور اس کا رزق برابر سرابر ہو اور وہ اس پر قناعت وصبر کرے، (یعنی اپنی گمنامی، اور کفایت طعامی کی حالت پر صبر کرتا ہو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ (کی

Maktaba Tul Ishaat.com

انگلیوں) کو دوسرے ہاتھ (کی انگلیوں) پر مارا اور اس کے ساتھ فرمایا اس کی موت جلد ہی بھیج دی گئی ہو، اس پر رونے والی عورتیں کم ہوں اور اس کا متروکہ مال بھی تھوڑا سا ہو اسی سند مذکور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے پیش کش کردی کہ میرے لئے مکہ کی سرزمین کو سونا بنادیں، میں نے عرض کیا اے میرے رب! ایسا نہ کیجئے کیونکہ میں یہی پسند کرتا ہوں کہ ایک دن سیر رہا کروں اور ایک دن بھوکا رہوں (راوی کو شک ہے کہ ایک دن فرمایا یا تین دن) یا اس کی مانند بات فرمائی، پس جب بھوک لگے تو تیری طرف گریہ وزاری کروں اور تجھ کو یاد کروں اور جب سیر ہو جاؤں تو تیرا شکر ادا کروں اور تیری حمد کروں۔

تشریح:۔قولہ: "اَغْبَطُ" غِبطہ سے اسم تفضیل ہے بمعنی رشک کے لیکن معنی مفعولی میں یعنی مغبوط۔

قولہ: "حاذ" بروزن حال دراصل گھوڑے کی کمر اور پشت کو کہتے ہیں جس پر سامان رکھا جاتا ہے پس خفیف الحاذ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس زیادہ ساز وسامان نہ ہو بلکہ ہلکا پھلکا سامان زندگی ہو۔

قولہ: "فی السر" عموماً نصوص میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مقابل اشیاء میں سے ایک جانب کو ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری کو ظاہر ہونے کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے جیسے "وسرابیل تقیکم الحر" حالانکہ لباس سردی سے بھی حفاظت اور بچاؤ کا سامان ہے اس لئے تقدیر اس طرح ہے: "تقیکم الحر و البرد" یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ جیسے جلوۃ میں وہ عبادت گذار رہتا ہے تو اسی طرح خلوت میں عبادت کرتا رہتا ہے کیونکہ صرف علانیہ عبادت بغیر سرّی عبادت کے ریا ودکھاوے کی نشانی ہے جو مفید نہیں۔**قولہ:** "غامضاً" یعنی وہ معاشرہ میں دنیوی مقام نہ رکھنے کی وجہ سے چھپا ہوا ہو کیونکہ لوگ تو مالدار کو یاد کرتے ہیں جبکہ غریب کو قابل ذکر نہیں سمجھا جاتا ہے۔

قولہ: "لایشار الیہ الخ" غامضاً کا بیان ہے کیونکہ مالدار آدمی جہاں سے گذرتا ہے لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فلاں صاحب جارہا ہے جبکہ غریب کے گذرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا بہرحال یہ کنایہ ہے عدم شہرت سے یعنی یہ شخص مشہور نہ ہو۔

قولہ: "ثم نقر بیدہ" جب کسی چیز کی سرعت اشارے سے ظاہر کی جاتی ہے تو چٹکی بجائی جاتی ہے اور کبھی دونوں ہاتھ کی انگلیاں یا ہتھیلیاں ایک دوسرے پر مارنے سے۔ یہاں دوسری صورت مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اسے اگلے جملے یعنی سرعتِ موت کو سمجھانے کے لئے اشارے کے طور پر بجایا اور سرعت موت

Maktaba Tul Ishaat.com

سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کا دل ویسے بھی آخرت میں معلق تھا اس لئے جب موت آئی تو اس نے فوراً سینے سے لگادی یہ مطلب نہیں کہ جوانی میں جلدی انتقال کرگیا، (تدبر) بخلاف مالدار کے کہ عموماً اس کی جان اگرچہ سفر آخرت کے وقت بستر مرگ پر، پرواز تو کررہی ہوتی ہے مگر وہ اپنی دنیوی دولت، گاڑیوں، حسین وجمیل عورتوں اور کوٹھیوں میں پھنسی رہتی ہے اس لئے بدن سے نکلنے کو گوارا نہیں کرتی، یا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو غریب کی بیماری کا علم نہیں ہوتا وہ اس کی موت کو اچانک سمجھتے ہیں ہاں البتہ یہ اعزاز اس غریب کو حاصل ہے جو اپنی حالت کذائی پر صبر کرے ورنہ واویلا کرنے والا تو فیل درامتحان ہوجاتا ہے، اس کی غربت قابل رشک نہیں ہے۔

پھر جب وہ شخص مرتا ہے تو اس پر رونے والی زیادہ عورتیں بھی نہیں ہوتیں کیونکہ عورتیں تو مالداروں سے رشتہ اور تعلق جوڑتی ہیں اور اسی کی موت کو حقیقی صدمہ سمجھتی ہیں غریب جو عموماً لوگوں اور خصوصاً عورتوں کی نظروں میں بے کار ہوتا ہے اس کی موت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہاں جمع ہوکر مصیبت کا اظہار کیا جائے۔

قولہ: ''تراثہ'' بضم التاء اس میں تاء واو کے بدلے میں آئی ہے قرآن میں ہے: ''وتاکلون التراث أکلاً لمّاً'' (الفجر آیت:۱۹) موت کے بعد جو مال ومتاع وغیرہ رہتا ہے اسے میراث اور تُراث کہتے ہیں۔

قولہ: ''عرض علیَّ'' یعنی مجھے اختیار دے دیا کہ آپ چاہیں تو بطحاء مکہ یعنی پورے مکہ کو یا مکہ کے سنگریزوں اور چٹانوں کو سونا بنا کر آپ کو اس کا مالک بنادوں، میں نے کہا نہیں میں مادی دولت کے بجائے غربت اختیار کرتا ہوں تاکہ نعمت کی قدر معلوم ہو اور اس پر شکر گذار رہوں اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب بھوک لگے اور رزق کی طلب پیدا ہو، طلب کے لئے میں دعا مانگوں اور ملنے پر تیرا شکر ادا کروں۔ معلوم ہوا کہ فقر اختیاری مع الصبر مالداری سے افضل ہے۔

حدیث ابن عمرؓ:۔ ''قدافلح من اسلم ورُزِق کفافاً وقنّعه الله''. (حسن صحیح)

یقیناً وہ شخص کامیاب رہا جس کو برابر سرابر رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے اس پر قانع بنایا۔

ایسا شخص جسے یقین ہو کہ اس کے مقدر رزق سے زیادہ نہیں مل سکتا اس لئے وہ کم پر بھی صبر کرتا ہے، زیادہ کے لئے نہیں تڑپتا اور اپنی چادر اور بساط کے مطابق پیر پھیلا کر عبادت میں لگا رہتا ہے یقیناً یہ بڑا شخص ہے بشرطیکہ وہ اتقیا دو حکم الٰہی کی فرمانبرداری کرتا ہو۔

حدیث فَضَالۃ بن عبیدؓ:۔ اس کا مضمون بھی ابن عمرؓ کی حدیث کے مطابق ہے البتہ یہاں فلاح کی

Maktaba Tul Ishaat.com

جگہ طوبیٰ یعنی خوش خبری کا ذکر ہے کہ بقدر کفاف رزق والے صابر کے لئے خوش خبری ہے یعنی رضائے الٰہی، کامیابی اور جنت کی۔ (حدیث صحیح)

باب ماجاء فی فضل الفقر

(غربت کی فضیلت کا بیان)

"عن عبداللہ مُغَفَّل قال قال رجل للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم :یارسول اللّٰہ!واللّٰہِ انی لَاُحِبُّک فقال:اُنظر ماتقول،قال واللہ انی لاحبک ثلاث مَرّاتٍ، قال :اِن کنتَ تُحِبّنی فَاَعِدَّ للفقرِتجفافاً فان الفقر اسرع اِلیٰ مَن یُحِبُّنی من السَیل اِلیٰ مُنتھاہ". (حسن غریب)

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے رسول بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوچ سمجھ کر بولو جو تم کہہ رہے ہو، اس نے تین بار کہا کہ بخدا میں آپ سے محبت کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو فقر کے لئے جھول تیار رکھو کیونکہ فقر مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف سیلاب سے جو اپنی انتہاء کی طرف بڑھتا ہے زیادہ جلدی دوڑتا ہے۔

تشریح:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تو سارے اہل ایمان ہیں مگر مع فرقِ مراتب کے ساتھ یہاں صحابی کے دعوے کا مقصد فرطِ محبت یعنی شدید چاہت مراد ہے۔

قولہ: "تجفافاً" بکسر التاء وسکون الجیم بروزن مفتاح زرہ کی طرح ایک جال ہوتا ہے جو لڑائی کے وقت گھوڑے کو پہناتے ہیں تاکہ دشمن کے وار سے محفوظ ہو اردو میں اس کو جھول کہا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ تیرے دعویٰ کے مطابق اب تجھ پر فقر کا بحران آئے گا اس کی رفتار و شدت سیل رواں سے بھی زیادہ ہوگی اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو فقر سے لڑائی جیتنے کے لئے جھول تیار کر کے رکھو کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے اچانک حملہ سے شکست کھالو۔

اس حدیث سے فقرِ اختیاری کی غِنیٰ مع شکر گذاری پر فضیلت معلوم ہوئی اگر چہ ایسے غنی جو اپنا مال طاعات میں خرچ کرتا ہے کے بھی بہت سے فضائل ہیں زکوٰۃ، حج وغیرہ بہت سارے امورِ خیر کا حصول مال پر مبنی ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل ،فقر اختیار کرنے کا رہا ہے جیسے سابقہ باب میں گذرا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ فقر اختیاری مالداری سے افضل ہے اگر چہ آج لوگوں کو اس کی زیادہ ترغیب دینا نہیں چاہئے کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

عام لوگ "کاد الفقر ان یکون کفراً" کے زمرے میں آتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اگر چہ "کاد الفقر" والی حدیث ضعیف ہے۔

باب جاء ان فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل اغنياء هم

(غریب مہاجر، مالدار مہاجروں سے پہلے جنت میں جائیں گے)

"عن ابی سعید قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم :فقرآء المهاجرين يدخلون الجنةقبل اغنيائهم بخمس مائة عام". (حسن غريب)

فقیر مہاجرین امیر مہاجروں سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

تشریح:۔ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ جس سے دنیا میں کوئی نعمت روک دی جاتی ہے تو اس کے بدلہ میں عقبیٰ میں نعمت ملتی ہے وبالعکس چونکہ فقراء دنیا میں بہت ساری نعمتوں کو دیکھ کر حصول کے لئے ترستے ہیں جبکہ اغنیاء بآسانی ان تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اس لئے آخرت میں فقراء کو جنت کی خوشبو سونگھنے اور منظر دیکھنے کے بعد زیادہ انتظار اور تڑپنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی جبکہ اغنیاء ان کے مقابلہ میں اپنے حساب وکتاب کی وجہ سے اور کچھ دنیوی نعمتوں کے حصول کے بدلے میں کچھ عرصہ انتظار کر کے پھر داخل ہوں گے تاہم یہ مدت تعدد روایات میں مختلف آئی ہے۔ باب کی تین احادیث میں پانچ سو سال کا ذکر ہے جبکہ دو میں چالیس کا۔

یہ فرق فقراء کے مراتب کی بناء پر ہے کیونکہ بعض فقراء کا فقر طویل صبر آزما ہوتا ہے اور اس کا حامل اپنے معاشرہ میں ذلیل سمجھا جاتا ہے اس کے برعکس بعض فقراء کا فقر زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ فقیر ہونے کے باوجود معاشرہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

البتہ یہ تصویر کا ایک رخ ہے تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اغنیاء میں سے وہ لوگ جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور مال خرچ کر کے نیکیوں میں اضافہ کرتے رہتے ہیں وہ اگر چہ میدانِ محشر میں وقت نسبتاً زیادہ گذار دیں گے مگر جنت میں داخل ہونے کے بعد اپنے اعمال خیرات، صدقات ودیگر تبرعات کی وجہ سے اونچے مقامات پر فائز ہوں گے "ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشآء"۔

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض ہر رنگ کی اپنی اپنی خصوصیت وشرافت ہے اس لئے آپ علیہ السلام کی حیاۃ طیبہ میں دونوں رنگ نظر آتے ہیں کبھی پیٹ پر پتھر باندھنے کی نوبت آتی اور کبھی بحرین وغیرہ اکناف واطراف سے آیا ہوا مال اتنا خرچ فرماتے کہ اس کا کوئی حساب نہیں ہوتا بلکہ جو جتنا لے جانا چاہتا وہ اس میں مکمل با اختیار ہوتا۔ حضرت عباسؓ نے چادر اتنی بھر دی کہ اٹھا نہ سکے۔

حدیث انسؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا: اے اللہ! مجھے مسکین (متواضع) رہنے کی زندگی عطا کر دیں اور موت مسکنت کی حالت میں دیں، اور قیامت کے دن مساکین کی جماعت میں میرا حشر فرما دیں، پس حضرت عائشہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ فقراء جنت میں چالیس سال اغنیاء سے پہلے داخل ہوں گے، اے عائشہؓ! مسکین کو خالی مت لوٹا خواہ اسے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینا پڑے، اے عائشہؓ! غریبوں سے محبت کرو اور ان کو اپنے قریب بٹھا دیا کرو (یعنی جب حدیث بیان کرو تو ان کو آگے بٹھاؤ) اس پر اللہ تجھے قیامت کے دن اپنا قرب عطاء فرمائیں گے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے جیسا کہ حاشیہ قوت میں ہے حافظؒ نے بھی ''تلخیص'' میں اسے ضعیف مانا ہے۔ (کما فی التحفۃ) بصورت صحت مسکین سے مراد متواضع ہے اس طرح ان احادیث سے تعارض نہیں آئے گا جن میں آپ علیہ السلام نے فقر سے پناہ مانگی ہے، غرض مسکنت الگ چیز ہے اور فقر الگ، فقیر تو غریب ہی کو کہتے ہیں جبکہ مسکین کبھی بمعنی متواضع بھی آتا ہے ابن قتیبہ نے ''تاویل مختلف الحدیث'' میں لکھا ہے:

> ''ومعنی المسکنه فی قوله ''احشرنی مِسکینا'' التواضع والاِخبات کانه سأل الله تعالیٰ ان لایجعله من الجبّارین والمتکبرین ولایحشره فی زمرتهم الخ. (ص:۱۵۵)

اس میں مزید تفصیل اور دلیل بھی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص میں یوں تطبیق دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس فقر سے پناہ مانگی ہے وہ قلبی فقر ہے کیونکہ غنا و فقر قلبی بھی ہوتے ہیں قلبی فقر یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا دل مال کی محبت اور جمع میں لگ جائے یہ بہت بڑا عیب ہے مال کا آنا عیب نہیں ہے۔ کہ قلبی فقر اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے نہ کہ ظاہری حال۔ غرض فکرِ معاد میں ہر معاون چیز، غافل کر دینے والی سے افضل ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واھلہ

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں کی معاشی زندگی)

"عن مسروق قال دخلت علیٰ عائشة فدعت لی بطعام وقالت ـ:ماأشبَعُ من طعام فَاَشَاءُ اَن اَبکِیَ اِلّابکیتُ قال قلت:لِمَ؟قالت:اَذکُرُالحال التی فارق علیهارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الدنیاواللّٰهِ ماشَبِعَ من خبزولحم مرتین فی یوم". (حسن)اخرجه مسلم

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے یہاں داخل ہوا تو انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور فرمانے لگیں کہ میں جب بھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں اور رونا چاہتی ہوں تو رو پڑوں، مسروق کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا ایسا کیوں؟ فرمانے لگیں مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جدا ہوئے ہیں، بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن میں دو مرتبہ سیر ہو کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا ہے۔

تشریح:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں جب پورا کھانا کھاتی ہوں تو مجھے آپ علیہ السلام کی حالت یاد آتی ہے اور اس کے ساتھ مجھے رونا بھی آتا ہے اگر میں چاہوں کہ رونے لگوں اور رونا ضبط نہ کروں تو میں یقیناً رونے لگوں مگر میں رونے کو ضبط کرتی ہوں اور نہیں روتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا آخری ٹکڑا بظاہر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معارض ہے جو "باب فی ترک الوضوء مماغیرت النار" میں گذری ہے اور شمائل میں بھی آرہی ہے کہ ایک انصاریہ عورت نے آپ علیہ السلام کی دعوت کی آپ نے ظہر کی نماز سے پہلے ذبح شدہ بکری کا گوشت کھایا پھر نماز کے بعد واپسی پر بچا ہوا گوشت پھر خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا آپ علیہ السلام نے اس سے تناول فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث باب میں آپ علیہ السلام کے گھر کے حال کا بیان ہے جبکہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں دعوت کا ذکر ہے لہٰذا ہر ایک کا محمل الگ الگ ہے، یا پھر حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ان کے اپنے علم کے مطابق ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس بکری کے گوشت میں دوبارہ تھوڑا سا تناول فرمایا ہو لہٰذا ایک دن میں دو دفعہ شکم سیری ثابت نہیں ہوئی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فقر اختیاری تھا آپ علیہ السلام کے پاس جو کچھ آتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بطور ایثار دوسروں کو عطاء فرماتے: ''والکمال فی الایثار لان العبادة بالاختیار اولیٰ من الاضطرار''۔ (تدبر)

اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں لگا تار پے در پے دو تین دنوں تک کھانے کا انتظام نہیں ہوتا تھا جیسا کہ باب کی دوسری اور تیسری حدیث میں ہے۔

قولہ: ''تِباعاً'' بروزن کتاب کا مطلب پے در پے ہے، پھر جب کھانا پکتا تھا تو وہ بھی صرف اتنا ہوتا تھا کہ اس سے بچتا نہیں تھا گویا صرف بقدر کفاف ہوتا تھا، بلکہ کبھی تو نوبت یہاں تک پہنچتی کہ کئی کئی دنوں تک گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا حالانکہ ان کا عام کھانا جو کی روٹی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ سو جاتے اور رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔ ''طاویا'' کے معنی جائعا بھوکا اور خالی پیٹ کے ہیں۔

اور یہ حالت کوئی اضطراری بھی نہیں تھی اور نہ ہی اس پر ناراضگی ہوتی بلکہ آپ فرماتے: ''اللّٰھم اجعل رزق ال محمد قوتا'' قوت اس کو کہتے ہیں کہ عبادت پر قدرت کے بقدر کھانا ملے اور بہت زیادہ نہ ہو یہ دراصل معتدل حالت اور درمیانہ راستہ ہے کہ نہ تو آدمی بھوک سے اتنا کمزور ہو کہ عبادت بھی نہ کر سکے اور حقوق بھی ادا نہ کر سکے اور نہ ہی اتنا زیادہ کھائے کہ مالک سے نظر ہٹ جائے۔

''عن انسؓ قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایدّخر شیئاً لغد''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے، یعنی اپنی ذات کے دنیوی فائدے کے لئے کسی چیز کا رکھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہ تھی، جہاں تک کپڑوں، سواری اور ہتھیار کا تعلق ہے تو وہ دین کی خاطر رکھتے تھے اور جب دینی ضرورت نہ رہی تو ان کے بارے میں فرمایا کہ ہماری کوئی میراث نہیں یہ سب صدقہ ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے لئے فتوحات کے بعد سال بھر کا نفقہ بطور تملیک دیتے تو گویا بطور ذاتی ملک کے ذاتی فائدہ کے لئے کوئی چیز نہیں رکھتے البتہ بطور تملیک یا بنیت عبادت رکھنا ثابت ہے لہٰذا روایات میں کسی طرح تعارض نہیں پھر جو نفقہ ازواج مطہرات کا ہوتا وہ بھی مہمانوں کی آمد یا بوجہ تصدق کے سال سے پہلے پہلے ختم ہو جاتا اور سال کے اخیر میں فاقوں کی نوبت آجاتی۔ اس باب میں حضرت انسؓ کی دوسری حدیث ترمذی شریف جلد دوم کے بالکل شروع باب میں گذری ہے ترجمہ و مطلب وہاں دیکھ لیجئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ حضرت سہل بن سعد سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقی یعنی باریک پسا ہوا آٹا (میدے کی روٹی کو) کھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک دیکھا بھی نہیں ہے، کہا آپ کے پاس چھلنیاں ہوتی تھیں؟ فرمایا نہیں تھیں پوچھا گیا پھر آپ لوگ جو کے ساتھ کیا کرتے تھے (یعنی اس میں تو موٹی موٹی بھوسی ہوتی ہے) فرمایا بس پھونکتے تو اس سے اڑنے والی چیز (بھوسی) اڑ جاتی پھر باقی میں پانی ڈال کر گوندھ لیتے۔

قولہ: "نقی" بروزن غنی جو چھلکے سے صاف ہو چونکہ زیادہ باریک پیسنے سے چھلکا ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس کی تفسیر حواری یعنی میدہ سے کی گئی اس سے مراد گندم کا آٹا لینا زیادہ مناسب ہے اگرچہ جو کو بار بار پیسنے سے بھی وہ باریک بن جاتا ہے، نیز چھاننے سے بھی صاف و باریک بن جاتا ہے۔ یہاں نفی رؤیت یا تو مبالغہ پر مبنی ہے یا حقیقت پر کیونکہ مدینہ اور مکہ میں گندم کا استعمال اور جو کو باریک پیسنے کا رواج نہ تھا اس لئے وہاں میدہ نظر نہ آنا کوئی بعید نہیں اور چھاننے کا شوق بھی نہ تھا، لیکن اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے جس کے مطابق آپ علیہ السلام کا قبل النبوت شام جانا مذکور ہے تو پھر نفی مبالغہ پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی معیشة اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(صحابہ کرامؓ کی معاشی زندگی کا بیان)

"عن قیس قال سمعت سعدبن ابی وقاص یقول انی لَاَوَّلُ رجل اَهرَاقَ دَماً فی سبیل اللہ وانی لَاَوَّلُ رجل رَمیٰ بسهم فی سبیل اللہ ولقد رأیتُنِی اَغزُوفی العِصابة من اصحاب محمدصلی اللہ علیه وسلم مانأکل الاورق الشجروالحُبلة حتیٰ ان احدنالَیَضَعُ کما تضع الشاة ثم اصحبت بَنُواَسَدیُعَزِّرُوننی فی الدین لقدخِبتُ اذن وضَلَّ عملی". (حسن صحیح)

حضرت قیس سے مروی ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں خون بہایا ہے اور میں وہ پہلا شخص بھی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا (پھینکا) ہے اور میں نے خود کو ایسی حالت میں پایا ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ جہاد کرتا، ہم سوائے درختوں کے پتوں اور خاردار جھاڑیوں کے پھل (یا کیکر کے پھل) کے سوا کچھ نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کھاتے (یعنی اس کے علاوہ کوئی غذا نہ ہوتی) یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک اسی طرح اجابت کرتا جیسے بکری اور اونٹ اجابت (مینگنیاں) کرتے ہیں (مگر اس کے باوجود) اب بنو اسد مجھے دین کے بارے میں طعنے دیتے ہیں (یعنی مجھے نماز کی تعلیم دیتے ہیں کہ تم صحیح نہیں پڑھتا) یقیناً ایسے میں تو میں نامراد ہوں گا اور میرا سب عمل برباد ہوگا۔

تشریح:۔ اگلی روایت میں بجائے ابی وقاص کے مالک آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت سعدؓ کے والد کا نام مالک تھا اور ابو وقاص کنیت تھی اگلی روایت میں حُبلہ کے بعد سمر کا بھی اضافہ ہے جو سمرۃ کی جمع بمعنی کیکر کے ہے جبکہ حُبلہ بضم الحاء کیکر کے پھل کو کہتے ہیں جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے بعض نے مطلق خاردار درخت کے پھل کو کہا ہے۔

یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے (مناقب جلد:۱ ص:۵۲۸ کی روایت میں ہے):''مالہ خلط'' یعنی پیٹ سے جو فضلہ خارج ہوتا وہ ایک دوسرے سے نہیں چپکتا بوجہ شدت خشکی کے اس کو اوپر ترجمہ میں مینگنیوں سے تعبیر کیا گیا ہے چونکہ بنو اسد نے ان کی شکایت دربار خلافت مآب میں کی تھی جیسا کہ بخاری کی مندرجہ روایت میں ہے:''وکانوا وشوابہ الی عمر قالوا لایحسن یصلی''یعنی صحیح نماز نہیں پڑھا سکتے ہیں تو حضرت سعدؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں سابق الاسلام ہونے کے باوجود اگر ان لوگوں کی تعلیم کا محتاج رہوں تو پھر میری سبقت اسلامی کا کیا فائدہ؟ اور یہ اگرچہ بظاہر اپنی مدح ہے مگر بطور اظہار شکر و تحدیث بالنعمت اور احقاق حق کے لئے ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا''انی حفیظ علیم''۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے عرف الشذی میں فرمایا ہے کہ حاشیہ ترمذی پر مجمع البحار کے حوالے سے بنو اسد کی تفسیر جو بنو الزبیر بن العوام سے کی گئی ہے یہ غلط ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ بنو اسد وہ لوگ ہیں جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدعی نبوت طلیحہ بن خویلد اسدی کی پیروی میں مرتد ہو گئے تھے اور حضرت خالد بن ولید نے ان سے جہاد کیا تھا پھر طلیحہ جب توبہ تائب ہوئے تو ماقی اتباع نے بھی توبہ کر لی اور ان کی اکثریت کوفہ میں مقیم ہوئی۔

حافظ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ۱۴ھ میں حضرت عمرؓ نے فارس سے جہاد پر مقرر فرمایا تھا اللہ نے ان کو فتح دی اور کوفہ پر ۲۰ھ یا ۲۱ھ تک امیر رہے، یعنی اس الزام تک۔ تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ ان دنوں میں یزدگرد نے مسلمانوں کے خلاف ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل

Maktaba Tul Ishaat.com

لشکر نہاوند میں جمع کیا تھا، حضرت عمرؓ نے تفتیش حال کے لئے محمد بن مسلمہ کو بھیج دیا تھا، تفتیش سے معلوم ہوا کہ صرف بنوعبس شکایت کررہے ہیں۔ (ص:۳۶۵ ج:۱ نفیس اکیڈمی)

یہ روایت بخاری ج:۱ ص:۱۰۴ پر تفصیل سے آئی ہے جس کے مطابق تفتیش کا یہ عمل ہر مسجد میں جاری رہا چنانچہ سب لوگوں نے حضرت سعدؓ کی تعریف ہی کی یہاں تک کہ بنوعبس کی مسجد میں فقط ایک آدمی جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا نے الزام تراشی کرتے ہوئے کہا کہ وہ سرایہ نہیں بھیجتا، تقسیم میں انصاف نہیں کرتا اور فیصلہ میں عدل سے کام نہیں لیتا ہے اس جھوٹے الزام پر حضرت سعدؓ نے اس کو بددعاء دی جس کے نتیجہ میں وہ انتہائی بڑھاپے میں راستوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور جب اس سے کہا جاتا تو کہتا تھا: ''اَصَابتنی دعوۃ سعد'' مجھے سعد کی بددعا لگی ہے۔ (باب وجوب القرآءۃ للامام والماموم فی الصلوٰت الخ)

حدیث آخر: محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم ابوہریرہؓ کے پاس تھے جو گیرو میں رنگے ہوئے سَن کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھے پس انہوں نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کی پھر فرمایا واہ، واہ ابوہریرہ (اس وقت) سن کے (اعلیٰ) کپڑے سے ناک صاف کررہا ہے جبکہ میں نے خود کو ایسی حالت میں بھی پایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور عائشہؓ کے گھر کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گرجاتا تھا تو آنے والا آکر اپنا پیر میری گردن پر رکھتا وہ یہ سمجھتا کہ مجھے دماغی خلل کا دورہ ہے حالانکہ مجھے کوئی دیوانگی نہیں ہوتی وہ تو صرف بھوک ہی تھی (جو ستایا کرتی تھی کوئی مرگی وغیرہ نہ تھی)۔ (حسن صحیح)

قولہ: ''مُمَشَّقان'' ای مصبوغان بِالمِشق مِشق بکسرۂ میم سرخ قسم کی مٹی ہے جسے گیرو (گے رُو) کہتے ہیں۔

قولہ: ''کتان'' بفتحۂ کاف وتشدید التاء سَن (پٹ سن) کے ریشہ کے بنے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ کتان اَلسی (ال سی) کے ریشے سے بنے ہوئے کپڑے کو کہا جاتا ہے السی تقریباً دو فٹ کا پودا ہوتا ہے جس کے بیج کا تیل بھی نکالا جاتا ہے۔

قولہ: ''بَخ بَخ'' بفتح الباء وسکون الخاء تعجب کے وقت بولا جاتا ہے۔

قولہ: ''یَتَمَخَّطُ'' تَخُّط مخاط سے ناک سنکنے کے معنی میں ہے۔

یہ ایک روایتی علاج تھا کہ لوگ خبطی اور دیوانہ یا مرگی کے مریض کی گردن پر پیر رکھتے تھے جیسے آج کل اسے جوتا سونگھاتے ہیں یعنی لوگ میری یہ حالت دیکھ کر مجھے مجنون سمجھتے، حالانکہ اصل واقعہ یہ ہوتا کہ میں بھوک کی

Maktaba Tul Ishaat.com

وجہ سے بے ہوش ہو چکا ہوتا، غربت میں صبر کیا اور نعمت پر شکر کیا۔

حدیث فضالہ بن عبیدؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ بھوک کی وجہ سے کھڑے ہونے (کی تاب نہ لاکر) نماز میں گر جاتے یہ لوگ اصحاب صفہ تھے، یہاں تک (یہ مشاہدہ زیادہ تھا) کہ اعرابی لوگ کہتے یہ لوگ دیوانے (خبطی) ہیں چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو جاتے تو ان (اصحاب صفہ) کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے اگر تم لوگ جانتے کہ اللہ کے یہاں تمہارے لئے کتنا (یا جتنا) اجر ہے تو تم آرزو کرتے کہ تمہارا فقر و فاقہ اور زیادہ ہوتا حضرت فضالہؓ فرماتے ہیں کہ میں اس دن (جب یہ ارشاد فرمایا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

قولہ: "الخصاصة" بفتح الخاء فقر و فاقہ کو کہتے ہیں شدید بھوک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔

قولہ: "اصحاب الصفہ" صفہ بضم الصاد و تشدید الفاء چبوترے کو کہتے ہیں یہاں مراد مخصوص چبوترا ہے جو مسجد نبوی سے متصل تھا اس میں غرباء و مساکین صحابہ کرام رہتے جن کا اپنا گھر بار نہیں ہوتا تھا اغنیاء صحابہ کرامؓ و انصار ان پر تصدق کرتے، ان کی تعداد اوسطاً ستر تھی جیسا کہ حاشیۂ ترمذی پر ہے۔

یہ انہی حضرات صحابہ کرامؓ کی محنتوں کی برکات اور صبر آزما مشکلات کے ثمرات ہیں کہ آج ہم دین کی روشنی سے روشناس ہوئے ہیں کسی نے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن فیض پکڑا تو کسی نے اپنا مال اللہ کی راہ میں بہا دیا اس طرح سب یکجان ہو کر دین کے پروانے بنے اور ہمارے لئے تاریک رات میں مطلع اسلام اور افق دین مبین کے ستارے بنے، پس انہی کے نقش قدم پر چل کر کامرانی و کامیابی سے ہمکنار ہونا ممکن ہوا ہے اگر کوئی چاہے تو ان سے رہنمائی لے ورنہ اپنی تباہی کا انتظار کرے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے وقت (گھر سے) نکلے جس میں نہ تو باہر نکل آنے کی عادت تھی اور نہ ہی کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس وقت) ملاقات کرتا تھا (یعنی آرام کرنے کا وقت تھا مثلاً دوپہر کا ٹائم) پس (حسن اتفاق یا قوت ادراک سے) ابوبکرؓ بھی وہاں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ابوبکر! کیا بات تمہیں یہاں (اس وقت) لے آئی؟ انہوں نے عرض کی میں نکلا تا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرلوں اور ان کے چہرۂ انور کو دیکھوں اور انہیں سلام کرنے آیا ہوں، ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ عمرؓ بھی وہاں پہنچ گئے، آپ صلی اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ! تم کو کیا چیز لے کر آئی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول بھوک (نے آنے پر مجبور کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی کچھ بھوک لگی ہے، چنانچہ یہ حضرات ابوالہیثم انصاریؓ کے گھر کی جانب تشریف لے گئے ابوالہیثم ایسے آدمی تھے جن کی بہت سی کھجور (کے درخت) اور بکریاں تھیں (یعنی غنی ومالدار آدمی تھے) مع ہذا ان کے کوئی خادم نہ تھے، تو وہ ان کو گھر میں نہیں ملے، تو ان کی بیوی سے پوچھا کہ تیرا میاں کہاں ہے؟ وہ کہنے لگی کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں ابھی انہوں نے زیادہ دیر نہیں گذاری تھی کہ اتنے میں ابوالہیثم پانی کی مشک اٹھائے ہوئے اور تھامنے کی کوشش کرتے ہوئے آگئے جلدی سے اس کو رکھا، پھر آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغل گیر ہوئے (یعنی لپٹ گئے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کے الفاظ دہراتے رہے، پھر ان سب کو اپنے باغ میں لے گئے، وہاں ان کے لئے فرش بچھایا اور خود ایک درخت کے پاس گئے اور یکا یک ایک گچھا (کھجور کا توڑ کر) لائے اور ان کے سامنے رکھ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (شاخ دیکھ کر) فرمایا کہ (بجائے پوری شاخ کے) تم نے صرف تازہ کھجوریں کیوں نہیں توڑیں (یعنی چن چن کر لاتے تاکہ باقی ضائع نہ ہوتیں) تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے چاہا کہ آپ خود پسند فرمالیں یا فرمایا کہ آپ کو جو پکی اور نیم پختہ (گدر) پسند ہوں خود توڑ دیں (کیونکہ شاخ اور درخت سے توڑنے کا مزہ الگ ہوتا ہے) چنانچہ انہوں نے کھایا اور اس پانی میں سے پیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا یہ کھانا پینا اور اکرام وغیرہ ان نعمتوں میں سے ہے جس کے متعلق قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا، ٹھنڈا سایہ، تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے، پھر ابوالہیثم چلے گئے تاکہ ان کے لئے کھانا تیار کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ دودھ والی بکری ہرگز ذبح نہ کرنا چنانچہ انہوں نے بکری کی بچی یا بچہ ذبح کر دیا اور لاکر ان کی خدمت میں پیش فرمایا (یعنی بھوننے کے بعد) چنانچہ سب سے مل کر کھایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا کوئی خادم ہے؟ فرمایا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہمارے پاس (دشمن کے) قیدی آجائیں تو تم اس وقت میرے پاس آجانا (تاکہ تمہیں خادم دے دو) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف دو ہی غلام لائے گئے ان کے ساتھ تیسرا نہیں تھا چنانچہ ابوالہیثم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں میں جونسا چاہو لے لو، تو ابوالہیثم نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ ہی میرے لئے منتخب (وپسند) فرمالیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے (اسے اچھا مشورہ ہی دینا چاہئے لہٰذا) تم یہ والا لے جاؤ کیونکہ میں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں میری وصیت قبول کرو چنانچہ ابوالہیثم اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس (گھر) لوٹے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (وصیت وتاکید بد) کے بارے میں بتایا تو ان کی بیوی نے کہا تم وہ کام پورا نہیں کر سکو گے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق (اچھائی کا حکم) فرمایا ہے سوائے اس صورت کے کہ آپ اس کو آزاد کر دیں، ابوالہیثم نے فرمایا کہ وہ آزاد ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (معلوم ہونے پر) فرمایا کہ بے شک اللہ نے کسی نبی اور خلیفہ کو نہیں بھیجا مگر اس کے دو راز دار ہوتے ہیں، ایک راز دار وہ ہوتا ہے جو اسے بھلائی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے (یعنی مشورہ دیتا ہے) اور دوسرا راز دار اس کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا اور جسے بُرے راز دار سے محفوظ کیا گیا بے شک وہ (شر سے) بچا دیا گیا۔ (حسن صحیح)

قولہ: "والشاء" شاۃ کی جمع ہے۔ قولہ: "خَدَمَ" جمع ہے خادم کی۔ قولہ: "یستعذب" سین طلب کے لئے ہے عذب میٹھے پانی کو کہتے ہیں۔

قولہ: "یزعبها" بھرا ہوا مشکیزہ چونکہ کندھے سے پھسل جاتا ہے اس لئے اسے بار بار اوپر کی طرف کھینچنا پڑتا ہے عموماً مشک بردار آدمی کو اسے نیچے سے اوپر کی طرف جھٹکا دھکا دینا پڑتا ہے۔

قولہ: "یلتزم" یہاں التزام سے مراد انتہائی خوشی سے لپٹ جانا ہے۔

قولہ: "بِقِنوِ" قنو بکسر القاف پختہ کھجوروں سے بھرا ہوا گچھا۔

قولہ: "تنقیت" اِنتقاہ وتَنَقّاہ بمعنی پسند کرنے کے یعنی تم خود ہی ہمارے لئے اس میں سے اچھی اچھی اور پختہ کھجور توڑتے تو سارا گچھا ضائع نہ ہوتا۔

قولہ: "ذات دَرّ" دَر دودھ کو کہتے ہیں ذات در یعنی دودھ والی۔

قولہ: "عَناقاً" بروزن سحاباً بکری کی بچی "جدیاً" بچے یعنی نر (بکرے) کو کہتے ہیں دونوں کے درمیان لفظ "او" راوی کے شک کے لئے ہے۔

قولہ: "سَبیّ" قیدیوں کو کہتے ہیں عموماً اس لفظ کا اطلاق عورتوں پر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ دلوں کو اسیر بناتی ہیں "برأسین" یعنی غلامین۔

قولہ: "اِستوصِ به" اس کے بارے میں میری وصیت مانو اور قبول کرو۔

قولہ: "بِطانة" بکسر الباء بطن سے بمعنی پوشیدہ کے استر کو بھی کہتے ہیں اور ہم راز و مصاحب کو بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی مراد ہیں، مراد فرشتہ اور شیطان ہے بعض نے کہا کہ نفس لوامہ وامارہ بالسوء ہے مگر اس کو عام رکھنا افضل ہے یعنی اچھی قوت ومحرک اور بُری۔

قولہ: "لاتألوہ" لاتقصر کوتاہی نہیں کرتا یعنی موقع ضائع نہیں ہونے دیتا ہے۔ **قولہ: "خبالا"** فساد، بگاڑ اور نقصان کو کہتے ہیں "فقدوقی' ای الشر۔ مشکوۃ ص:۱۸ باب فی الوسوسۃ میں مسلم کی حدیث ہے:

مامنکم من احدالاوقدوُکِلَ به قرینه من الجن وقرینه من الملائکة قالوا وایاکَ یارسول اللّٰه؟قال وایای ولکن اللّٰه اعاننی علیه فاسلم فلایأمرنی الا بخیر".

لہٰذا حدیث باب کے آخری جملہ سے کوئی وہم پیدا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی والعیاذ باللہ وسوسے آتے ہوں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محفوظ بلکہ معصوم بنادیا گیا تھا۔ حدیث میں خلیفہ سے مراد نبی کا جانشین ہے۔

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں: (۱) اپنے آرام کے لئے کوئی وقت مختص کرنا اور اس میں لوگوں سے نہ ملنا جائز ہے بشرطیکہ وہ ٹائم بہت طویل نہ ہو جیسے آج کل بعض لوگوں نے معمول بنایا ہے۔ نیز یہاں یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ملتے تھے بلکہ یہ ہے کہ لوگ نہیں ملتے تھے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ وقت آپ علیہ السلام کے آرام کا ہے، لہٰذا ملاقات کرنے والے کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (۲) اس سے حضرات شیخین کے درمیان فرق مراتب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ان کے جواب سے نمایاں ہے۔ (۳) اپنی بھوک یا کسی دیگر تکلیف کا اظہار جائز ہے بشرطیکہ شکوہ کے طور پر نہ ہو بلکہ کسی مصلحت کے پیش نظر ہو مثلاً کسی کی تسلی کے لئے کہ تجھ جیسی حالت تو میری بھی ہے لہٰذا ہمیں صبر کرنا چاہئے یا اس کے ازالہ کی غرض سے وغیرہ۔ (۴) بغیر دعوت کے بھی کسی بااعتماد شخص کے گھر جانا جائز ہے یعنی بشرطیکہ اسے تکلیف نہ ہو اور جانے والوں کی تحقیر نہ کرتا ہو بلکہ اسے خوشی ہوتی ہو۔ (۵) اگر یہ واقعہ پردے کے نزول کے بعد کا ہے تو اس سے بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت اجنبیہ کے ساتھ بات کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ (۶) اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو عورت اپنے شوہر کے مہمانوں کو گھر میں کچھ دیر کے لئے یعنی جب شوہر کی آمد قریب ہو بٹھا سکتی ہے بشرطیکہ ان کے الگ بٹھانے اور پردے کا محفوظ انتظام ہو، اور شوہر کی رضا معلوم ہو۔ (۷) معزز مہمان کی آمد پر خصوصاً اور عام مہمان کے آنے پر عموماً خوشی کا اظہار کرنا چاہئے۔ (۸) فوری طور پر کچھ نہ کچھ ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہئے۔ اور یہ انتظام ان سے

Maktaba Tul Ishaat.com

پوچھے بغیر کرنا چاہئے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیت ہے: ''فراغ الیٰ اھلہ فجاء بعجل سمین'' ہاں البتہ اگر ان کا منشاء معلوم کرنا ہو اور بے تکلفی بھی ہو تو وہ الگ بات ہے۔ (۹) عمدہ کھانا پیش کرنا چاہئے۔ (۱۰) مہمان کو چاہئے کہ میزبان کو زیادہ نقصان اٹھانے سے بچانے کی کوشش کرے۔ (۱۱) مناسب وقت پر میزبان کی مہمان نوازی کا عملی شکریہ یعنی کچھ سلوک کرنا چاہئے۔ (۱۲) اور یہ کہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ آداب برائے مہمان اور ضیافت کے آداب راقم نے نقش اخلاق یا نقش قدم کامل میں: ''آداب ضیافت'' میں ذکر کئے ہیں تفصیل درکار ہو تو رجوع فرمائیں (چوتھا باب حصہ دوم ص: ۴۲۳)۔ (۱۳) مشورے کی وجہ بھی بتانی چاہئے: ''فانی رأیتہ یصلی'' یعنی گرفتاری کے بعد مسلمان ہوا ہے۔

حدیث آخر: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹ (پر بندھے ہوئے) ایک ایک پتھر سے کپڑا (دامن) اٹھا کر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بندھے ہوئے) دو پتھروں سے کپڑا اٹھایا۔ (غریب)

مطلب و تقدیر عبارت اس طرح ہے: ''کشفنا ثیابنا عن بطوننا کشفاً صادراً عن حجر حجر''۔ (تحفۃ الاحوذی) چونکہ جمع بمقابلہ جمع توزیع کے لئے آتی ہے جیسے لبسوا ثیابھم ورکبوا دوابھم یعنی اپنے اپنے کپڑے پہن کر اپنی اپنی سواری پر سوار ہو گئے لہٰذا یہاں مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک نے ایک ایک پتھر باندھا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیا رفعنا متضمن ہے معنی کشف کو اس لئے صلہ میں عن آنا قابل اعتراض نہ ہوا۔

جدید تحقیق کے مطابق معدہ کے اندر کچھ حسی خلیے ہیں جن کو ریسپٹر کہتے ہیں یہ نظام ہضم کا اہم ترین عنصر ہیں چنانچہ جب ان پر دباؤ پڑتا ہے تو اس سے بھوک اور پیاس کا احساس ختم یا کم ہو جاتا ہے چنانچہ جب بھوکا شخص کھانا کھاتا ہے یا پیاسا پانی پیتا ہے تو اس کی تحلیل سے بھوک و پیاس کا احساس فوراً ختم ہو جاتا ہے پتھر وغیرہ باندھنے سے بھی ان خلیوں پر دباؤ آجاتا ہے اور بھوک کا احساس کم ہو جاتا ہے۔

حدیث آخر: حضرت سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کیا تم لوگ کھانے پینے کی آسودگی میں نہیں ہو؟ جیسا تم چاہتے ہو (ویسا ہی کھاتے ہو) جبکہ میں نے آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جن کو ردی کھجور بھی اتنی نہ ملتی جو آپ کے پیٹ کو بھر دیتی۔ (حسن صحیح)

حضرت نعمان کا خطاب یا تو متاخرین صحابہ کرامؓ سے ہے یا تابعین آپ کے مخاطب ہیں، یہ بھی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوسکتا ہے کہ مجمع میں دونوں قسم کے حضرات موجود ہوں۔

قولہ: "نبیکم" میں نبی کی اضافت ضمیر مخاطب کی طرف ان کو احساس دلانے کے لئے ہے کہ تم لوگوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں کوتاہی برتنا شروع کی ہے اور عیش وعشرت کی طرف بڑھنے لگے ہو۔

قولہ: "دقل" "بفتحتین" خشک اور ردی کھجور کو کہتے ہیں جو سب سے زیادہ سستی ہوتی ہے، غرض آپ لوگ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی کو ملحوظ رکھیں وہ پیٹ بھر کر معمولی غذا جیسے دقل وغیرہ بھی نہیں کھا سکتے تھے جبکہ تم لوگ آج ہر قسم کی نعمتوں میں گھرے ہوئے ہو، آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مال جمع کرنے کا شوق نہ تھا بلکہ ایثار کا جذبہ تھا اور اتنا کہ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ خرچ فرماتے، مگر تم دنیا جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہو جس سے لگتا ہے کہ تم لوگوں نے اپنا نصب العین تبدیل کر دیا ہے، یہ سب بطور توبیخ کے ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں متعدد احادیث ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگی کا ایک اہم باب ہمارے سامنے کھول دیا ہے جس سے ہمیں ان مقدس ہستیوں کی طرز زندگی سمجھنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے، عاقل کے لئے تو اشارہ بھی کافی ہوتا ہے جبکہ مصنف نے تو ہمارے سامنے مینار کھڑا کر دیا ہے اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر دے تو اسے تو پہاڑ بھی نظر نہیں آسکتا، بہرحال ان حضرات نے اسلام کا فلسفہ صحیح معنوں میں سمجھا تھا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ یہ فلسفہ محض تصوراتی حیات کا تخیل نہیں بلکہ قابل عمل اور الباقیات الصالحات کے تناول وحصول کی بہترین حکمت نظری وحکمت عملی پر مشتمل ہے صحابہ کرامؓ دنیا کے حکمران بننے کے باوجود اور دنیا کا ان کے دامن میں کودنے کے باوجود دنیا ودولت کے تابع نہ بنے بلکہ دنیا ہمیشہ ان کی تابع بنی پہلے دنیا نے نخرے دکھائے تاکہ صحابہ کرام کے سینوں میں اس کی قدر بڑھے جیسے حسین عورت کے نخرے ہوتے ہیں مگر جب صحابہ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا تو وہ خود روتی ہوئی ان کی قدم بوسی کرنے لگی، پھر انہوں نے اس کے ساتھ لونڈی جیسا سلوک کیا، مگر آج ہماری حالت یہ ہوئی کہ ہم نے دنیا کی قدم بوسی، چاپلوسی بلکہ اگر میں یوں کہوں کہ اکثریت نے پرستش کی تو مبالغہ نہیں ہوگا تو دنیا ہم سے وہ سب کچھ منوانے میں کامیاب ہوئی جو ایک بدعمل، مکار حسین عورت اپنے چاہنے والے سے منواتی ہے۔ فیا أسفا علی ہذا

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء ان الغِنٰی غِنَی النفس

(اصل بے نیازی دل کی ہوتی ہے) (تونگری بہ دل است)

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :لیس الغِنٰی عن کثرة العرض ولکن الغِنٰی غِنی النفس". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تونگری (دولت مندی) زیادہ ساز وسامان سے نہیں بلکہ اصل بے نیازی تو دل کی تونگری ہے۔

تشریح:۔ غِنا بکسر العین مالداری جس کی وجہ سے آدمی دوسروں کا محتاج نہیں رہتا بلکہ بے نیاز ومستغنی ہوجاتا ہے "عرض" سامان ومتاع کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ آدمی کے پاس مال نہیں ہوتا مگر اس کا دل اس حالت پر مطمئن رہتا ہے کہ اس کے حصے میں صرف وہی آئے گا جو اللہ نے مقدر فرمایا ہے اس لئے وہ نہ تو اس حالت پر زیادہ پریشان رہتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی چیزوں کی طمع رکھتا ہے اس کے برعکس بہت سے لوگ مالدار ہونے کے باوجود مزید دولت کمانے کے لئے بے چین اور ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں اسی حالت میں دنیا سے چلے جاتے ہیں تو کیا فائدہ ہوا ان کی کثرۃ مال کا؟

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اگر آدمی تمام زمین کی چیزوں کو حاصل کرے مگر نیت خدا ہی کی خاطر ہو تو وہ زاہد ہی رہے گا، جبکہ دنیا کی تمام چیزیں چھوڑنے والے کی نیت اگر خدا کے واسطے نہ ہو تو وہ زاہد نہیں ہوگا، لہٰذا دل دنیا میں نہیں ڈوبنا چاہئے، مولانا رومی رحمہ اللہ نے مثال دی ہے کہ اگر کشتی پانی کے اوپر اوپر چلتی رہے تو محفوظ ہوگی لیکن اگر پانی اس کے اندر چلا جائے تو یقیناً وہ ڈوب جائے گی:

"ولاتحبوا الدنیا فتکونوا من الخاسرین"۔

باب ماجاء فی اخذ المال بحقّه

(مال کمانے کا طریقہ)

"ان هذا المال خضرة حلوة من اصابه بحقه بورک له فیه، ورُبَّ مُتَخَوِّضٍ فیما

Maktaba Tul Ishaat.com

شاء ت به نفسه من مال الله ورسوله ليس له يوم القيٰمة اِلّا النار". (حسن صحيح)

یہ مال ہرا، ہرا، میٹھا میٹھا ہے، جس نے اس کو جائز طریقہ سے لیا تو اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی اور بسا اوقات وہ گھسنے والا اللہ اور اس کے رسول کے مال میں (اپنی مرضی کے مطابق) جیسا اس کا دل کرے، قیامت کے روز اس کے لئے آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

تشریح:۔ یہاں مال سے مراد دنیا ہے اس کو سبز اور میٹھا کہنا باعتبار تشبیہ کے ہے کہ جس طرح سبز وشاداب منظر جاذب نظر اور دلکش ہوتا ہے اسی طرح دنیا بھی حسین وعزیز لگتی ہے پس جو شخص بقدر حاجت، بقدر کفایت اور جائز طریقہ سے لے گا اس کے حق میں دنیا مفید ثابت ہوگی کیونکہ وہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرے گا اور عبادات میں معاون ثابت ہوگی، مگر جو شخص اس میں بے ہنگم تصرف کرے گا وہ قیامت کے دن ہلاک ہوگا کیونکہ ایسے میں دنیا زہر کے سوا کچھ بھی نہیں تو جس طرح سانپ کو سپیرا ہاتھ لگا سکتا ہے اور ناڑی اس سے مرجاتا ہے اسی طرح حال دنیا کا ہے، اس مضمون کی حدیث پہلے گذری ہے۔

قولہ: "متخوض" خوض سے بمعنی پانی میں گھسنے کے آتا ہے لیکن یہاں مراد تصرف ہے البتہ اس میں ایک باریک تشبیہ ہے کہ جس طرح آدمی دنیا میں دولت ودنیا کے اندر گھسنا اپنا مقصد بناتا ہے اور جائز وناجائز کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تو اسی طرح وہ قیامت کے دن آگ میں گھسے گا۔ اعاذنا اللہ منھا

اوپر متنِ حدیث میں مال کی اضافت آپ علیہ السلام کی طرف اگرچہ بیت المال کی طرف مشیر ہے مگر یہاں بیت المال کے علاوہ عام مال بھی لینا درست ہے جیسا کہ تشریح میں گذرا ہے یعنی بے جا سوال کرنا، ہر طرح کی کمائی اور خرچ کو شامل ہے۔

باب

"لُعِنَ عبدُالدينار لُعِنَ عبدُالدرهم". (حسن غريب)

یعنی دینار اور درھم کا بندہ ملعون ہے۔

چونکہ دنیاوی مال ومتاع میں بنیادی کردار پیسوں کا ہے اس لئے دینار ودرھم کی تخصیص کی گئی ورنہ مراد اس سے مطلق دُنیا اور تعیش ہے، دنیا کی عبدیت وغلامی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی اپنی ساری زندگی اور ساری توانائی اس کے درپے کردے، اس سے بقدر ضرورت لینے کی مذمت ثابت نہیں ہوتی، قال اللہ: "أرأيت

Maktaba Tul Ishaat.com

من اتخذ الٰهه هواهُ" ط (الفرقان آیت:۴۳) بھلا دیکھ تو اس کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا، یعنی خواہش پرستی کا عالم یہ ہو جیسے وہی ان کا معبود ہے اس کی ایسے مانتے ہیں جیسے خدا کا ماننا چاہئے ایسے لوگ ملعون نہیں تو کیا ہیں؟ حفظنا اللہ

باب

"ماذئبان جائعان أرسلافي غنم بأفسدلهامن حرص المرء على المال والشرف لِدِينه". (حسن صحيح)

وہ دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں ان (بکریوں) کے لئے، آدمی کے حُب مال وجاہ کی اس کی دینی تباہی سے زیادہ تباہ کن نہیں ہیں۔

تشریح:۔ شرف سے مراد جاہ وعزت ہے اور "لدینه" جار مجرور "بِافسَدَ" کے ساتھ متعلق ہے یعنی آدمی کی یہ دو خصلتیں جو حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ ہیں دین کو ان دو بھوکے بھیڑیوں سے بھی زیادہ تباہ کر دیتی ہیں جو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں آزاد چھوڑ دیئے جائیں حالانکہ بھیڑیا اتنا حریص ہوتا ہے کہ اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں یہ سب بکریاں بھاگ نہ جائیں پہلے ان کو جان سے مارنے کی کوشش کرتا ہے اور جو رہ جاتی ہیں وہ بھاگ نکلتی ہیں اس طرح سارا ریوڑ تتر بتر ہو جاتا ہے مگر حبِّ مال وحب جاہ دونوں آدمی کے دین کو ان بھیڑیوں سے بھی زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔

حب مال وجاہ اور دیگر رذائل اخلاق کی تفصیل راقم نے نقش قدم میں دی ہے فمن شاء التفصیل فلیراجع۔

باب

"عن عبدالله قال نامَ رسول الله صلى الله عليه وسلم على حصير فقامَ وقداثَّرَ في جنبه فقلنا: يارسول الله الو اتخذنالك وِطَاءً؟ فقال: مالي وللدنيا؟ ماانافي الدنيا إلا كراكب استظل تحت شجرةٍ ثم رَاحَ وتركها". (صحيح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے پس جب اُٹھے تو پہلو پر چٹائی نے نشانات بنا لیئے تھے، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اگر ہم آپ کے لئے بساط بنا (کر بچھا) لیتے (تو اچھا ہوتا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا مطلب؟؟؟ میں دنیا میں

Maktaba Tul Ishaat.com

بس ایسا ہی ہوں جیسے ایک سوار (مسافر) ہوتا ہے جو کسی درخت کے نیچے سایہ (آرام) حاصل کرنے کے لئے رُکے اور پھر چل پڑے اور اسے (درخت کو) چھوڑ دے۔

تشریح:۔لفظ ''لو'' یہاں پر بمعنی شرط زیادہ مناسب ہے بنسبت تمنائی کے۔

قولہ: ''وطاء'' سحاب اور کتاب دونوں وزنوں پر آسکتا ہے، فرش جیسے بستر وغیرہ کو کہتے ہیں، ابن مسعودؓ کے عرض کرنے کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ اگر ہم ایسا کرتے تو آپ کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، جبکہ جواب کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال ایک سایہ دار درخت کی سی ہے اور مومن کی مثال ایک مسافر کی مانند ہے مسافر اگلی منزل کے سفر کی غرض سے تازہ دم ہونے کے لئے درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لئے اتر کر قیلولہ کرتا ہے وہ وہاں مستقل پڑاؤ نہیں کرتا کیونکہ زیادہ آرام سفر میں سستی کا باعث بنتا ہے۔راقم کو اس کا تجربہ ہے کہ جب ہم گرمیوں میں صبح سے شام تک گھاس کاٹتے تو دوپہر کو کھانے کے بعد جب جلدی کام شروع کرتے تو ٹھیک رہتے جبکہ زیادہ دیر تک سایہ کے نیچے بیٹھنے سے سُست ہو جاتے اور پھر اٹھنے کی ہمت نہ رہتی۔چنانچہ مشاہدہ ہے کہ ائر کنڈیشنڈ کمروں میں نرم بستروں پر محوِ خواب لوگ عموماً تہجد بلکہ صبح کی جماعت سے رہ جاتے ہیں اِلّا ماشاء اللہ وقلیل ماھم۔

غرض، عرضِ دنیا وراحت طلبی سفرِ آخرت یعنی عبادت کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔اپنی ہمت کے مطابق اس سے بچنا چاہئے۔وبقدر الکد تُکتسبُ المعالی

باب

دوستی کا اثر

''الرجل علیٰ دین خلیله فلینظر احدکم من یُخالِل ؟(حسن غریب)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے؟

تشریح:۔ترمذی کے حاشیہ قوت المغتذی پر سراج الدین قزوینی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی ذمہ داری موسیٰ بن وردان پر ڈالی گئی ہے لیکن یہ تأثر ٹھیک نہیں یہ حدیث کم از کم حسن ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے جبکہ اس کا مضمون بالکل صحیح ہے کیونکہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۱) صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

(۲) پسر نوح چوں بابداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد

مجرب ہے۔صحبت کے اثرات پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں ،راقم نے بھی نقش قدم میں اس پر تھوڑا سا لکھا ہے، بہرحال دوستی میں اچھے دوست کا انتخاب انتہائی اہم اور لازمی امر ہے ہر کس وناکس سے مراسم رکھنے سے آخرت کی تباہی ممکن ہے۔

باب

دنیا فانی اور عمل خیر جاویدانی ہے

"یتبع المیتَ ثلاث فیرجع اثنان ویبقیٰ واحد،یتبعه اهلُه ومالُه وعملُه ،فیرجع اهلُه ومالُه ویبقیٰ عملُه".(حسن صحیح)

تین چیزیں میت کی پیچھے چلتی ہیں پس دو تو لوٹ کر واپس آجاتی ہیں جبکہ ایک رہ جاتی ہے چنانچہ اس کے اہل ومال اور عمل اس کے ساتھ (پیچھے) جاتے ہیں تو اس کے اہل ومال تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل (اس کے ساتھ قبر میں) باقی رہ جاتا ہے۔

اس حدیث پاک میں ایک اہم مضمون کو ذکر فرمایا ہے کہ جب آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے مال وعیال جیسے اَقربہ واَحبّہ ،کا نفع اس کی قبر تک رہتا ہے مال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے لوگ تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح اس کے دوستوں کا حلقہ قائم ہو جاتا ہے دور، دور کے رشتہ دار قریبی رشتہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ سب لوگ دفن تک اس کا ساتھ دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی گاڑیاں اس کے ساتھ قبرستان تک جاسکتی ہیں جب وارث واپس آجاتے ہیں تو اس کے مال (میراث) کو تقسیم کر کے اس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ لوگ اس کو بھول جاتے ہیں ۔سوائے صدقہ جاریہ اور دعا گو نیک اولاد کے،مگر وہ بھی عمل میں داخل ہیں ۔یہ تیسری چیز یعنی اس آدمی کا عمل اس کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے قبر میں بھی اور حشر میں بھی لہٰذا ہر عاقل کو چاہئے کہ وہ خود ہی فیصلہ کر لے کہ وہ ان تینوں دوستوں میں سے کس کو زیادہ اہم

Maktaba Tul Ishaat.com

سمجھے اور کس پر زیادہ اعتماد کرے، رشتہ داروں پر؟ مال پر؟ یا عمل پر پھر اسے جو زیادہ نفع بخش اور مفید لگے اس کی طرف زیادہ توجہ دے۔

باب ماجاء فی کراهية كثرة الأكل

زیادہ کھانا مکروہ ہے

"مَامَلَأَ ادمیٌّ وِعاءً شَرّاً من بطن، بحسب ابن ادم أُكُلاتٌ يُقِمن صُلبَه فان كان لامحالة فَثُلثٌ لِطعامه وثُلثٌ لِشرابه وثُلثٌ لِنَفَسِه". (حسن صحيح)

انسان نے پیٹ سے زیادہ بُرا کوئی ظرف نہیں بھرا، آدمی کے لئے تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، لیکن اگر زیادہ ہی ناگزیر ہے تو (پھر) ایک تہائی (معدہ) اس کے کھانے کے لئے ہو اور ایک تہائی پینے کے لئے ہو اور ایک تہائی سانس لینے کے لئے ہونا چاہئے۔

تشریح:۔ قولہ: "بحسب الخ" اس میں باء زائدہ ہے اور حسب بمعنی کفایۃ وکافی کے ہے جبکہ اُکُلات بضمتین اس کی خبر ہے اکلات اُکلۃ بضم الہمزہ وسکون الکاف کی جمع ہے نوالہ کو کہتے ہیں جیسا کہ حاشیہ میں ہے۔

قولہ: "فان كان لامحالة" یعنی اگر پیٹ بھرنا لازمی سمجھے تو پھر سارا پیٹ نہ بھرے بلکہ بقدر ایک تہائی کے کھائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ کھانا مکروہ ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمایا ہے، پہلے بھی یہ مسئلہ گذرا ہے، فلیراجع خلاصہ یہ ہے کہ بذاتِ خود زیادہ کھانا معیوب ہے البتہ غرض محمود کے تحت پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے جیسے سحری زیادہ کھانے سے مراد تقویت علی العبادۃ کا حصول ہو یا مہمان کے ساتھ وغیرہ، الاشباہ والنظائر میں ہے:

"وقالوا الاكل فوق الشبع حرام بقصد الشهوة وان قصدبه التَّقَوِّیَ على الصوم اومؤاكلةَ الضيف فمستحب". (ص:۳۳ قدیمی کتب خانہ)

بعض نام نہاد حکماء نے اس حدیث پر اعتراض کیا تھا کہ انسان تو عناصر اربعہ سے مرکب ہے جبکہ اس حدیث میں چوتھے عنصر یعنی آگ کا ذکر نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آگ کے عنصر ہونے میں حکمائے اشراقین ومشائین کا اختلاف تو تھا ہی مگر جدید سائنس کے تمام ماہرین اس پر متفق ہیں کہ آگ بذات خود کوئی

Maktaba Tul Ishaat.com

عنصر نہیں بلکہ ایک قوت ہے جو کسی مادہ سے نکلتی ہے۔

بہر حال حدیث باب میں زیادہ کھانے کو ناپسند کیا گیا ہے، اس کے مفاسد کا بیان تشریحات میں پہلے گذرا ہے۔ آج کل جدید بیماریاں مثلاً شوگر وغیرہ زیادہ کھانے سے جنم لیتی ہیں۔ اخلاقی عیوب اس کے علاوہ ہیں کیونکہ اس سے بہیمیت بڑھتی ہے اور قوت ملکیہ کمزور ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء فی الریاء و السُمعة

(دکھاوے اور شہرت پسندی کا بیان)

"من یُرَائی ،یُرائِیَ اللّٰہ بہ ومن یُسَمِّع یُسَمِّع اللّٰہُ بہ". (حسن غریب)

جو شخص (اپنے اعمال لوگوں کو) دکھاتا ہے اللہ (قیامت کے روز) اس (کے عیوب و باطن) کو ظاہر فرمائیں گے اور جو شخص (لوگوں کو) سُناتا ہے (یعنی اپنے کسی قول و عمل سے شہرت چاہتا ہے) تو اللہ (قیامت کے دن) اس (کے عیوب) کی تشہیر فرمائیں گے۔ اور آپ علیہ السلام نے فرمایا جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم نہیں فرماتے۔ (حسن غریب)

تشریح:۔ "یُرائِی اور یُسمِّع" دونوں معتدی افعال ہیں تاہم پہلا باب افعال سے اور دوسرا باب تفعیل سے ہے۔ حدیث کا مطلب یا تو وہ ہے جو اوپر ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یعنی جو شخص اپنی نیکیوں سے دنیوی شہرت کا متلاشی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب لوگوں پر ظاہر فرمائیں گے تاکہ سب لوگوں کے سامنے اس کی رسوائی ہو اور اس کی دنیوی عزت اُخروی ذلت میں تبدیل ہو۔

یا پھر مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیوی شہرت کے حصول کے لئے نیک اعمال کو سیڑھی بنائے گا تو اس کو دنیا میں شہرت تو ملے گی مگر یہی اس کی جزاء بن جائے گی اور وہ اُخروی ثمرات وثواب سے محروم کر دیا جائے گا جیسا کہ باب کی اگلی طویل حدیث میں ہے۔ اور سورۂ ھود کی آیت نمبر ۱۵، ۱۶ کے ظاہر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

"من کان یرید الحیٰوۃَ الدنیا وزینتھا نُوَفِّ اِلیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لایُبخسون 0 اولئکَ الذین لیس لھم فی الآخرۃ اِلّا النار وحبط ماصنعوا فیھا وبٰطِل ماکانوا یعملون 0"

اگرچہ اس آیت کا مصداق یہود یا منافقین ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث کے یہی دو مطلب ظاہر ہیں اگر چہ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ بہر حال اس سے اخلاص کی قدر کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث شُفَیّا:۔ حضرت شُفَیّا الاصبحی نے عقبہ بن مسلم کو یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ (شفیا) مدینہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگ جمع ہیں شفیا نے پوچھا یہ شخص کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ابو ہریرہ ہیں تو میں (یعنی شفیا) اس کے قریب گیا یہاں تک کہ اُن کے آگے بیٹھ گیا جبکہ آپ لوگوں کو حدیث بیان فرمارہے تھے پس جب ابو ہریرہ خاموش ہو گئے اور تنہا رہ گئے (یعنی لوگ چلے گئے) تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے صحیح صحیح بات پوچھتا ہوں کہ آپ مجھے وہی حدیث سُنایئے جو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہو اور سمجھی ہو اور وہ آپ کو یاد بھی ہو تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا: میں ایسا ہی کرتا ہوں، میں تجھے ایسی ہی حدیث سُناتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائی ہے اور جسے میں نے سمجھ لیا ہے اور یاد کیا ہے، پھر ابو ہریرہ سسکیاں لے کر بے ہوش ہو گئے (یعنی محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے یا آخرت کے ہولناک منظر کے ذہن میں گردش کرنے سے) تھوڑی دیر کے بعد پھر ہوش میں آکر کہنے لگے میں تجھے ایسی حدیث سُناتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس گھر میں بیان کیا ہے جبکہ ہمارے ساتھ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ تھا۔ اور پھر ابو ہریرہؓ سسکیاں بھرتے ہوئے زیادہ بے ہوش ہو گئے، پھر ان کو افاقہ ہوا اور اپنے چہرے کو پونچھ لیا اور فرمایا میں تیرا کام کرتا ہوں میں تجھے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائی تھی، میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں اکیلے تھے ہمارے ساتھ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی نہ تھا، اور پھر اس کے ساتھ ابو ہریرہ بہت زیادہ سسکیاں لیتے ہوئے بے ہوش ہو گئے اور مُنہ کے بل جھک کر گرنے لگے تو میں نے ان کو کافی دیر تک سہارا دیا چنانچہ وہ پھر ہوش میں آگئے، تو فرمانے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کی طرف (اپنی شان کے مطابق) نزول فرمائیں گے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں اور ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی پس سب سے پہلے وہ جس کو (حساب کے لئے) بُلائیں گے وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس نے قرآن یاد کیا ہوگا اور نمبر ۲ ایک ایسا شخص ہوگا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جاچکا ہوگا اور نمبر ۳ ایک مالدار شخص ہوگا چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس قاری سے فرمائیں گے، کیا میں نے تجھے اس (قرآن) کا عالم نہیں بنایا تھا جو میں نے اپنے رسول پر اُتارا تھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! (یعنی بے شک تو نے مجھے علم

Maktaba Tul Ishaat.com

قرآنی سے نوازا تھا) اللہ عزوجل فرمائیں گے تو پھر تو نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ وہ قاری کہے گا میں دن رات کے اوقات میں اس قرآن کے ساتھ لگا رہتا تھا (یعنی پڑھنے پڑھانے اور نماز میں قرأت وغیرہ میں مشغول رہتا) پس اللہ اس سے فرمائیں گے تم نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو اللہ فرمائیں گے کہ تمہاری چاہت تو یہ تھی کہ کہا جائے (یعنی یہ چرچا ہو) کہ فلاں شخص قاری ہے، پس وہ گفتگو تو ہو چکی (یعنی تجھے دنیا میں شہرت مل گئی) اور مالدار کو پیش کیا جائے گا تو اس سے اللہ فرمائیں گے کیا میں نے تجھے مال کی فراوانی نہیں دی تھی؟ یہاں تک کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہیں چھوڑا؟ وہ عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب! تو اللہ فرمائیں گے پس تو نے میرے دیئے ہوئے میں کیا کیا تصرف کیا تھا؟ وہ کہے گا کہ میں نے صلہ رحمی کی اور صدقات دیتا رہا! اللہ اس سے فرمائیں گے تم نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے، اللہ فرمائیں گے کہ تیرا مطلب (اس خرچ سے) یہ تھا کہ یہ چرچا ہو کہ فلاں سخی ہے تو ایسا ہو گیا ہے (یعنی دنیا میں) اور اس کے ساتھ وہ (تیسرا) شخص بھی لایا جائے گا جو جہاد میں مارا گیا ہوگا اللہ اس سے فرمائیں گے کہ تم کس لئے مارا گیا تھا؟ وہ کہے گا کہ تو نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میں لڑتا رہا یہاں تک کہ قتل کیا گیا، اللہ اس سے فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ بنایا اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تم نے جھوٹ بنایا ہے اللہ فرمائیں گے بلکہ تیری غرض یہ تھی کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے پس وہ بات کی گئی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابو ہریرہؓ! اللہ کی مخلوق میں یہ تینوں وہ پہلے لوگ ہوں گے جن سے قیامت کے روز دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔

ولید ابو عثمان مدائنی فرماتے ہیں کہ عقبہ نے مجھے (یہ بھی) بتلایا کہ شُفَیّ ہی وہ شخص ہیں جو حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان کو یہ حدیث سُنائی، ابو عثمان فرماتے ہیں کہ علاء بن ابی حکیم نے مجھے بتایا کہ وہ (یعنی علاء بن ابی حکیم) حضرت معاویہؓ کے جلاد تھے چنانچہ علاء بن ابی حکیم کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کے پاس (دربار میں) ایک آدمی (شُفَیّ) داخل ہوا (چونکہ علاء شُفَیّ کو نہیں جانتے تھے اس لئے نام کے بجائے رجل کہا) اور ان کو ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث بیان کی تو امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ معاملہ تو ان تینوں کا ہوا باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ پھر حضرت معاویہؓ بہت زیادہ روئے حتیٰ کہ ہم تو یہ سمجھے کہ اب یہ فوت ہو جائیں گے اور ہم نے (آپس میں یا دلوں میں) کہا کہ یہ شخص (شفیا) ایک خطرناک خبر لے کر آیا پھر حضرت معاویہؓ کو افاقہ ہوا اور چہرے کو پونچھ لیا اور فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے: ''من کان یرید الحیٰوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم

Maktaba Tul Ishaat.com

فیھا"۔الآیۃ (ہود آیت:۱۵،۱۶)

جس شخص نے زندگانی دنیا اور اس کی رونق ہی کو مقصد بنالیا تو ہم ان کے اعمال خیر کا صلہ (دنیا ہی میں) پورا پورا دیتے ہیں اور (دنیا میں) اس کے صلہ میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (سو) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں نار جہنم کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے عمل خیر کیا، آخرت میں سب ضائع ہوگا۔ (حسن غریب)

تشریح:۔**قولہ:** "شُفَیٌّ" تصغیر کا صیغہ ہے۔**قولہ:** "بحق وبحق" تکرار برائے تاکید ہے اور بازائد ہے۔ **قولہ:** "لَمّا" بمعنی "اِلّا" کے ہے۔

قولہ: "نَشَعَ" لمبے سانس، اور سسکیاں بھرنے کو کہتے ہیں۔**قولہ:** "جاثیۃ" گھٹنوں کے بل سرنگوں کو کہتے ہیں۔

قولہ: "خاراً" خرور سے بمعنی گرنے کے ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا کہ یہ آیت دراصل کافروں یا منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر حضرت معاویہؓ کا اس سے استدلال باعتبار عموم الفاظ کے ہے یعنی ریاکار حسب ریا اپنے نیک اعمال کے ثمرات سے محروم ہوں گے کفار بالکلیہ اور مؤمن حروم ہوں گے جبکہ اہل ایمان اخلاص کی کمی کے بقدر واللہ اعلم۔ تاہم مؤمنین کے لئے اس کو خاصیت مفرد کہیں گے بہرحال باب کی احادیث سے ریا ودکھاوے کی قباحت بیّن طریقے سے معلوم ہوئی اور اخلاص کی قدر بھی اُجاگر ہوئی۔

باب

ریا کا تلخ ثمرہ

"تَعَوّذوا باللہ من جُبِّ الحُزن! قالوا یارسول اللہ ماجُبُّ الحُزن؟ قال وادٍ فی جھنم یتعوذ منہ جھنم کُلّ یوم مائۃ مرۃ،قیل یارسول اللہ ومن یدخلہ؟ قال القرّاء المراؤون باعمالھم". (غریب)

رنج کے بڑے کنویں (گڑھے) سے اللہ کی پناہ مانگو صحابہؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جس سے دوزخ بھی روزانہ سومرتبہ پناہ مانگتا ہے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! اس میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ فرمایا وہ قراء (عبادت گذار) جو اپنی

Maktaba Tul Ishaat.com

(قرأت و) عبادت میں ریا کار ہوں۔

تشریح:۔قولہ: "جُب" وہ بڑا کنواں یا گڑھا جو اوپر سے ڈھکا ہوا نہ ہو یہ لفظ گویا دار السلام کے مقابل ہے کہ جنت میں سلامتی وخوشی ہوگی جبکہ دوزخ میں اَلَم ورنج ہوگا۔

قولہ: "قرّاء" قاریٔ کی جمع ہے قرآن پڑھنے والے اور عالم کو بھی کہتے ہیں اور عبادت گذار کو بھی، یہاں تینوں معانی مراد ہیں یعنی جو شخص اپنی نیکی سے دنیوی فائدہ ہی حاصل کرنا چاہتا ہو خواہ وہ شہرت کی شکل میں ہو یا جاہ وعزت اور دولت کی صورت میں وہ اس عمل کے ثواب سے محروم ہوگا۔

بابٌ

"قال رجل یارسول اللّٰہ!الرجل یعمل العمل فیُسِرُّہ فاذااطُّلِعَ اَعجبہ ،قال ،قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم :لہ اجران اجر السِرّ واجر العلانیۃ".(غریب)

ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ایک شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اسے چھپاتا ہے تاہم جب اس کا پتہ چلتا ہے (یعنی کسی کو معلوم ہو جاتا ہے) تو اس کو خوشی ہوتی ہے (یعنی وہ اس شہرت پر خوش ہو جاتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے دگنا اجر ہے ایک پوشیدہ عمل کا اور دوسرا ظاہری عمل کا۔ (کیونکہ ہر ایک پہلو اچھی نیت پر مبنی ہے **وانماالاعمال بالنیات**)

تشریح:۔ اس حدیث پر بعض نسخوں میں ترجمۃ الباب "عمل السر" ہے یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی آئی ہے اور وہاں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے والے خود ابو ہریرہؓ ہیں۔

قولہ: "فیسرہ" سرور بمعنی خوشی سے نہیں بلکہ اسرار بمعنی چھپانے کے ہے یعنی باب افعال کے مضارع کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ عمل کرتے وقت نیت ریا کاری کی نہ ہو بلکہ دورانِ عمل یا بعد از عمل اس کا علم دوسروں کو ہو جاتا ہے۔

قولہ: "اَعجبہ" یہاں مراد اعجاب یا عجب ممنوع نہیں اور نہ ہی ریا والی خوشی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہیں لہٰذا وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گے اور موت کے بعد اس کا ذکر خیر کریں گے جو آخرت میں مفید ہوگا یا خوشی اس وجہ سے ہونی مراد ہے تاکہ لوگ اس عمل میں اس کی پیروی کریں اور یہ "من سَنّ سُنۃ حسنۃ کان لہ اجرھا واجر من عمِل بھا" کا مصداق بن جائے جیسا کہ امام

Maktaba Tul Ishaat.com

ترمذیؒ نے نقل کیا ہے ایسے شخص کو یقیناً دُہرا اجر ملتا ہے، اور اگر اطلاع پر خوشی دنیوی فائدہ کے لئے تو یہ عین ریا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم وترغیب یا کسی اور مصلحت کے پیشِ نظر عمل کا اظہار ممنوع نہیں بلکہ بعض دفعہ اس کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے خصوصاً فرائض وشعائر کا، ہاں نوافل میں اگر تعلیم وغیرہ مراد نہ ہو تو اخفاء افضل ہے۔

باب المرأمع من اَحَبَّ

(آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)

"المرأمع من اَحَبَّ وله ما اكتَسَبَ". (حسن غريب)

یعنی آدمی کا حشر اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے وہی ملے گا جو اس نے دوستی (کی غرض) سے حاصل کیا ہوگا۔

تشریح:۔ آخرت میں معیت ومفارقت کا دارومدار دنیوی محبت ومنافرت پر مبنی ہے یہاں کی دوستی وہاں کی معیت کو جنم دیتی ہے تاہم دنیا میں نیکوکاروں کی دوستی وہاں مزید مستحکم ومضبوط بنے گی جبکہ بدکاروں کی دنیوی دوستی آخرت میں لعن وطعن کا موجب بنے گی، غرض اچھے لوگوں سے دوستی اخروی دوستی کو مستلزم ہے اور ان سے نفرت ودوری آخرت میں دوری کو مستلزم ہے، پھر وہاں کی معیت دنیوی دوستی میں ملنے والے اثرات وثمرات کے تفاوت پر مبنی ہوگی جو شخص دنیا میں جتنے نیک ثمرات حاصل کرے گا وہ وہاں اسی تناسب سے دوست ومحبوب کے قریب ہونے میں کامیاب ہوگا، اگرچہ ان کے درجات ومنازل الگ الگ ہوں گے۔

حدیث انسؓ آخر:۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا اے اللہ کے رسول! قیامت کا وقوع کب ہوگا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کوئی جواب دیئے بغیر) نماز کے لئے کھڑے ہو گئے پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو فرمایا کہاں ہے وہ شخص جو قیامت کی آمد کے بارے میں پوچھ رہا تھا؟؟؟ وہ شخص کہنے لگا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ (جو اس کے آنے میں جلدی کرتے ہو؟) اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے نمازوں اور روزوں کے حوالے سے تو کوئی بڑی تیاری نہیں کی ہے (یعنی نوافل وغیرہ کا زیادہ اہتمام تو نہیں کیا ہے) البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور کرتا ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اسی

Maktaba Tul Ishaat.com

کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہو اور تم بھی اسی کے ساتھ ہوں گے جس سے تمہیں محبت ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد اس بات سے خوش جتنا خوش ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ (صحیح)

کیونکہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تھے جب ہی تو اپنی جانوں پر کھیلتے تھے اور اس فرمان میں زبردست خوش خبری تھی اس لئے سب خوش ہوئے۔

حدیث صفوان:۔ ایک بلند آواز گنوار آ کر کہنے لگا اے محمد! ایک آدمی کسی ایک قوم سے محبت تو کرتا ہے۔ تاہم وہ ابھی تک ان (قوم) سے ملا نہیں (تو کیا وہ ان سے پیچھے اور الگ ہی رہے گا؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی اسی کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (حدیث صحیح)

قولہ: "جھوری" بمعنی بلند اور زوردار کے ہے جیسا کہ عام دیہاتیوں کی زور سے بولنے کی عادت ہوتی ہے چونکہ وہ لوگ آداب سے عموماً مُعَرّیٰ ہوتے ہیں اس لئے آپ علیہ السلام کو اس بلند آوازی سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی پس رفع صوت کی علت ممانعت جو ایذاء وسوء اَدب ہے متحقق نہ ہوئی لہٰذا یہ رفع ممنوع میں داخل نہ ہوئی فلا اِشکال۔

ان صاحب کا مقصد یہ تھا کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ کرامؓ سے محبت تو بہت کرتا ہوں اور ان جیسا عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں جیسا کہ لفظ "لَمَّا" میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر میں ان جیسے عمل کرنے سے قاصر رہتا ہوں ہاں البتہ محبت میری سچی اور پکی ہے، آپ علیہ السلام کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ یہ محبت بھی جالب عمل اور مفید قرب ہے اس کی بدولت آدمی اپنے محبوبین کے مقام اور قرب کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے چونکہ اللہ والوں سے محبت کی بنیاد اللہ سے محبت پر قائم رہتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ محبت کرنے والوں کو اپنے قریب (لافی المکان) بُلا تا ہے اس لئے تمام محبین اور محبوبین حسب تفاوتِ محبت ایک دوسرے کی وساطت سے یا بلا واسطہ اللہ عزوجل رحمٰن ورحیم کے قریب رہیں گے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم اٰمین یارب العٰلمین

Maktaba Tul Ishaat.com

باب حسن الظن باللہ تعالیٰ

(اللہ تعالیٰ پر نیک گمان کرنے کا بیان)

"اِن اللہ تعالیٰ یقول اناعندظن عبدی بی وانامعه اذا دعانی". (حسن صحیح)

یہ حدیث قدسی ہے "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے میرے بارے میں گمان کے پاس (مطابق) ہوں اور میں اس کے پاس ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارے۔

تشریح:۔یعنی آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے جس طرح توقع ہوگی اور جیسا یقین ہوگا اس کے ساتھ اللہ عزوجل کا معاملہ بھی اسی طرح ہوگا جیسا کہ مشاہدہ ہے جب آدمی کا یقین ہوتا ہے کہ عزت وذلت دینے ولا صرف اللہ ہے، رزق عطا کرنے والا فقط اللہ، بیماری اور اس پر ثواب اسی کے دست قدرت میں ہے، غیبی مدد کرنے والا اور آہ سننے والا اور دعائیں قبول کرنے والا وہی ہے تو ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے، اس کے برعکس جس کی نظر مادی اسباب پر رہتی ہے تو وہ اسباب کا ہمیشہ محتاج رہتا ہے اس کا کام پھر بظاہر بغیر اسباب کے ہوتا نظر نہیں آتا ہے یہ تو دنیا کا حال ہے جب کہ آخرت میں فقط وہ لوگ کامران وسرخ رُو ہوں گے جن کا گمان یعنی یقین اللہ پر ہی ہو مادی اسباب وغیرہ سے تمام ناتے ٹوٹ جائیں گے۔

باب ماجاء فی البِرِّ والاثم

(نیکی وبدی کے بیان میں)

"ان رجلاً سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن البِرِّ والاثم فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم :البِرُّحسن الخُلق والاثم ماحاکَ فی نفسکَ وکرِهتَ ان یَطَّلِعَ الناس علیه". (حسن صحیح)

حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی وبدی (اچھائی وبُرائی) کے بارے میں پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی خوش اخلاقی ہے اور بُرائی وہ ہے (یعنی اس کی پہچان یہ ہے) کہ جو تیرے دل میں کھٹکے اور اس پر لوگوں کی آگہی تمہیں ناگوار گذرے۔

تشریح:۔قولہ: "بِرّ" بکسر التاء وتشدید الراء دراصل اِحسان، شفقت اور مہربانی کو کہتے ہیں جو خوش

Maktaba Tul Ishaat.com

اخلاقی کے ساتھ لازم ہے جبکہ بداخلاقی میں جفا، ظلم اور بدسلوکی ہوتی ہے، چونکہ ایمان ایک نور ہے اور ہر گناہ ظلمت ہے دونوں میں تضاد ہے اس لئے دل نیکی سے مطمئن رہتا ہے کہ نیکی بھی نور بڑھانے کا سبب ہے جبکہ گناہ سے دل جو محل ایمان ہے کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے کہ دو متضاد چیزیں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتی ہیں یا کم از کم موافق نہیں رہتی ہیں پھر اس سے ایماندار کو شرمندگی بھی ہوتی ہے کیونکہ یہ ضمیر کے منافی ہوتا ہے خصوصاً جب دوسروں کو اس کی اطلاع ہو جائے تو شرمندگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

باب ماجاء فی الحب فی اللّٰہ

(اللہ ہی کے لئے محبت کرنے کا بیان)

"قال اللہ عزّوجلّ :المُتَحَابُّون فی جلالی لھم منابرٌمن نوریغبِطُھم النبیُّون والشھداء". (حسن صحیح)

(یہ حدیث بھی قدسی ہے) اللہ عزوجل نے فرمایا: میری جلالت وعظمت کی بناء پر محبت کرنے والوں کے لئے (قیامت کے دن) نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی (گویا) رشک کریں گے۔

تشریح:۔ یعنی جن لوگوں کے آپس میں خوشگوار تعلقات اور محبت واُلفت کی بناء محض اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے حصول پر ہو بایں طور کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اس لئے بڑا سمجھ کر محبوب بناتا ہے کہ وہ اللہ کا مقرب اور نیک بندہ ہے، اس کے علاوہ کوئی دنیوی وذاتی لالچ نہ ہو تو قیامت کے دن یہ لوگ ایک عظیم نعمت سے سرفراز ہوں گے چونکہ ان کی محبت کا مقصد عالی تھا اس لئے ان کو نور کے میناروں پر بٹھا دیا جائے گا جہاں وہ دوسروں کے لئے قابل رشک ثابت ہوں گے۔

قولہ: "یغبطھم" بکسر الباء غبطہ سے بمعنی رشک کے ہے، یہاں محشی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص کسی علم یا عمل سے آراستہ ہو جاتا ہے تو اس کو اس شخصی علم وعمل کی وجہ سے مخصوص درجہ دیا جاتا ہے جو اس کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا اگرچہ اس سے ارفع واعلیٰ درجات پر بھی فائز لوگ ہوتے ہیں تاہم ان میں سے بعض درجات ایسے بھی ہوں گے جو عالی مراتب والے بھی ان پر رشک کریں گے ازاں جملہ ایک مرتبہ نور کے مینار بھی ہیں۔ لیکن حضرت گنگوہیؒ نے اس رائے کو مسترد فرمایا ہے وہ کوکب میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء کو یہ مقام حاصل نہ ہوتا تو وہ بھی اس پر رشک فرماتے گویا یہ مبالغہ ہے، مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام تو اس

Maktaba Tul Ishaat.com

محبت سے یقیناً سرشار ہیں اس لئے ان کو غبطہ کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

حدیث آخر:۔ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ یا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما میں کسی ایک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ عاطفت میں رکھے گا اس دن جس روز اللہ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (۱) انصاف کرنے والا بادشاہ (۲) وہ جوان جس کی نشو ونما اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہو جب اس (مسجد) سے نکلے، تا آنکہ اس کی طرف لوٹ جائے (۴) اور ایسے دو شخص جو محض اللہ کے لئے باہمی محبت کرتے ہوں اسی پر ملتے ہوں اور اسی پر الگ ہوتے ہوں (۵) وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھیں آنسو بہادیں (۶) وہ شخص جس کو کوئی اثر ورسوخ اور حسن وجمال والی خاتون اپنی طرف بُلائے تو یہ جواب دے کہ میں اللہ عزوجل سے ڈرتا ہوں (۷) اور وہ شخص جو کوئی چیز صدقہ کرے تو اسے اتنا خفیہ رکھے کہ اس کے بائیں کو بھی پتہ نہ چلے کہ دایاں کیا دے رہا ہے؟ (حسن صحیح)

تشریح:۔ چونکہ یہ ساتوں امور بہت مشکل بھی ہیں اور مع ہذا بغیر اخلاص کے ممکن بھی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کاملہ کے بغیر ممکن نہیں کہ آدمی پر جب تک اللہ کی محبت غالب نہ آئے تو وہ ان امور کی انجام دہی سے بہرحال قاصر رہتا ہے اس لئے جو آدمی ان امور میں سے کسی بھی ایک کو سرانجام دے تو وہ اس کی محبت کاملہ کی دلیل ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر قیامت کے روز خصوصی مہربانی فرمائیں گے کہ اس کو عرش کے قریب مقام عطاء فرما کر امتیازی عنایت فرمائیں گے۔

ظل وسایہ کی اضافت اللہ کی طرف تشریف کے لئے ہے مراد عرش کا سایہ ہے یا ظل بمعنی قریب کے ہے یعنی اپنی خصوصی رحمت کے قریب کردے گا کیونکہ ہر شے کا سایہ اس کے قریب ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نسبت مجازی ہے اور عرش کے نیچے کا مطلب یہ نہیں کہ باقی اشیاء عرش سے باہر ہیں کیونکہ سورج سمیت ہر چیز اور ساری کائنات عرش کے نیچے ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بمقابلہ دوسروں کے اقرب اور میدان محشر میں ایسے مقام پر ہوں گے جہاں سے جنت کے مناظر نظر آئیں گے، ٹھنڈی ہوائیں ان تک پہنچیں گی اور جنت کی خوشبو سے گھرے ہوئے ہوں گے جب کہ اشقیاء دوزخ کے قریب اور اس کی تپش اور دھویں میں گھرے ہوئے ہوں گے، اعاذنا اللہ منھا۔ پھر جس طرح اہل ایمان کے باعتبار قرب کے درجات ہیں اسی طرح کفر کے باعتبار بعد کے طبقات ہوں گے۔ بہرحال اگر کوئی آدمی کمزور ہو یا مامور ہو عدل پر تو اس کا عدل بادشاہ

Maktaba Tul Ishaat.com

کے عدل کی طرح نہیں، بوڑھے کی عبادت گذاری جوان کی طرح نہیں مسجد میں بے شوق جانا یا کبھی کبھار جانا خواہشمند کی طرح نہیں، اور نفس تعلق رکھنے والے اللہ کی خاطر مجتمع و متفرق ہونے والوں کی مانند نہیں اور کسی عام عورت کی دعوتِ بدی کو ٹھکرانا شہرت اور عزت اور حسینا کی دعوت کے مسترد کرنے کی طرح نہیں اور علانیہ صدقہ نفلیہ، خفیہ کی طرح نہیں اس لئے ان امور پر اس عظیم انعام کا ترتب ہوتا ہے۔

قولہ: "حتیٰ لاتعلم شماله الخ" مبالغہ ہے اِخفاء میں یعنی اگر ہاتھ کو علم ہوتا تو بھی بائیں کو پتہ نہ چلتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے چونکہ دینا سیدھے ہاتھ سے ہوتا ہے اس لئے نسبت یمین کی طرف کی گئی ہے اور یہی صحیح ہے مسلم کی روایت میں اس کے برعکس ہے مگر وہ راوی کا سہو ہے، بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ بائیں جانب والے شخص کو معلوم نہ ہو کہ دائیں والے کو کیا دیا گیا؟ مگر اول معنی اظہر واصح ہے۔

باب ماجاء فی اعلام الحُبِّ

(محبت کے اِظہار کا بیان)

"اذااَحَبّ احدُکم اخاه فَلیُعلِمه ایّاه". (حسن صحیح غریب)

جب تم میں سے کوئی ایک اپنے (اسلامی) بھائی سے محبت کرے تو اس کو بتلا دے

تشریح:۔ چونکہ رضائے اِلٰہی کی غرض سے باہمی محبت آپس کے خوشگوار تعلقات کے لئے بیج کی طرح ہے اور اظہار محبت اس کے لئے آب پاشی کی مانند ہے اس لئے بتا دینا چاہئے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تا کہ اس فریق کی طرف سے بھی محبت میں اضافہ ہو جائے۔ پھر "فلیعلمه" اگر چہ امر کا صیغہ ہے مگر یہاں وجوبِ اعلام کے لئے نہیں بلکہ ندب واستحباب کے لئے ہے۔

باب کی اگلی حدیث میں اس پر یہ بھی اضافہ ہے کہ اس سے اس کے نام، والد کے نام اور قبیلہ کے بارے میں بھی پوچھے "فانه اوصل لِلمحبة" کیونکہ یہ سوال (وجواب) محبت کو زیادہ جوڑنے والا اور مضبوط کرنے والا ہے کیونکہ جیسے جیسے تعارف بڑھتا ہے ویسے ویسے محبت بڑھتی ہے اور یہ مجرب ومشاہد ہے، اور اس لئے بھی کہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی صورت میں رابطہ بھی آسان ہو جاتا ہے آج کل لوگ موبائل نمبر دیتے ہیں یہ بھی اہم چیز ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب کراهية المدحة والمداحين

(تعریف اور تعریف کرنے والوں کی ناپسندیدگی کا بیان)

"عن ابی معمر قال: قام رجل فاثنیٰ علی امیر من الامراء فجعل المقداد بن الاسود یحثو فی وجهه التراب ،وقال:اَمَرَنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نحثو فی وجوه المداحین التراب". (حسن صحیح)

ابومعمر سے مروی ہے کہ ایک شخص اٹھا اور امراء میں سے کسی ایک امیر کی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد بن اسودؓ نے اس کے منہ پر مٹی پھینکنی شروع کی اور اس کے ساتھ فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم فرمایا ہے کہ ہم تعریف کرنے والوں کے مونہوں پر خاک ڈالیں۔

تشریح:۔ "حَثَا التراب حَثْواً" مٹھی بھر کر مٹی پھینکنے کو بھی کہتے ہیں اور نفس مٹی پھینکنے کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں مَدَّاحین سے مراد وہ پیشہ ور لوگ ہیں جو لوگوں کی تعریف مال کے حصول کا ذریعہ بناتے ہوں عربوں میں جیسے نیاحت ونوحہ کرنے والے پیشہ ور ماہر ہوتے تھے تو اسی طرح مداح بھی ہوا کرتے تھے، اس حدیث میں ان کے اس پیشہ کو ناپسند گردانا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نامراد لوٹاؤ تاکہ وہ اس پیشہ کو چھوڑ دیں کیونکہ جب ان کی یہ حقیر مراد پوری نہ ہوگی تو مجبوراً ان کو اسے چھوڑنا پڑے گا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر اس پیشہ ور آدمی کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے جس کا پیشہ ناجائز یا نامناسب ہو۔ بہرحال یہاں مٹی ڈالنے سے مراد، نامراد لوٹانا ہے اگرچہ حدیث کے دوسرے معانی بھی بیان کئے گئے ہیں، مثلاً بعض نے اس کو ظاہر پر حمل کیا ہے جیسا کہ حدیث باب کے راوی حضرت مقداد بن عمروؓ نے کیا ہے، جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ان کو کچھ نہ کچھ دینا چاہئے تاکہ وہ مخالف بن کر ہجو و مذمت نہ کرنے لگے جیسا کہ ان کی عادت ہے البتہ چونکہ دنیا ایک حقیر چیز ہے اس لئے اس کو تراب سے تعبیر کیا۔ مگر ظاہر وہی ہے جو اوپر اولاً ذکر ہوا یعنی محروم کردینا، جس سے رُو در رُو مدح کی کراہیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب میں ہے چونکہ مُنہ پر مدح وتعریف سے عُجب وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں اس لئے اس کی ممانعت فرمادی گئی البتہ جہاں یہ وجہ نہ ہو جو آج کل ناممکن ہے تو وہاں روبرو تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مدحیہ کلام حقیقت پر مبنی ہو چنانچہ امام نوویؒ نے اس کی بہت ساری مثالیں نقل کی ہیں ازاں جملہ ایک یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا: "ان فیک لخصلتین یحبهما الله

Maktaba Tul Ishaat.com

الحلم والاناة" اس پر امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وفیه جواز الثناء علی الانسان فی وجهه اذالم یخف علیه فتنة بإعجاب ونحوه واما استحبابه فیختلف بحسب الاحوال والاشخاص واماالنهی عن المدح فی الوجه فهوفی حق من یخاف علیه الفتنة بماذکرناه وقد مدح النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی مواضع کثیرة فی الوجه الخ راجع نووی شرح مسلم. (ج:۱ص:۳۶)

قوله: "ویکنی ابامعبدوانمانُسب الی الاسود الخ" یعنی حضرت مقدادؓ کی کنیت ابومعبد ہے اور اسود کی طرف ان کی نسبت بوجہ تبنّی کے ہے جیسا کہ عربوں میں جاہلی رسم تھی ان العربیؒ نے عارضہ میں لکھا ہے کہ ابومعبد کنیت نقل کرنے میں امام ترمذیؒ منفرد ہیں لگتا ہے کہ یہ تصحیف ہے اصل میں ابوسعید ہے اور یہ کہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ ان کی نسبت اسود کی طرف شروع اسلام میں تھی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی "ادعوهم لآبائهم" (احزاب آیت:۵) تو اس کے بعد بجائے مقداد بن اسود کے ان کا نام مقداد بن عمرو ہی رہا "واشتهر وبها کشهرته بابن الاسود"۔ (عارضہ ج:۵ص:۱۷۴)

باب ماجاء فی صحبة المؤمن

(مؤمن کے ساتھ رہنے کی ترغیب وتلقین)

"لاتُصاحِب اِلّامؤمناً ولایاکل طعامک اِلّاتقی".

ساتھی (اور دوست) مت بناؤ مگر مؤمن کو اور تیرا کھانا متقی شخص کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔

تشریح:۔ یعنی دوستانہ تعلقات اور خوشگوار مراسم صرف مومن کے ساتھ ہی قائم کرو کیونکہ کفار ومنافقین کی دوستی وتعلق نقصان دہ ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں مومن بمقابل کافر کے نہ ہو بلکہ بمقابلہ کمزور مومن کے ہو یعنی اپنی دوستی کاملین کے ساتھ قائم کرو کیونکہ ضعیف مومن کی دوستی میں خطرہ اور سستی وکاہلی متوقع ہے علیٰ ہذا جب کمزور ایمان والوں کی دوستی سے منع فرمایا تو کفار ومنافقین سے دوستانہ تعلق بطریق اولیٰ ممنوع ہوا۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

Maktaba Tul Ishaat.com

جہاں تک کھانے کی بات ہے تو یہاں مراد ضیافت وحاجت کا کھانا نہیں بلکہ وہ کھانا ہے جو اکرام کے طور پر کھلایا جاتا ہے جیسے کسی کی دعوت کرنا چونکہ خصوصی دعوت محبت بڑھانے کا مؤثر ذریعہ ہے اس لئے فرمایا کہ ایسا کھانا صرف پرہیز گار لوگوں کو کھلانا چاہئے تاکہ ان سے اچھے تعلقات قائم ودائم رہے، نیز ان کی تطییب خاطر میں اللہ کی خوشنودی بھی حاصل کی جاتی ہے اور اچھی محفل کے ثمرات وبرکات کا حصول بھی تقریباً یقینی ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو اور کھانا حلال ہو جہاں تک عام کھانے اور صدقات نفلیہ کا تعلق ہے تو وہ کافر کو بھی کھلانا جائز ہے۔

باب فی الصبر علی البلاء

(تکلیف ومصیبت پر صبر کرنے کا بیان)

"اذا اراد اللہ بعبدہ الخیر عَجَّلَ له العقوبة فی الدنیا واذا اراد بعبدہ الشر امسک عنه بذنبه حتیٰ یوافی به یوم القیٰمة" وبهذا الاسناد عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ان عُظم الجزاء مع عُظم البلاء وان اللہ اذا اَحَبَّ قوماً ابتلاهم فمن رَضِیَ فله الرِضیٰ ومن سَخِطَ فله السَخَطُ". (حسن غریب)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو (گناہوں پر) دنیا میں ہی جلد سزا دیتے ہیں اور جب کسی بندے کے ساتھ بُرائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتے ہیں تا آنکہ قیامت کے دن اس گناہ پر پوری سزا دیں۔ اور اسی اسناد کے ساتھ آپ علیہ السلام سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جزاء کا بڑھاؤ آزمائش کے بڑھاؤ سے منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو اس کو آزماتے ہیں پس جو راضی رہے تو اس کے لئے رضامندی ہے اور جو غصہ ہو جائے تو اس کے لئے غصہ ہے۔

تشریح:۔ آزمائش عموماً تکلیف کی شکل میں ہوتی ہے جیسے غربت، مرض اور کسی محبوب شخص یا شے کا فراق وغیرہ گو کبھی کبھار دولت وراحت اور صحت کی صورت میں بھی ہوتی ہے بنابر ہر تقدیر امتحان وآزمائش کبھی گناہوں کی نحوست کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی رفع درجات کے لئے جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں ہے باب کی اس پہلی حدیث میں یعنی سند اول والی میں گناہ پر سزا کا بیان ہے جس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اللہ جس شخص کو پسند فرماتے ہیں اور جس سے راضی ہوتے ہیں تو اسے اس کے گناہ پر دنیا میں ہی سزا دیتے ہیں جبکہ ناپسندیدہ شخص

Maktaba Tul Ishaat.com

کی سزا آخرت تک کے لئے ذخیرہ کردی جاتی ہے چونکہ دنیا وآخرت کی سزاؤں میں ناقابل تصور فرق ہے کہ دنیا کی سزا انتہائی مختصر اور آسان ہے اگرچہ بظاہر بھاری لگے مگر آخرت کے مقابلہ میں گویا کچھ بھی نہیں اس لئے یہ اللہ کی طرف سے خصوصی نرمی وشفقت ومہربانی کا اثر ہے جبکہ بُرے آدمی پر دنیا میں گناہوں سے کچھ آفت نہیں آتی مگر اس کا حشر آخرت میں انتہائی درجہ کا سخت ہوتا ہے کیونکہ وہ سزا وافی یعنی پوری بھی ہے اور بھرپور بھی، والعیاذ باللہ۔ اللّٰھم انانسئلک الخیر والعفو والعافیة والمعافاة فی الدنیا والآخرة

قولہ: "ان عُظم الجزاء مع عظم البلاء" بضم العین وسکون الظاء بمعنی عظمت وزیادتی کے ہے یعنی دنیا میں جتنی آزمائش سخت اور مشکل ہوگی اسی تناسب سے اس کا اجر وثواب بھی زیادہ ہوگا اور چونکہ آزمائش وامتحان کی حیثیت ٹریننگ کی ہے اس لئے اس کے لئے اُن لوگوں کا انتخاب ہوتا ہے جو اچھی استعداد وصلاحیت کے حامل ہوں ہاں البتہ جو شخص امتحان میں فیل ہوجاتا ہے تو وہ بجائے کامیابی کے فیل ہوکر اپنے درجے سے بھی نیچے چلا جاتا ہے اس پر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ مصیبت کے وقت رضا بالقضاء کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور نازیبا الفاظ زبان پر نہ آنے دیا جائے۔ تاہم یہ قاعدہ اکثریہ ہے ورنہ کبھی جہنمی شخص بھی اپنے گناہ کی وجہ سے دنیا میں مبتلائے عذاب ہوتا ہے جیسے ماں باپ کا نافرمان اور کبھی غیر محبوب بھی آزمائش میں مبتلاء کیا جاتا ہے تاکہ وہ بے صبری کی وجہ سے مزید پستی میں چلا جائے جیسے فرعون والوں پر طرح طرح کے عذاب آئیں مگر انہوں نے عبرت نہیں پکڑی بلکہ پوری قوم مزید بگڑی۔

"قالت عائشة مارأیت الوجع علی احداشدّمنه علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم". (حسن صحیح)

عرب وجع بیماری کو کہتے ہیں پس مطلب یہ ہوا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض سے زیادہ سخت بیماری کسی کی نہیں دیکھی ہے، اس کی مزید وضاحت اگلی حدیث سے بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! سب سے مشکل آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کی پھر زیادہ افضل کی، آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے پس اگر اس کے دین میں صلابت (پختگی) ہوگی تو اس کا امتحان بھی سخت ہوگا اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہوتی ہے تو دین (کی قوت وضعف) کے بقدر اسے آزمایا جاتا ہے پس ابتلاء آدمی کے ساتھ لگا رہتا ہے تا آنکہ اسے چھوڑ دے زمین پر چلتا ہوا دراں حالیکہ اس کا کوئی گناہ (باقی) نہیں رہتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

مطلب یہ ہے کہ اللہ والے تکلیفات سے اللہ کی طرف مزید جھکتے ہیں اس لئے ان کے رفع درجات کے پیش نظران کو تکلیفات میں مبتلا کیا جاتا ہے کیونکہ مصیبت اور اس پر صبر کی بدولت آدمی کو جنت کے اس درجہ تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے جہاں وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہیں پہنچ سکتا اگر چہ مقربین کے اعمال انتہائی عالی ہوتے ہیں لیکن اللہ کے قرب اور جنت کے درجات بھی بے شمار ہیں تو کچھ اعمال کی وجہ سے اور کچھ آزمائش کی بناء پر بطور غیبی مدد کے حاصل کئے جاتے ہیں گویا آزمائش بھی سیر الی اللہ اور سلوک کے زمرہ میں آتی ہے پس جو لوگ فنافی السیر ہیں ان کی آزمائش ان کی شان کے مطابق یعنی سخت ہوتی ہے تا کہ ان کی سیر اور سفر و رفتار مزید تیز ہو، جبکہ ان سے نیچے درجے کے لوگ اپنی استعداد کے مطابق مکلف بنا دیئے جاتے ہیں اور جو لنگڑے ہوتے ہیں وہ گویا اس مقابلے میں شریک بھی نہیں کر دیئے جاتے جبکہ اندھے تو ایک قدم بھی نہیں چل سکتے البتہ لنگڑا کوشش تو کرتا ہے اور اپنے عمل کے مطابق نمبر حاصل کرتا ہے جبکہ اعمیٰ اس میدان کے شہسواروں میں شمار بھی نہیں ہوتا۔

باب ماجاء فی ذَهاب البصر

(نابینا ہونے کا ثواب)

"ان اللہ یقول: اذااَخذتُ کریمتی عبدی فی الدنیا لم یکن له جزاء عندی اِلّا الجنة". (غریب)

حدیث قدسی ہے اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندے کی دونوں آنکھوں (کی بینائی) لیتا ہوں دنیا میں تو میرے پاس اس کی جزاء جنت کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

تشریح:۔ **قولہ:** "ذهاب" بفتح الذال ختم ہونے اور چلے جانے کو کہتے ہیں جبکہ بکسر الذال بارش کو کہا جاتا ہے۔

قولہ: "کریمتین" کریمۃ کا تثنیہ ہے اس کے معنی محبوبۃ کے ہیں چونکہ آنکھ آدمی کو بہت عزیز ہوتی ہے اس لئے اس کو کریمۃ کہتے ہیں اور اس لئے بھی کہ انسان آنکھ یعنی نگاہ کی وجہ سے مکرم و معزز رہتا ہے اس کے بدلے میں جنت کا مطلب یہ ہے کہ نابینا بغیر کسی تعذیب کے جنت میں جائے گا علی ہذا یہ خاصیت المفرد ہوگی جیسا کہ پہلے وضاحت گذر چکی ہے یا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس پر صبر کرے تو اس کے لئے جنت ہے کیونکہ بغیر صبر کے تکلیف کا ثمرہ ضائع ہو جاتا ہے یا کڑوا بن جاتا ہے اگلی حدیث میں اس قید کی تصریح کی گئی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

ارشاد ہے: ''من اَذھبتُ حَبِیْبَتَیْہ فصبر واحتسب لم ارض له ثواباً دون الجنة ''یعنی میں جس کی دونوں آنکھیں ختم کروں یعنی نابینا بنادوں اور وہ اس پر صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے تو میں اس کے لئے جنت سے کم ثواب پر راضی نہیں ہوں۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ ''یَوَدّ اھل العافیة الخ'' یعنی قیامت کے دن جب مصیبت زدہ لوگوں کو (بے حساب) ثواب دیا جائے گا تو (دنیا میں) تندرستی سے رہنے والے تمنا کریں گے کہ کاش ان کی کھالوں کو دنیا میں قینچیوں سے کاٹ دیا ہوتا۔

یہ روایت اگرچہ عبدالرحمن بن مَغراء کی وجہ سے قوی سند سے ثابت نہیں بلکہ امام ترمذیؒ کے بقول غریب ہے تاہم اصولی طور پر یہ طے ہے کہ ہر مصیبت پر صبر اور احتساب اجر جزیل کا سبب ہے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''اِنّمَا یوفّی الصابرون اجرھم بغیر حساب ''(زمر آیت:۱۰) اور پھر کون ہوسکتا ہے جو بے حساب ثواب کو دیکھ کر رشک بلکہ تمنیٰ نہ کرے؟

حدیث آخر:۔ ''مامن احدٍ یموت اِلّانَدِمَ الخ'' کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو مرتے وقت نہ پچھتائے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس کے افسوس (حسرت) کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ نیکوکار ہے تو افسوس کرے گا کہ اس نے زیادہ عمل کیوں نہیں کیا، اور اگر بدکردار ہو تو وہ اس پر ندامت کرے گا کہ وہ برائی سے باز کیوں نہ آیا (یعنی کیوں توبہ تائب نہ ہوا)۔

یہ روایت بتصریح امام ترمذیؒ ضعیف ہے البتہ یہ امر یقینی ہے کہ موت کے وقت نشہ اُتر جاتا ہے اور حقیقت ہر ایک پر منکشف ہوجاتی ہے تفصیل مطلوب ہو تو احیاء العلوم للغزالیؒ و حجۃ اللہ البالغہ لشاہ ولی اللہؒ کی طرف مراجعت کی جائے۔

حدیث آخر:۔ قولہ: ''یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین الخ'' آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو دنیا کو دین کے بدلے دھوکے سے کمائیں گے، لوگوں کو فریب دینے کے لئے بھیڑ کی کھالیں نرمی دکھانے کی خاطر پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی جبکہ ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کی مانند (سخت) ہوں گے، اللہ فرماتے ہیں: کیا تم میرے ساتھ غرور کرتے ہو یا میرے سامنے یہ جرأت کرتے ہو، پس میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ایسے لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ ضرور بھیجوں گا جو بُردبار شخص کو بھی حیرت زدہ کردے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "یختلون" ختل دراصل دھوکہ دہی کو کہتے ہیں یہ لفظ بھیڑیئے کے لئے اس وقت استعمال ہوتا ہے جب وہ چھپ کر شکار پر حملہ کرے یہاں مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اسلامی شعار اپنا کر اس سے دنیا شکار کرنا چاہیں گے، چنانچہ وہ بھیڑ کی کھال سے بنا ہوا لباس پہنیں گے جیسے پوستین جو زاہد لوگ پہنا کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اپنے دیندار و زاہد ہونے کا باور کرا سکیں، یہ تو الفاظ کا ظاہری مطلب ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے ظاہری نرمی اور خوش اخلاقی سے اور "من اللین" قید سے اس معنی کی تائید معلوم ہوتی ہے یعنی وہ دنیاداروں سے پیش آنے میں بڑے شگفتہ زبان اور نرم بیان ہوں گے جس سے وہ دنیاداروں کے دل اپنی طرف مائل کرنا چاہتے ہوں گے، مگر یہ میٹھا انداز اور میٹھی زبان ایک تکلف کے سوا کچھ نہ ہوگا کیونکہ اندر سے وہ بالکل بھیڑیئے کی طرح خراب ہوں گے، چونکہ ان کا یہ فعل انتہائی خودغرضی، دھوکہ دہی اور قساوت قلبی پر مبنی ہے اس لئے اللہ عزوجل نے اپنے جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ ایسے مغروروں اور ایسی جسارت کرنے والوں پر ایسا فتنہ نازل کروں گا جس سے بچنے کی صورت عالم و عقلمند کی سمجھ میں بھی نہیں آئے گی چہ جائیکہ عام آدمی کو سمجھ آئے۔

اگلی حدیث کا مضمون بھی اس سے ملتا جلتا ہے تاہم اس میں بجائے شکر کے عسل یعنی شہد کا ذکر ہے یعنی ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور دل ایلوا سے زیادہ کڑوے ہوں گے چونکہ ایلوا شہد کو فاسد کرتا ہے اس لئے ان لوگوں کی یہ شیرین زبانی ان کے کڑوے دلوں کے سامنے کسی طرح مفید ثابت نہیں ہوں گی۔

قولہ: "لَأُتِیحَنَّهم" بروزن لَأُقِیمَنَّهُم، اتاح یتیحُ باب افعال سے متکلم بانون ثقیلہ کا صیغہ ہے بمعنی لاُقَدِّرُنَّ لهم ولاُنْزِلُنّ بهم یعنی میں ضرور ان کے لئے مقدر کروں گا یا ضرور نازل کروں گا الخ (حسن غریب)

تنبیہ: ان آخری دونوں حدیثوں کا ترجمۃ الباب "ذهاب البصر" کے ساتھ کوئی مناسبت نظر نہیں آتی اس لئے بعض شارحین کی رائے میں یہ دونوں حدیثیں کسی مستقل باب کے تحت ذکر ہوئی ہیں مگر ناسخ کے قلم سے وہ باب مع الترجمہ یا اگر بلا ترجمہ تھا تو وہ ساقط ہوا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

باب ماجاء فی حفظ اللسان

(زبان کی حفاظت کا بیان)

"عن عُقبة بن عامر قال قلتُ یارسول الله ماالنجاة؟قال: املِک علیک لسانَک

Maktaba Tul Ishaat.com

وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلَى خَطِيْئَتِكَ". (حسن)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! نجات (کا سبب) کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھ اور تیرا گھر تیرے لئے کشادہ ہونا چاہئے اور یہ کہ تو اپنی خطاء پر رویا کر (یعنی نادم ہوا کرو)۔

تشریح:۔ اس ارشاد میں تینوں صیغے امر کے ہیں "اَملِک وَابْکِ" مخاطب کے اور "وَلْیَسَعْکَ" امر غائب کا ہے۔ محشی نے "املك" میں کسرۂ ہمزہ پر زور دیا ہے بمعنی اِحفظها چونکہ حضرت عقبہؓ قیام وصیام کے پابند تھے اس لئے ان کو صرف گناہوں سے بچنے کی تلقین فرمائی جن میں بطور خاص زبان اور صحبتِ عام کے نقصانات سے اجتناب اور استغفار کی تاکید فرمائی، زبان کی حفاظت اور قابو کرنے کا مطلب اسے بے جا استعمال سے روکنا ہے اور گھر کی کشادگی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح زبان کا اندھا دُھند استعمال غلط باتوں کا سبب ہے اسی طرح عام لوگوں کے ساتھ زیادہ اختلاط بھی گناہوں کا ذریعہ ہے اس لئے آدمی کو بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جانا چاہئے ہونا یہ چاہئے کہ آدمی اپنے گھر کا ماحول دینی بنا کر اسی میں رہنے کو اور زیادہ یا پورا وقت گذارنے کو ترجیح دے ہاں ضرورت دینی یا دنیوی کی صورت میں باہر جانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ نقصان غالب نہ ہو۔ نفع ونقصان مساوی ہونے کی صورت میں دفع مضرت کو جلب منفعت پر مقدم رکھنے کے اصول پر عمل ہونا چاہئے مثلاً کسی مسجد میں مرد اور عورتیں مخلوط نماز پڑھتے ہوں تو وہاں جانا جائز ہی نہیں اور اگر وہ مرتب طریقے سے پڑھتے ہوں مگر ماحول ایسا بنا دیا گیا ہے کہ وہاں کسی نہ کسی طرح فتنے کا قوی اندیشہ رہتا ہے مثلاً وضو خانہ ایک ہے جس میں سب وضو کر رہے ہیں یا بے حجابانہ اختلاط ہو رہا ہو تو بھی وہاں نہیں جانا چاہئے اگر کوئی اور مسجد وہاں نہ ہو تو آدمی گھر پر ہی نماز پڑھے جیسے عورتوں کا حکم ہے۔

حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ:۔ جب آدمی صبح کرتا ہے تو (اس کے) سارے اعضاء زبان سے عاجزانہ اپیل کر کے کہتے ہیں: تو ہمارے خاطر اللہ سے ڈرو کیونکہ ہمارا دارومدار تجھ پر ہے اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو جائے گی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ)

قولہ: "تکفر اللسان" تکفیر سے بتشدید الفاء بمعنی متواضع اور عاجز ہونے کے ہے جو عموماً اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہو اس کے آگے سر جھکا کر ٹیڑھا کھڑا ہو جائے۔ یہ مکالمہ بزبان قال بھی ممکن

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اور بزبانِ حال بھی، چونکہ زبان ترجمان قلب ہے اس لئے اعضاء اس سے درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی بات گویا دل سے کہہ دے جیسا کہ وہ اندر کی بات باہر لے جاتی ہے تو اسی طرح دل تک بھی ہماری درخواست پہنچادے۔ تدبر

غرض کلام میں مجاز ہے، تو جس طرح ملک کے سفیر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرے ورنہ سارا ملک مشکلات سے دوچار ہوگا اسی طرح زبان کو سمجھا دیا جاتا ہے کہ وہ نپی تلی بات سے ادھر ادھر منحرف نہ ہو۔

حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دونوں پیروں کے مابین (شرمگاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (حسن صحیح غریب)

قولہ: "یتوکل واتوکل" مصری نسخے میں "یتکفل واتکفل" ہے لہٰذا توکل بمعنی تکفل یعنی ذمہ داری کے ہے بخاری میں "یضمن" کا لفظ آیا ہے جو زیادہ صریح ہے۔

چونکہ زبان اور شرمگاہ پر قابو پانا بہت ہی دشوار ہے اس لئے جو شخص ان دونوں پر قابو پانے میں کامیاب ہوگا وہ دوسرے اعضاء پر قابو پانے میں بطریق اولیٰ کامیاب رہے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص فرشتہ صفت ہوتا ہے جو جنت میں اولاً یا عالی درجات حاصل کرنے میں کامیاب رہتا ہے اور کامیابی بھی ایسی جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ داری اٹھا رہے ہیں جس کے بعد شک کی گنجائش ختم ہوجاتی ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق بحکم خداوندی ہوتا ہے اس لئے کوئی اعتراض وارد نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ پر تو کوئی چیز واجب نہیں پھر ضمانت کا کیا مطلب ہے؟ اور اللہ کی طرف سے اس کی اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا جس کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرماتے ہیں اگرچہ واجب نہیں ہوتا۔ تدبر

بعض حضرات نے دونوں جبڑوں کے درمیان کو پورے منہ سے کنایہ بنایا ہے تاکہ کھانے پینے کو شامل ہوجائے مگر اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اولاً تو بغیر زبان کے کھایا پیا نہیں جاسکتا ثانیاً یہاں ان معظم الامور کا تذکرہ ہے جو مشکل ہوں جبکہ حرام غذاء سے پرہیز آسان ہے اس لئے اس کا درجہ مؤخر ہے۔ تدبر ثانیاً۔

قولہ: "وِقایہ" بچانے کو کہتے ہیں۔

حدیث سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ:۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول!

Maktaba Tul Ishaat.com

مجھے ایسی چیز (بات یا عمل) بتا دیجئے جسے میں مضبوط پکڑلوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو "ربی اللہ" "میرا رب اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہو، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا وہ کیا چیز ہوسکتی ہے جس سے آپ میرے بارے میں زیادہ خوف محسوس فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑلی پھر فرمایا "اس" (سے)۔ (حسن صحیح)

استقامت علی الدین ایک مشکل ترین ذمہ داری ہے اس کا پورا حق اس وقت تک ادا نہیں کیا جاسکتا جب تک آدمی اپنی خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر جدوجہد اللہ کی مرضی میں نہ لگائے اس لئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے فرمایا "قد اسرع الیک الشیب" یعنی آپ پر بڑھاپے کے آثار جلدی ظاہر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیبتنی ھود واخواتھا" کیونکہ سورۂ ہود میں حکم تھا "فاستقم کما اُمِرتَ" یہ کام خواص ہی کا ہے باب کی حدیث اور اس جیسی احادیث قرآن کی آیت "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" الایۃ کے مطابق اور جوامع الکلم میں سے ہیں۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما:۔ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں مت کرو اس لئے کہ اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ بولنا دل سخت ہونے کا سبب ہے اور بلاشبہ اللہ (کی رحمت) سے زیادہ دور لوگوں میں سے وہ شخص ہے جس کا قلب سخت ہو۔

قولہ: "قسوۃ للقلب" امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو اور وہ اس مقصد کو حاصل کرنے سے قاصر رہے تو اسے قاسی کہتے ہیں چونکہ قلب کائنات میں غور اور اللہ کے احکام کے آگے منقاد ہو کر تعمیل اور پند و نصیحت قبول کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو جب وہ اس مقصد اعلیٰ سے ہٹ جاتا ہے تو وہ قاسی کہلاتا ہے زیادہ فضول گوئی اور خصوصاً غلط گوئی اس قسوۃ کا قوی سبب ہے۔

راقم نے نقش قدم کامل میں زبان کی تباہ کاریوں اور قسوۃ قلبی پر تفصیل سے لکھا ہے فمن شاء فلیراجع، پھر قلب سے مراد ایک غیبی لطیفہ ہے جو قلب یعنی دل کے اوپر عطائے ربانی کے طور پر ودیعت کیا گیا ہے اصل ادراک اس کا ہوتا ہے۔

باب کی آخری حدیث:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کی ہر بات اس کے خلاف جاتی ہے سوائے امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا اللہ کے ذکر کے۔ (حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

روایت کا یہ ترجمہ کہ ''ابن آدم کی ہر بات اس کے خلاف جاتی ہے'' اس صورت پر محمول ہے کہ حدیث مبالغہ پر محمول ہو جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مذکورہ تینوں باتوں کے علاوہ تمام باتیں نقصان دِہ ہیں اس میں مباح بھی داخل ہے جس سے گویا سدذرائع کے طور پر روکنا مقصود ہے کیونکہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مباح باتوں سے غلطی کے امکان کے پیش نظر پرہیز کیا جائے، قال اللہ تعالیٰ : یا ایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اِثم ''(حجرات آیت:۱۲) دیکھئے اس آیت میں بہت سے گمان کرنے سے روکا ہے حالانکہ گناہ ان میں سے بعض ہوتا ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ''لَالَہٗ'' ''عَلَیہ'' کی تفسیر ہے یعنی علیہ سے مراد غیر مفید ہے اور ظاہر ہے کہ مباح اگر چہ مضر نہیں لیکن مفید بھی نہیں۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ کلام میں تقدیر ہے ''کل کلام ابن آدم حسرۃ علیہ ''اور ظاہر ہے کہ مذکورہ تینوں باتوں کے علاوہ تمام باتیں خواہ وہ مباح کیوں نہ ہوں موجب افسوس ہوں گی کم از کم اتنا افسوس تو ضرور ہوگا کہ ان کے بجائے اللہ کا ذکر کیا ہوتا یا پھر خاموش رہتا۔

باب

''عن عون بن ابی جُحیفة عن ابیه قال اٰخیٰ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بین سلمان وابی الدرداء فزار سلمان اباالدرداء فرای اُمَّ الدرداء مُتَبَذِّلَةً ،قال ماشانکِ مُتَبَذِّلَةً؟ قالت:ان اخاکَ اباالدرداء لیس له حاجة فی الدنیا،قال فلماجاء ابو الدرداء قرّب الیه طعاماً فقال: کُل فانی صائم، قال ماانابِاٰکِلٍ حتیٰ تأکُلَ قال فاکل فلما کان اللیل ذهب ابو الدرداء لیقوم فقال له سلمان''نم''فنام ثم ذهب لیقوم قال له ''نَمْ''فنام فلما کان عندالصبح فقال له سلمان قُمِ الاٰنَ فقامافصَلّیَافقال:ان لِنفسک علیک حقاً ولربک علیک حقاً ولِضیفک علیک حقاً وان لِاَهْلِکَ علیک حقاً فَاعطِ کل ذی حق حقه فاتیاالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم فذکراذالک له فقال صدق سلمانُ''.(صحیح)

حضرت ابوجُحیفہ (وھب بن عبداللہ) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان (فارسی) اور ابودرداء کے مابین بھائی چارگی (مواخاۃ) کرائی پس سلمان ابودرداء کی زیارت (ملاقات) کرنے کے لئے آئے تو ام درداء کو خستگی میں دیکھا، پوچھا تیری یہ حالت کیسی؟ کہ پُرانے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہیں، وہ کہنے لگی آپ کے بھائی ابودرداء کو دنیا کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ پس

Maktaba Tul Ishaat.com

جب ابودرداء آئے تو انہوں نے حضرت سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور فرمایا آپ کھائیے کہ میں روزہ دار ہوں سلمان نے کہا میں کھانے والا نہیں جب تک آپ نہیں کھائیں گے فرمایا تو ابودرداء نے کھایا پس جب رات ہوئی تو ابودرداء اُٹھ کر جانے لگے تاکہ نماز پڑھے تو سلمان نے ان سے کہا سو جائیں پس وہ سو گئے، پھر وہ دوبارہ جانے لگے تاکہ نماز پڑھے انہوں نے فرمایا سو جائیں وہ پھر سو گئے پس جب صبح کا وقت قریب ہوا تو سلمان نے ان سے کہا اب اُٹھ جائیں، چنانچہ دونوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، پھر حضرت سلمان نے فرمایا بے شک آپ پر آپ کے نفس کا حق ہے، آپ کے رب کا حق ہے، اور آپ کے مہمان کا بھی حق ہے اور بے شک آپ پر آپ کے گھر والوں کا بھی حق ہے، لہٰذا ہر حق والے کے حق کو ادا کیجئے پھر دونوں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے کا دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان نے سچ کہا ہے۔

تشریح:۔ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد میں تحریر فرمایا ہے کہ ہجرت کے بعد جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی اور حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہما کے حُجرتین کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ کے مابین مواخاۃ (بھائی چارہ) فرمائی جن کی تعداد نوے/90 تھی آدھے مہاجرین اور آدھے انصار تھے پھر وہ واقعۂ بدر تک ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے رہے مگر جب یہ آیت ''واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض ''(احزاب) نازل ہوئی تو توارث خونی رشتہ کی طرف لوٹا دیا گیا۔(مختصر زادالمعاد ص:۱۵۱ فصل فی بناء المسجد) چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اسی بناء پر اپنے بھائی کے گھر ملاقات کرنے اور خبر گیری کی غرض سے تشریف لے گئے چنانچہ دیکھا کہ ان کی بھابھی گھر کے عام کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

قولہ: ''متبذلة'' بصیغۂ اسم فاعل تشدید ذال کے ساتھ بذلۃ کام کاج کے کپڑوں کو کہتے ہیں چونکہ شادی شدہ عورت کو گھر کے کام سے فارغ ہونے پر اور خصوصاً جب شوہر کے آنے کا وقت ہو جائے زینت اختیار کرنی چاہئے بایں طور کہ صاف ہو کر اور اگر ہو سکے تو نئے کپڑے پہن کر بناؤ سنگار کرے خصوصاً عرب عورتوں میں شوہر کا بہت زیادہ لحاظ رکھنے کا دستور تھا جبکہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا پر آرائش نظر نہیں آرہی تھی اس لئے حضرت سلمانؓ نے تعجب کر کے اس کی وجہ پوچھی، ام الدرداءؓ نے جو جواب دیا ہے کہ ابوالدرداء کو دنیا یعنی دنیوی عورتوں وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تو یہ ایک قسم کا شکوہ بھی ہو سکتا ہے اور بیانِ عذر بھی، کہ جب وہ میری طرف کوئی خاص رغبت نہیں رکھتے تو پھر بناؤ سنگار کا کیا فائدہ؟؟؟

Maktaba Tul Ishaat.com

بخاری کی روایت میں ہے ''فجاء ابو الدرداء فَصَنَعَ له طعاماً فقال کُل فانی صائم''۔
(ج:۱ص:۲۶۴ قدیمی کتب خانہ)

جواب میں حضرت سلمانؓ نے ان کو قسم دے کر فرمایا ''اَقسمتُ علیک لَتُفطِرَن'' جیسا کہ بزار کی روایت میں ہے یعنی میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ روزہ کھولیں مقصد یہ تھا کہ ایک تو ان کو اعتدال فی العادت والعبادت پر لانا تھا اور دوم حضرت ام الدرداءؓ کی شکایت کا ازالہ تھا جیسا کہ حدیث کے اخیر میں تصریح ہے، نیز اصل مقصد تکثیر عبادت نہیں بلکہ اللہ کی رضا ہے۔ تدبر

باب

''عن رجل من اهل المدينة قال كتبَ معاوية الى عائشة ان اُكتُبي اِلَيَّ كتابا توصيني فيه ولاتكثري عَلَيَّ ،قال فكتَبَت عائشةُالى معاوية :سلامٌ عليكَ امابعد! فانی سمعتُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول:من اِلتَمَسَ رِضىٰ اللّٰه بِسَخَط الناس كفاه اللّٰهُ مؤنةَ الناس ومن التمس رِضىٰ الناس بِسَخَطِ اللّٰه وَكَلَه اللّٰه الى الناس والسلام عليک''.

مدینہ والوں میں سے ایک شخص روایت کرتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو خط لکھا کہ آپ مجھے ایک خط لکھئے جس میں مجھے وصیت (ونصیحت) کیجئے گا اور زیادہ نہ لکھئے گا (تا کہ یاد کرنا آسان ہو) راوی نے کہا پس حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجا تم پر سلامتی ہو بعد اس کے کچھ شک نہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے لوگوں کے ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اللہ کی خوشنودی تلاش کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کے تعاون کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے (یعنی غیب سے اس کی مدد کرتا ہے) اور جس نے اللہ کی ناراضگی مول کر لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے تم پر سلامتی ہو۔

تشریح:۔ یعنی جس شخص کی نظر اللہ پر ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اسباب اور مخلوق کے ضرر سے محفوظ بنا دیتے ہیں اگر چہ دنیا دار الاسباب ہے اور کچھ نہ کچھ اسباب پر تکیہ کرنا پڑتا ہے مگر اسباب پر اعتماد کرنے والے کو جتنے قوی اسباب سے فائدہ ہوتا ہے اس مرد مومن کو اس سے کہیں گنا کم سے فائدہ ملتا ہے وہ جب تک سب سے بڑے ہسپتال جا کر بڑے ڈاکٹر سے علاج نہ کرائے اسے فائدہ نہیں ہوتا جبکہ اس کو عام اور معمولی حیلہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اختیار کرنے سے فائدہ ہوتا ہے وعلی القیاس، اسی طرح اسباب اور مخلوق پر نظر رکھنے والے کو جتنا نقصان کمزور ترین سبب سے ہوتا ہے اس مرد مومن کو اتنا نقصان قوی سبب سے بھی نہیں ہوتا آپ غور فرمائیں اسباب پر یقین رکھنے والے دعائیں بھی مانگتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں کیونکہ ان کی زبان پر یارب تو ہوتا ہے مگر ان کا مشن لوگوں کو راضی رکھنا یعنی اسباب تلاش کرنا ہوتا ہے جبکہ اللہ والوں کے مریض کی شفایابی اور بہت سی مشکلات محض دعاؤں سے حل ہو جاتی ہیں۔ غرض حکمران کے لئے بھی اپنی نظر اللہ ہی کی رضا پر رکھنی چاہئے کہ حکومتیں عارضی ہوتی ہیں۔ صاحب تحفہ نے امام منذریؒ کی ''الترغیب والترھیب'' سے نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس حدیث کا صرف مرفوع حصہ نقل کیا ہے جبکہ اگلی سند میں یہ روایت غیر مرفوع آئی ہے۔

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب صفة القيمة

(احوالِ قیامت کا بیان)

قیامت کی وجہ تسمیہ ایک یہ بیان کی گئی ہے کہ اس روز لوگ میدانِ محشر میں کھڑے ہی کھڑے رہیں گے اس لمبے قیام کی وجہ سے اس کو قیامت کہتے ہیں گو کہ مقربین کو جلد حسب درجات مختلف نشستوں پر بٹھادیا جائے گا۔ جب احکام ودیگر متعلقہ مباحث سے فارغ ہوئے تو قیامت اور جنت ودوزخ کے بیان کا آغاز فرمایا۔

باب ماجاء فی شأنِ الحساب والقصاص

(بدلہ اور حساب کی کیفیت کے بیان میں)

" مامنكم من رجل اِلّاسَيُكَلِّمُهُ رَبُّه يوم القيٰمة وليس بينه وبينه تُرجُمان، ثم ينظر ايمَنَ منه فلايرىٰ شيئاً اِلّاشيئاً قَدّمه ثم ينظر اَشأَمَ منه فلايرىٰ شيئاً اِلّاشيئاً قدمه ثم ينظر تِلقاءَ وجهه فتستقبله النار، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع منكم ان يقِيَ وجهَهُ النارَ ولوبشِقِّ تمرة فليفعل ". (حسن صحيح)

نہیں تم میں سے کوئی آدمی مگر اس کا رب قیامت کے دن ضرور اس سے بات فرمائیں گے جب کہ اُس کے اور اس کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا نہ ہوگا، پھر وہ شخص اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو اسے کوئی چیز نظر نہ آئے گی سوائے اس چیز کے جو اس نے آگے (پہلے) بھیجی ہوگی، پھر وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو کچھ نظر نہیں آئے گا علاوہ اس کے جو اس نے آگے بھیجا ہوگا پھر وہ اپنے سامنے کی طرف دیکھے گا تو آگ استقبال کرتی ہوئی (نظر) آئے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو ایسا کر سکے کہ اپنا چہرہ آگ سے بچا سکے اگرچہ کھجور کے ٹکڑے کے ذریعہ ہی ہو تو وہ ایسا (ضرور) کرلے۔

تشریح:۔ اس حکم سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

قولہ: "ترجمان" وہ شخص جو ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرے اس میں "ت" پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں جبکہ جیم مضموم ہے، یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنے رب کے سامنے روبرو پیش کیا جائے

Maktaba Tul Ishaat.com

گا اور خلاصی کی کوئی صورت بھی نہیں ملے گی سوائے ان نیکیوں کے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کا سبب ہیں چنانچہ اس گفتگو کے دوران آدمی دائیں بائیں دیکھے گا کہ کوئی راہِ نجات ہے؟ یا کوئی دادرسی کرنے والا ہے؟ تو کوئی صورت نظر نہیں آئے گی ہاں اگر کوئی نیک عمل کیا ہوگا تو وہ آدمی کے دائیں بائیں کھڑا ہوگا ''ایمن واشأم'' دونوں منصوب بنا بر ظرفیت ہیں بمعنی یمین وشمال کے ہیں اور ''منہ'' کی ضمیر کو اگر چہ موقف کی طرف راجع کرنا صحیح ہے مگر ''تلقاء وجهه'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس شخص کے یمین وشمال ہے لہٰذا ضمائر کا مرجع وہی شخص لینا اصح بلکہ متعین ہے۔

سامنے آگ ہونے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ محشر کے دائیں بائیں آگ ہی آگ ہوگی اور آگے پل صراط ہوگا جس کے نیچے بھی آگ ہوگی اور نجات کی واحد صورت یہ ہوگی کہ وہ پل صراط کو عبور کرے۔ اور عبور کی صورت یہ ہے کہ وہ نیک عمل کی طاقت اپنے ہمراہ لے کر جائے خصوصاً صدقہ آگ بجھانے میں پانی کی طرح ہے اگر زیادہ نہ ہو سکے تو کھجور کا ایک ٹکڑا یعنی معمولی چیز کا صدقہ کرے تا کہ آگ کی لپٹ سے بچ سکے، چونکہ آدمی عموماً آفت کے وقت اپنے منہ اور چہرے پر غیر اختیاری طور پر ہاتھ رکھ کر اسے بچاتا ہے اس لئے حدیث میں ''وجهه'' کا لفظ آیا ورنہ مراد پورا جسم ہے۔

قوله: ''فلما فرغ وكيع من هذا الحديث الخ'' ابوالسائب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام وکیعؒ نے ہم سے یہ روایت بیان فرمائی اور جب تحدیث سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ یہاں جو خراسانی طلبہ ہیں وہ اس روایت کو اپنے علاقہ میں بیان کرنے میں ثواب کی نیت کریں یعنی ثواب کمائیں کیونکہ خراسان پر جہم بن صفوان مبتدع کا اثر ورسوخ زیادہ ہے اور جہمیہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت کلام کے منکر ہیں جبکہ اس حدیث میں کلام باری تعالیٰ کی تصریح کی گئی ہے تو اس سے ان کی بدعتِ نظریہ کی تردید کر کے ثواب حاصل کریں یعنی دگنا اجر وثواب، ایک بیانِ حدیث کا اور دوسرا فرقہ باطلہ کے زعم کی تردید کا۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی کے قدم اپنے رب کے پاس سے ہلنے نہ پائیں گے تا آنکہ اس سے پانچ خصلتوں کے بارے میں نہ پوچھا جائے۔ (۱) اس کی عمر کے متعلق کہ کس مقصد میں گذاری ہے؟ (۲) اور اس کی جوانی کے بابت کہ کس مشغلہ میں لگا کر ختم کی ہے؟ (۳) اور اس کے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے حاصل کیا ہے (۴) اور کس کس مد میں خرچ کیا ہے؟ (یعنی حلال ذریعہ سے کمایا ہے یا حرام سے اور جائز طریقے سے

Maktaba Tul Ishaat.com

خرچ کیا ہے یا نا جائز؟) (۵) اور یہ کہ اپنے علم پر کتنا عمل کیا ہے؟۔ (غریب واشار المصنف الی ضعفہ)

اس حدیث میں جوانی کا ذکر عمر کے بعد بطور خاص، قوت وطاقت کی فراوانی کی وجہ سے ہے کہ زندگی کے بیچ میں یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں عبدیت کا ثبوت دینا زیادہ اجر کا سبب ہے اور آخری سوال میں کلام کا اسلوب تبدیل کرنے میں علم کی اہمیت اور اس پر عمل کرنے کے اہتمام کو اُجاگر کرنا مقصود ہے۔

باب کی اگلی حدیث جو حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہی مضمون ہے البتہ اس میں شباب یعنی جوانی کے بجائے جسم کا ذکر ہے لیکن دونوں کا مطلب ایک ہی بنتا ہے کیونکہ جوانی میں صحت اچھی رہتی ہے عبادت کی طاقت زیادہ ہوتی ہے اگر تھوڑی بہت بیماری لاحق بھی ہوجائے تو وہ عبادت پر اور معمولات پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ (حسن صحیح) اس حدیث سے سابقہ حدیث کی تائید ہوتی ہے چونکہ اس کی سند صحیح ہے لہٰذا سابقہ حدیث کا مضمون بھی صحیح ہوا۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم میں سے (یعنی دنیا میں) تو مفلس وہ کہلاتا ہے جس کے پاس درہم (پیسے) اور سامان (یعنی مال) نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا چنانچہ وہ پیش ہوگا دراں حالیکہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر زنا وغیرہ کا الزام لگایا ہوگا اور کسی کا مال کھایا ہوگا (یعنی ناجائز طریقے سے) اور کسی کا خون (ناحق) بہایا ہوگا اور کسی کو (بلاوجہ) مارا ہوگا پس وہ (شخص) بیٹھ جائے گا تو وہ آکر بدلے میں اس کی نیکیوں میں سے لے لے گا اور وہ بھی اس کی نیکیوں میں سے لے لے گا پس اگر اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں قبل اس کے کہ اس کے ذمے زیادتیوں کا بدلہ پورا ہوجائے تو ان (مظلومین) کے گناہ لے کر اس کے اوپر ڈالے جائیں گے اور پھر اسے آگ میں پھینکا جائے گا۔ (حسن صحیح)

یہ حدیث مسلم شریف میں بھی ہے امام نوویؒ نے اس کی تشریح میں لکھا ہے کہ جس کے پاس مال ومتاع نہ ہو وہ حقیقی مفلس نہیں کیونکہ دنیوی غربت وافلاس تو عارضی ہے وہ جلد ہی ختم ہوجاتا ہے یا مالداری سے یا پھر موت سے جبکہ حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اپنی تمام نیکیوں سے محروم کردیا جائے گا اور خالی ہاتھ بیٹھ جائے گا پھر امام مازریؒ سے نقل کیا ہے کہ بعض مبتدعہ نے اس حدیث کو فرمان باری تعالیٰ ''ولا تزر وازرۃ وزر أخریٰ'' (فاطر آیت ۱۸) سے معارض قرار دیا ہے مگر ان کا موقف غلط ہے اور ان کی جہالت واضح ہے کیونکہ اس

Maktaba Tul Ishaat.com

مفلس کو اپنے ہی مظالم کی پاداش میں یہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا نہ کہ کسی اور کی۔ (نووی بر مسلم ص: ۳۲۰ ج: ۲ باب تحریم الظلم، کتاب البر والصلہ والادب)

حضرت گنگوہیؒ کوکب میں فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں وہ مفلس زیادہ بُری حالت میں ہوتا ہے جو پہلے امیر ہو اور پھر مفلس بن جائے اسی طرح یہ شخص جب اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا تو اسے سخت تکلیف ہوگی۔ (اس اذیت اور رنج کی مثال نہیں ملتی)

حدیث آخر:۔ "رَحِمَ اللّٰہُ عبداً الخ" اللہ اس بندے پر رحم فرمائیں جس پر کسی (مظلوم) کا (بدلہ) ظلم باقی ہو خواہ آبرو سے متعلق ہو یا مال سے، پس وہ (ظالم شخص) اس مظلوم کے پاس جا کر اس سے قبل از مؤاخذہ معاف کرائے (یعنی موت سے پہلے پہلے) جہاں (قیامت میں) نہ دینار ہوگا اور نہ ہی درہم، (جس کے ذریعہ حق ادا کرے) پس (وہاں) اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے (اُن کا حق) وصول کیا جائے گا لیکن اگر نیکیاں نہیں ہوں گی تو وہ لوگ اس پر اپنے گناہ لاد دیں گے (اور پھر وہ بوجہ گناہ دوزخی بن جائے گا)۔ (حسن صحیح)

حدیث آخر:۔ "لَتُؤَدُّنَّ الحقوق الخ" حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے حتیٰ کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔

قولہ: "لَتُؤَدُّنَّ الحقوق" حقوق مرفوع ہے نائب فاعل ہے۔ **قولہ:** "تقاد" تحفۃ الاحوذی اور عارضۃ الاحوذی کے متن پر الفاظ اس طرح ہیں "حتیٰ یُقادلِلشاۃ الجَلحَاء من الشاۃ القرناء" (مسلم باب تحریم الظلم ص: ۳۲۰ ج: ۲) پر بھی اسی طرح ہے یعنی بصیغۂ مجہول، جلحاء بالمد بغیر سینگ والی بکری کو کہتے ہیں جبکہ قرناء قرن سے ہے بمعنی سینگوں والی۔ ملا علی قاریؒ نے "لتؤدن" کو جمع معلوم کا صیغہ قرار دیا ہے علی ہذا حقوق کو منصوب پڑھنا ہوگا مگر تورپشتیؒ نے معروف کو غیر صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے مطلب میں علماء کا اختلاف ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں ابوالحسن اشعریؒ سے نقل کیا ہے کہ قصاص اور مجازات کا دارومدار افعال تکلیفیہ پر ہے چونکہ جانور مکلف نہیں اس لئے یہ حدیث تمثیل پر محمول ہوگی یعنی ہر ظالم شخص سے مظلوم کے لئے بدلہ لیا جائے گا پس قرناء سے مراد ظالم اور جلحاء سے مراد مظلوم ہے، جبکہ امام نوویؒ اور حافظ ابوالخطاب مغربیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور ظاہر حدیث سے ان کی تائید ہوتی ہے امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جانوروں کے قیامت

Maktaba Tul Ishaat.com

کے دن زندہ ہونے پر صریح ہے اور قرآن کی آیت: ''واذا الوحوش حشرت ''(سورۃ التکویر آیت:۵) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ بلاوجہ نصوص کو ظاہر سے نہیں پھیرنا چاہئے اس لئے ظاہری مطلب ہی صحیح ہے رہا جانوروں کا مکلف نہ ہونا تو یہ بدلہ بطور حکم تکلیفی کی خلاف ورزی پر نہیں بلکہ بطور مقابلہ یعنی برابری کے لئے ہے۔(ص:۳۲۰ج:۲)

المستر شد عرض کرتا ہے کہ ''واذا الوحوش حشرت ''نفخہ اولیٰ وثانیہ کے درمیان کے چھ/16 احوال میں سے ایک واقعہ ہے جو قیامت کے ابتدائی مراحل میں سے ہے اور ان جانوروں کا جمع ہونا خوف کے مارے ہوگا نہ کہ دوبارہ زندہ ہونے کی وجہ سے۔تدبر واللہ اعلم

بابٌ

''اذا کان یوم القیٰمة اُدنِیَتِ الشمسُ من العبادقِیدَ میل او اثنتین قال سلیم بن عامر: لاادری اَیَّ المیلین عَنیٰ اَمسافةَ الارض ام المیل الذی یُکحل به العین؟ قال فتَصهرُهم الشمس فیکونون فی العَرَقِ بقدراعمالهم فمنهم من یأخذه الی عَقِبَیه ومنهم من یأخذه الی رُکبَتیه ومنهم من یأخذه الی حقویه ومنهم من یُلجِمُه اِلجَاماً فرأیتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یشیربیده الی فیه ای یُلجِمُهُ اِلجاماً''.(حسن صحیح)

جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج بقدر ایک یا دو میل کے بندوں کے قریب کر دیا جائے گا سلیم بن عامر راوی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دونوں میلین میں سے کون سی قسم مراد لی ہے زمین کی مسافت یا وہ میل (سلائی) جس سے آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج ان کو پگھلا دے گا، پس وہ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے پس ان میں سے بعض ایسے ہونگے جن کو پسینے نے ایڑیوں تک گھیر لیا ہوگا، اور بعض ایسے ہونگے جن کو دونوں گھٹنوں تک پھنسایا ہوگا، اور ان میں سے کچھ ایسے ہونگے جن کو پسینے نے ازار بند (اِزار باندھنے) کی جگہ تک ڈبویا ہوگا اور ان میں سے کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو پسینے نے لگام دی ہوگی (یعنی لگام کی طرح منہ کے نچلے حصے تک پھنسا ہوگا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کی طرف اشارہ کیا چنانچہ راوی کہتا ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جو اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے یعنی لگام پہنانے کی طرح۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ: "قید" بکسر القاف مقدار کو کہتے ہیں مسلم کی روایت میں ہے "کمقدارِ میل" ظاہر یہی ہے کہ میل سے مراد مسافت ہے۔ "صھر" بمعنی پگھلنے کے جبکہ "حقوہ" شلوار یا ازار باندھنے کی جگہ جو عموماً ناف بنتا ہے، لگام سے مراد یہ ہے کہ پسینہ ان کے منہ تک آجائے گا تو جس طرح منہ میں لگام بولنے سے مانع بنتی ہے اسی طرح یہ لوگ بھی بولنے سے قاصر ہوں گے، اگلی روایت میں آدھے کانوں تک کے الفاظ ہیں کیونکہ جب وہ لوگ منہ میں پسینہ آنے کی وجہ سے اوپر دیکھیں گے تو پسینے کی سطح نصف کانوں تک پہنچ جائے گی، البتہ یہ حالت تمام لوگوں کی نہیں ہوگی بلکہ عصاۃ کی ہوگی انبیاء علیہم السلام اور دیگر اولیاء واتقیاء بالاتشین ہوں گے، اللہ ان کو اس مصیبت سے محفوظ رکھے گا۔

دو اعتراض:۔ ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ایک ہی میدان میں پسینے کی سطح میں اس طرح اونچ نیچ کیسے ممکن ہے؟ حالانکہ پسینہ مایع سیال مادہ ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آخرت کے واقعات میں بطور خرق عادت کے کوئی واقعہ رونما ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ وہ عالم دارالاسباب نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ پسینہ موم کی ڈھیری کی طرح ان کے گرد جمع ہوتا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ میدان محشر کی سطح ساری یکساں نہ ہو بلکہ اس وقت یا بعض مقامات پر اس میں اتار چڑھاؤ اور نشیب وفراز پایا جاتا ہو جیسے ساحل سمندر پر جو شخص زیادہ آگے ہوتا ہے وہ اسی تناسب سے پانی کے اندر ڈوب جاتا ہے جبکہ خشکی کے قریب تر شخص کم پانی میں ہوتا ہے۔ غرض ہوسکتا ہے کہ وہاں کوئی نشیب میں ہو اور کوئی نسبتاً بلندی پر اگرچہ شروع میں سطح ہموار ہوگی۔

دوسرا اعتراض:۔ یہ ہے کہ وہاں سورج کہاں ہوگا؟ اور یہ کہ اتنا قریب آجانا کشش ثقل کے بموجب تصادم یا کم از کم ملاپ کو مستلزم ہے۔

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ سورۂ تکویر کی پہلی آیت سے سورج کا بے نور ہونا ثابت ہے "اذا الشمس کُوِّرت واذا النجوم انکدرت" جس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ سورج ابھی تک اپنی تباہی کے عمل سے گذر رہا ہوگا اس کا موجودہ درجۂ حرارت اگرچہ بہت حد تک کم ہو چکا ہوگا تاہم وہ اپنی ذات میں پھر بھی بہت گرم ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ سورج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا ہو اور کچھ حصہ زمین کے اس قدر قریب آگیا ہو یا پھر اس کا حجم چھوٹا ہو جائے گا جیسا کہ "کوّرت" میں اس کی طرف اشارہ ہے، اور جہاں تک کشش ثقل کا تعلق ہے تو یہ اس دار فانی کا حکم ہے وہاں ہر چیز کی طاقت ختم ہو جائے گی الّا ماشاء اللہ۔

یہ بھی ممکن ہے جیسا کہ باقی روایات ونصوص کو سامنے رکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام فلکیہ اور

Maktaba Tul Ishaat.com

خصوصاً سورج زمین سے جُڑ جائے گا جس سے سمندر کا پانی آگ میں تبدیل ہو جائے گا، چونکہ دو کروی جسموں کے باہم ملنے سے ملنے والی جگہ میں فاصلہ کم وبیش ہوتا ہے یعنی زاویہ حادہ بننے کی وجہ سے ملنے والی جگہ میں فاصلہ انتہائی کم اور ذرا آگے ایک میل پھر مزید آگے بہت زیادہ ہوتا ہے، یہ لوگ اسی میل والے فاصلے کی جگہ پر ہوں گے پھر جب پل صراط کے ذریعہ اہل جنت نکل اور چڑھ جائیں گے تو یہ ساری فضا دوزخ میں شامل کر دی جائے گی سوائے مقاماتِ مقدسہ کے جیسے مساجد، حجر اسود اور کعبہ وغیرہ۔

باب ماجاء فی شأن الحشر

(لوگوں کے جمع ہونے کے احوال کا بیان)

"یحشر الناس یوم القیٰمة حُفاةً عُراةً غُرلاً کماخُلِقوا ثم قَرَأَ "کمابَدَأنَا اول خلق نعیده وعداً علینا انا کنا فاعلین" واول من یکسی من الخلائق ابراهیم، ویؤخذمن اصحابی برجال ذات الیمین وذات الشمال فیقول (فاقول) یارب! اصحابی افیقال: انک لا تدری ماأحدثوا بعدک، انهم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابهم مُنذ فارَقتَهم فاقول کماقال العبدالصالح: ان تعذبهم فانهم عبادک وان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم". (اخرجه الشیخان)

لوگوں کو قیامت کے دن ننگے پیر، ننگے جسم، بغیر ختنہ کے جمع کر دیا جائے گا ایسے ہی جیسے وہ پیدا کئے گئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کر دیں گے (یہ) وعدہ لازم ہے ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں (انبیاء آیت ۱۰۴) اور سب سے پہلے مخلوق میں سے جسے لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم ہوں گے اور میرے صحابہ (یا امت) میں سے کچھ لوگوں کو دائیں (جنت) اور بائیں (دوزخ) طرف لے جایا جائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے (بخاری میں ہے میں کہوں گا) اے میرے رب! یہ میرے صحابہ (یا امتی) ہیں پس کہا جائے گا آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے (وصال کے) بعد کیا کیا نئی چیزیں نکالیں۔ یہ لوگ اس وقت سے جب آپ نے ان کو چھوڑا تھا الٹے پاؤں واپس جاتے رہے (یعنی اسلام کو چھوڑ کر یا سنت کو چھوڑ کر) پس میں ایسا ہی کہوں گا جیسے اس نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا۔ ان تعذبھم الآیہ۔

تشریح:۔ قولہ: "حُفاةً عُراةً غُرلاً" تینوں بضم الاول ہیں حفاۃ حافی کی جمع ہے عُراۃ عاری کی اور

Maktaba Tul Ishaat.com

غرلاً اغرل کی جمع ہے، جس کا ختنہ نہ کیا گیا ہو یعنی جلفہ پر وہ زائد کھال موجود ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی اعضاء میں سے کوئی حصہ گمشدہ نہ ہوگا۔ مسلم ص:۳۸۴ ج:۲ میں یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ مرد اور عورتیں جب سب ننگے ہوں گے تو پھر تو وہ ایک دوسرے کو نظر آئیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہؓ! معاملہ اس سے زیادہ سخت ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔

اس حدیث سے مذکورہ آیت کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ اس میں تشبیہ سے کیا مراد ہے۔

قولہ: "یارب اصحابی" یعنی بائیں طرف والوں کے لئے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں دراصل یہ لوگ پیاس بجھانے کے لئے حوض کوثر پر آرہے ہوں گے جن کو فرشتے روک لیں گے بلکہ بائیں موڑ دیں گے ان کو پہچان کر آپ علیہ السلام یہ ارشاد فرمائیں گے ... یہ کون لوگ ہوں گے؟ تو حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپ علیہ السلام کے وصال کے بعد مرتد ہو گئے تھے چونکہ آپ کی حیات میں وہ مسلمان تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے اصحابی الخ۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ وہ مبتدعین ہوں گے جو اپنی بدعت کی وجہ سے اسلام سے خارج نہ ہوئے ہوں گے یہ لوگ اگرچہ ابتداءً جہنم میں جائیں گے اور سنت کے پیروکار نہ ہونے کی وجہ سے حوض کوثر سے محروم کر دیئے جائیں گے مگر وہ مخلد فی النار نہیں ہوں گے علیٰ ھذا پھر اصحابی سے مراد آثار وضوء کی وجہ سے عام غُر و مُحجّلین ہیں امام نوویؒ نے حافظ ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ ہر مبتدع حوض سے دھتکارا جائے گا۔

"کل من احدث فی الدین فھو من المطرودین عن الحوض کالخوارج والروافض وسائر اصحاب الاھواء قال وکذالک الظلمۃ المسرفون فی الجور وطمس الحق والمُعلِنُون بالکبائر قال وکل ھؤلاء یخاف علیھم ان یکونوا ممن عنوا بھذا الخبر" واللہ اعلم. (شرح مسلم ص:۱۲۶ ج:۱)

اس حدیث میں "اول من یکسی من الخلائق ابراھیم" سے یہ شبہہ نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اس سے زیادہ سے زیادہ جزوی فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے دلائل واضح و مشہور ہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے پہلے کیوں (سفید) کپڑے پہنائے جائیں گے؟ تو اس بارے میں متعدد اقوال ہیں:

Maktaba Tul Ishaat.com

(۱) ایک یہ ہے کہ جب ان کو آگ میں پھینکا جارہا تھا تو ان کے کپڑے اتار لئے گئے تھے اس لئے ان کو بطور خاص انعام سے نوازا جائے گا۔ (۲) دوسرا یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے شلوار کی سنت مشروع فرمائی ہے (۳) وہ ابوالانبیاء اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد ہونے کی بناء پر مقدم کئے جائیں گے یعنی ابوت کی فضیلت کی وجہ سے۔

قولہ: "رِجالاً" بکسر الراء راجل کی جمع ہے بمعنی پیدل پا چلنے والا۔

قولہ: "رکباناً" بضم الراء راکب کی جمع بمعنی سوار کے ہے۔

قولہ: "وتجرّون" بصیغۂ مجہول تمہیں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا یا چلایا جائے گا یعنی کاملین سوار ہوں گے اور ناقصین پیدل اور بعض الٹے ہوں گے۔ رِجال کی تقدیم رکبان پر کثرت تعداد کی وجہ سے ہے۔

باب ماجاء فی العرض

(پیش ہونے کا بیان)

"یعرض الناس یوم القیٰمة ثلٰث عَرَضات فَاَمَّاعرضتان فجِدالٌ ومعا ذیر واما العرضة الثالثة فعند ذالک تطیر الصُحُفُ فی الایدی فَاٰخِذٌبیمینه واٰخذٌبشماله".

قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی پس دو جو ہوں گی ان میں حجت بازی اور معذرتیں ہوں گی اور جب تیسری پیشی ہوگی تو اس وقت اعمال نامے اُڑ کر ہاتھوں میں آجائیں گے، پس کوئی اپنے داہنے ہاتھ سے تھامے ہوئے ہوگا اور کوئی بائیں سے پکڑے ہوئے ہوگا۔

تشریح:۔ قولہ: "عرضات" بفتح العین والراء اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہونا مراد ہے ان تینوں میں سے پہلی پیشی کے وقت جدال یعنی انکار و حجت بازی کی سی صورت ہوگی کہ مجرم لوگ کہیں گے ہم کو دعوت نہیں پہنچی عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ جدل کہتے ہیں حجت کا مقابلہ حجت سے کرنے کو جبکہ مجادلہ مناظرے کو کہتے ہیں غرض وہ لوگ انکار کریں گے مگر اللہ کی حجت غالب رہے گی۔ اس طرح دوسری پیشی میں مجرم لوگ معاذیر یعنی اعذار پیش کریں گے کہ جب انکار سے کام نہیں بنے گا تو وہ اعذار پر آجائیں گے کہ ہم مجبور تھے بے بس تھے وغیرہ وغیرہ لیکن ان کی ایک بھی نہیں سنی جائے گی۔ اور تیسری پیشی میں ان کے اعمال نامے خواہی ونا خواہی ان کے ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے یہاں طیران کنایہ ہے سرعت وقوع سے، حدیث کا یہ مطلب حاشیہ پر لمعات کے

Maktaba Tul Ishaat.com

حوالہ سے بیان کیا گیا ہے تحفۃ الاحوذی میں فتح الباری سے نقل کیا گیا ہے کہ پہلی پیشی کفار کی ہوگی چونکہ وہ اللہ کو کماحقہ نہیں جانتے اس لئے وہ انکار کی وجہ سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہتے ہوں گے۔ جبکہ دوسری پیشی اور معذرتیں انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہوں گی کہ ہم نے ان تک اللہ کے پیغامات پہنچائے ہیں۔ اور تیسری پیشی سب مؤمنین سے متعلق ہوگی اس کو عرض اکبر کہتے ہیں۔ یہ مطلب بھی صحیح بن سکتا ہے۔ غرض جو کامیاب ہوگا وہ سیدھے ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑے گا اور جو نامراد ہوگا وہ الٹے ہاتھ میں تھامے گا۔

یہ روایت منقطع ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح فرمائی ہے تاہم یہ روایت ابن ماجہ ص ۳۱۶ پر ''باب ذکر البعث'' میں ''عن الحسن عن ابی موسیٰ الاشعری'' سے بھی مروی ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اخیر میں تصریح فرمائی ہے۔

باب منه

''عن عائشة قالت سمعتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من نُوقِش الحساب هَلَكَ، قلتُ يارسول الله! ان الله يقول: فَأَمَّامن أُوتى كتابه بيمينه فسوف يحاسب حساباً يسيراً؟ قال ذاك العرض''. (حسن صحيح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس سے حساب میں گرما گرم بحث ہوگئی تو وہ ہلاک ہوگیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول! اللہ نے تو فرمایا ہے ''سو جسے ملا اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں تو اس سے حساب لیں گے آسان حساب''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (صرف) پیشی ہے۔

تشریح:۔ قوله: ''نوقش الحساب'' حساب میں مناقشہ یہ ہے کہ اس سے ہر ایک بات کے بارے میں پوچھا جائے اور خُردہ گیری سے لبریز گرما گرم بحث ہو یقیناً ایسا شخص ہلاک ہوگا یعنی عذاب کا مستحق ہوگا چونکہ یہاں بظاہر اس حدیث کا مندرجہ بالا آیت سے تعارض کا شبہ ہوسکتا تھا کہ یہاں مطلقاً اس شخص کو قابلِ ہلاکت قرار دیا ہے جس کے ساتھ حساب ہو جبکہ آیت میں حساب کو یسیر یعنی آسان حساب کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض حساب آسان بھی ہوتا ہے، اور آپ علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ حساب کی ایک صورت سختی سے پوچھ گچھ کی ہے جو یہاں حدیث میں مراد ہے اور دوم نرمی سے اعمال اس شخص کے سامنے بیان کرنا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

جو آیت میں مراد ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں، پھر حساب یسیر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سرسری جائزہ کے بعد اسے جنت کا پروانہ دے دیا جائے گا اور عذاب بالکل نہ دیا جائے دوسری یہ کہ اسے دائمی عذاب تو نہ دیا جائے مگر کچھ عذاب گناہوں پر دیا جائے پھر جنت میں داخل کیا جائے یہ دونوں اہلِ ایمان کے لئے ہیں جبکہ کفار عذاب سے کسی صورت نہیں بچیں گے ان کا عذاب وحساب بہر حال سخت ہوگا۔

باب منه

"یُجاء بِابن اٰدم یوم القیٰمة کَانّه بَذَجٌ فیوقف بین یدی اللّٰه تعالیٰ فیقول اللّٰه: اَعطیتُک وخَوَلتُک وانعمتُ علیک فما ذاصنعتَ ؟فیقول:یارب جمعتُه وثَمّرته وترکتُه اکثرماکان فارجِعنی اٰتِکَ به کله افیقول له:اَرِنی ماقَدّمتَ؟فیقول یارب جمعته وثمّرتُه فترکته اکثرماکان فارجعنی اٰتک به کله،فاذا عبد لم یقدّم خیراً فیُمضیٰ به الی النار".

قیامت کے دن آدمی کو لایا جائے گا جو گویا بھیڑ کا بچہ ہوگا (یعنی گھبراہٹ سے سمٹ گیا ہوگا) سو اسے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا کر دیا جائے گا، اللہ فرمائیں گے میں نے تجھے دولت دی، نوکر چاکر دیئے اور (دیگر) انعامات کئے تجھ پر تو تم نے کیا کیا؟ پس وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے وہ مال جمع کیا اور بڑھایا اور زیادہ سے زیادہ چھوڑ چکا ہوں پس مجھے واپس لوٹا دیں میں وہ سارا مال تیرے پاس لاتا ہوں، اللہ اس سے فرمائیں گے مجھے دکھاؤ تم نے آگے کیا بھیجا ہے؟ (یعنی موت سے پہلے) وہ (پھر) کہے گا اے میرے رب! میں نے اسے جمع کیا ہے اور بڑھایا ہے اور زیادہ سے زیادہ چھوڑا ہے پس مجھے واپس جانے دیں میں وہ سب تیرے سامنے پیش کرتا ہوں (یعنی صدقہ کرتا ہوں) چنانچہ جب اس شخص نے کچھ بھلائی نہیں کی ہوگی تو اسے جہنم کی جانب چلتا کیا جائے گا۔

تشریح:۔قولہ:"کانه بذج" بروزن سَبَبٌ بھیڑ اور دنبے کے بچے کو کہتے ہیں یہاں مراد حقارت اور خوف کے مارے سکڑنا ہے۔

قولہ:"خولتک" ای اعطیتُک خولاً، خول بفتحتین خادم، نوکر چاکر وغیرہ کو کہتے ہیں، آج کل گاڑیاں اور دیگر تمام مشینیں اس میں آتی ہیں کیونکہ یہ سب انسان کی خادم ہیں۔قولہ:"ثمرته" بتشدید المیم تثمیر زیادہ کرنے اور اضافے کو کہتے ہیں کیونکہ ثمرہ ایک زائد چیز ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث میں اگر ابن آدم سے مراد کافر ہو تو پھر مطلق صدقہ وانفاق فی سبیل اللہ پر حمل کیا جائے گا کیونکہ کافر نہ تو صدقہ نفلیہ مانتا ہے اور نہ ہی واجبی، لیکن اگر یہ مطلق ابن ادم ہو خواہ مسلمان کیوں نہ ہو تو پھر یہ سزا وگرفت زکوٰۃ ودیگر صدقات واجبیہ میں کوتاہی کی بناء پر ہوگی کیونکہ صدقہ نفلیہ کے ترک پر سرزنش نہیں ہے اگر چہ اس کا فائدہ بہت ہے۔

حدیث آخر:۔ایک بندہ قیامت کے دن لایا جائے گا اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: کیا میں نے تجھے سننے اور دیکھنے کی قوت نہیں دی تھی اور دولت واولاد نہیں دی تھی اور چوپائے اور کھیتی کو تیرے تابع نہیں بنایا تھا اور تجھے سرداری کرتا ہوا اور چوتھائی حصہ مال کا لیتا ہوا نہیں بنایا تھا؟ تو کیا تمہیں یقین آرہا تھا کہ تم اس دن سے آملو گے؟ تو وہ کہے گا نہیں! تو اللہ اس سے فرمائیں گے آج ہم تجھے اسی طرح (جہنم میں) چھوڑ دیں گے جس طرح تم نے ہم (سے ملنے) کو نظر انداز کیا تھا۔ (صحیح غریب)

قولہ: "ترأس" رأس اور رئیس پیشوا کو کہتے ہیں یعنی تم سرداری کیا کرتا تھا۔

قولہ: "تربع" رُبع یعنی مال میں سے چوتھائی حصہ لینے کو کہتے ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں سردار غنیمت اور دیگر پیداوار سے چوتھائی وصول کرتے تھے۔

قولہ: "أنساکَ" یہ نسبت بطور مشاکلت کے ہے چونکہ اس آدمی کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے اس لئے اللہ کی طرف بھی نسبت کی گئی، مراد ترک ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح فرمائی ہے یعنی جس طرح بھولی ہوئی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا ہے ایسا ہی تم کو چھوڑ دیا جائے گا۔

باب منه

"یومئذ تُحَدِّثُ اخبارها" قال أتدرون ما اخبارها؟ قالوا: الله ورسوله اعلم، قال: فان اخبارها ان تشهدَ على كل عبدٍ اَوْ اَمَةٍ بِما عمل كذا وكذا في يوم كذا وكذا قال بهذا (هذا) امرها". (حسن غريب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: اس دن (زمین) کہہ ڈالے گی اپنی باتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ اس کی باتیں کیا ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن (زمین) کی باتیں یہ ہوگی کہ وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

گواہی دے گی ہر بندے اور ہر باندی کے بارے میں کہ اُس نے اِس کی پشت پر فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح گویائی کا اللہ نے اس کو حکم دیا ہوگا۔

تشریح:۔ بعض نسخوں میں ''فھذا امرھا'' اور بعض میں ''امرھا'' کے بجائے'' اخبارھا '' ہے پس ''بھذا امرھا'' والے نسخے کے مطابق امرھا میں میم کو مفتوح ماضی کے صیغہ سے پڑھا جائے گا جبکہ ھذا امرھا میں میم ساکن ہے یعنی مصدر اور ھذا کی خبر ہے اسی طرح اخبارھا بھی ھذا کی خبر ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ زمین پر جو بھی نیکی بدی کا عمل کیا جاتا ہے زمین اس کا ریکارڈ اپنے پاس محفوظ رکھتی ہے اور قیامت کے روز سارا ڈیٹا اور تمام تفصیلات، سن، مہینہ اور وقت بتا کر گواہی دے گی کہ کس نے کس وقت کیا کیا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔

باب ماجاء فی الصور

(صور پھونکنے کا بیان)

''جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: ماالصُّور؟ قال: قَرنٌ یُنفَخُ فیہ''.

(حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا صور کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سینگ (کی طرح ایک چیز ہے) جس میں پھونکا جائے گا۔

تشریح:۔ ''صور'' بضم الصاد وسکون الواؤ بوق اور نرسنگھے کو کہتے ہیں بعض حضرات نے اس کو صور الموتی کی جمع قرار دیا ہے گویا بضم الواؤ پڑھا ہے مگر صحیح اول ہی ہے کیونکہ یمن کی اصطلاح ولغت میں صور قرن کو کہتے ہیں۔

قولہ: ''قرن'' بسکون الراء بگل کو کہتے ہیں، سوال گویا اس آیت سے ناشی و پیدا ہوا'' ونفخ فی الصور '' یا کسی اور آیت سے جبکہ جواب کا مقصد یہ ہے کہ صور بگل کی مانند ایک آلہ ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے، اس کی پوری حقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتے ہیں تاہم اس قسم کی تعبیرات لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہوتی ہیں کیونکہ لوگ تو بگل جانتے ہیں اصل صور تو کسی نے نہیں دیکھا مگر اس کے مشابہ تر چیز چونکہ قرن

Maktaba Tul Ishaat.com

تھی اس لئے اسے قرن سے تعبیر کیا گیا۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا ایک بار پھونکنے سے سب انتہائی خوف زدہ ہوجائیں گے، دوسری مرتبہ بے ہوش ہوجائیں گے اور تیسری مرتبہ پھونکنے سے سب زندہ ہوجائیں گے۔ اگر اسے قول ضعیف کے مطابق جمع صور الموتی مانا جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ مردوں میں ارواح ڈالی جائیں گی۔

حدیث ابی سعیدؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں کیسے شاد ماں رہوں جبکہ بگل والے (حضرت اسرافیلؑ) نے قرن کو منہ میں لیا ہوا ہے اور کان لگائے رکھے ہیں کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ملے گا تاکہ وہ فوراً ہی پھونک دے تو گویا یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر سخت گراں گذری، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہو: **حسبنا اللہ الخ**"۔ (حسن)

قولہ: "انعم" بصیغہ واحد متکلم نَعِمَ بفتح النون سے بمعنی خوش وخرم کے ہے یعنی میں کیونکر سرور وراحت کی زندگی گذاروں جبکہ صورت حال بہت گھمبیر ہے یہاں کیف سے پہلے "واؤ" کا اضافہ ہے مگر سورۂ زمر کی تفسیر میں بغیر واؤ کے آیا ہے اور بظاہر وہی یعنی بغیر واؤ کے زیادہ صحیح ہے۔

قولہ: "التقم" لقمہ دنوالہ بنانا یعنی صور پھونکنے پر مامور فرشتہ حضرت اسرافیل علیہ السلام منہ میں قرن لئے حکم کے منتظر ہیں اور اس کے لئے گویا ہمہ تن گوش بن گئے ہیں، اس روایت کو ظاہر ہی پر محمول کیا جائے گا۔

ابواب التفسیر میں ہے کہ صحابہ نے آپ علیہ السلام سے پوچھا ہم کیا پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعاء کی تلقین فرمائی کیونکہ جب آدمی اپنے آپ کو اللہ ہی کے حوالے کردیتا ہے اور اسے اپنا کفیل ووکیل اور کافی سمجھنے لگتا ہے تو اللہ اس کی حفاظت ضرور کرتا ہے۔

باب ماجاء فی شأن الصراط

(پُلِ صراط کی کیفیت کا بیان)

"عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: شِعار المؤمنین علی الصراط ربِّ سَلِّم، سَلِّم".

پُل صراط پر ایمان والوں کی شناخت "رب سَلِّم سَلِّم" ہوگی یعنی اے رب امان میں رکھ، حفاظت میں رکھ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تنبیہ:۔ پل صراط عالم مثال میں اسلام کا جسم مثالی ہے جو یہاں دین اسلام سے محروم رہا وہ آخرت میں پل صراط عبور نہیں کر سکے گا اور جو یہاں جتنی سہولت سے اسلام پر رہا وہ وہاں بھی آسانی سے عبور کر سکے گا

تشریح:۔ قولہ: "شِعار" بکسر الشین وہ مخصوص الفاظ جو شناخت، تمیز اور علامت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسے مجاہدین رات کی پہرے داری کے دوران اپنے ساتھیوں کی شناخت ایسے ہی الفاظ سے کرتے ہیں جو اس رات کے لئے مخصوص کر دیئے جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں "نامِ شب" کہا جاتا ہے جبکہ معجم کبیر للطبرانی میں شعار کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں "یا لا الٰہ الّا انت" یعنی "یا اللہ لا الٰہ الّا انت" دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ سلم سلم عام امتیوں کا شعار ہوگا جبکہ "یا لا الٰہ الّا انت" خواص کا۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی یہ دعاء پڑھتا رہے بلکہ ہر امت کی طرف سے اس کا نبی ایسا پڑھتے رہیں گے چنانچہ ایک روایت میں ہے "فاکون اول من یجیزُ ودعاء الرسل یومَئِذٍ :اللّٰھم سلّم سلّم "علیٰ ھذا امت میں جو یہ دعاء پڑھے گا وہ اس کی محمدی ہونے کی نشانی ہوگی۔

حدیث انسؓ:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لئے قیامت کے دن (خصوصی) سفارش فرمائیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسا کرنے والا ہوں، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! تو میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے مجھے پل صراط پر ڈھونڈو، میں نے کہا اگر پل صراط پر آپ سے نہ مل سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرو، میں نے عرض کیا تو اگر میزان کے پاس بھی آپ سے نہ مل سکا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر مجھے حوض (کوثر) کے پاس ڈھونڈو کیونکہ بلاشبہ میں ان تین مقامات سے ادھر ادھر نہیں ہوں گا۔ (حسن غریب)

یعنی شفاعت کے لئے میں ان تین مقامات میں کسی نہ کسی مقام پر ضرور ملوں گا، اس حدیث کی ظاہری ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ صراط پہلے ہے پھر میزان ہے اور اخیر میں حوض ہے اور یہی بعض شارحین کی رائے ہے، امام بخاریؒ نے بھی حوض کی حدیث اخیر میں ذکر کر کے اسی ترتیب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ حوض مقدم ہے پھر میزان یعنی حساب ہے اور اخیر میں صراط ہے، مذکورہ باب کی حدیث کی ترتیب باعتبار ترتیب وقوعی کے نہیں بلکہ باعتبار ہولناکی کے ہے یعنی سب سے اشد ضرورت پل صراط پر سفارش اور دستگیری کی پڑے گی کہ وہ انتہائی ہولناک منظر ہے پھر بعدہ میزان ہے اور پھر نسبۃً آسان حوض ہے، علیٰ ھذا

Maktaba Tul Ishaat.com

''اَوَّلُ ماتطلبنی'' باعتبار ضرورت کے ہے یعنی سب سے زیادہ ضرورت سفارش کی پل صراط پر پڑے گی پھر میزان پر۔

حاشیہ ترمذی پر حضرت عائشہ ؓ کی حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دفعہ وہ رونے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ پوچھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھے آگ یاد آ گئی اس لئے رونے لگی پھر کہنے لگیں:

''فهل تذكرون اهليكم يوم القيٰمة ؟قال صلى الله عليه وسلم اَمّافى ثلٰثة مواطن فلايذكر احدٌ احداً عند الميزان ''.الحديث

یعنی اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مقامات پر سفارش نہیں ہوگی جبکہ حدیث باب سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور یہ تو تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں مگر میری کوتاہ سمجھ میں یہ توجیہ آتی ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ ؓ کی حدیث میں ہے ''هل تذكرون اهليكم ؟'' یعنی آپ کو یا انبیاء کی جماعت کو اپنے اقارب یاد آئیں گے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی میں جواب دیا ہے یعنی کسی کو کوئی بھی یاد نہیں آئے گا اس میں شفاعت کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ معاملہ انتہائی سخت ہوگا جس کی بناء پر کوئی بھی یاد نہیں رہے گا ہاں اگر کوئی سامنے آجائے جیسا کہ حضرت انس ؓ کی حدیث باب میں ہے تو پھر اس کی سفارش کی جاسکتی ہے۔

باب ماجاء فی الشفاعة

(سفارش کے بیان میں)

'' عن ابى هريرة قال اُتِىَ رسول الله صلى الله عليه وسلم بلحم فَرُفِعَ اليه الذراع فاكله وكان يعجبه فَنَهَشَ منه نَهشَةً ثم قال :اناسيّدالناس يوم القيٰمة هل تدرون لِمَ ذاكَ؟ يجمع الله الناس الاولين والآخرين فى صعيدواحد فيُسمِعُهم الداعى وينفذهم البَصَرُ وتدنوا الشمس منهم فيبلغ الناس من الغم والكرب مالايطيقون ولايَتَحَمَّلُون فيقول الناس بعضهم لبعض:اَلا ترون ماقدبَلَغَكم؟ اَلاتنظرون من يشفع لكم الى ربكم؟ فيقول الناس بعضهم لبعض:عليكم بادم فيأتون ادم فيقولون:انت ابوالبشر خَلَقَكَ اللهبيده ونفخ فيك من روحه وَاَمَرَالملائكة فَسَجَدُوالَكَ اِشفَع لنااالى ربك اَمَاترىٰ مانحن فيه اَلاترىٰ ما قد بَلَغَنا

Maktaba Tul Ishaat.com

فیقول لهم اٰدم :ان ربی قدغضِب الیوم غضَباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانه قد نَهَانی عن الشجرة فَعَصیتُه نفسِی نفسِی نفسِی اذهبواالی غیری اذهبواالی نوح فیأتون نوحاً فیقولون :یانوح انت اول الرسل الی اهل الارض وقدسمّاک اللّٰہعبداً شکوراً اِشفع لَنَاالی ربک اَلا تریٰ ماقدبَلَغَنَا؟فیقول لهم نوح:ان ربی قد غضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانه قدکانت لی دعوة دعوتهاعلی قومی نفسی نفسی نفسی اِذهبواالی غیری اِذهبواالی ابراهیم فیأتو ن ابراهیم فیقولون:یاابراهیم اَنتَ نبی اللّٰہ وخلیله من اهل الارض فاشفع لنا الی ربک اَلاتریٰ مانحن فیه؟فیقول ان ربی قدغضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانی قدکذبتُ ثلاث کَذِبات فذکرهن ابوحیان فی الحدیث،نفسی نفسی نفسی،اذهبوا الی غیری اذهبواالی موسیٰ!فیأتون موسیٰ فیقولون یاموسی!اَنتَ رسول اللّٰہفَضّلَکَ اللّٰہبرسالته وکلامه علی الناس اشفع لناالی ربک اَلاتریٰ مانحن فیه؟فیقول:ان ربی قدغضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانی قدقتلتُ نفساً لَم اُومربقتلهانفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غیری اذهبواالی عیسیٰ!فیأتون عیسیٰ فیقولون :یاعیسیٰ !اَنتَ رسول اللّٰہوکلمته القاها الی مریم وروح منه وکَلَّمتَ الناس فی المهدِاشفع لناالی ربک اَلاتریٰ مانحن فیه فیقول: عیسیٰ ان ربی قدغضب الیوم غضباً لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله ولم یذکرذنباً نفسی نفسی نفسی اذهبواالیٰ غیری اذهبواالیٰ محمدصلی اللّٰہ علیه وسلم قال فیأتون محمداً صلی اللّٰہ علیه وسلم فیقولون:یامحمد!انت رسول اللّٰہوخاتم الانبیاء وغُفِرَلَکَ ما تقدم من ذنبک وماتأخراشفع لناالیٰ ربک !اَلاتریٰ مانحن فیه فَاَنطلِقُ فاٰتِی تحت العرش فَاَخِرُّ ساجداً لِربی ثم یفتح اللّٰہعَلَیَّ من محامده وحُسنِ الثنآء علیه شیئاً لم یفتحه علی احدقبلی ثم یقال یامحمد!ارفع رأسک سَل تُعطَه واشفع تُشَفَّع !فارفع رأسی فاقول یارب! امتی یارب امتی یارب امتی!فیقول یامحمد!اَدخِل من امتک من لاحساب علیه من الباب الایمن من ابواب الجنة وهم شرکاء الناس فیماسویٰ ذالک من الابواب ثم قال:والذی نفسی بیده ان مابین المصراعین من مصاریع الجنة کمابین مکة وهجروکمابین مکة

Maktaba Tul Ishaat.com

وبُصریٰ".(حسن صحیح واخرجه البخاری فی کتابِ الانبیاء باب قول اللّٰہ عزوجل "ولقدارسلنانوحاً الیٰ قومه"(ص ۴۷۰ ج ۱)وکتاب التفسیرباب قوله ذرّیة من حملنامع نوح الخ (ص ۶۸۴ ج ۲)واخرجه مسلم فی کتاب الایمان(ص۱۰۸ ج ۱)باب اثبات الشفاعة الخ وکذااخرجه ابن ماجه واحمدوالبزاروابویعلیٰ وابن حبان فی صحیحه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک بازو اٹھادیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا آپ کو ذراع پسند تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نوچ نوچ کر تناول فرمایا پھر آپ نے فرمایا میں قیامت کے روز لوگوں کا سردار ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیوں؟ (اس لئے کہ) اللہ اگلے پچھلے سب لوگوں کو ایک ہی (ہموار) میدان میں جمع فرمائیں گے (بایں طور کہ) ایک پکارنے والا ان سب کو سُنا سکے گا اور ایک نظر سب تک پہنچے گی اور سورج ان کے قریب ہوجائے گا، پس لوگ غم ومصیبت کے اس درجہ تک پہنچ جائیں گے جس کی وہ (صبر کی) قدرت نہیں رکھیں گے اور نہ ہی تاب لاسکیں گے، پس لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نہیں دیکھتے ہو وہ مصیبت جو تمہیں پہنچی ہے؟ کیا تم غور نہیں کررہے ہو ایسے شخص کے بارے میں جو تمہاری سفارش کرے تمہارے رب سے؟ پس لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے بس تم سب آدمؑ ہی کے پاس چلے جاؤ! چنانچہ وہ آئیں گے آدم کے پاس اور کہیں گے کہ آپ سب انسانوں کے پدر ہیں اللہ نے آپ کو اپنے دست (قدرت) سے پیدا کیا ہے اور آپ میں اپنی طرف سے روح ڈالی ہے (یعنی بلا اسباب) اور فرشتوں کو حکم دیا تو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا (اس لئے) آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے؟ کیا آپ وہ مصیبت نہیں دیکھ رہے ہیں جس میں ہم مبتلاء ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں جو آفت ہم پر آپڑی ہے؟ سو فرمائیں گے آدمؑ بلاشبہ میرا رب آج ایسا غصہ ہوا ہے کہ نہ تو اس طرح کبھی پہلے غصہ ہوا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں ایسا غصہ ہوگا اور بے شک اس نے مجھے ایک درخت (کھانے) سے روکا تھا سو میں وہ حکم پورا نہ کرسکا مجھے اپنی فکر دامن گیر ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ (بلکہ) تم نوحؑ کے پاس چلے جاؤ! چنانچہ لوگ نوحؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے نوح! آپ زمین والوں کی طرف پہلے (بھیجے گئے) رسول ہیں، اور تحقیق اللہ نے آپ کا نام عبدِ شکور (شکر گذار بندہ) رکھا ہے آپ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے جس مصیبت میں ہم گرفتار ہیں؟ کیا آپ نہیں دیکھ رہے جو مصیبت ہم پر آگئی ہے؟ پس حضرت نوحؑ ان سے فرمائیں گے: میرا رب آج اتنا غصہ ہوا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

جواس طرح نہ کبھی پہلے غصہ ہوا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں ایسا غصہ ہوگا بے شک میرے لئے ایک مستجاب دعاء تھی تو وہ میں نے مانگی ہے (یا خرچ کی ہے) اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے مجھے تو اپنی فکر لگی ہے... تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ (بلکہ) چلے جاؤ تم لوگ ابراہیمؑ کے پاس چنانچہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی ہیں اور زمین والوں میں سے اللہ کے دوست ہیں سو آپ اپنے رب سے ہمارے لئے سفارش کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہم جس مصیبت میں پڑے ہیں؟ تو وہ فرمائیں گے میرا رب آج اتنا غصہ ہوا ہے جتنا نہ کبھی اس سے پہلے غصہ ہوا تھا اور نہ اتنا کبھی بعد میں غصہ ہوگا اور میں نے تین جھوٹ (یعنی بصورت جھوٹ) بولے ہیں (چنانچہ ابوحیان راوی نے وہ تین باتیں اپنی روایت میں ذکر فرمادیں۔) مجھے اپنی فکر لاحق ہے... تم کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ پس وہ لوگ موسیٰ کے پاس آئیں گے اور گذارش کریں گے کہ اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ذریعہ آپ کو لوگوں پر برتری دی ہے (لہٰذا) آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہم جس بلا میں ہیں؟ تو وہ فرمائیں گے تحقیق میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے جو اس طرح نہ پہلے غضبناک ہوا ہے اور نہ کبھی بعد میں ہوگا، بے شک میں نے ایک جان کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہیں ہوا تھا (یعنی قبطی کو) مجھے اپنی فکر درپیش ہے... تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس چلے جاؤ، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ! چنانچہ وہ لوگ عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ (کن) ہیں جو ڈالا ہے اس نے مریم کی طرف اور اس کی (طرف سے) روح ہیں (یعنی آپ کو بغیر اسباب کے لفظ کن سے پیدا کیا ہے) اور آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات کی ہے (یعنی پیدائش کے فوراً بعد) آپ ہمارے لئے اپنے رب سے سفارش کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے وہ تکلیف جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں؟ پس عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: بے شک آج میرا رب اتنا غضبناک ہے جو نہ تو کبھی اس سے پہلے اتنا غضبناک ہوا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں ہوگا وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں فرمائیں مجھے اپنی فکر نے بے چین کیا ہے، تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ! تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ! فرمایا پس وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاءؑ میں آخری نبی ہیں اور بخشے گئے ہیں آپ کے اگلے پچھلے سب بار خاطر بوجھ آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے! کیا آپ نہیں دیکھ رہے وہ رنج جس میں ہم گھرے ہوئے ہیں؟ پس میں چلا جاؤں گا اور عرش کے نیچے آؤں گا پس اپنے رب کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑوں

Maktaba Tul Ishaat.com

گا، پھر اللہ اپنی حمد اور اچھی اچھی تعریفوں کے وہ کلمات مجھ پر کھولے گا (یعنی میری زبان اور جنان پر جاری فرمائے گا) جو مجھ سے پہلے اللہ نے کسی پر نہیں کھولے ہوں گے پھر ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) !اپنا سر اٹھاؤ! مانگو تمہیں دیا جائے گا (یعنی سوال قبول ہوگا) اور شفاعت کرو تیری شفاعت قبول کی جائے گی !تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا: اے میرے رب! میری امت !اے رب !میری امت !(یعنی میں اپنی امت کی نجات و بخشش مانگتا ہوں) پس اللہ فرمائیں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں جنت کے داہنے دروازے سے داخل کرو اور وہ (امتی) جنت کے باقی ماندہ دروازوں میں بھی لوگوں کے شریک ہیں (یعنی اگر وہ چاہیں تو کسی بھی دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت کے (دروازوں کے) پٹوں میں سے دو پٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ھَجَر کے درمیان ہے یا جیسے مکہ اور بُصریٰ کے مابین ہے۔

تشریح:۔قولہ: "ذِراع" بروزن کتاب اصل میں کلائی یعنی کہنی سے ہتھیلی تک کے حصے کو کہتے ہیں جسے ساعد بھی کہا جاتا ہے۔

قولہ: "وکان یعجبہ" آپ علیہ السلام کو ہاتھ کا گوشت اس لئے پسند تھا کہ یہ گندگی کی جگہ سے دور ہوتا ہے اور جلدی بھی پک جاتا ہے کچھ مزید وجوہات ابواب الاطعمۃ کے "باب ماجاء اَیُّ اللحم کان احب الی رسول اللہ ﷺ" میں گذری ہے، فلیراجع۔

قولہ: "فنهش" اس کے لئے ابواب الاطعمہ میں مستقل باب گذرا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ نَھس بسین مہملہ اور نَھش بشین معجمہ یعنی نہش دونوں مترادف المعنیٰ بمعنی دانتوں سے نوچنے کے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگلے دانتوں سے نوچ کر کھانے کے لئے نہس بغیر نقطوں کے آتا ہے اور داڑھوں سے نوچا جائے تو اس کے لئے نہش بالشین معجمہ آتا ہے۔

قولہ: اناسید الناس الخ" یہ بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا نیز آپ علیہ السلام اپنے مقام متعارف کرانے پر مامور بھی تھے البتہ اس موقعہ پر اس ارشاد فرمانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ تو یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے اور ایک غلط فہمی کے ازالہ کے طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو معمولی یا خلاف ادب اور بے شائستگی نہ سمجھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت برکت اور خیر کی باعث بلکہ خیر و برکت سے لبریز ہے۔ سید سے مراد مالک نہیں بلکہ وہ ہے جس کے گرد لوگ مصیبت و پریشانی کے وقت جمع ہو جاتے ہیں یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

وصف اگرچہ آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھی حاصل رہا ہے کہ صحابہ کرامؓ ہر پریشانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو جاتے تاہم قیامت کے دن جب اولین وآخرین سب آپ علیہ السلام کے پاس مجتمع ہو جائیں گے تو سیادت وسرداری کے معنی ومصداق میں کسی طرح ابہام یا کسی کو انکار نہیں رہے گا بلکہ سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے جس کی وجہ سے آپ کا مقام مقام محمود کہلائے گا۔

قولہ: "فی صعید" یہاں مراد صعید سے بالاتفاق روئے زمین ہے جس سے حنفیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ تیمم مطلق جنس ارض سے درست ہے پھر یہ میدان باعتبار بادی نظر کے بھی مراد ہو سکتا ہے علیٰ ھذا یہ زمین کی گولائی کے منافی نہیں مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ درحقیقت بھی ہموار ہو علیٰ ھذا ہو سکتا ہے کہ زمین قیامت کے حادثہ یا اجرام فلک کے ٹکرانے سے گولائی کی خاصیت سے نکل کر ایک تختے کی شکل اختیار کر جائے۔

قولہ: "ینفذھم البصر" یعنی وہ اس طرح کھلے میدان میں ہوں گے کہ آواز اول تا آخر سنائی دے گی اور نظر اخیر تک جا پہنچے گی، یہ لفظ نفاذ سے بمعنی تجاوز کے ہے یعنی آواز اخیر تک گذر کر پہنچے گی، یہ لفظ بفتح الیاء وضم الفاء بھی پڑھا گیا ہے یعنی ثلاثی سے اور بضم الیاء وکسر الفاء یعنی مزید سے بھی پڑھا گیا ہے۔ بہر حال نظر سے مراد مخلوق کی نظر ہے کیونکہ اللہ کا دیکھنا کسی شرط پر موقوف نہیں۔ (تدبر)

قولہ: "والکرب" شدید غم ورنج کو کہتے ہیں۔ قولہ: "خلقک اللہ بیدہ الخ" یعنی بغیر تولد اور بغیر معروف طریقہ کے۔

قولہ: "من روحہ" من تبعیض کے لئے نہیں بلکہ ابتداء کے لئے ہے فلیتنبہ۔ قولہ: "قد غضب الیوم" اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح جسمیت وحیوانیت سے پاک ہے اسی طرح جسمانی وحیوانی صفات ولوازمات سے بھی منزہ وپاک ہے لہٰذا یہاں مراد غضب سے گنہگاروں کے عقاب کا ارادہ اور انتقام کے مظاہر ہیں کہ دوزخ جوش میں ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

قولہ: "نفسی نفسی نفسی" یعنی میرا نفس خود اس قابل ہے کہ کوئی اس کی شفاعت کرے۔

قولہ: "انت اول الرسل الی اھل الارض" اگر حضرت ادریس علیہ السلام وہی حضرت الیاس علیہ السلام ہوں جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے تو پھر تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے لیکن اگر مؤرخین کی بات مانی جائے کہ حضرت ادریسؑ حضرت نوحؑ کے دادا ہیں تو پھر کہا جائے گا کہ حضرت آدم وشیث علیہما السلام اور ادریسؑ کی رسالت یعنی بعثت

Maktaba Tul Ishaat.com

کفار کی طرف نہ تھی بلکہ اپنی اولاد کی طرف ایمان وطاعۃ کی دعوت کے لئے تھی جبکہ حضرت نوحؑ کی رسالت کفار کو تبلیغ کے لئے تھی۔ (کذا قالہ النووی علی مسلم ص:۱۰۸ ج:۱)

قولہ: "ثلاث کذبات" ترمذی کے حاشیہ پر ہے کہ یہ دراصل معاریض یعنی توریات ہیں مگر بصورت جھوٹ ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آپ کو شفاعت کبریٰ کا مستحق نہیں سمجھا اسی طرح جہاں بھی انبیاء علیہم السلام کی طرف کسی خطاء کی نسبت کی گئی ہو تو اس سے مراد صورتاً خطأ ہے نہ کہ حقیقتاً، (قالہ الطیبیؒ) العرف الشذی میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: "اتفق العلماء علیٰ ان الثلاثۃ توریات لا کذبات صریحۃ" وہ تین باتیں کیا ہیں؟ تو ان میں دو کا ذکر قرآن میں آیا ہے (۱) "انی سقیم" (۲) "فعلہ کبیرھم ھذا" اور تیسری (۳) کا حدیث میں ہے کہ تم اس ظالم بادشاہ سے کہو کہ میں (ابراہیم) تیرا (یعنی سارہ اپنی بیوی) کا بھائی ہوں۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ شفاعت کبریٰ کا یہ اعزازی تاج خاتم النبین رحمۃ للعلمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر رکھے اس لئے ان انبیاء علیہم السلام سے کچھ نہ کچھ ایسے قصور کروائے جو اگرچہ زمرۂ گناہ میں نہیں آتے تاہم انہوں نے اپنے علوّ مقام کی وجہ سے ان کو اپنے لئے گویا گناہ تصور کیا اور سفارش سے معذرت فرمالی۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی انتہائی ہوشیار اور تابع فرمان خادم کی راہ میں پانی وغیرہ ڈالا جائے جس کی بناء پر وہ آتے ہوئے پھسل جائے اور ہاتھ میں پیالہ کی چائے کے چند قطرے گر جائیں اور مراد یہ ہو کہ وہ کہیں سفارش نہ کردے چنانچہ وہ زیرک خادم شرمندہ سا ہو جاتا ہے اور زبان کھولنے کی ہمت ہار جاتا ہے۔ تدبر

اس حدیث سے ایک طرف معتزلہ وغیرہ کے مذہب کی تردید ہوئی جو شفاعت کے منکر ہیں۔ امام ترمذیؒ نے یہ باب اسی مقصد کے لئے قائم کیا ہے، پھر شفاعت کی پانچ صورتیں واقسام ہیں: (۱) اول یہی جو باب کی حدیث میں مذکور ہے اس کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں (۲) دوم رفع درجات کے لئے اس قسم کے وقوع کے معتزلہ بھی قائل ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک جو شخص ایک مرتبہ دوزخی بن جائے تو پھر کبھی بھی وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ اس اختلاف کا دارومدار اس پر ہے کہ آیا گناہ سے آدمی ایمان سے خارج ہوتا ہے یا نہیں؟ تو معتزلہ وخوارج نفی ایمان کے قائل ہیں جبکہ اہلسنت والجماعت کسی گناہ کی وجہ سے کسی کو خارج از ایمان قرار نہیں دیتے۔ یہ مسئلہ ان شاء اللہ ابواب الایمان میں آجائے گا۔ (۳) سوم بلاحساب دخول جنت کے لئے (۴) چہارم مذنبین کے خروج من

Maktaba Tul Ishaat.com

النار کے لئے (۵) پنجم مستحق نار کے لئے یعنی تا کہ وہ دوزخ سے بچیں۔ان میں بعض کو بعض سے ضم کر کے تعداد کم بھی ہوسکتی ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا یہ سجدہ سات دنوں تک جاری رہے گا۔دوسری طرف یہ حدیث قادیانی ملعون کی صاف تردید کررہی ہے،غرض آپ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں، یہ روایت بخاری میں بھی ہے اگر آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ہوتا تو یہ اعزاز اس کو مل جاتا کیونکہ وہی اکمل وکامل ہوتا بہرحال جب آپ علیہ السلام کی شفاعت حساب وکتاب کے لئے قبول کی جائے گی تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے شفاعت کریں گے اور فرمائیں گے یارب امتی الخ۔(کذا فی الکوکب الدری)

اسی طرح اس حدیث سے ان لوگوں کے قول وزعم کی بھی صاف تردید ہوگئی جو آپ علیہ السلام کے لئے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں العرف الشذی میں ہے کہ ایک حدیث میں ہے ''انی لا اعلم المحامد التی یعلمنی اللہ ایّاھا وقت الشفاعۃ وانما اطلع علیھا فی المحشر فما شان جھل من الخ'' پھر انبیاء علیہم السلام تو سب معصوم ہیں مگر آپ علیہ السلام کو اس عصمت کا علم دنیا ہی میں دیا گیا تھا تا کہ وہ قیامت کے دن اس شفاعت کبریٰ کے لئے تیار رہیں۔

قولہ: ''ھَجَر'' بفتحتین ھجر دو ہیں ایک بحرین میں جو یہاں مراد ہے اور دوم مدینہ کے پاس ہے اور حدیث قلتین میں اسی کے مٹکے مراد ہیں۔قولہ: ''بُصریٰ'' بضم الباء والف مقصورہ کے ساتھ شام کے قریب بجانب حجاز ایک معروف بلدہ ہے۔

چونکہ مصراع بکسر المیم دروازے کے کنارے کو کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کے مابین مذکورہ فاصلہ ہے یہ اس کی وسعت کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے۔

باب منه

''قولہ علیہ السلام :''شفاعتی لاھل الکبائر من امتی''.(حسن صحیح غریب)

میری شفاعت میری امت کے کبائر کے مرتکب لوگوں کے لئے ہوگی۔

تشریح:۔شفاعتی میں اضافت عہد کے لئے ہے یعنی جس سفارش کی قبولیت کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور جو میں نے محفوظ رکھ لی ہے وہ میں قیامت کے دن امت کے گنہگاروں کی نجات کے لئے کروں گا، جہاں تک رفع درجات کے لئے سفارش کا تعلق ہے تو وہ امت کے تمام اتقیاء واولیاء کو حاصل رہے

Maktaba Tul Ishaat.com

گی، اسی طرح امت کے صلحاء وعلماء کو بھی حق شفاعت دیا جائے گا کہ وہ کسی کی نجات کے لئے سفارش کریں مگر یہ سب شفاعتیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کے بعد ہوں گی، العرف الشذی میں ہے "ثم بعدها شفاعات كثيرة صغرىٰ من العلماء والصلحاء والحفاظ وغيرهم" گویا شفاعت کبریٰ اور بلاحساب جنت میں داخلے کی شفاعت آپ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہیں جو سابقہ باب میں پہلے اور تیسرے نمبر پر ذکر کی گئی ہیں۔

معتزلہ وخوارج نفی شفاعت پر بعض آیات سے استدلال کرتے ہیں مثلاً "فما تنفعهم شفاعة الشافعين" (المدثر ص:۴۸) وغیرہ جبکہ اہلسنت والجماعت باب کی حدیث وغیرہ ان نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن میں شفاعت کا صاف ثبوت ہے۔ معتزلہ کے استدلال کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ وہ تمام نصوص جن سے نفی شفاعت معلوم ہوتی ہے یا تو کفار کے بارے میں ہیں یا پھر وہ نفی شفاعت قہری پر محمول ہیں یعنی کسی کو زبردستی سفارش کرنے کا ہرگز حق نہیں ہوگا ہاں جب اجازت مل جائے گی تو شفاعت اذنی شروع ہو جائے گی، خلاصہ یہ کہ نفی والی نصوص کا محمل شفاعت قہری ہے جبکہ اثبات والی نصوص کا محمل شفاعت اذنی ہے۔ تدبر

حدیث ابی امامہؓ:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستّر ہزار آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے جن پر نہ حساب ہے اور نہ ہی عذاب، جبکہ ان میں ہر ہزار کے ساتھ مزید ستّر ہزار ہوں گے اور تین لپ بھری ہوئی میرے رب کی لپوں سے۔ (حسن غریب)

قولہ: "مع كل الف سبعون الفاً" یہ زیادتی صحیحین میں نہیں ہے تاہم اس کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ کئی اسانید کے ساتھ نقل فرمائی ہے جیسا کہ عرف شذی میں ہے۔ پھر بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ستر ہزار ائمہ ومتبوعین ہوں گے اور ان کے ساتھ داخل ہونے والے ان کے اتباع وپیروکار ہوں گے۔ (کذا فی العرف الشذی)

قولہ: "حثيات" بفتح الحاء والثاء حثیۃ کی جمع ہے ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھ ملا کر یکبارگی بھر کر کوئی چیز دینے کو کہتے ہیں۔ اگر ثلاث کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ سبعون پر عطف ہوگا اور اس صورت میں مبالغہ زیادہ ہوگا کیونکہ اس طرح ترجمہ یوں ہوگا کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور مزید تین لپ کے بقدر لوگ ہوں گے، علیٰ ھذا لپوں کی تعداد دو سو دس/210 ہو جائے گی جبکہ ثلاثۃ نصب کی حالت میں سبعین پر عطف ہوگا اور یدخل

Maktaba Tul Ishaat.com

کا مفعول بنے گا، علی ھذا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ میری امت سے ستر ہزار اور بقدر تین لپ کے لوگ جنت میں بلاحساب وعذاب داخل فرمائیں گے اس صورت میں حثیات کی تعداد صرف تین ہوگی، بنابر ہر تقدیر مراد کثرت کا بیان ہے کیونکہ لپوں سے دینے میں تعداد ملحوظ نہیں ہوتی ہے نیز سبعین کا عدد بھی تکثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہ حدیث یعنی ثلاث حثیات کے الفاظ متشابہات میں سے ہیں جس کی تفصیل (تشریحات ترمذی "باب ماجاء فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلۃ" ابواب الوتر سے تین باب پہلے جلد دوم ص:۳۰۷ پر گذری ہے) اعادہ کی ضرورت نہیں جسے تفصیل چاہئے وہیں پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن شفیقؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایلیاء میں ایک جماعت کے ساتھ تھا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے جو فرمارہے تھے: میری امت میں سے ایک شخص کی سفارش سے بنی تمیم (قبیلہ) سے بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! وہ (شخص) آپ کے علاوہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میرے سوا ہے، پھر جب وہ شخص (راوی حدیث) کھڑا ہوا (اور جانے لگا) تو میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ حاضرین نے کہا کہ یہ ابن ابی جَدعان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (حسن صحیح غریب)

قولہ: "رھط" بروزن شمس آدمی کے خاندان کو کہتے ہیں اس لفظ کا مفرد استعمال نہیں ہوتا البتہ اس کی جمع الجمع آتی ہے جیسے ارھط، ارھاط، واراھط دس سے کم پر اطلاق ہوتا ہے وقیل الی الاربعین جن میں عورت نہ ہو۔ (کذا فی العارضۃ الاحوذی) **قولہ:** "ایلیاء" بکسر الھمزۃ بروزن کبریاء یعنی بالمد جبکہ الف مقصورہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ بیت المقدس میں مشہور شہر کا نام ہے۔

قولہ: "فقال رجل" یہ حضرت عبداللہ بن ابی جذعان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں جیسا کہ حدیث کے آخر میں تصریح ہے، یہ کون شخص ہوں گے جن کی سفارش سے بنی تمیم قبیلے سے (یا بنی غنم قبیلے سے) بھی زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟ تو اس بارے میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے البتہ ذخیرۂ احادیث میں دو حضرات کے ناموں کو دیکھ کر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں اسی باب میں حسن بصریؒ کی مرسل روایت ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یشفع عثمان بن عفان یوم القیٰمۃ فی مثل ربیعۃ ومُضَر" جبکہ اسی مضمون کی ایک روایت ابن عدیؒ نے ابن عباسؓ سے بھی نقل فرمائی ہے اس میں اویس بن عبداللہ قرنیؒ کا نام ہے۔ (کذا فی المرقات لعلی القاری

Maktaba Tul Ishaat.com

علی المشکوٰۃ)

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سوال کرنا: یارسول اللہ سواک؟ تعجب پر مبنی ہوسکتا ہے کہ اتنی فضیلت غیر نبی کے لئے تعجب سے خالی نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں سے شمار ہوتے ہیں اس لئے ان کو پوچھنا پڑا کہ وہ آپ ہیں یا کوئی اور؟ علیٰ ھذا یہاں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوا کہ "من امتی" کے لفظ کے بعد انہوں نے یہ کیسے سوال کیا؟ تدبر۔

قولہ: "فِئام" بالہمزۃ بعد الفاء بروزن کتاب لوگوں کی بڑی تعداد کے لئے استعمال ہوتا ہے بظاہر یہاں مراد قبائل ہیں کیونکہ آگے قبیلہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ فئام اس سے زیادہ ہیں جو قبائل ہی ہوسکتے ہیں۔ بعض نے فئام کو بغیر ہمزہ کے بھی پڑھا ہے یعنی فِیام، اس کا لفظی مفرد تو نہیں ہوتا البتہ معنوی مفرد فئۃ ہوسکتا ہے۔

قولہ: "عصبۃ" بضم العین دس اور چالیس کے درمیان کی تعداد میں لوگوں کو کہتے ہیں۔

قولہ: "حتیٰ یدخلوا الجنۃ" یعنی ان کی شفاعت کی جائے گی یہاں تک کہ مشفوعین جنت میں داخل ہوجائیں یا مطلب یہ ہے شفاعت کا سلسلہ اس وقت تک جاری ہوگا جب تک پوری امت جنت میں داخل نہیں ہوجاتی۔ (حدیث حسن)

حدیث عوف بن مالکؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے رب کی جانب سے آنے والا آیا (یعنی فرشتہ) پس اس نے مجھے اختیار دیا ہے ان دو صورتوں میں کہ اللہ میری امت کا آدھا جنت میں داخل کرے یا پھر (ان کی) شفاعت ہوجائے تو میں نے شفاعت کا انتخاب کیا وہ ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی طرح شرک کئے بغیر مرجائیں یعنی توحید و رسالت پر"۔

اس بہترین انتخاب کی وجہ واضح ہے کہ شفاعت تو پوری امت کو شامل ہوسکتی ہے اگرچہ بعض گنہگار دوزخ میں جائیں گے مگر شفاعت کی برکت سے ایک نہ ایک دن تو نکل جائیں گے۔

قولہ: "نصف امتی" سے مراد امت اجابت ہے کیونکہ امت دعوت میں سے جو ایمان نہ لائے وہ جنت میں کسی صورت نہیں جاسکتا لہٰذا وہ موضوع بحث اور قابل شفاعت نہیں اگرچہ شفاعتِ کبریٰ کا کچھ فائدہ ان کو بھی ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء في صفة الحوض

(حوضِ کوثر کے احوال کا بیان)

"ان فی حوضی من الاباریق بِعَدَدِنجوم السمآء". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حوض میں آسمان کے ستاروں کی تعداد میں صراحیاں ہیں۔

قولہ: "اباریق" ابریق کی جمع ہے پانی کے جگ اور صراحی کو کہتے ہیں جو لمبی گردن کا چھوٹا برتن ہوتا ہے یہ کنایہ ہے کثرت سے، یہ بھی ممکن ہے کہ تحدید مراد ہو اور ستاروں کے ساتھ ان برتنوں کی خاص مناسبت ہو کیونکہ ان کی تعداد سے اہل ایمان کی تعداد معلوم کرنے میں مدد مل سکتی ہے پھر ستاروں کی تعداد اگرچہ معلوم نہیں تاہم ماہرین اس پر متفق ہیں کہ یہ تعداد کھربوں سے متجاوز ہے، اس سے مسلمانوں کی کثرت بابرکت اور حوضِ کوثر کی وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو اگلے باب میں مذکور ہے۔

باب کی دوسری حدیث:۔ "اِنّ لِکل نبیّ حوضاً وانهم يتباهون ايّهم اكثر واردةً وانی ارجوان اكون اكثرهم واردةً". (حسن غریب)

ہر نبی کا ایک حوض ہے اور وہ آپس میں فخر کریں گے کہ کس کے پاس زیادہ پینے والے آتے ہیں جبکہ میں امید رکھتا ہوں کہ میرے حوض پر آنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

تشریح:۔ "اِنّ لِکُلِّ نَبِی حَوضاً" اس کو ظاہر پر محمول کرنا متعین ہے اگرچہ طیبیؒ نے فرمایا کہ اس کو معنی مجازی یعنی ہدایت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے تاہم آلاً دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ جو شخص دنیا میں ہدایت قبول کرتا ہے تو اس کو حوض کی سیرابی نصیب ہوگی، مگر نصوص کو ظاہر پر رکھنا اور محمول کرنا اولین راستہ ہے ہاں بصورت ضرورت تاویل بھی جائز ہے۔ پھر جس طرح ایک نبی کی امت بڑی اور زیادہ ہوگی تو اسی تناسب سے حوض بھی وسیع ہوگا چونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سب سے زیادہ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا حوض تمام انبیاء علیہم السلام کے حوضوں سے زیادہ کشادہ ہوگا۔

قولہ: "یتباھون" ای یتفاخرون کیونکہ یہ محنت کے ثمرات سمیٹنے کا سب سے اعلیٰ وموزون ترین موقعہ ہوگا اگرچہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سارے کے سارے کامیاب ہیں مگر کامیابی کی سند حاصل کرنے

Maktaba Tul Ishaat.com

والوں میں بھی درجات ہوتے ہیں پس جس کی امت زیادہ ہوگی وہ اس قدر خوش ہوگا اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام فخر فرمائیں گے مع ھذا کسی کو شرمندگی نہیں اٹھانی پڑے گی کیونکہ محبت کرنے والے بھائی آپس میں تفاوت کے باوجود خوش رہتے ہیں اور یہ تو عالم آخرت کی بات ہے جہاں عام لوگوں کے دلوں سے حسد وکینہ کی جڑ ختم کردی جائے گی تو انبیاء کی تو بات ہی الگ ہے وہ تو دنیا میں بھی رذائل اخلاق سے پاک اور مبراء ہوتے ہیں۔

قولہ: "وانی ارجوا الخ" ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس تعبیر کی وجہ شاید یہ ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم نہیں دیا گیا تھا کہ آپ کی اُمت ایکسو بیس/120 صفوں میں سے اسی/80 صفوں یعنی دو تہائی پر مشتمل ہوگی، بہرحال یہ طے ہے کہ آپ علیہ السلام کی امت کی تعداد سابقہ تمام امتوں کے مجموعہ سے زیادہ ہے۔

ترمذی کے بعض نسخوں میں اس حدیث پر حسن غریب کا حکم لگایا ہے اور بعض میں صرف غریب کا۔

باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض

(حوضِ کوثر کے برتنوں کا احوال)

"عن ابی سلاّم الحُبْشِی قال بَعَثَ اِلیَّ عمربن عبدالعزیز فَحُمِلتُ علی البرید فلما دَخَلَ علیه قال: یامیرالمؤمنین لقدشَقّ عَلَیّ مرکبی البریدافقال یا ابا السلام ماارادتُ اَنْ اَشُقّ علیک ولکن بَلَغَنِی عنک حدیث تحدِّثه عن ثوبان عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الحوض فاحببتُ ان تُشَافِهَنِی به اقال ابوسلاّم نبی ثوبان عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: حوضی من عَدَنَ الیٰ عَمّانَ البلقاء ماؤهُ اشدُّبیاضامن اللبن واحلیٰ من العسل واکوابه عدد نجوم السماء،مَن شَرِبَهامنه شربة لم یظمأ بعدها ابداً،اوّل الناس ورودا علیه فُقراءُ المهاجرین الشُعثُ رؤوساً،الدُنسُ ثیاباً،الذین لاینکحون المتنعمات ولایُفتح لهم السُدَدُ، قال عُمر: لٰکنی نکحتُ المتنعِّمات وفتحت لی السُدَدُ،نکحتُ فاطمة بنت عبدالملک لاجرم انی لااغسل رأسی حتی یَشعَثُ ولااغسل ثوبی الذی یلی جسدی حتیٰ یتّسِخَ".

(حدیث غریب)

حضرت ابوسلاّم حبشی فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے میرے پاس پیغام بھیجا (کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوجاؤں) چنانچہ مجھے برید (خچر) پر بٹھادیا گیا پس جب یہ ان کے پاس پہنچے تو عرض کیا اے

Maktaba Tul Ishaat.com

امیر المؤمنین! میری سواری برید کی مجھ پر شاق گذری، تو انہوں نے فرمایا اے ابوالسلام! میں تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہ رہا تھا لیکن مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی تھی جسے آپ ثوبانؓ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جو حوض سے متعلق ہے میری خواہش ہوئی کہ آپ وہ حدیث میرے رُوبرُو بیان کریں! ابوسلام نے فرمایا حضرت ثوبانؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا حوض عدن سے عمانِ بلقاء تک ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کے شمار کے مطابق ہیں جس نے اس سے ایک بار پیا وہ اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا، اس پر سب سے پہلے آنے والے مہاجر فقراء ہوں گے جو گرد آلود (پراگندہ) سروں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے ہیں، نکاح نہیں کرتے ناز پروردہ عورتوں سے اور نہ کھولے جاتے ہیں ان کے لئے بند دروازے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا مگر میں تو ناز پروردہ عورتوں سے نکاح کر چکا ہوں اور دروازے بھی میرے لئے کھلوے گئے (اور کھولے جاتے ہیں) میں نے فاطمہ بنت عبدالملک شہزادی سے نکاح کیا ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں اپنا سر نہیں دھوتا یہاں تک کہ پراگندہ نہ ہو جائے اور جو کپڑے میرے جسم پر ہوتے ہیں اس وقت تک نہیں دھوتا جب تک کہ میلے نہ ہو جائیں۔

تشریح:۔ ابوسلام بتشدید اللام ان کا نام ممطور ہے حبشی حبش کی طرف منسوب ہے عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ ابن ماجہ کا یہ کہنا درست نہیں کہ ابوسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے بلکہ انہوں نے یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت ثوبانؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ ابوداؤد ونسائی نے فرمایا ہے اور ترمذی کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

قولہ "البرید" فارسی لفظ ہے اور بریدہ دم کا مخفف ہے خچر کو کہتے ہیں۔ چونکہ نشانی کے طور پر ڈاک کے خچر کی دم کاٹی جاتی تھی اس لئے اس کو برید کہا جاتا تھا۔ اگرچہ پھر یہ مطلق ڈاکیہ کے لئے استعمال ہونے لگا۔ کذا فی العارضۃ الاحوذی والتحفۃ الاحوذی

قولہ "ماارادت ان اشق علیک الخ" مشقت بمعنی تعب وتھکان کے ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس جملے میں معذرت کرنا چاہتے ہیں کہ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ کے پاس حوض کوثر کے بارے میں ایک حدیث ہے تو میں آپ کے پاس اچھی سواری بھیجنے کے لئے انتظار نہ کر سکا بلکہ جو میسر تھا یعنی برید بس وہی بھیج کر آپ کو زحمت دی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ "تشافهني" یعنی بالمشافہہ تاکہ میں آپ سے براہ راست آمنے سامنے بیٹھ کر سنوں۔ **قولہ "من عدن"** یمن کے مشہور شہر کا نام ہے۔

قولہ "عمان البلقاء" بفتح العین وتشدید المیم بروزن شداد شام کے قریب ایک علاقے کا نام ہے اور بلقاء جو فلسطین کا علاقہ ہے اس عُمان سے تمیز واحتراز کے لئے ذکر فرمایا جو بحرین کے قریب ہے اور بروزن غراب ہے۔ بحرِ عُمان جو مشہور ہے وہ اسی بحرین والے عمان کی طرف منسوب ہے۔

قولہ "واکوابه" کوب کی جمع ہے جو بغیر دستہ اور بغیر گردن کے چھوٹا سا برتن ہوتا ہے جو عموماً مٹی کا بنا ہوا ہوتا ہے اسے آبخوارا کہتے ہیں۔ پیالہ اور گلاس کا ترجمہ بھی صحیح ہے۔

قولہ "لم یظمأ بعدها ابداً" تاہم جنت میں مشروبات کا استعمال رہے گا مگر وہ پیاس بجھانے کے لئے نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کے لئے ہوگا جیسے دنیا میں بہت سارے مشروبات کا استعمال التذاذ کی غرض سے ہوتا ہے۔

قولہ "الشعث رؤوساً" بضم الشین اشعث کی جمع ہے پراگندہ بالوں والے کو کہتے ہیں۔ رؤوساً تمیز ہے اسی طرح ثیاباً بھی منصوب بنا بر تمیز ہے۔ دُنس بضم الدال وسکون النون دُنس بفتحتین کی جمع ہے دَنس میل کو کہتے ہیں، اس روایت کا ابوداؤد کی روایت سے تعارض نہیں جس میں آپ علیہ السلام نے سر کے بالوں کی پراگندگی اور کپڑوں کے میلا ہونے کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ وہ حالت اختیار پر محمول ہے جبکہ باب کی حدیث اضطراری حالت پر محمول ہے یعنی یہ لوگ ایسے غریب ومفلس ہیں یا امور آخرت میں ایسے منہمک ہیں کہ وہ اپنی اس حالت کو تبدیل نہیں کر سکتے۔

تشریحات ترمذی میں پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ اضطراری تکالیف پر صبر کی صورت میں ثواب ملتا ہے اختیاری تکلیف پر اجر نہیں ملتا، مثلاً ایک آدمی اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو جائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہوتی ہے لیکن اگر ایک شخص مٹی لے کر سر پر ڈالدے تو وہ یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے شہادت اور خودکشی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

قولہ: "المتنعمات" بصیغۂ اسم فاعل خوش عیش عورتوں کو کہتے ہیں۔

قولہ: "النسدد" بضم السین وفتح الدال سدۃ کی جمع ہے مطلق دروازے کو کہتے ہیں چونکہ یہ عموماً بند رہتا ہے اس لئے اس کو سدۃ کہا جاتا ہے گویا یہ سَدّ بمعنی بند کے ہے، ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ دروازے

Maktaba Tul Ishaat.com

کے اوپر بارش سے بچنے کے لئے جو سائبان ہوتا ہے اسے بھی کہتے ہیں، بہر حال مراد اس سے دروازہ ہے۔

اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو معاشرہ میں کوئی حیثیت نہیں دیجاتی نہ تو امیر گھرانوں میں ان کا نکاح ہوتا ہے اور نہ ہی ان سے ملنا اور دعوتوں میں مدعو کیا جانا گوارا کیا جاتا ہے، اگر اس کا مصداق مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تو پھر کون ہو سکتے ہیں؟ ہاں البتہ یہ خوشخبری کسی زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے جواب کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک آخری دونوں خصلتوں کا تعلق ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں کیونکہ رشتہ رد کرنا اور دروازہ بند کرنا اپنے بس کی بات نہیں بلکہ یہ دوسرے پر موقوف ہوتا ہے البتہ پہلی دونوں باتوں کا میں التزام کر سکتا ہوں جس کا مطلب یا تو عدم تکلف ہے کہ میں زیب وزینت میں زیادہ وقت ضائع نہیں کروں گا بلکہ اصل مقصد کی طرف توجہ دوں گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ میں مہاجرین اولین سے مشابہت اختیار کرنے کے لئے فقر اختیاری پر عمل کروں گا کہ بس ایک جوڑا رکھ لیا وہ جب میلا ہو جائے تب دھوؤں گا اور غسل کر کے اسے پہنوں گا۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ متنعمات سے شادی کرنے میں وقت کا بے تحاشہ ضیاع مشاہدۂ عام ہے کہ کبھی ایک مارکیٹ میں خریداری کے لئے جانا پڑتا ہے اور کبھی دوسری مارکیٹ میں، آج کل تو متنعمات کی اکثریت نمازی ومتشرع شوہر کو پسند بھی نہیں کرتیں پھر ان کی رضا کی خاطر داڑھی کو بھی صاف کرنا پڑتی ہے اور دیگر بہت سے غیر شرعی امور مثلاً ان کی فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے حلال وحرام مال کی تمیز کئے بغیر ہاتھ پاؤں بھی مارنا پڑتے ہیں۔

حدیث آخر: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! حوض کے برتن کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بلاشبہ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد اور اندھیری رات میں صاف آسمان پر چمکنے والے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں، وہ جنت کے برتنوں میں سے ہیں جو ان میں پیئے گا وہ آخر تک (یعنی کبھی بھی) پیاسا نہیں ہوگا، اس حوض کی چوڑائی اس کی لمبائی کی برابر ہے (یعنی مربع وچوکور ہے) عمان سے ایلہ تک جتنی (مسافت) ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "نجوم السماء و کواکبھا" نجم اور کوکب دونوں ستاروں کو کہتے ہیں تاہم نجم میں ابھرنے اور ظہور کے معنی پائے جاتے ہیں اور کوکب میں چمکنے کے، یہ تو لغوی فرق سا ہے مگر عرف میں کوئی خاص فرق نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے البتہ فلکیات کے عرف میں بعض نے یہ فرق کیا ہے کہ کوکب وہ ستارہ ہے جو سورج کے گرد گھومتا ہے اس کو مشہور اصطلاح کے مطابق سیارہ کہا جاتا ہے۔

قولہ: "مُصحِیَۃ" اس کا وزن بھی مُظلِمَۃ کی طرح یعنی بصیغۂ اسم فاعل ہے صحت السماء یا اصحت السماء اس وقت کہا جاتا ہے جب آسمان میں گرد وغبار اور بادل کہیں نہ ہو مطلع بالکل صاف ہو ان دونوں قیود کا فائدہ تکثیر ہے کیونکہ چاندنی رات یا ابر آلود مطلع میں زیادہ ستارے نظر نہیں آتے۔ قولہ: "آخر ما علیہ" کنایہ ہے دوام سے حاشیۂ قوت المغتذی پر ہے کہ عرب لفظ آخر کو ابد ودوام کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

قولہ: "عرضہ مثل طولہ ما بین عمان الخ" یہ حوض کی کیفیت اور وسعت کا بیان ہے تحدید مراد نہیں اس لئے کبھی یہ الفاظ آتے ہیں اور کبھی من عدن الی عمان جیسا کہ سابقہ حدیث میں گذرا ہے اور کبھی ایک مہینے کی مسافت کا ذکر ہے وغیرھا یہ سب تقریب الی الفہم کے لئے ہے کہ حوض کم از کم اتنا وسیع ہوگا، چونکہ حوض کوثر اور پل صراط وغیرہ سب امور ممکنہ ہیں اور ان کی خبر صادق ومصدوق علیہ السلام نے دی ہے اس لئے ان کی تصدیق لازمی ہے جیسا کہ شرح عقائد میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

"عن ابن عباس قال لَمّا أُسرِیَ بالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جَعَلَ یَمُرُّ بالنبی والنبیّین ومعھم القوم والنبی والنبیّن ومعھم الرھط والنبی والنبیّین ولیس معھم احد حتیٰ مَرَّ بسواد عظیم، فقلتُ من ھذا؟ قیل موسیٰ وقومہ ولکن ارفع رأسک فانظر فاذا سواد عظیم قد سَدَّ الأُفقَ مِن ذاالجانب ومِن ذاالجانب، فقیل ھٰؤلآء أُمتک وسِوىٰ ھٰؤلآء مِن امتک سبعون الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب، فَدَخَلَ ولم یسئلوہ ولم یفسِّر لھم فقالوا نحن ھم، وقال قائلون ھم أبناء الذین وُلِدُوا علی الفطرۃ والاسلام فَخَرَجَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: ھم الذین لایکتوُون ولا یسترقون ولا یتطیّرون وعلی ربھم یتوکلون فقام عُکاشۃ بن مِحصَنٍ فقال انا منھم یارسول اللّٰہ؟ قال نعم ثم جاء ہ اخر فقال انا منھم فقال سَبَقَکَ بھا عُکّاشۃ". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج کے لئے) لے جایا گیا تو آپ علیہ السلام گذرے ایک نبی اور دو نبیوں کے پاس سے اور ان کے ساتھ قوم (امت) تھی اور گذرے ایک ایک دو دو نبیوں کے پاس سے ان کے ساتھ (چھوٹی سی) جماعت تھی اور گذرے ایک ایک دو دو

Maktaba Tul Ishaat.com

نبیوں کے پاس سے دراں حالیکہ ان کے ہمراہ کوئی ایک شخص بھی نہ تھا، یہاں تک کہ گذرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جم غفیر پر تو میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ موسیٰ اور ان کی قوم (امت) ہیں، لیکن اپنا سر اٹھا کر اوپر دیکھئے! پس ایک زبردست ہجوم تھا جس نے افق کو بھر دیا تھا اِس طرف سے (بھی) اور اُس جانب سے (بھی) پس کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان لوگوں کے علاوہ آپ ہی کی امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے، (اس ارشاد کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو گئے اور لوگوں نے ان سے دریافت نہیں کیا (کہ وہ ستر ہزار کون ہیں؟) اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو وضاحت فرمائی، چنانچہ صحابہ کہنے لگے وہ ہم لوگ ہوں گے جبکہ بعض کہنے والوں نے کہا یہ وہ بچے ہوں گے جو فطرۃ اسلام پر پیدا ہوئے ہوں گے اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ داغ کرتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہیں اور نہ ہی بدفالی لیتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں پس عُکّاشہ بن محصن کھڑے ہوئے اور کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' پھر آپ کے پاس ایک اور شخص آیا اور پوچھا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں عکاشہ تم پر سبقت لے گئے ہیں۔

تشریح:۔ **قولہ:** ''بسواد عظیم'' جب بہت سارے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو اس مقام پر ایک سیاہی سی نظر آتی ہے کثرت رؤوس کی وجہ سے اس لئے اسے سواد کہتے ہیں۔

قولہ: ''ولکن ارفع رأسک'' اس سے اس امت کی رفعت معلوم ہوئی کیونکہ اوپر دیکھنا بلندی کی طرف ہوتا ہے۔

قولہ: ''سد الافق'' سد کے معنی چھپانے کے ہیں اور افق آسمان کے کناروں کو کہتے ہیں۔

قولہ: ''فقالوا نحن هم'' کیونکہ صحابہ کرام امت کے افضل ترین لوگ ہیں۔

قولہ: ''هم ابناء الذين ولدوا على الفطرة الخ'' اضافت موصوف الی الصفۃ ہے تاکہ صحابہ کرام کی اولاد کو بھی شامل ہو جائے تقدیر اس طرح ہوگی ''هم الابناء الذين الخ'' یعنی یہ وہ بچے ہیں جو فطرۃ اسلامی پر پیدا ہوئے ہیں اور بلوغت سے پہلے انتقال کر گئے ہیں وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

قولہ: ''فقام عُكّاشة'' بضم العین وتشدید الکاف اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، بدری صحابی ہیں غزوۂ بدر میں ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی تو آپ علیہ السلام نے ان کو کھجور کی خشک شاخ دے دی جو تلوار بن

Maktaba Tul Ishaat.com

گئی، پینتالیس/۴۵ سال کی عمر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں انتقال کر گئے ہیں۔ (کذا فی الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ)

قولہ: "ثم جاء اٰخر الخ" اس دوسرے آدمی کے بارے میں شارحین کے بہت سے اقوال ہیں کہ یہ کون تھا؟ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں صحیح اور راجح قول اس کو قرار دیا ہے کہ آپ علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم ہوا تھا کہ عکاشہؓ کی درخواست اس حوالے سے قبول کی جائے گی دوسرے کی نہیں۔ (نووی بر مسلم ج:۱ص:۱۱۶) تاہم حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں اس توجیہ کی نفی فرمائی ہے اور صحیح اس کو کہا ہے کہ آپ علیہ السلام کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ عکاشہؓ کی طرح تم ان صفات میں درجہ علیاء پر نہیں ہو کہ میں تمہیں بے حساب والوں میں سے ہونے کی خبر دے دوں، دونوں توجیہیں کو بین السطور مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اوپر صاحب مشکوٰۃ کی اسماء الرجال کتاب کے حوالے سے حضرت عکاشہؓ کے توکل کے معیار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جن کے ہاتھ میں لکڑی بھی تلوار بن گئی اگرچہ یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے مگر حضرت عکاشہؓ کے توکل کا بھی عکاس ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر حساب کے جنت میں وہ لوگ جائیں گے جو انتہائی خاص الخاص متوکلین ہوں گے، رہا داغ، دم یعنی جھاڑ پھونک اور تطیّر کا مسئلہ تو یہ سب تفصیل سے گذرا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں داغ کے لئے (تشریحات ترمذی ج:ششم ص:۳۵۴ "باب ماجاء فی کراھیۃ الکی" اور رقیہ کے لئے دیکھئے جلد ششم ص ۳۶۱ "باب ماجاء فی کراھیۃ الرقیۃ ...والرخصۃ فی ذالک")

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ داغ کو مؤثر گردانا جائز نہیں البتہ بطور سبب کے بوقت ضرورت علاج کے لئے جائز ہے۔ اسی طرح رقیہ یعنی جھاڑ پھونک بھی سبب کے درجہ میں جائز ہے بشرطیکہ وہ الفاظ غلط مضمون پر مشتمل نہ ہوں۔ یہ رخصت عام ہے اور عوام کے لئے ہے جہاں تک خاص الخاص لوگوں کا تعلق ہے تو وہ تکلیف پر صبر کرتے ہیں اور صحت یابی کے لئے اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں اسباب پر تکیہ نہیں کرتے۔ جہاں تک بدشگونی اور بدفالی کا تعلق ہے تو وہ کسی طرح کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ تطیر کی تفصیل کے لئے دیکھئے (تشریحات ترمذی جلد پنجم ص:۴۶۷ "باب ماجاء فی الطِّیَرَۃِ" من ابواب السیر)

حدیث آخر:۔ ابوعمران جونی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم جس چیز (امور دین) پر تھے اب اس میں سے کوئی چیز (اُسی حالت میں) نہیں دیکھ رہا۔ میں (ابوعمران) نے کہا نماز کہاں ہے؟ (یعنی نماز تو باقی ہے) انہوں نے فرمایا کیا تم لوگوں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

نماز میں وہ (کوتاہی) نہیں کی ہے جو تم جانتے ہو۔ (حسن غریب اخرجہ البخاری ایضاً)

اس حدیث کے دو مطلب ہیں: ایک جو ظاہری ہے اور ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت انسؓ اعمال میں تقصیر اور کوتاہی پر ناراضگی کا اظہار فرمارہے ہیں چونکہ یہ ارشاد انہوں نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب حجاج بن یوسف نے نماز کو مؤخر کیا اور حضرت انسؓ نے حجاج سے بات کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا مگر ساتھیوں نے از روئے شفقت ان کو منع کیا کہ کہیں ان کی جان نہ چلی جائے جس پر حضرت انسؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے جاتے مذکورہ ارشاد فرمایا حافظؒ نے طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ اس پر یہ بھی اضافہ ہے اِلّا شھادۃ ان لا الہ اِلّا اللہ، تو ایک آدمی نے کہا اے ابوحمزہ! نماز جو ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ظہر کو مغرب کے وقت رکھا ہے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی؟ (کذا فی تحفۃ الاحوذی)

دوسرا مطلب:۔ مگر ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں سابقہ مطلب یعنی تبدیلی کو سخت ناپسند کیا ہے بلکہ اسے جاہلانہ قرار دیا ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہئے کہ انہوں نے اعمال میں کسی طرح تبدیلی کی ہوگی کیونکہ قرآن نے گواہی دی ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے، علی ھذا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو قسم کی رحمتیں تھیں ایک دینی اور دوسری دنیوی، دینی رحمت تو قرآن وسنت کی صورت میں باقی ہے مگر دنیوی رحمتوں میں سے فہم اور کثیر حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے ساتھ ختم ہو چکا پس حضرت انسؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو فوائد ہمیں اس وقت نظر آتے تھے، مثلاً آپ علیہ السلام کے معجزات، آپ کی دعاؤں کے اثرات وغیرہ وغیرہ وہ چیز آج نظر نہیں آتی اور چونکہ ان تجلیات وبرکات کے ناپید ہونے سے دلوں میں نکارت، کبر اور عجب وغیرہ نے سرایت شروع کی ہے اس لئے اب نماز میں بھی وہ خلوص، حضور اور خشوع وغیرہ نہیں رہا۔ لانھم احدثوا تغییراً فی ارکانھا، اِنتہیٰ

تاہم اگر پہلی توجیہ میں اس قید کا اضافہ کر دیں تو وہ بھی درست ہو سکتی ہے یعنی آپ علیہ السلام کے عہد پاک میں اعمال کے ظاہر وباطن کی جو حالت تھی آج وہ بعینہ باقی نہیں کیونکہ اس کا روحانی پہلو کمزور ہو گیا ہے اگرچہ ظاہری شکل اور ڈھانچہ جوں کی توں باقی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ بُرا بندہ ہے وہ شخص جو خود پسندی میں مبتلا ہو اور اِتراتا ہو اور بزرگ وبرتر (خدا) کو بھول گیا ہو اور بُرا بندہ ہے وہ شخص جو تکبر کرتا ہے اور حد سے بڑھتا ہے اور بھول گیا وہ سب

Maktaba Tul Ishaat.com

سے بڑے اور سب سے بالاتر (خدا) کو، بُرا بندہ ہے وہ شخص جو غفلت کرتا رہتا ہے اور کھیلتا رہتا ہے، اور قبروں اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو بھول جاتا ہے، بُرا بندہ ہے وہ شخص جو فساد (وتکبر) کرتا ہے اور سرکشی اختیار کرتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے اپنی ابتداء (خلقت) کو اور انتہاءِ (کار) کو، بُرا بندہ ہے وہ شخص جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل (کرنے میں بھیڑیے کی طرح چال بازی) کرتا ہے، بُرا بندہ ہے وہ شخص جو شبہات کی آڑ میں دین طلب کرتا ہے، بُرا بندہ ہے وہ شخص جسے لالچ کھینچتا ہے، بُرا بندہ ہے وہ شخص جسے ہوس گمراہ کرتی ہے، بُرا بندہ ہے وہ شخص جسے حرص ذلیل کرتی ہے۔ (هذا حديث .... ليس اسناده بالقوى)

قولہ: "تَخَيُّلَ واختال" پہلا بروزن تَفَعُّلَ ہے دونوں صیغے خُيَلَاء بمعنی عجب وتکبر کے ہیں یعنی وہ شخص دل میں اپنے آپ کو دوسروں سے افضل وبرتر سمجھتا ہے واختـــال اور ظاہر میں چال چلن سے بڑا ہونے کا تأثر دیتا ہے، جبکہ بڑائی وکبریائی تو صرف اور صرف اللہ عزوجل کا وصف خاصہ ہے جو مخلوق کی صفات سے پاک اور منزہ ہے مگر یہ ناداں شخص اس کو بھول جاتا ہے اس لئے خود کو بڑا سمجھتا ہے۔

قولہ: "تَجَبَّرَ" وہ تکبر جس سے آدمی دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کو کسی کام پر مجبور کرتا ہو۔

قولـــہ: "واعتدى" اعتداء حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں یعنی اس متکبر کی بات اگر نہ مانی جائے تو وہ اتنی سخت سزا دیتا ہے کہ حد کو توڑتا اور پامال کرتا ہے، جیسے جاہل وڈیروں کی عادت ہوتی ہے حالانکہ یہ تو خدائی وصف ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اگر کسی مخالف کو سزا دیں تو اس کے لئے کوئی حد اور کوئی پابندی نہیں مگر یہ بے وقوف شخص اس قہار وغالب کو بھول جاتا ہے جو سب کے اوپر ہے۔

قولـــہ: "سَهَا" حق سے غافل ہوگیا ہے۔ اور "لَهَا" لہو یعنی فضولیات اور بے فائدہ چیزوں میں مستغرق ہوگیا ہے گو کہ اس سے کچھ ظاہری اور وقتی فائدہ محسوس ہوتا ہے جیسے دنیوی مال ومتاع، جبکہ عقلمند کو دور اندیشی سے کام لینا چاہئے کہ اس دنیا کے بعد قبر میں جانا ہے اور وہاں ہڈیوں کا بوسیدہ ہونا ہے۔ قولـــہ: "بِلَى" بکسر الباء بروزن إلَى سڑ جانے کے معنی میں ہے۔

قولہ: "عَتَا" عتوّ سے بمعنی شرارت کرنے اور اس میں بڑھتے رہنے کے ہے۔

قولـــہ: "طغى" یہ بھی عتا کی طرح بروزن علٰی کے ہے طغیان شر وفساد میں حد سے بڑھنے کو کہتے ہیں حالانکہ اگر دیکھا جائے تو کسی کو یہ حرکت وعادت زیب نہیں دیتی کیونکہ آدمی ایک حقیر ناپاک پانی سے بنا ہے اور بالآخر پھر سڑی ہوئی بدبودار لاش اور گندہ مادہ میں تبدیل ہوگا مگر وہ بدمعاش اس حقیقت کو نظر انداز کر رہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "یختل الدنیابالدین" بکسر التاء ختل دھوکے کو کہتے ہیں خصوصاً جبکہ بھیڑیا اپنے شکار کے لئے چھپ کر حملہ کرتا ہے تو کہا جاتا ہے یَخْتِلُ الذئبُ الصیدَ، مطلب واضح ہے اور آج کل اس کی امثلہ دیکھنا بہت آسان ہے۔

قولہ: "یختِل الدین بالشبہات" ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں "کلماعرضت لہ مسئلۃ یحرمھاالشرع اعتمدعلی شبھۃ فیھافَاَحَلّھا" یعنی جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوجائے جو حرام ہو مگر اس میں ایک پہلو بظاہر جواز کا معلوم ہوتا ہو تو یہ شخص اسی پہلو اور شبہ کا فائدہ اٹھا کر اس مسئلہ کو جائز قرار دے کر اس پر عمل کرتا ہے، امور مشتبہ پر تفصیلی بحث (تشریحات ترمذی جلد:۵ ص:۱۲۱) پر بیوع کے پہلے باب میں گذری ہے۔ غرض جو شخص لالچ، خواہشات اور حرص کے درپے ہو وہ بُرا ہی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو مؤمن کسی بھوکے مؤمن کو کھانا کھلائے تو اللہ اس کو قیامت کے دن جنت کے پھلوں سے کھلائے گا، اور جو مؤمن کسی مؤمن کو پیاس کے وقت (پانی) پلائے گا تو اللہ اسے قیامت کے روز رحیق مختوم سے پلائے گا، اور جو مؤمن کسی ننگے مؤمن کو (لباس) پہنائے گا تو اللہ اس کو جنت کے سبز حلّوں سے پہنائے گا۔ (غریب)

قولہ: "رحیق" بروزن رفیق شراب کو کہتے ہیں جبکہ "مختوم" خِتام سے بمعنی مُہر لگی ہوئی یعنی سربمہر کو کہتے ہیں۔

قولہ: "عُرِي" بضم العین وسکون الراء مراد عرفی ننگا ہے یعنی جس کے پاس مناسب حال لباس نہ ہو۔

قولہ: "خضر" بضم الخاء وسکون الضاد اخضر کی جمع ہے بمعنی سبز کے کیونکہ یہ خوبصورت رنگ ہوتا ہے یعنی اگرچہ لباس تو ہر جنتی کو ملے گا مگر ایسا شخص بطور خاص سبز حلہ میں ملبوس ہوگا جو امتیازی حسن کا حامل ہوگا جیسے عام پرندوں میں سبز طوطے کا رنگ بہت ہی دلکش ہوتا ہے۔

حدیث ابی ھریرۃؓ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ڈرا تو وہ رات کے پہلے پہر میں چلا اور جو اوّلِ شب سے چلا وہ منزل کو پہنچا آگاہ رہو! کہ اللہ کی پونجی گراں قیمت ہے، آگاہ ہو! کہ اللہ کی پونجی جنت ہے۔ (حسن غریب)

قولہ: "اَدلَجَ" رات کے شروع میں نکلا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "سِلعة" سامان ومتاع اور پونجی کو کہتے ہیں یہاں مراد جنت ہے جیسا کہ آگے تصریح ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دشمن کے لشکر سے بچنے کی غرض سے جو شخص رات کا اندھیرا ہوتے ہی نکلے تو صبح جب دشمن کا لشکر اس بستی میں داخل ہوگا اس کا خاندان بہت دور نکلا ہوگا جہاں تک دشمن کی رسائی ممکن نہیں ہوگی ایسا ہی جو مؤمن ابھی سے اپنی تیاری جاری رکھے گا تو موت کے وقت اللہ کے عذاب سے بہت دور ہوگا۔ اور جنت کی نعمتیں انتہائی گراں قدر مہنگی ہیں وہ قیمت دے کر ہی وصول وحاصل کی جاسکتی ہیں لہذا عمل کی صورت میں قیمت ادا کر کے وہ نعمتیں حاصل کیجئے!

حدیث آخر:۔ حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ متقیوں میں سے ہونے کے درجہ تک اس وقت تک نہیں پہنچے گا جب تک نہ چھوڑے اس چیز کو جس میں کوئی حرج (گناہ وکراہیت) نہیں اس چیز سے بچنے کی خاطر جس میں حرج (شبہہ وغیرہ) ہے۔

چونکہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں: (۱) ایک کفر وشرک سے بچنا تا کہ عذاب خلود ودائم سے بچے (۲) دوم گناہ سے پرہیز کرنا اگر چہ صغائر ہوں (۳) اور سوم غیر اللہ میں دل لگانے اور تفکر سے بچنا، اس لئے حدیث میں متقین سے درجہ دوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ آدمی جب تک گناہ کے ذرائع واسباب کو نہیں چھوڑے گا وہ متقی نہیں بن سکے گا کیونکہ گناہ کے قریب جانے سے گناہ میں مبتلاء ہونا گویا لازمی سی بات ہے، لیکن زیادہ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس حدیث میں درجہ سوم کے متقی ہیں یعنی جب آدمی لایعنی چیزوں کو چھوڑے گا تو وہ حقیقی متقی بن جائے گا اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں "اتقوا اللّٰہ حق تقاتہ"۔ (اعراف:۹۶)

حدیث آخر:۔ حضرت حنظلہ اُسیدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم (ہر وقت) ویسے ہی رہو جیسے میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے اپنے پروں سے تم پر سایہ کرنے لگیں گے۔ (حسن غریب)

حنظلہ اُسیدی بالتصغیر کو حنظلہ کاتب بھی کہتے ہیں یہ غسیل الملائکہ کے علاوہ ہیں کوفہ میں حضرت علیؓ کے بعد وفات پائی ہے۔

یہ روایت مختصر ہے مسلم شریف میں پوری روایت اس طرح آئی ہے اور آگے ترمذی میں بھی آرہی ہے کہ حضرت حنظلہؓ کی ملاقات ابوبکر صدیقؓ سے ہوئی ان کے دریافت کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا ہے ابوبکرؓ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Maktaba Tul Ishaat.com

وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور وہ ہمیں دوزخ و جنت کی یاد دلاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ مناظر ہمارے سامنے ہوں پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے نکل آتے ہیں اور بیوی بچوں اور کام کاج میں مصروف ہوجاتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں، پس ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا یہ معاملہ تو میرے ساتھ بھی ہے پس میں اور ابوبکر دونوں چلے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوئے، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! حنظلہ منافق ہوگیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیسے؟ میں نے عرض کیا کہ ہم جب آپ کے پاس ہوتے ہیں ....الخ پوری صورت حال بتادی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ ہوتے جو میرے پاس تمہاری حالت ہوتی ہے اور ہمیشہ ذکر کررہے ہوتے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں تم سے مصافحہ کرتے لیکن حنظلہ کوئی گھڑی کیسی ہوتی ہے اور کوئی کیسی۔ (ج:۲ص:۳۵۵ باب فضل دوام الذکر والفکر الخ من کتاب التوبۃ)

حدیث آخر:۔ ''اِنَّ لِکلِّ شیءٍ شِرَّۃً ولکل شِرَّۃٍ فترۃً الخ'' ہر چیز کی ایک تیزی ونشاط ہوتی ہے اور ہر تیزی (کے پیچھے اس) کی کمزوری ہوتی ہے پس اگر وہ نشاط والا میانہ راہ چلے اور حق کے قریب رہے تو اس کی کامیابی کی امید رکھو لیکن اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جانے لگے تو اسے (صالحین کے) شمار میں نہ لاؤ۔ (حدیث صحیح غریب)

قولہ: ''شرۃ'' بکسر الشین وتشدید الراء، تیزی، پھرتی، نشاط، چستی اور حرص کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** ''فترۃ'' بفتح الفاء وسکون التاء ضعف، کمزوری اور سستی کو کہتے ہیں بعض نے شرۃ کو راء کے بجائے دال کے ساتھ یعنی شِدّۃ نقل کیا ہے مطلب دونوں کا ایک ہے۔

قولہ: ''سَدِّد'' بتشدید الدال الاول سدا در است روی، میانہ روی اور قول وفعل کی درستگی کو کہتے ہیں۔

قولہ: ''فارجوہ'' ای فلاحہ۔

قولہ: ''فلاتعدّوہ'' ای بِمُفلح، پس مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کو عبادت اور نیکی کے کام کرنے کے اسباب اور جوش مل جائے تو اگر اس نے راہ راست پر چلنے کی کوشش کی اور چونکہ بالکل سیدھا چلنا تو مشکل ہے لہذا اگر وہ قریب الی الحق رہا تو اس کی کامیابی کی امید رکھو کہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوجائے گا مگر اگر وہ مشار الیہ بالبنان بن جائے یعنی لوگوں میں عزت وشہرت پائے تو پھر اس کو صلحاء وکامیاب لوگوں میں سے شمار نہ کرو کیونکہ وہ اب ریاکاری کا شکار ہو ہی گیا ہے جہاں تک اس کی قوت وشہرت کا تعلق ہے تو وہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہوجائے

Maktaba Tul Ishaat.com

گی یا کم ہو جائے گی کیونکہ ہر ترقی کے بعد تنزلی کا نمبر آتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ کا خصوصی فضل ہو تو وہ مستثنیٰ ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے غرض عبادت میں بھی افراط وتفریط کے مابین چلنا محفوظ ترین راستہ ہے کہ اس میں دوام بھی نصیب ہوتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہے اور یہ طریقہ حُب جاہ سے بھی دور ہے اور شہرت سے بھی کنارہ پر ہے جبکہ نیکی کے کسی عمل میں تیزی لانے کا انجام جلدی شہرت ملنا اور پھر حب مال وحب جاہ کے جال میں پھنسنا ہے، لہٰذا دیگر عبادت گذاروں کی طرح کسی مصنف کو بھی اپنی تصنیفات کی تعداد محض شہرت کی غرض سے نہیں بڑھانی چاہئے کہ یہ اخلاص کے منافی ہے۔ واللہ اعلم

حدیث آخر:۔ ''**بحسب امرئٍ من الشر ان یشار الیه بالاصابع فی دین او دنیا الا من عصمه الله**'' کسی شخص کی بربادی کے لئے یہ بھی کافی ہے کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کئے جائیں خواہ دین کے بارے میں ہو یا دنیا کے حوالے سے سوائے اس کے جس کو اللہ (بربادی وتباہی سے) بچائے۔

یہ حدیث معلق ہے امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بسند ضعیف اس کی تخریج کی ہے، اور مطلب اس کا یہ ہے کہ شہرت چاہے دینی ہو یا دنیوی جیسے سیاست وغیرہ وہ عموماً آدمی کو وادی ہلاکت کی طرف بہا دیتی ہے کہ ایسے میں آدمی تکبر ودیگر رذائل اخلاق کا شکار ہو جاتا ہے تاہم جسے اللہ تبارک وتعالیٰ محفوظ فرمادیں تو شہرت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ والوں کی نظر میں اپنی مدح اور ہجو دونوں برابر رہتی ہیں۔ ''بحسب'' میں باء زائد ہے ای یکفیه۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے (سمجھانے کے) لئے ایک چوکور لکیر کھینچی اور اس مربع خط (شکل) کے اندر ایک اور لکیر کھینچی اور ایک خط اس مربع کے باہر کھینچا اور اس خط کے اردگرد (یعنی دونوں طرف) بھی لکیریں کھینچیں جو درمیان میں تھا پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ (مجموعہ) ابن آدم ہے اور یہ (چوکور) اس کی اجل ہے (یعنی موت ہے) جو اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ خط جو درمیان میں ہے انسان ہے اور یہ (اردگرد کے) خطوط اس کے عوارض ہیں (یعنی آفات اور بلیات) اگر وہ ایک سے بچ جائے تو دوسرا اس کو نوچ دے گا جبکہ (چوکور سے) باہر جانے والا خط اس کی اُمید ہے۔ (حدیث صحیح اخرجہ البخاری ایضاً)

قولہ: ''مربع'' جو میٹری کی اصطلاح میں وہ چوکور خط یا شکل جس کے چاروں اضلاع یعنی کونے اور چاروں گوشے برابر ہوں یہاں یہی مراد ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "ھذا ابن اٰدم" یعنی یہ شکل اور خصوصاً درمیان والا خط انسان کی مثال ہے۔

قولہ: "عروضہ" یعنی انسان کو کئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور موت سے قبل اسے ان آلام ومصائب نے گھیر رکھا ہے ایک سے بچے تو دوسرا اسے آگھیرتی ہے، اسی گھیراؤ کو نھش یعنی زہریلی چیز کے ڈسنے سے تعبیر کیا کیونکہ یہ تمام مصائب تکلیف دِہ ہیں، ہاں البتہ نہش مطلق دانتوں سے نوچنے کو بھی کہتے ہیں مطلب دونوں کا ایک ہے۔

حدیث پاک کا مطلب بالکل واضح ہے کہ انسان کئی خطرات سے گھرا ہوا ہے اس کے ہر جانب مسائل ہی مسائل اور مصائب ہی مصائب ہیں اگر وہ ان میں سے کسی ایک سے نجات حاصل کرلے تو دوسرے کا نمبر آتا ہے اسی کشمکش میں زندگی گذرتی رہتی ہے یہاں تک کہ موت کا نمبر آتا ہے جس نے اس کو چاروں اطراف سے گھیر رکھا ہے مگر ناداں انسان کی امیدیں موت کے دائرہ سے باہر ہیں وہ موت کا شکار ہوجاتا ہے اور سارے یا اکثر منصوبے ادھورے رِہ جاتے ہیں۔

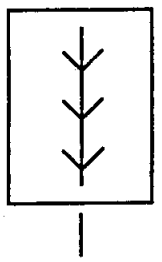

سامان سو برس کا ہے، پل کی خبر نہیں

مثال کی تقریب الی الفہم کی غرض سے شکل پیش ہے:

(طول امل سے متعلق بحث راقم کی کتاب "نقش قدم" میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

حدیث آخر:۔ "یھرم ابن اٰدم وتشبّ منه اثنتان الحرص علی المال والحرص علی العمر". (حدیث صحیح اخرجه الشیخان وغیرھما)

آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے جبکہ اس کی دو خصلتیں جوان ہوجاتی ہیں ایک مال کی حرص دوسرے عمر (زندگی) کی حرص۔

قولہ: "یھرم" بفتح الراء، ھرم کمزوری اور بڑھاپے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "تشِبُّ" بتشدید الباء شباب سے ہے بمعنی جوان ہونے کے۔

قولہ: "منه" ای من اخلاقه وملکاته یعنی اس کے اخلاق وخصال میں دو چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کے بوڑھے ہوجانے کے باوجود طاقت ور رہتی ہے چنانچہ بوڑھا آدمی مال کے شوق اور عمر کی محبت ولگن میں کسی طرح جوان آدمی سے پیچھے نہیں ہوتا اگرچہ اس کے جسم پر زوال کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں غرض ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ حقیقت حال کو تسلیم کرنا اور اس پر نظر کرنا چاہئے تاکہ موت کی گھنٹی سُن کر کچھ تیاری کی جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ مُثِّلَ ابن اٰدم والیٰ جنبه تسعة وتسعون مَنِيَّةً ان اَخطأتهُ المنايا وقع فی الهَرَم". (حسن صحیح)

آدم زاد کو بنایا (یعنی پیدا کیا) جاتا ہے دراں حالیکہ اس کے پہلو میں (یعنی اردگرد) ننانوے اموات (مہلکات) ہیں اگر یہ سب چوک جائیں تو بالآخر وہ بڑھاپے میں مبتلا ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ مرجاتا ہے)۔

یہ حدیث ابواب القدر میں گذری ہے دیکھئے (تشریحات ترمذی ج: ششم ص: ۴۹۷، ۴۹۸ باب بلاترجمہ) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی انسان موت سے نہیں بچ سکتا اگر چہ وہ ہر بیماری کا علاج کرواتا رہے لیکن بالآخر بڑھاپا ایک ایسا مرض ہے جس کی گرفت سے وہ کبھی بھی بچ نہیں سکے گا وہاں اس پر یہ اضافہ ہے "حتی یموت"۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے جب دو تہائی رات گذر جاتی اور فرماتے اے لوگوں! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو! آ گئی لرزانے والی چیز (نفخہ اولیٰ) اس کے درپے ہے دوسری (نفخہ ثانیہ) موت اپنے اندر (چھپے ہوئے برزخ وقیامت) کے احوال لئے ہوئے آ گئی، موت اپنے احوال کے ساتھ آ گئی حضرت اُبیؓ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں تو میں (بجائے دعاء کے) کتنا درود پڑھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا تم چاہو! میں نے کہا چوتھائی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا تم چاہو! تاہم جتنا زیادہ پڑھو گے تو اتنا زیادہ بہتر ہوگا (تیرے لئے) میں نے کہا پھر آدھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری مرضی اگر زیادہ کرو گے تو وہ زیادہ مفید ہوگا! میں نے عرض کیا تو دو تہائی پڑھ لیا کروں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جتنا چاہو اگر تم نے زیادہ کر لیا تو وہ افضل ہوگا! میں نے کہا بس میں اپنی دعاء کے بجائے تمام اوقات میں آپ پر درود پڑھوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تیرے سب کام پورے کر دیئے جائیں گے اور تیرے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (حسن)

قولہ: "الراجفة" رجف سے بمعنی لرزنے اور کانپنے کے چونکہ پہلی بار صور پھونکنے سے ساری دنیا لرز اٹھے گی اس لئے اسے رابجفہ کہا اور اس کے بعد ایک نفخہ دوسرا بھی ہوگا کہ جو لوگ پہلے نفخہ سے مر گئے تھے وہ اور باقی سب لوگ دوسرے سے زندہ ہو جائیں گے اس لئے اسے رادفہ کہا جیسے ردیف وہ شخص جو سواری کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہو کہلاتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "جاء الموت بمافیہ" باء بمعنی مع کے ہے یعنی مع مافیہ یعنی جان نکلنے کی تکلیف قبر کے کٹھن حالات اور مابعد کے احوال۔

چونکہ یہ ارشاد آپ علیہ الصلوٰۃ السلام نے رات کے آخری پہر میں فرمایا ہے اس لئے کہا جائے گا کہ آپ کے مخاطبین سوئے ہوئے لوگ ہیں خواہ وہ کسی بھی زمانہ کے ہوں یعنی خواب ضرورت کے بعد مزید سونا خواب غفلت کے زمرے میں آتا ہے اور کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ہولناک واقعات کے آنے کا یقین کرنے کے باوجود سوتا رہے اور تیاری سے اور اللہ کی یاد سے غافل رہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ میں رات کو نماز پڑھتا ہوں اور اپنے لئے دعاء مانگتا ہوں اور آپ پر درود پڑھتا ہوں تو دعاء کے مقابلے میں یا نماز کے مقابلے میں درود پڑھنے کا حصہ کتنا مقرر کرلوں؟ مثلاً دو گھنٹوں کے معمولات میں چوتھائی یعنی آدھا گھنٹہ؟ اور جواب کا مطلب واضح ہے۔

قولہ: "اذاً تُکفیٰ ھمک" تکفیٰ فعل مجہول کا صیغہ ہے دو مفعولین چاہتا ہے اوّل مرفوع نائب فاعل اور دوم منصوب، یہاں مفعول اول "انت" ہے اور ھمک مصدر مبنی للمفعول مفعول ثانی منصوب ہے ھم قصد وارادے کو کہتے ہیں مگر مبنی للمفعول کی صورت میں بمعنی مھموم یعنی کام ہوگیا کیونکہ کام کا ارادہ کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب تم پورا وقت درود پڑھنے میں لگاؤ گے تو تیرے دنیا وآخرت کے سارے کام من جانب اللہ پورے کردیئے جائیں گے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "استحیوا من اللّٰہ حق الحیاء الخ" "اللہ سے ایسا ہی شرماؤ جیسا اس سے شرمانے کا حق ہے! ہم نے کہا اے اللہ کے نبی الحمدللہ ہم تو حیاء کرتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء کا اتنا سا حق نہیں (یعنی یہ حقیقی حیاء نہیں) بلکہ بھرپور حیاء اللہ سے یہ ہے تم سر اور جو کچھ اس میں ہے کی حفاظت کرلے (یعنی نگہداشت کی جائے) اور پیٹ کی اور جس کو پیٹ شامل ہے کی حفاظت کرلے، اور تم موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت (کا ثواب) چاہتا ہے وہ دنیا کی زیبائش چھوڑ دیتا ہے، پس جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے (حقیقی) حیاء کی یعنی اللہ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (غریب)

قولہ: "وَعَی" وَعیٰ حفاظت کرنے اور جمع کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ سر کے اندر کے تمام حواس جیسے آنکھیں، کان اور دماغ وغیرھا حتیٰ کہ افکار وتصورات کو بھی گناہ سے بچائے رکھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "حَوَیٰ" حوی الشیٔ کے معنی قبضہ کرنے اور مشتمل ہونے کے آتے ہیں یعنی جو جو چیز پیٹ سے متعلق ہے جیسے شرمگاہ اور خواہشات ان کو قابو میں رکھنا۔

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور باقی صحابہ کرامؓ نے جو فرمایا کہ ہم تو حیاء کرتے ہیں تو اس سے مراد حیاء کا عام مفہوم ہے کہ ہم تو گناہ سے اپنے اعضاء بچاتے ہیں جبکہ آپ علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میری مراد حیاء کا اعلیٰ درجہ اور حقیقی حیاء ہے کہ آدمی سرتاپا اپنے ظاہر و باطن سب کو اللہ کے حکم کا تابعدار و فرمان بردار بنائے اور کسی لحہ سرتابی و حکم عدولی نہ کرے تو وہ شخص دراصل حقیقی حیاء دار ہے۔ ایسے شخص کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ دنیا کی زیب و زینت کے بجائے فکر آخرت میں مستغرق اور بحر محبت باری تعالیٰ میں غرق ہوگا، وہ نہ تو لوگوں سے داد وصول کرنے کا سوچتا ہے اور نہ ہی ان کے عتاب سے کوفتہ ہو جاتا ہے۔ یقیناً ایسا شخص اللہ والا ہوتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "الکیّس من دَان نفسَه وعمل لمابعدالموت، والعاجز من اَتبَعَ نفسَه هَوَاها وتمنّاعلی اللّٰه". (حسن)

عقلمند وہ ہے جو اپنے آپ کا حساب کرتا رہے اور موت کے مابعد (والی زندگی) کے لئے عمل کرے اور ناقص وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے تابع بنادے اور اللہ سے توقعات رکھے۔

قولہ: "الکیّس" صاحب بصیرت۔

قولہ: "دان" دان یدین کے کئی معانی آتے ہیں یہاں مناسب ترجمہ و مطلب وہی ہے جو امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے جسے اوپر ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے یعنی نفس قابو میں رکھنے کے لئے ہر وقت اس کا حساب رکھنا اور اس کی نگہداشت اور نگرانی کرنا۔

قولہ: "والعاجز" عجز کے معنی قاصر ہونا خواہ کسی بھی اعتبار سے ہو چونکہ یہ لفظ کیّس کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے مراد بے بصیرت اور بے وقوف بھی لے سکتے ہیں اور "عمل لمابعدالموت" کے مقابل آنے سے بمعنی کم عمل والا بھی مراد ہو سکتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ ناقص سے کیا گیا تاکہ دونوں صورتوں کو شامل ہو جائے۔

قولہ: "اتبع نفسه هواها" اِتباع سے ہے بمعنی درپے کرنے اور تابع بنانے کے۔

قولہ: "وتمنّاعلی اللّٰه" یعنی وہ شخص اتنا بے وقوف ہے کہ ایک طرف ہوس کا غلام بن گیا ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسری طرف آخرت اور اس کے اعلیٰ درجات سے آس لگائے بیٹھا ہے، حالانکہ اگر یہ ہوشیار ہوتا تو اپنی حالت کے پیش نظر کہ وہ اپنے نفس سے ہار گیا ہے اور گناہوں میں دُھت ہے استغفار کرتا لیکن استغفار تو کرتا نہیں اور تمنائے کرتا ہے۔

خلاصۂ مطلب: یہ ہے کہ ہوشیار شخص وہ ہے جو حساب اکبر سے پہلے ہی اپنا حساب صاف کرلے اور پوری طرح تیاری کر کے چوکس رہے جبکہ بے وقوف اپنے نفس کے آگے بے بس رہتا ہے نفس کی غلامی چھوڑتا نہیں اور سر پر تاج عزت و جنت سجانے کا یقین رکھتا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلیٰ (جائے نماز) میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں کو دیکھا جو گویا ہنس رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! اگر تم لذتوں کو یکا یک ختم کردینے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد رکھتے تو وہ تمہیں اس (ہنسنے) سے جو میں دیکھ رہا ہوں غافل کردیتی پس ہاذم اللذات کو بہت یاد کیا کرو یعنی موت کو، کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں آتا مگر وہ (قبر) آواز دیتی ہے (یعنی بزبان حال) چنانچہ وہ کہتی ہے میں نامانوسی (وحشت) کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا (بنا ہوا) گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر (جگہ) ہوں، چنانچہ جب کوئی مؤمن بندہ دفن کردیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے ''مرحبا واھلا'' بلاشبہ میری پشت پر چلنے والوں میں تم میرا بہت پیارا تھا پس اب جبکہ میں آج تیرے کام کی متولی ہوئی اور تو میری طرف آگیا تو بہت جلد دیکھے گا میرا حسن سلوک تجھ سے، پس وہ تا حد نگاہ کشادہ ہوجاتی ہے اور اس کے لئے جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب فاجر یا فرمایا کہ کافر آدمی کو دفنایا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تجھے کوئی خوش آمدید نہیں! آگاہ ہو! تم مجھے میری پیٹھ پر چلنے والوں میں سب سے بُرا لگتا تھا تو جب آج تجھ کو میری تحویل میں سونپا گیا ہے اور تو میرے پاس آگیا تو بہت جلد تم دیکھو گے میرا سلوک تجھ سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس قبر اس پر (دونوں طرف سے) جُڑ جاتی ہے یہاں تک کہ دونوں جانب سے اس پر مل جاتی ہے، اور اس کی پسلیاں آر پار ہوجاتی ہیں راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے بعض کو (یعنی ایک ہاتھ کو) بعض (یعنی دوسرے ہاتھ کی انگلیوں) میں داخل کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر ستر اژدہا مقرر کردیئے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک کبھی نہ اُگائے گی کوئی چیز (گھاس وغیرہ) پھر وہ اژدھے اس کو دانتوں سے کاٹتے ہیں اور نوچتے ہیں یہاں تک کہ لے جایا جائے

Maktaba Tul Ishaat.com

گا اسے حساب کی طرف راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (حدیث غریب)

قولہ: "مصلاہ" ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں کہ بظاہر مراد جنازہ گاہ ہے کہ آپ علیہ السلام جنازہ دیکھتے وقت فکرمند وکم گو نظر آتے۔

قولہ: "یکتشرون" بمعنی یضحکون کے ہے تاہم کشر بالشین وہ ہنسی کہلاتی ہے جس میں دانت نظر آتے ہوں۔ پھر راوی کا یہ کہنا کہ "کانھم" اس کی طرف مشیر ہے کہ وہ لوگ کاشرین نہ تھے مگر چونکہ وہ ہشاش بشاش تھے اس لئے گویا کہ وہ ہنس رہے تھے۔

قولہ: "ھاذم اللذات" مراد موت ہے ھذم تیزی سے کاٹنے اور جلدی کھا کر ختم کردینے کو کہتے ہیں جبکہ ھدم دال مہملہ کے ساتھ مسمار کرنے اور ڈھانے کو کہتے ہیں۔ موت سے ساری لذتیں یکبارگی ختم ہوجاتی ہیں۔

قولہ: "انابیت الغربۃ" یعنی اپنے لئے ساتھی کا انتظام کرلو جو کہ نیک عمل ہے۔

قولہ: "الفاجر او الکافر" لفظ او راوی کے شک کے لئے ہے اگر فاجر سے مراد کامل فاجر لیا جائے تو بمعنی کافر بن جائے گا تاہم عصاۃ المؤمنین کے لئے بھی عذاب قبر ثابت ہے جیسا کہ شرح عقائد اور اس کے متن میں تصریح ہے اور ابواب الجنائز میں بھی گذرا ہے۔

قولہ: "وتختلف اضلاعہ" ضلع پسلی کو کہتے ہیں اور تختلف کا مطلب یہ ہے کہ دونوں جانبین کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں اور گڈمڈ ہوجاتی ہیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر چلی جاتی ہیں۔

قولہ: "یُقیّض" مسلط کردیئے جاتے ہیں قیض اصل میں انڈے کے چھلکے کو کہا جاتا ہے۔

قولہ: "تِنّینا" بکسر التاء وتشدید النون المکسورۃ بمعنی اژدھا کے۔ قولہ "فینھشہ" دانتوں سے نوچنے کو اور خدش زخمی کرنے کو کہتے ہیں یعنی وہ اسے کاٹتے اور ڈستے رہتے ہیں۔ تفصیل جنائز میں گذری ہے۔

قولہ: "فی حدیث عمر رضی اللہ عنہ فاذا ھو متکئ علی رملِ حصیر فرأیتُ اثرہ علی جنبہ" وفی الحدیث قصۃ طویلۃ".

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بُنی ہوئی چٹائی پر تکیہ لگائے تھے چنانچہ میں نے بناوٹ کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر دیکھا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حصیر چٹائی کو کہتے ہیں جبکہ رمل بفتح الراء وسکون المیم چٹائی کی پتیوں کی بناوٹ اور بُنائی کو کہتے ہیں اور کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے جسد اطہر اور چٹائی کے درمیان کسی بستر، فرش یا کپڑے کا واسطہ نہ تھا بلکہ آپ علیہ السلام زمین پر بچھائی ہوئی چٹائی یا چارپائی پر بغیر کسی نرم کپڑے کے لیٹے ہوئے تھے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک پر چٹائی کے نشانات صاف نظر آرہے تھے خاص کر جب بغیر قمیص کے آدمی لیٹ جائے تو نشانات واضح بنتے ہیں، اس سے آپ علیہ السلام کا زھد ثابت کرنا مراد ہے۔ کہ سید الکونین ہوتے ہوئے بھی سہولت وآسائش سے بچے رہے، یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ صحیحین میں بھی آئی ہے اور خود امام ترمذیؒ نے ابواب التفسیر میں سورۂ تحریم میں ابن عباسؓ سے نقل فرمائی ہے جو "اِن تَتُوبَا الی اللّٰہ فقد صَغَت قُلُوبُکُما" (الآیۃ) کا مصداق پوچھنے کے لئے موقعہ کی تلاش میں تھے پس ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے وضوء کے دوران پانی ڈالتے وقت پوچھنے کا موقعہ مل گیا جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے پورا قصہ بیان فرمایا کما سیأتی ان شاء اللہ۔

حدیث عمرو بن عوفؓ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بھیجا، تو وہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے تو انصار نے ابوعبیدہؓ کی آمد کے بارے میں سُنا، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز میں آکر شریک ہوئے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو (لوگوں کی طرف) متوجہ ہوئے اور (دوسری طرف) ان لوگوں نے خود کو پیش کرنے کا تأثر دیا چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو مسکرائے اور پھر فرمایا میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں نے سُنا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لائے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوشخبری سنو اور توقع رکھو (یعنی کہ وہ آئے ہیں اور تمہیں امید رکھنی چاہئے) اس کی جو تمہیں خوش کرے گا (یعنی مال) بخدا! میں تم پر فقر سے نہیں ڈرتا بلکہ میں تم پر اس سے ڈرتا ہوں کہ تمہارے لئے دنیا اس طرح کشادہ کردی جائے گی جیسے تم سے اگلوں کے لئے پھیلا دی گئی تھی، پھر تم بھی اس میں دلچسپی لینے لگو گے جیسے وہ لوگ اس میں دلچسپی لینے لگے تھے پھر دنیا تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کردے گی جیسے ان کو ہلاک کیا۔ (حدیث صحیح اخرجہ الشیخان)

قولہ: "فوافوا" بمعنی أتوا۔

قولہ: "فتعرضوا" تعریض کسی کلام یا کام کی آڑ میں مقصد کو اُجاگر کرنے کو کہتے ہیں جیسے کوئی غریب آدمی امیر کی ملاقات کرے اور کہے کہ میں سلام کرنے کے لئے آیا ہوں، اور مقصد پیسے وصول کرنا ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "املوا" امل یا تامیل سے ہے توقع اور امید کو کہتے ہیں۔ قولہ: "فتنافسوھا" اس میں ایک تاء محذوف ہے تنافس کسی چیز کی طرف میلان کو کہتے ہیں۔

حدیث کا مقصد واضح ہے کہ غربت پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے اس میں بگڑ جانے کا خطرہ کم رہتا ہے جبکہ مالداری پر صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اور عموماً مالداری سے آدمی بگڑ جاتا ہے اِلّا یہ کہ کوئی بہت ہی مضبوط ایمان کا حامل اور صفت زہد میں کامل ہو چنانچہ عارضۃ الاحوذی میں ہے:

"قال الصحابة فی الحدیث الصحیح: أُبتلینا بالضراء فصبرنا وأُبتلینا بالسراء فلم نصبر، وقد قال العلماء یصبر علی البلاء کُل مؤمن ولا یصبر علی العافیة اِلّا صدیق" صبر کی تفصیل پیچھے گذری ہے۔

(تشریحات ترمذی: ج:۶ ص:۳۰۸ "باب ماجاء فی الصبر")

حوالہ بالا میں پہلا مقولہ ترمذی میں اگلی حدیث سے پیوستہ حدیث میں بھی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مانگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (یعنی مال) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء کیا مجھ کو، میں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دیا، میں نے پھر طلب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ادا کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حکیم! یہ مال ہرا ہرا ہے (یعنی خوشنما ہے) میٹھا میٹھا ہے پس جس نے سخاوت نفس سے لیا (یعنی بغیر سوال واصرار ولالچ کے) تو اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص اسے قلبی لالچ وطمع سے حاصل کرتا ہے تو اس کے لئے اس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کھائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے اور اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نچلے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے، پس حکیمؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کے بعد کسی کا مال کچھ نہ گھٹاؤں گا (یعنی کسی سے کچھ بھی نہیں لوں گا) یہاں تک کہ دنیا سے جُدا ہو جاؤں (یعنی مر جاؤں) چنانچہ پھر ابوبکرؓ حکیم کو عطایا لینے کے لئے بُلاتے مگر وہ لینے سے انکار فرماتے، پھر عمرؓ ان کو بُلاتے تاکہ ان کو (ان کا حق) دے دیں مگر وہ کسی بھی چیز کو قبول کرنے سے انکار فرماتے، پس عمرؓ نے فرمایا اے مسلمانوں کے گروہ! میں تمہیں حکیم پر گواہ بناتا ہوں کہ میں ان کا حق ان کو پیش کرتا ہوں اس فئی (غنیمت) میں سے مگر وہ لینے سے انکار کرتے ہیں چنانچہ حضرت حکیمؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی کوئی چیز نہ گھٹائی (یعنی کچھ بھی قبول نہ کیا) یہاں تک کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

وفات پائی۔(حدیث صحیح)

قولہ: "باشراف النفس "یعنی لالچ کے ساتھ لینا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مراد دینے والے کی ناخوشی ہو۔

قولہ: "لاارزأ" ای لاانقص بالطلب۔

قولہ: "بعدک" یعنی آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد کیونکہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ مبارک سے لینے میں برکت تھی اور قبول نہ کرنے میں سوءادب کا اندیشہ تھا اس لئے بعد ہذا نہیں کہا بلکہ "بعدک" فرمایا حضرت حکیم مؤلفۃ القلوب میں سے تھے مگر جو بات کہی اس پر سختی سے عمل کیا کما ترٰی۔

حدیث آخر:۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سختی کی حالت (فقروفاقہ) میں آزمائے گئے تو ہم نے صبر کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم آسودگی میں آزمائے گئے تو ہم صبر نہ کرسکے۔(حسن)

قولہ: "ضراء اور سراء" دونوں متضاد معنوں کے الفاظ ہیں دونوں مؤنث کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔سراء کے معنی خوش حالی اور مسرت وشادمانی کے آتے ہیں جبکہ ضراء تکلیف کی حالت کو کہتے ہیں جیسے غربت ومسکنت یا بیماری یہاں مراد فقروفاقہ ہے۔یہاں صبر کے تینوں معانی کو ملحوظ رکھا جائے یعنی صبرعن المعصیت، صبرعلی المصیبت اور صبرعلی الطاعت، حدیث کا مطلب آسان بھی ہے اور پہلے بھی دودفعہ گذرا ہے۔فلیحفظ

حدیث آخر:۔جس کا مقصود آخرت ہو تو اللہ اس کے دل میں بے نیازی ڈال دیتا ہے اور اس کے کاموں کو یکجا کردیتا ہے (یعنی آسان بنادیتا ہے) اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے، اور جس کا مقصود دنیا ہو تو اللہ اس کی محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے اور اس کے کاموں کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے اور دنیا نہیں آتی اس کے پاس مگر صرف وہ (آتی ہے) جتنی مقدر ہو۔

قولہ: "ھمّۃ" کانت کی خبر ہے علی ھذا اسے منصوب پڑھا جائے گا نیت اور قصد کے معنی میں آتا ہے۔

قولہ: "شملہ" اس کے کئی معانی آتے ہیں یہاں بمعنی شیرازہ یعنی انتظام کے ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ جو شخص آخرت کو اپنا مقصود ومطلوب بناتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا انتظام غیب سے کردیتا ہے بایں طور کہ تھوڑی سی سعی اور محنت اس کی ضروریات کے لئے کافی بنادیتا ہے جبکہ دنیا کو مقصد بنانے والے کے انتظامات کو خراب کردیتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ عبدالدینار وعبدالدنیا بیچارے کے پاس نماز پڑھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا ساری زندگی بھاگ دوڑ میں گذر جاتی ہے اور خالی ہاتھ قبر میں جاتا ہے۔والعیاذ باللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث پر امام ترمذیؒ نے کوئی حکم نہیں لگایا ہے تاہم اس کی سند میں یزید رقاشی کو حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں ضعیف قرار دیا ہے جبکہ امام منذریؒ نے الترغیب والترھیب میں "لابأس به" کہا ہے۔ (کذا فی تحفۃ الاحوذی)

باب کی آخری حدیث:۔ (یہ حدیث قدسی ہے) اللہ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تم میری عبادت میں مصروف رہو تو میں تیرا سینہ بے نیازی سے بھر دوں گا اور تجھ سے محتاجی کو دور رکھوں گا اور اگر تو ایسا نہیں کرے گا (یعنی میری عبادت کے لئے خود کو فارغ نہیں کرے گا) تو میں تیرے دونوں ہاتھوں کو (محنت ومزدوری کی) مصروفیات سے بھر دوں گا اور تیرے فقر وفاقہ (محتاجی) کو دور نہیں کروں گا۔ (حسن غریب وقال الحاکم صحیح الاسناد)

چونکہ سب لوگ محتاج پیدا ہوتے ہیں اس لئے فقر وفاقہ اور محتاجی دور نہ کرنے سے آدمی خود بخود محتاج رہ جائے گا پھر وہ کمانے کی کوشش کرتا رہے گا مگر اس کا دل بے نیاز نہیں بنے گا بلکہ ہمیشہ محتاج رہے گا کیونکہ اصل غنا تو دل کا ہوتا ہے۔ جبکہ عبادت گذار کو اللہ قلیل پر صبر عطاء کرتا ہے اور دنیا کی چیزوں سے اس کو بے نیاز بناتا ہے۔ قولہ: "اَسُدُّ" سد ادبکسر السین سے بمعنی روکنے کے ہے۔

باب

"عن عائشة قالت كان لنا قِرام سَترفيه تماثيل علىٰ بابى فراٰه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اِنزَعِيه فانه يذكّرني الدنيا، قالت: وكانت لنا سَمَلُ قطيفة عَلَمُهَا حرير كنا نَلبَسُهَا". (حسن صحيح غريب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاں ایک باریک پردہ تھا جس پر تصویریں تھیں وہ پردہ میرے دروازے پر تھا پس اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا اسے اُتار دو اس لئے کہ یہ مجھے دنیا کو یاد دِلاتا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پُرانی جھالردار چادر تھی اس میں ریشم سے نشان (نقوش) بنے ہوئے تھے ہم اسے اوڑھتے تھے۔

قولہ: "قرام" بروزن کتاب باریک پردے کو کہتے ہیں بعض نے اس کا اطلاق اون کے رنگ برنگ خوب ٹھونک کر بُنے ہوئے کپڑے پر بھی کیا ہے، اس کی اضافت ستر کی طرف ثوب قمیص کی طرح ہے۔

قولہ: "سمل قطيفة" سمل پرانا کپڑا اور قطیفہ وہ چادر یا کمبل جس کی روئیں اور جھالر نکالے گئے ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حضور علیہ السلام نے جس پردہ پر انکار فرمایا اگر اس میں تماثیل سے مراد نقوش ہوں یعنی غیر جاندار کی اشکال ہوں تو نکیر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک گونہ زینت وزیبائش ہے جس کو دیکھ کر دل میں خوشی اور دنیا کی طرف میلان سا محسوس ہوتا ہے، لیکن اگر تماثیل سے مراد جاندار کی تصاویر ہوں تو پھر نفی اور نہی کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ تصاویر خواہ وہ کسی بھی جاندار کی ہوں ناجائز ہیں۔ اس لئے ان کی گھر میں رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں، آج کل کی الیکٹرونک تصاویر بھی تصویر محرم میں داخل ہیں راقم کی اس پر مستقل کتاب بنام ''شعاعی تصاویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت'' ہے اگر چہ خواہش کے لئے کمزور فتویٰ بھی کافی ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ریشم کے استعمال کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ ابواب اللباس کے شروع میں گذرا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۵۳۱ ج:۵)

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تکیہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے (یا ٹیک لگاتے) تھے چمڑے کا تھا، بھرتی اس کی کھجور کی چھال تھی۔ (حدیث صحیح حسن)

قولہ: ''وسادۃ'' سر کے نیچے رکھنے کی چیز جیسے تکیہ کو بھی کہتے ہیں اور غالیچہ یعنی فرش کو بھی کہا جاتا ہے یہاں معنیٰ دوم لینا زیادہ ظاہر ہے بقرینۂ یضطجع کے۔

قولہ: ''حشو'' اندر کی چیز یعنی جس سے کسی چیز کی بھرائی کی جائے جیسے تکیہ اور لحاف میں روئی۔

قولہ: ''لیف'' کھجور کی چھال۔

سبحان اللہ زہد کا اس سے بڑا نمونہ کیا ہو سکتا ہے جو ساری زندگی ایسی گذر جائے کہ نرم گدے و بستر پر ایک رات بھی نہ سوئے اگر آپ چاہتے تو دنیا کیا بلکہ جنت کے نمونے بھی آپ کی خدمت میں پیش ہو سکتے تھے مگر وہ دنیا والوں کی طرح نہ تھے کہ دوسروں کو صبر کی تلقین کریں اور خود نرم قالین کا استعمال کریں، آپ علیہ السلام نے مسلسل زہد کا بے نظیر عملی نمونہ پیش کیا جو دنیا کے سامنے کھلی کتاب ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک بکری ذبح کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس سے کتنا بچ گیا ہے؟ حضرت عائشہ ؓ نے جواب دیا اس سے سوائے ایک شانہ کے کچھ نہیں بچا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ساری باقی رہی سوائے اس کے شانہ کے۔ (حدیث صحیح)

چونکہ انہوں نے ایک بازو، وشانہ گھر کے لئے پکانے کی غرض سے چھوڑ کر باقی پورا گوشت صدقہ کیا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کا کیا ہوا سارا باقی ہے کہ اس پر ثواب مل گیا اور ثواب باقی ہوتا

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے جبکہ خود کھا کر استعمال والا حصہ کھا کر ختم ہو جائے گا۔ قال اللہ تعالیٰ: "مَاعِندَكُم يَنفَدُ وَمَاعِندَاللهِ بَاقٍ" (نحل پارہ:۱۴ آیت:۹۶)

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد ایسے تھے کہ ہم پورا پورا مہینہ گذارتے اور آگ نہ جلاتے (یعنی کچھ نہ پکاتے) پس ہماری خوراک صرف پانی اور کھجور تھی۔ (صحیح)

قولہ: "اِن کنا ال محمد" اِن مخفف من المثقلہ ہے یعنی اِنّا کنّا الخ۔

اس میں شک نہیں کہ کھجور کا مسلسل استعمال انتہائی مشکل ہے بنی اسرائیل نے تو من وسلویٰ پر بھی صبر نہ کیا تھا مگر آقائے دوجہاں کے گھر والوں نے اگر اس کا اظہار فرمایا ہے تو فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کی حالت بتانے کی غرض سے اور آسودگی سے خوف کے پیش نظر تھا جو اُسوۂ حسنہ کی تعلیم ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہمارے پاس کچھ جو (رہ گئے) تھے پس ہم اس سے کھاتے رہے جتنا اللہ کو منظور تھا، پھر میں نے جاریہ سے کہا کہ اسے ماپ لو چنانچہ اس نے ماپا اسے پھر زیادہ دیر نہ لگائی اس (جو) نے کہ ختم ہوا فرماتی ہیں کہ اگر ہم اس (ناپنے) کو چھوڑتے تو اس سے کھاتے اس سے زیادہ مدت تک۔ (حدیث صحیح)

قولہ: "شطر" اس کے معنی امام ترمذیؒ نے بیان کئے ہیں یعنی شیئاً من شعیر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کیل اور وزن سے برکت گھٹ جاتی ہے جبکہ ایک اور روایت میں کیل کا حکم آیا ہے "کیلوا طعامکم یبارک لکم فیہ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ برکت کیل کرنے میں ہے، یہ بظاہر تعارض ہے۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ کیل کا حکم خریدنے کے وقت سے متعلق ہے جبکہ ترک کیل گھر میں لانے کے بعد خرچ کے وقت سے متعلق ہے، یہ جواب تحفۃ الاحوذی میں ہے، حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب میں تطبیق یوں دی ہے کہ پکانے کے لئے جتنا لیا جائے وہ ناپ یا وزن وغیرہ حساب سے لیا جائے اور جو باقی رہے یعنی سٹاک کے طور پر اسے ناپ یا وزن نہ کیا جائے۔

اسی طرح یہ روایت بظاہر دوسری روایت سے بھی متعارض ہے کہ آپ علیہ السلام نے وفات کے وقت کچھ نہ چھوڑا تھا "ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندموتہ دیناراً ولادرھماً ولاشیئاً" اس کا جواب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ذاتی ملک میں کچھ نہ چھوڑا تھا جبکہ حدیث باب میں اس شے (جو) کا ذکر ہے جو آپ علیہ السلام نے حین حیات عائشہ صدیقہؓ کی ملک میں دے رکھی تھی یعنی بطور نان نفقہ کے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ڈرایا گیا ہوں اللہ کی راہ میں ایسا کہ کوئی بھی اتنا خوف زدہ نہیں کیا گیا ہے، اور میں ایذاء دیا گیا ہوں ایسی کہ ایذاء نہیں دیا گیا ہے کوئی۔ اور بے شک مجھ پر تیس شب و روز گذرے (یعنی لگاتار) دراں حالیکہ میرے اور بلال کے لئے کوئی کھانا نہ تھا جسے کوئی کلیجے والا (جاندار) کھائے سوائے اس معمولی شے کے جسے بلال کے بغل نے چھپا دیا تھا۔ (حسن صحیح)

اس حدیث میں "اُخفِتُ یُخاف اور اُوذیت ویوذی" مجہول کے صیغے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کے اظہار و تبلیغ سے روکنے کے لئے مجھے جتنا ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے ایسی صورت حال کا سامنا کسی کو نہیں کرنا پڑا ہے، چنانچہ ایسا بھی ہوا کہ میرے اور بلال کے پورے تیس دن کے خرچ کے لئے صرف اتنی چیز تھی جو بلال نے بغل میں دبا دی تھی یعنی تھوڑی سی غذاء۔

امام ترمذیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ علیہ السلام حضرت بلالؓ کے ہمراہ مکہ سے بنظر حفاظت نکلے تھے تو اپنے ساتھ اتنا سا کھانا لے گئے تھے جو حضرت بلال کے بغل میں آسانی سے آسکا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ شاید یہ طائف کے سفر کا واقعہ ہوسکتا ہے کیونکہ ہجرت مدینہ میں حضرت بلال آپ علیہ السلام کے ہمراہ نہ تھے جبکہ سفر طائف میں بھی حضرت زید بن حارثہ تھے جیسا کہ محشی نے دیا ہے، تاہم ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بلال کے ہونے سے زید بن حارثہ کی نفی لازم نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہو۔

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی مدت حیات زیادہ نہ تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کو بھی سخت تکلیفات و ایذائیں دی گئی ہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام نے تکلیفات برداشت کی ہیں وہ اولاً تو تبلیغ کی وجہ سے نہ تھیں مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیفات جبکہ حدیث باب میں اسی پہلو کا ذکر ہے، دوم آپ علیہ السلام کی امت کے افراد کو اور آپ علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کو بہت ستایا گیا یہ تکلیفات ذاتی تکلیف سے کسی طرح کم نہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، جس کا علم اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمایا تھا، تو جس طرح باپ اولاد کی تکلیف کو آسانی سے برداشت نہیں کرسکتا تو جو ماں باپ سے زیادہ اولیٰ و شفیق ہو وہ ان تکلیفات کو کیونکر نظر انداز کرسکتا ہے؟

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ میں جاڑے کے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلا جبکہ میں نے ایک بدبودار چمڑا جس کے بال جھڑے ہوئے تھے لیا پس کاٹ ڈالا میں نے اس کو بیچ سے (یعنی اس میں سوراخ کر دیا) اور اس میں اپنی گردن (سر) کو داخل کر دیا اور اپنی کمر میں نے زور سے باندھی (بایں صورت کہ) پس باندھا میں نے اس کو کھجور کی شاخ سے، اور مجھے شدید بھوک لگی تھی، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ کھانا ہوتا تو میں کھالیتا اس میں سے، چنانچہ میں کسی (کھانے کی) چیز کی تلاش کرتا ہوا نکلا سو گذرا میں ایک یہودی پر جو اپنے مال (مویشی اور باغ) میں تھا جو پانی پلا رہا تھا اپنی چرخی سے تو میں نے دیوار کے سوراخ سے اس کو جھانکا اس نے کہا: اے اعرابی! کیا (دیکھتا) ہے؟ کیا تو ایک کھجور پر ڈول کھینچے گا؟ میں نے کہا: ''ہاں'' تم دروازہ کھولو تا کہ میں اندر آسکوں! اس نے دروازہ کھولا اور میں اندر گیا چنانچہ اس نے مجھے وہ ڈول تھما دیا، تو جب میں ایک ڈول نکالتا تھا تو وہ مجھے ایک کھجور دیتا تھا، یہاں تک کہ جب میری مٹھی بھر گئی تو میں نے اس کا ڈول چھوڑ دیا اور میں نے کہا کہ بس یہ میرے لئے کافی ہے میں نے وہ کھجور کھائی اور پھر دو تین گھونٹ پانی پیا اور مسجد آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں موجود پایا۔ (حسن غریب)

قولہ: ''شات'' ای بارد۔

قولہ: ''من بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' شاید یہ ہجرت کے ابتدائی ایام کی بات ہو کہ جب حضرت علیؓ کی شادی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی پردے کے احکام نازل ہوئے تھے، واللہ اعلم۔

قولہ: ''اِھاباً'' بغیر دباغت والا چمڑا یا مطلق کھال۔

قولہ: ''معطوناً'' جس میں بدبو بھی ہو اور بال بھی جھڑ گئے ہوں۔

قولہ: ''فخرمته'' شدّ دث کا بیان ہے یعنی میں نے اس کو کھجور کے پتے (شاخ) سے اپنی کمر پر باندھ لیا تا کہ وہ سمٹ جائے۔

قولہ: ''بکرة'' بکرہ چرخی کو کہتے ہیں جس سے رسی بندھی ہوئی ہوتی ہے اور اسے گھما کر ڈول کھینچا جاتا ہے۔

قولہ: ''ثُلمة'' بروزن لقمۃ سوراخ اور دراڑ کو کہتے ہیں۔

قولہ: ''جرّعتُ'' تجرّع تھوڑا تھوڑا پینا یعنی گھونٹ گھونٹ پینے کو کہتے ہیں۔

اس روایت سے صحابہ کرامؓ اور خصوصاً مہاجرین کی قربانیوں اور سختیاں جھیلنے کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت علیؓ ایک طرف سردی سے بچنے کے لئے غیر مدبوغہ چمڑا جس سے بدبو بھی آتی ہو کو قمیص نما بنا کر سردی سے بچنے کا انتظام کر رہے ہیں اور دوسری طرف بھوک کا یہ عالم ہے کہ ایک کھجور پر یہودی کے لئے ایک ڈول پانی کھینچ رہے ہیں، یہ سب تکلیفات انہوں نے دین کی خاطر برداشت کیں گویا وہ خود کو مٹا کر دین کو بچانا چاہتے تھے مگر اللہ نے دین کے ساتھ ان کو بھی ابدی حیات طیبہ سے نوازا۔ ان اللہ لایضیع اجر المحسنین

یہ تو عام مہاجرین کا حال تھا جہاں تک اصحاب صفہ کی حالت کا تعلق ہے تو وہ ناقابل تصور حد تک صبر آزما ہے جس کی ایک جھلک آئندہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں نظر آرہی ہے کہ انہیں شدید بھوک لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک ایک کھجور عطا فرمائی۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھیجا جبکہ ہم تین سو لوگ تھے ہم اپنا توشہ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے تھے (یعنی ہر ایک کے پاس معمولی زادراہ تھا) چنانچہ وہ توشہ بھی ختم ہونے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہم میں سے ہر آدمی کو دن میں صرف ایک کھجور ملتی تھی، ان سے پوچھا گیا کہ اے ابا عبداللہ! آدمی کے لئے ایک کھجور سے کیا بنتا ہوگا؟ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس (ایک کھجور) کا فقدان بھی پایا (یعنی وہ ایک ایک بھی ملنا بند وختم ہوا) کہ جب وہ سب ختم ہوئی۔ پس ہم سمندر کے (ساحل کے) پاس آئے تو یکا یک وہاں ایک مچھلی ہمیں ملی جو سمندر نے پھینک دی تھی تو اس سے ہم اٹھارہ دن تک کھاتے رہے جتنا ہم چاہ رہے تھے۔ (حسن صحیح)

یہ روایت بخاری شریف میں متعدد مواضع پر آئی ہے جس کے مطابق اس سریہ کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث سے متعلق بحث کہ آیا سمندری جانور سب کے سب حلال ہیں یا صرف مچھلی جائز وحلال ہے؟ اسی طرح سمک طافی کا مسئلہ بالتفصیل "باب ماجاء فی البحر انه طهور" میں گذرا ہے فلانعید ھا۔

(دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۲۳۰ تا ص:۲۳۶ ج:۱)

حدیث آخر:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مُصعَب بن عمیر ہم پر نمودار ہوئے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں پوستین کے پیوند لگے ہوئے تھے چنانچہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو رونے لگے بوجہ اس نعمت کے جس میں مصعب پہلے تھے (یعنی مکہ میں قبل از قبول اسلام) اور جس میں آج ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Maktaba Tul Ishaat.com

نے فرمایا کیا حال ہوگا تمہارا کہ جب تم میں سے ایک صبح کو ایک جوڑے میں ہوگا اور شام کو دوسرے میں ہوگا (یعنی دن میں دو مرتبہ کپڑے تبدیل کرے گا) اور رکھا جائے گا اس کے سامنے ایک برتن کھانے کا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں کو پردوں سے اس طرح آراستہ کرو گے جیسے کعبہ کو پردوں سے ڈھانپا جاتا ہے (یعنی خوراک و پوشاک کی کوئی کمی نہ ہوگی) صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! پھر تو اُس دن ہم آج کی بنسبت زیادہ اچھے ہوں گے کہ ہم عبادت کے لئے بالکل ہی فارغ ہوں گے اور کام کی زحمت سے بھی بچیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں" تم آج کے دن بہتر ہو اُن دنوں کی بنسبت۔ (حدیث غریب)

قولہ: "بُردۃ" وہ چادر جس میں سیاہ و سفید رنگ ہوں۔

قولہ: "مرقوعۃ" اس میں پیوند لگے تھے۔ "بفرو" پوستین یعنی چمڑے کے۔

قولہ: "بکی للذی کان فیہ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رونا زوال نعمت یا تمنائے دولت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حضرت مُصعب بن عمیر (بضم المیم وفتح العین وعمیر بالتصغیر) کی قربانی کی وجہ سے تھا کہ ناز و نعمت سے زہد و مشقت کے اس درجہ پر پہنچ گئے، یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا خوشی کی بنا پر ہو۔

قولہ: "اذاغدا" ای ذھب اسی طرح "راح" بمعنی ذھب کے آتا ہے البتہ غدا صبح جانے کو اور راح بعد الزوال جانے کو کہتے ہیں یعنی صبح ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا۔ قولہ: "کما تستر الکعبۃ" یہ کعبہ کی امتیازی شان ظاہر کرنا ہے۔

قولہ: "نکفیٰ المؤنۃ" بصیغۂ مجہول یعنی یہ تو بہت اچھا ہوگا کہ جب مال اور خدم نوکر وچاکر زیادہ ہوں گے تو ہم عبادت کے لئے فارغ رہیں گے اور کام کی مشقت کے بجائے عبادت میں جہد و محنت کریں گے۔

قولہ: "لانتم الیوم خیر الخ" یعنی غربت و مسکنت میں عبادت کی لذت و کثرت کی توقع بمقابلہ غنا، و دولت مندی کے زمانہ کے زیادہ ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے کیونکہ غریب کی امیدیں مختصر اور محنت محدود ہوتی ہیں جبکہ امیر کی آمال و منصوبہ بندیاں بہت لمبی چوڑی ہوتی ہیں وہ عبادت کے لئے کہاں فارغ ہوتا ہے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر ؓ مکہ میں حسن و جمال اور ہر قسم کے پوشاک کی نعمتوں سے آراستہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "مارأیت بمکۃ احسن لِمّۃً ولا ارق حُلّۃً ولا انعم نِعمۃً من مصعب بن عمیر" حضرت مصعب بن عمیر کو جب پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو وہاں جا کر اسلام قبول فرمایا اور اپنے ماں باپ اور قوم کے خوف سے اپنے اسلام

Maktaba Tul Ishaat.com

کو چھپائے رکھا تا آنکہ ایک دن عثمان بن ابی طلحہؓ نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کی ماں اور قوم کو اطلاع کر دی چنانچہ انہوں نے ان کو قید کر دیا۔ پھر انہوں نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ اسی طرح غزوۂ بدر میں بھی شریک رہے بنی عبدالدار سے فقط انہوں نے بدر میں شرکت کی اور سُوَیبط بن حرملہ نے۔ آپ علیہ السلام نے عقبۂ ثانیہ کے بعد ان کو مدینہ روانہ کیا تھا جو اہل مدینہ کو قرآن پڑھاتے جس کی وجہ سے ان کو قاری و مقرئی کہا جانے لگا انہوں نے ہی مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ ادا فرمایا (جس کا مسئلہ پہلے گذرا ہے) ان کے بعد عمرو بن ام مکتوم، عمار بن یاسر، سعد بن ابی وقاص، ابن مسعود و بلال اور پھر حضرت عمر بن خطاب بیس شہسواروں کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے رضی اللہ عنہم۔ حضرت مصعب بن عمیر غزوۂ احد میں شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر کوئی چالیس سال کی تھی، زہد کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس صرف ایک چادر تھی جب اس سے سر ڈھانپتے تو پیر کھل جاتے اور جب پیر چھپاتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ان کے پاؤں پر اذخر (گھاس) ڈال دیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حدیث آخر:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: "**کان اھل الصفة اضیاف اھل الاسلام لایاوون علی اھلٍ ولامالٍ الخ**" یعنی اہل صفہ مسلمانوں کے مہمان تھے رہائش کے لئے کسی اہل و مال کے پاس نہیں جاتے (کیونکہ مدینہ میں ان کا نہ گھر تھا اور نہ خاندان) اس اللہ کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ البتہ میں ٹیکتا تھا اپنا کلیجہ (پیٹ) زمین پر بھوک کی وجہ سے اور باندھتا تھا پتھر اپنے پیٹ پر بھوک کے مارے، تحقیق ایک دن میں ان کے اس راستہ پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ لوگ نکلتے تھے چنانچہ گذرے مجھ پر ابو بکر تو میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، میں نے ان سے صرف اس لئے پوچھا تھا تا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ (کھانے کے لئے) لے جائے مگر وہ چلے گئے اور ایسا نہ کیا۔ پھر عمر گذرے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت پوچھی اور میں نے نہیں پوچھا مگر صرف اس غرض سے تا کہ وہ مجھے اپنے ہمراہ لے جائے تو وہ بھی گذرے اور انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو جب انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو مسکرائے اور فرمانے لگے ابو ہریرہ! میں نے کہا لبیک یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھ چلو، آپ آگے چلے اور ان میں کے پیچھے چل پڑا، آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے، تو میں نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا (بھرا ہوا) ایک پیالہ پایا آپ نے پوچھا یہ دودھ کہاں سے ملا ہے آپ لوگوں کو؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ ہدیہ بھیجا ہے ہمارے لئے

Maktaba Tul Ishaat.com

فلان نے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا حاضر خدمت ہوں آپ نے فرمایا جاؤ اہل صفہ کے پاس ان کو بلاؤ، وہ اہل اسلام کے مہمان تھے وہ پڑاؤ نہیں ڈالتے تھے کسی خاندان یا گھر میں، جب آپ کے پاس صدقہ آتا تو آپ سارا ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس سے کچھ بھی نہ لیتے مگر جب آپ کو ہدیہ ملتا تو خود بھی اس سے لیتے تھے اور ان کو بھی اس میں شریک فرماتے، چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گذری (یعنی آپ کا مجھے بھیجنا کہ جاؤ اہل صفہ کو بلاؤ) اور میں نے (دل میں) کہا اس پیالے کی اہل صفہ کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ دوسری طرف میں چونکہ اہل صفہ کو بلانے میں آپ کا قاصد ہوں تو پھر (جب وہ لوگ آئیں گے) آپ مجھے حکم دیں گے کہ میں یہ پیالہ گھماؤں ان سب پر (یعنی پہلے ان کو پلاؤں) تو شاید ہی مجھے اس سے کچھ مل جائے حالانکہ مجھے خوشی ہو چلی تھی کہ مجھے اس سے اتنا ملے گا جو میری بھوک کی کفایت کرے گا، مگر اللہ اور اس کے رسول کے حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور ان کو بلایا، پس جب وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: ابوہریرہ! یہ پیالہ لو اور ان کو دو (یعنی پلاؤ) چنانچہ میں نے وہ پیالہ لیا اور شروع ہوا میں وہ ایک شخص کو دیتا وہ پیتا یہاں تک کہ سیر ہو جاتا پھر واپس کر دیتا تو میں دوسرے کو دے دیتا یہاں تک کہ میں (اس دور کو پورا کرتا ہوا) اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا جبکہ سب لوگ سیر ہو چکے تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لیا اور اسے اپنے ہاتھ پر رکھا، پھر آپ نے اپنا سر مبارک (میری طرف) اُٹھایا اور مسکرا کر فرمایا ابوہریرہ! تم پیو تو میں نے پیا آپ نے پھر فرمایا اور پیو چنانچہ میں پیتا جا رہا تھا اور آپ فرماتے جاتے پیو، پیو، پھر میں نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے لئے اور گنجائش نہیں پاتا تو آپ نے وہ پیالہ لیا اور اللہ کی حمد اور بسم اللہ کہی اور پیا۔ (صحیح)

قولہ: "لاعتمدبکبدی.....واشدالحجرعلی بطنی" یہ بھوک کا احساس ختم کرنے کے لئے ایسا کرتے تھے جس کی وجہ پہلے گذری ہے فلیراجع نیز سینہ کو زمین پر رگڑنا بے ہوشی سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں بھوک کہ وجہ سے زمین پر گرتا۔

قولہ: "لیستتبعنی" مجھے اپنے درپے کر دے یعنی اپنے ساتھ گھر لے جائے گویا یہ عملی تعریض تھی، پھر حضرات شیخین کا ابوہریرہ کو نہ لے جانا دو اعتبار سے ممکن ہے کہ یا تو وہ ان کے سوال کو واقعی استفہام پر محمول کر چکے یا پھر ان کے گھروں میں کھلانے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "فسامرنی ان ادیرہ" کیونکہ حضرت ابوہریرہ آپ علیہ السلام کے خادم خاص تھے اور مہمانوں کی خدمت خادم سے کرائی جاتی ہے۔

اس حدیث پاک سے اہل صفہ کے زہد، علم دوستی، صبر اور حضور علیہ السلام کے معجزے کا بین ثبوت ملتا ہے، صفہ دراصل سائبان اور چھپر کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد وہ کمرہ ہے جو مسجد نبوی کے پچھلے گوشہ میں ان مہاجرین کے لئے بنایا گیا تھا جن کا مدینہ میں اس کے علاوہ کوئی انتظام قیام وطعام کا نہ تھا یہ لوگ بغرض تعلیم اسلام یہاں جمع ہوئے تھے ان کی تعداد سو سے متجاوز تھی البتہ اس تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عمر قال تَجَشّا رجل عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: كُفَّ عَنَّا جُشَآءَ كَ فان اكثرهم شبعاً فی الدنیا اطولهم جوعاً یوم القیٰمة". (حسن غریب)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈکار لی، تو آپ نے فرمایا: اپنی ڈکار کو ہم سے دور رکھ (یا روک دو) کیونکہ دنیا میں پیٹ زیادہ بھرنے والے قیامت کے روز لمبے عرصے تک بھوکے رہیں گے۔

قولہ: "جُشاء ک" جُشا بضم الجیم والمد ڈکار کو کہتے ہیں جو عموماً معدہ بھر جانے سے آتی ہے، آج جبکہ دنیا بھر میں غذائی مواد پانی اور گیہوں وغیرہ کے مسائل نے سر اٹھایا ہے اگر اس حدیث کے مطابق ہر شخص اپنے کھانے میں تھوڑی سی کمی لائے تو صرف پاکستان میں یومیہ کروڑوں روٹیوں کی بچت ہوسکتی ہے۔ یہ ڈکار لینے والے حضرت ابوجُحیفہ رضی اللہ عنہ تھے جن کی حدیث کی طرف امام ترمذیؒ نے وفی الباب میں اشارہ کیا ہے، اور جسے امام حاکمؒ نے نقل فرمایا ہے کہ میں نے روٹی اور گوشت کی ثرید کھائی پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ڈکار لی" فقال: یاھذا کف الخ" چونکہ ڈکار روکنا آدمی کے بس سے باہر ہے اس لئے مطلب ڈکار کے سبب یعنی زیادہ کھانے سے روکنا ہوا، حاشیہ ترمذی پر ہے کہ انہوں نے اس کے بعد کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، چونکہ یہ صغار صحابہ کرام میں سے ہے اس لئے کہا جائے گا کہ بچپن سے انہوں نے کثرت اکل کو خیرباد کہدیا۔

حدیث آخر:۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے میرے بیٹے! اگر تم ہمیں دیکھتا دراں حالیکہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے اور ہم پر بارش ہوتی تو تم یہ سمجھتا کہ ہماری بُو بھیڑ جیسی ہے۔ (صحیح)

یعنی ہم اونی موٹے کپڑے پہنا کرتے تھے تو جب بارش ہوتی اس سے ہمارے لباس میں بدبو پیدا ہوتی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "ونحن مع النبی "اور" واصابتنا السماء "دونوں جملے حالیہ ہیں ای لو رأیتنا حال کوننا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحال کوننا قد اصابتنا السماء یعنی یہ بدبو اس زمانے میں بارش کے دوران کے ساتھ خاص تھی کہ غربت تھی اور کوئی متبادل انتظام نہ تھا اس لئے گیلے کپڑوں میں بدبو ہو جاتی۔

حدیث آخر:۔"من ترک اللباس تواضعاً للہ الخ"یعنی جو شخص (عمدہ) لباس محض اللہ کے لئے تواضع کی خاطر چھوڑ دے حالانکہ وہ اس (اچھے لباس) کی قدرت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز تمام خلائق کے سامنے (روبرو) بلائے گا تا کہ اسے اختیار دے کہ وہ (اہل) ایمان کے جوڑوں سے جونسا پسند کرے وہ لے لے۔

یعنی لباس زینت کا ترک کسی مذموم مقصد یا لاأبالی پن کی وجہ سے نہ ہو بلکہ حقیقی تواضع کی بناء پر ہو تو چونکہ اس سے دنیاوی شہرت ختم یا کم ہوگی اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بدلے میں اسے عظیم شہرت اور دائمی عزت سے نوازیں گے کہ جب میدان محشر سب خلائق سے بھرا ہوا ہوگا اسے ان کے سامنے مدعو کیا جائے گا اور اہل ایمان کے لئے جو جنتی لباس تیار کیا گیا ہوگا اسے اختیار دے کر کہا جائے گا کہ ان میں جو تجھے پسند ہو لے لو۔

حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ صابر فقیر اور شاکر امیر میں کون افضل ہے؟ اس میں اختلاف ہے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیر صابر افضل ہے تاہم شیخ محدث عبدالحقؒ دہلوی کی رائے اس کے برعکس ہے وہ" ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء "کے تحت لکھتے ہیں"فیہ دلیل علی ان الغنی الفضل من الفقیر اذا استوت اعمالھم"۔(مشکوٰۃ حاشیہ ۸ ص:۸۹)

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ فقر اختیاری سب سے افضل ہے کیونکہ آپ علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ نے اسے اختیار فرمایا اور حدیث باب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جبکہ غیر اختیاری فقر مع الصبر اور غنا مع الشکر دونوں فضائل میں سے ہیں ان میں افضل کون ہے یہ کہنا مشکل ہے کیونکہ دونوں کی جھلکیاں انبیاء علیہم السلام میں دیکھی جاسکتی ہیں۔امام منذریؒ نے بحوالہ ترمذی اس حدیث پر حسن کا حکم نقل کیا ہے اگرچہ ہمارے نسخے میں نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔"النفقۃ کلھا فی سبیل اللہ الا البناء فلا خیر فیہ". (غریب)

(جائز وشرعی) خرچ سارا اللہ کی راہ میں (یعنی باعثِ اجر) ہے سوائے تعمیر (کے خرچ) کے کہ اس میں خیر (بھلائی وثواب) نہیں۔(حدیث غریب)

یعنی جو تعمیر گھر وغیرہ کی خالی از فائدہ دینیہ ہوگی اس پر خرچ کی جانے والی رقم سے کوئی ثواب نہیں ملتا

Maktaba Tul Ishaat.com

بلکہ بہت ساری تعمیرات تو وبال ہیں جیسا کہ آگے ابراہیم نخعیؒ کے قول میں ہے "کل بناء وبال" ہر تعمیر وبال ہے یہ وہ تعمیرات ہیں جو حاجت سے زائد یا گناہ کے اڈے ہوں جیسے سینما ہال وغیرہ حسب تفاوتِ شناعت وبال ہوں گی تاہم جو تعمیرات ضروریاتِ زندگی اور منافع شرعی کی بناء پر ہوں گی وہ یقیناً وبال سے خالی بلکہ باعثِ اجر وثواب ہیں جیسے مساجد و مدارس، خیراتی ہسپتال اور دیگر رفاہی تعمیرات غرض حدیث بالا کو عدم ضرورت سے مقید کرنا لازمی ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت حارثہ بن مضرّف فرماتے ہیں کہ ہم حضرت خبّاب کے پاس آئے ان کی عیادت کرنے کے لئے جبکہ انہوں نے سات داغ لگوائے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ میری بیماری بہت لمبی ہوگئی اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے نہ سُن چکا ہوتا کہ "تم موت کی آرزو مت کرو!" تو بے شک میں ضرور اس کی تمنا کرتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کو ہر خرچ کرنے پر اجر ملتا ہے سوائے مٹی کے یا فرمایا کہ مٹی میں خرچ کے سوا، کہ اس پر ثواب نہیں۔ (صحیح) اس حدیث میں مٹی سے مراد تعمیر ہے۔

یہ حدیث ابواب الجنائز میں مع التشریح گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص:۲۲۴ ج:۴ باب ماجاء فی النہی عن التمنی للموت) نیز داغ کا کچھ حکم ابواب الطب میں بھی گذرا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر تعمیر تجھ پر وبال ہے (ابوحمزہ کہتے ہیں کہ) میں نے پوچھا بتایئے جس تعمیر کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو؟ انہوں نے فرمایا نہ اس میں اجر ہے اور نہ وبال ہے، یعنی بصورت ضرورت تعمیر مباح ہے، یہ ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے مگر اوپر بیان ہوا کہ تعمیرات کی بعض صورتوں پر ثواب بھی ملتا ہے، بہرحال ان روایات سے تعمیرات کے شوق کو کم کرنا مقصود ہے تاکہ لوگ فکر آخرت کو نہ بھولیں کیونکہ جب کنکریٹ کی تعمیرات میں ریس اور مسابقت کی رفتار تیز ہوگی تو اس کے لئے طویل المدتی منصوبہ بندیوں کی ضرورت اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہونے اور غفلت کی اشد ضرورت ہوگی، جو ہلاکت بصورت حیات ہوگی اور آج تقریباً ساری انسانیت اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے؟

حدیث آخر:۔ حضرت حصین بن مالک کوفی فرماتے ہیں کہ ایک سائل آیا اور ابن عباسؓ سے بھیک مانگی تو ابن عباسؓ نے اس سائل سے کہا کیا تم "لا الہ الا اللہ" کی گواہی دیتے ہو؟ اس نے کہا "ہاں" آپؓ نے فرمایا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا جی "ہاں" آپؓ نے فرمایا کیا تم رمضان کے روزے رکھتے ہو؟ اس نے کہا بالکل رکھتا ہوں ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے خیرات مانگی ہے اور مانگنے

Maktaba Tul Ishaat.com

والے کا حق ہوتا ہے اور بات یہ ہے کہ ہمارے اوپر لازم ہے کہ تیرے ساتھ نیک سلوک کریں چنانچہ آپؓ نے اس کو ایک کپڑا (جوڑا) دیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ پہنا دے کسی مسلمان کو کوئی کپڑا مگر وہ اللہ کی حفاظت میں رہے گا اس وقت تک جب تک اس کپڑے کا ایک ٹکڑا اس کے بدن پر باقی رہے۔ (حسن غریب)

قولہ: "کَسَا مُسلِماً" اور ابن عباسؓ کا سائل سے سوالات پوچھ کر اس کے مسلمان ہونے کے اطمینان کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ فضیلت اور ثواب ذمی کو کپڑے دینے سے حاصل نہیں ہوتا اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل جتنا دیندار ہوگا اتنا ہی خیرات کا ثواب زیادہ ہوگا کیونکہ وہ صدقہ نیکی و بھلائی کی راہ میں استعمال ہوگا یہ تو صدقۂ نفلیہ کے بارے میں ہے، زکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ کا ثواب بھی اگرچہ مصرف کے عمدہ ہونے سے بڑھ جاتا ہے تاہم نفس زکوٰۃ کی ادائیگی کسی بھی فقیر کو دینے سے ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، البتہ صدقات نفلیہ غیر مسلم کو بھی دیئے جا سکتے ہیں مسئلہ زکوٰۃ میں گذرا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یعنی مدینہ، تو لوگ آپؐ کی طرف دوڑے اور کہا جانے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، تو میں بھی لوگوں کے ساتھ آیا تا کہ آپؐ کو دیکھوں چنانچہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کھل کر دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ ان کا چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے اور سب سے پہلے الفاظ جو آپؐ نے کہے تھے یہ تھے کہ آپؐ نے فرمایا: اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلایا کرو اور نماز پڑھا کرو جب لوگ سو رہے ہوں (یعنی تہجد) داخل ہو جاؤ گے جنت میں بے خوفی و سلامتی سے۔ (صحیح)

قولہ: "یعنی المدینۃ" یہ بعض راویوں کی طرف سے بیان مراد ہے۔

قولہ: "اِنجَفَلَ" ای ذھبوا مسرعین، جَفَلَ، اَجفَلَ و اِنجَفَلَ تیزی سے چلنے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "فلما اِستبَنتُ" استبان الشئی بمعنی ظہر و تبیّن یعنی اچھی طرح واضح و نمایاں ہونا۔

قولہ: "والناس نیام" نائم کی جمع ہے یعنی جب لوگوں کی غالب اکثریت سو رہی ہو چونکہ اس وقت ایک تو تلاوت دل کو خوب لگتی ہے "وَاَقوَمُ قِیلاً" دوسرے یہ وقت ریا سے مبراء ہوتا ہے۔

چونکہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہودی حبر تھے اس لئے آپؐ کے چہرۂ انور کے نقوش دیکھتے ہی توراۃ وغیرہ کے آئینہ میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس نظر آنے لگا اللہ نے ان پر اپنا فضل کر کے ان کو عناد سے

Maktaba Tul Ishaat.com

محفوظ کر کے مشرف باسلام فرمایا۔

حدیث انسؓ:۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو مہاجرین ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم نے اس قوم جس کے درمیان ہم اترے ہیں سے بڑھ کر اتنی کثرت سے خرچ کرنے اور مال قلیل میں اتنی غم خواری کرنے والی کسی قوم کو نہیں دیکھا ہے، بلاشبہہ انہوں نے ہم کو محنت سے فارغ رکھا اور راحت میں ہم کو شریک رکھا، یہاں تک کہ ہمیں خوف ہونے لگا ہے کہ (ہمارا اور اپنا) سارا ثواب وہ لے جائیں گے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں'' جب تک تم ان کے لئے اللہ سے دعا مانگتے رہو گے اور ان کی تعریف (شکریہ ادا) کرتے رہو گے۔ (حسن صحیح غریب)

یعنی جو مہاجرین صحابہ کرام ؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ آچکے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ بالا تأثرات بیان کئے، چونکہ مہاجرین سارے یا اکثر قریش سے تعلق رکھتے تھے جو سخاوت میں ممتاز تھے لیکن یہاں آکر جب انصار کا جود وسخا دیکھا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ جس کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے وہ بے دریغ خرچ کرتا ہے اور جس کے پاس کم ہے وہ بھی غم خواری وہمدردی میں کسی سے پیچھے نہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ کام سارا خود ہی کرتے ہیں جبکہ آرام اور قیام وطعام میں ہمیں برابر کے شریک کرتے ہیں، ہمیں تو یہ ڈر ہے کہ یہ لوگ ہمارا سارا ثواب بھی اپنے نامۂ اعمال میں لے جائیں گے کیونکہ ہم تو دنیاوی مشقت سے بالکل بے نیاز ہو گئے ہیں اور تیار کھانا کھا کر پتہ نہیں کہ ایسی عبادت پر ہمیں ثواب ملے گا بھی یا نہیں، آپؐ نے ان کو تسلی دی کہ ایسی بات نہیں کیونکہ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ ان انصار کو بھی دوگنا ثواب دے گا مگر آپ کی ہجرت اور عبادت کا ثواب بھی کسی طرح کم نہیں کرے گا بشرطیکہ تم لوگ ان کے لئے دعا گو رہو گے اور احسان فراموشی نہیں کرو گے، کیونکہ آپ کی دعا اور شکر گذاری ان کے احسانات کا بدلہ بن جائیں گے اور اس طرح تم اور وہ برابر ہو جائیں گے یعنی انصار کا اجر اکثر واثمر ضرور ہو گا لیکن آپ کی نیت، ہجرت وعبادت بھی بے اثر نہ ہوں گی۔

قولہ: ''من کثیر'' ابذل سے متعلق ہے۔ اور ''من قلیل'' مواساۃ کے ساتھ متعلق ہے۔

قولہ: ''من قوم'' ابذَلَ و اَحسَنَ دونوں کے ساتھ بنابر تنازع متعلق ہے۔

قولہ: ''المهنا'' بفتح المیم والنون جو چیز آدمی کی ضروریات کے لئے کافی ہو نیز جو چیز بغیر تعب و مشقت کے مل جائے اسے بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہی آخری معنی مناسب ہے کیونکہ انصارؓ نے مہاجرین کا بھرپور

Maktaba Tul Ishaat.com

خیال رکھا نہ صرف ان کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کیا بلکہ بعض حضرات نے اپنی بیویوں میں سب سے زیادہ خوب صورت کو طلاق دے کر مہاجرین کا گھر آباد کیا۔

یہ لفظ ہمارے پاس موجود نسخہ میں بغیر میم کے ہے یعنی ہَنَاء اور حاشیہ قوت میں بھی اسے بروزن سحاب دیا ہے والھناء ما اتاک اللہ بلا مشقۃ۔

حدیث آخر:۔"الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر".(حسن غریب)

کھانے والا شکر گذار صبر کرنے والے روزہ دار کی مانند ہے، یعنی دونوں کا ثواب برابر ہے تاہم یہ مساواۃ و برابری نفس ثواب میں ہے اور کبھی نفس شے میں تشبیہ دی جاتی ہے مگر زوائد کا تفاوت ملحوظ ہوتا ہے

پس مطلب یہ ہوا کہ دونوں کو ثواب ملتا ہے اگر چہ روزہ دار کا ثواب زیادہ ہے مثلاً زید اور عمرو دونوں غنا میں برابر ہیں کہ ہر ایک صاحب نصاب ہے اور ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی لیکن زید کا مال زیادہ ہے عمرو سے، اس سے معلوم ہوا کہ فقر اختیاری افضل ہے کیونکہ اسے یہاں مشبہ بہ بنایا گیا ہے۔(تدبر)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اقل شکر یہ ہے کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں حمد ہو جبکہ صبر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزہ کو مفسدات سے بچائے۔

حدیث آخر:۔اَلاَ اُخبرکم بمن یحرُم علی النار وتحرُمُ علیه النار؟علی کل قریب هَیِّن سهل ".(غریب وفی نسخة حسن غریب)

کیا تمہیں نہ بتاؤں وہ جو آگ پر حرام ہے اور آگ اس پر حرام ہے؟ ہر تابعدار، آسانی کرنے والے اور لوگوں سے نزدیک والے پر آگ حرام ہے۔

یہاں تحرم علیہ النار پہلے جملے کی تاکید ہے، جبکہ ھین اور سہل دونوں قریب المعنی الفاظ ہیں یعنی آسانی پیدا کرنے والے مطلب یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کی بات مانتا ہے اور ان کے کام میں سعی کرتا ہے اور اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے لوگوں کے قریب رہتا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کو ہر ایک پسند کرتا ہے اور اس سے اچھے تعلقات و مراسم رکھتا ہے تو وہ اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے آگ پر حرام اور آگ یعنی دوزخ اس پر حرام ہے۔

حدیث آخر:۔حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو کیا کام کرنے لگتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ گھر (والوں) کی خدمت (کام کاج) کرنے لگتے اور جب نماز کا وقت آجاتا تو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔(صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "مهنة" بروزن رحمۃ کام کاج اور خدمت کو کہتے ہیں بعض نے کہا کہ سخت محنت کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ گھر کا سارا کام ازواجِ مطہرات پر نہ چھوڑتے بلکہ ان کے ساتھ برابر کے شریک رہنے کی کوشش فرماتے، جیسے بکری کا دودھ دوھنا، اپنے جوتوں یا کپڑوں میں پیوند لگانا وغیرہ، غرض آپؐ کا مزاج گرامی آرام طلبی وتعلّی کا نہ تھا بلکہ خیر رسانی، غم خواری اور دوسروں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسانی وراحت دینے کا تھا، اس سے آپؐ کی تواضع کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور یہ کہ کوئی دنیوی کام آپؐ کو نماز سے غافل نہیں بناتا۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص ملتا اور مصافحہ کرتا تو آپؐ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھینچتے جب تک وہ شخص خود ہی نہ کھینچتا، اور اپنا چہرہ اس کے چہرے سے نہ پھیرتے تا آنکہ وہ شخص اپنا منہ خود ہی پھیرتا، اور آپؐ کو نہیں دیکھا گیا دراں حالیکہ آپ اپنے پیر پھیلائے ہوں اپنے ہم نشین کے آگے۔ (غریب)

اس حدیث میں ملاقات اور محفل کے عظیم آداب ہیں اور یہ کہ آپؐ باوجود اعلیٰ ترین مقام انسانیت کے اپنے ماتحتوں کا کس قدر خیال رکھتے کہ کسی کو احساس کمتری کا اثر لینے کا موقع ہی نہیں دیتے، صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیرا۔

حدیث آخر:۔ "خرج رجل ممن كان قبلكم في حلة له يختال فيها الخ".

تم سے اگلے لوگوں میں سے ایک شخص اپنے ایک (نئے) جوڑے میں نکلا، وہ اس میں اتراتا تھا، پس اللہ نے زمین کو حکم فرمایا چنانچہ اس کو زمین نے پکڑا (یعنی نگل دیا) پس وہ زمین میں دھنستا چلا جارہا ہے یا فرمایا کہ وہ قیامت تک اس میں گردش کرتا رہے گا۔ (صحیح)

قولہ: "يختال" اِختیال چلنے میں تکبر کرنے یعنی اترانے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "يتجلجل" ای يغوص ويضطرب فيها یعنی وہ شخص مسلسل حرکت کرتا رہتا ہے اور گھستا جارہا ہے، جلجلہ آواز کے ساتھ گھسنے اور دھنسنے کو کہتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ یہ شخص قارون ملعون تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد تھا جس کا قصہ مشہور ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور مال کا تقاضا کیا موسیٰؑ نے اس کے لئے دعا مانگی وہ مال دار ہوگیا پھر زکوۃ دینے سے منکر ہوگیا اور ایک عورت کو تیار کیا کہ وہ موسیٰؑ کے وعظ کے دوران کھڑی ہوکر الزام تراشی کرے کہ پہلے میرے وہ پیسے تو ادا کرو جو رات کو میرے ساتھ زنا کی وجہ سے

Maktaba Tul Ishaat.com

آپ پر لازم ہوئے ہیں، حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا اللہ نے اس عورت کو سچ بولنے پر گویا کر دیا اس طرح قارون کا رچایا ہوا ڈرامہ ظاہر ہو گیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اختیار دیا چنانچہ آپؑ کے کہنے پر زمین نے اس کو پکڑ لیا، اس کا خزانہ بھی اس کے اوپر ڈالا گیا جیسا کہ مفسرین نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔

حدیث آخر:۔ یحشر المتکبرون یوم القیٰمة امثال الذّر فی صور الرجال الخ".

قیامت کے دن متکبر لوگوں کو چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی مانند انسانی شکل میں جمع کر دیا جائے گا، جن کو ہر طرف سے ذلت گھیرے ہوئے ہوگی، ہنکائے جائیں گے جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف جو بولس نام سے یاد کیا جاتا ہے، چھائی رہے گی ان پر آگوں کی آگ، پلائے جائیں گے دوزخیوں کا رستا ہوا مادہ (پیپ وغیرہ) جو بدبودار کیچڑ ہے۔ (حسن)

ہمارے پاس والے نسخے میں امام ترمذیؒ نے اس پر حسن کا حکم لگایا ہے مگر عارضۃ الاحوذی اور تحفۃ الاحوذی کے متن پر حسن کے ساتھ صحیح بھی ہے۔

قولہ: "امثال الذّرِ" ذرۃ کی جمع ہے ایک چھوٹی سی سرخ چیونٹی کہلاتی ہے، بعض حضرات نے اس کو معنی مجازی پر حمل کیا ہے یعنی متکبر لوگ حقارت و بے وقعتی میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے گویا کہ یہ تشبیہ حقارت واہانت میں ہے نہ کہ صغر میں مگر دوسری رائے یہ ہے کہ یہ تشبیہ حقیقت پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی شکل وصورت تو اپنی یعنی انسانی ہوگی مگر تکبر کی سزا کے طور پر ان کو چھوٹا بنا دیا جائے گا، تو جس طرح "من تواضع للہ رفعہ اللہ" خاشعین عالی المرتبۃ اور حقدار جنت بنا دیئے جائیں گے، اسی طرح متکبرین پستی ونیستی کے آخری نقطہ تک پہنچا دیئے جائیں گے، البتہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ اتنے چھوٹے ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ میدانِ محشر کے کسی وقفے میں یا حشر سے فیصلہ وجہنم میں داخلے تک چیونٹیوں کی بقدر ہوں اور باقی احوال میں بڑے ہوں۔

قولہ: "بولس" بفتح اللام جبکہ باء کا فتحہ وضمہ دونوں جائز ہیں یہ اس جیل کا نام ہے جہاں ان متکبروں کو رکھا جائے گا، علاوہ ازیں آگوں کی آگ یعنی سخت ترین آگ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی، حاشیہ قوت میں ہے کہ انیار بمعنی نیران جمع نار ہے جیسے ارياح بمعنی رياح ہے۔

قولہ: "من عصارة اهل النار" بضم العین اصل میں نچوڑ کو کہتے ہیں یعنی اہل جہنم کے جسموں سے جو مادہ ٹپکے گا جیسے پیپ، خون اور زرد پانی اور شیرہ۔ قولہ: "طِينة الخبال" عصارہ سے بدل ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

لہذا مجرور ہے، خبال بفتح الخاء اصل میں فساد و بگاڑ کو کہتے ہیں یہاں مراد سڑی ہوئی بدبودار ہے یعنی بدبودار کیچڑ۔ (اعاذنا اللہ منھا)

حدیث آخر:۔ "من کظم غیظا الخ" جس نے غصہ ضبط کرلیا دراں حالیکہ وہ اس کی تنفیذ پر قادر ہو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بُلا کر اسے اختیار دیں گے کہ وہ جس حور کو چاہے لے لے۔ (حسن غریب)

(اس حدیث کی تشریح تشریحات جلد:۶ ص:۳۰۳ پر گذری ہے باب ماجاء فی کظم الغیظ)

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں وہ جس میں ہوں گی اس پر اللہ تعالیٰ اپنا کَنَف پھیلائیں گے (یعنی قیامت کے دن) اور اسے جنت میں داخل فرمائیں گے (۱) کمزور کے ساتھ نرمی (۲) والدین پر شفقت (۳) مملوک (لونڈی، غلام اور نوکر) پر احسان۔ (غریب)

قولہ: "کَنَفَہ" اصل میں بازو کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد لازم المعنی ہے یعنی رحمت وحفاظت جیسا کہ متشابہات کے بارے میں پہلے گذرا ہے، پھر مملوک سے مراد عام ہے خواہ اپنا ہو یا کسی دوسرے کا یعنی ناکسوں کے ساتھ حسن سلوک مراد ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت دوں پس تم مجھ سے ہدایت مانگو تا کہ میں تمہیں ہدایت دوں، اور تم سب نادار ہو مگر جسے میں غنی کروں، سو تم مجھ سے مانگو تا کہ میں تمہیں رزق دوں، اور تم سب گنہگار ہو مگر جسے میں بچاؤں (گناہ سے) پس تم میں سے جو یقین رکھے کہ میں مغفرت پر قدرت والا ہوں اور وہ مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخشتا ہوں، اور میں اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اگر تمہارے اگلے پچھلے اور زندے اور مردے اور تر وخشک سب کے سب میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ متقی دل پر جمع ہو جائیں تو یہ (اجتماع) میری سلطنت میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کر سکے گا اور اگر تمہارے اگلے، پچھلے اور زندے و مردے اور تر وخشک سارے میرے بندوں میں سے سب سے بدبخت کے دل پر جمع ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کر سکے گا، اور اگر تمہارے اگلے، پچھلے اور زندے و مردے اور تر وخشک مل کر ایک میدان (خالی ہموار زمین) میں جمع ہو جائیں اور پھر ہر شخص اتنا مانگے جہاں تک اس کی آرزو

Maktaba Tul Ishaat.com

پہنچتی ہے، اور میں تم میں سے ہر سائل کو دوں تو یہ عطاء کم نہیں کرے گی میری سلطنت میں سے کچھ بھی مگر اتنا سا جیسے تم میں سے کوئی ایک سمندر پر گذرے اور اس میں ایک سوئی ڈبودے اور پھر اسے نکالے، اور یہ (کم نہ ہونا) اس لئے کہ میں بہت زیادہ فیض کرنے والا ہوں، ہر چیز میں خود کفیل ہوں اور وسعت وشرف والا ہوں، کرتا ہوں جو چاہتا ہوں، میرا دینا فقط کلام ہے اور عذاب میرا فقط کلام (حکم) ہے اور بے شک میرا حکم کسی چیز کے لئے جب میں چاہتا ہوں یہی ہے کہ میں اسے کہتا ہوں ''ہوجا'' بس وہ ہوجاتی ہے۔ (حسن)

قولہ: ''یاعبادی کلکم'' بظاہر خطاب ثقلین سے ہے اگر چہ آگے حدیث میں ''فسأل کل انسان'' سے خطاب صرف انسانوں سے معلوم ہوتا ہے، یعنی تم سب گمراہی کی طرف جارہے ہو مگر جس کو میں ہدایت کردوں وہ گمراہی سے بچتا ہے یا باز آتا ہے پھر ہدایت کرنا انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ذریعہ، دلائل سمجھانے اور انقیاد کی صلاحیت پیدا کرنے کے ذریعہ مراد ہے۔

قولہ: ''وکلکم مذنب'' سب کے گنہگار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں گناہ کی بنیاد قائم ہے، جیسے قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ جو آدمی کو گناہ کی طرف لے جاتی ہیں جیسا کہ قوت عاقلہ غوایت وگمراہی کی طرف لے جاتی ہے، پھر اللہ ان قویٰ کو اعتدال میں رکھنے کی جس کو توفیق دیتا ہے یہ قوتیں فضائل اخلاق جنم دیتی ہیں جن کو بالترتیب عفت، شجاعت اور حکمت اور تینوں سے مرکب کو عدالت کہا جاتا ہے۔

قولہ: ''اجتمعوا علیٰ اَتقیٰ قلب عبد، وقولہ اجتمعوا علی اشقیٰ قلب عبد الخ'' یعنی اگر سب خلائق سب سے متقی شخص جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا جبرئیلؑ کی طرح متقی ہوجائیں تو اس سے میری سلطنت میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ اضافہ قوت وسلطنت میں تب ممکن ہوتا ہے جب اس میں کوئی کمی ہو جبکہ اللہ کی قوت وسلطنت میں کوئی نقص نہیں، اس کے برعکس اگر ساری مخلوق سب سے بدبخت جیسے ابلیس لعین یا دجال وفرعون کی طرح ہوجائے تو اللہ کی سلطنت میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کرسکے گی کیونکہ اللہ عزوجل کی سلطنت مخلوق کی مرہون منت نہیں ہے اللہ تعالیٰ واجب لذاتہ ہے اور اس کی صفات ازلی ہیں وہ حدوث کے شائبہ اور احتیاج سے منزہ ہے جبکہ مخلوق ساری حادث ہے اور اللہ کی صفات کے مظاہر ہیں۔

قولہ: ''فی صعید واحد'' اس قید میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر تمام خلائق سب مل کر یکبارگی سوالات کریں جو بنسبت وقفے وقفے سے مانگنے سے انسان کو مشکل لگ رہا ہے تو بھی ان سب کو وہ تمام اشیاء دینے سے اللہ کی سلطنت اور خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "اِلّا کمالوان احدکم الخ" یہ مثال نہیں ہے بلکہ نظیر ہے جو تقریب الی الفہم کے لئے ہے کیونکہ سوئی پر جتنی نمی آئے گی اس مقدار میں سمندر کا پانی کم ہو جاتا ہے کیونکہ سمندر متناہی ہوتا ہے اور متناہی سے متناہی الگ کرنے سے کمی آجاتی ہے، جبکہ اللہ کی سلطنت لامتناہی ہے اور لامتناہی سے متناہی علیٰحدہ کرنے سے کوئی کمی نہیں آتی مگر چونکہ شریعت کی اصطلاحات واطلاقات میں لوگوں کی سمجھ کی رعایت کی جاتی ہے اس لئے مذکورہ نظیر پیش کی گئی اور اس لئے بھی کہ بادی نظر میں سوئی کا سمندر میں آلودۂ آب ہونے سے کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

قولہ: "جواد" کثیر الجود۔

قولہ: "واجد" وہ جو، جو چیز چاہے اور جیسے چاہے اور جب بھی چاہے وہ موجود ہو کوئی چیز غیر حاضر یا غیر موجود نہیں ہو سکتی ہو یعنی جو کبھی بھی کسی چیز کا محتاج نہ ہو۔

قولہ: "ماجد" بمعنی مجید کے مجد لغت میں وسیع شرف کا نام ہے پس معنی ہیں وسعتِ شرف وکرم والا، واضح رہے کہ بعض علماء نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر "سخی" کا اطلاق مناسب نہیں سمجھا ہے کیونکہ سخاوت بعض اہل لغت کی نظر میں وہ ہے جو مانگنے والوں کو دے یا صاحب حق کو اس کا حق دینا سخاوت ہے جبکہ اللہ بغیر مانگے اور غیرِ مستحق کو بھی دیتا ہے۔

حدیث آخر: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے جو ایک حدیث بیان فرماتے اگر میں یہ حدیث نہ سنتا بلکہ صرف ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یہاں تک کہ گنا سات تک (تو میں یہ بیان نہ کرتا) لیکن میں نے یہ سات بار سے زیادہ سنی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ بنی اسرائیل کا کفل (نامی شخص) کسی گناہ کے کام سے گریز نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس کے پاس ایک عورت آئی تو اس نے اسے ساٹھ دینار دیئے اس شرط پر کہ وہ اس سے جماع کرے گا، پس جب وہ اس عورت کے پاس بیٹھا اس طور سے جیسا کہ ایک مرد اپنی بیوی کے آگے بیٹھتا ہے تو وہ کانپی اور رونے لگی، کفل نے کہا کیا چیز تمہیں رُولاتی ہے؟ کیا میں نے تجھ پر جبر وزبردستی کی ہے؟ وہ بولی نہیں مگر یہ ایک ایسا (گندہ) کام ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ہے اور مجھے اس (کام) پر ضرورت نے آمادہ کیا ہے (یعنی غربت نے) کفل کہنے لگا اچھا تم یہ کام (بجبوری) کرتی ہو اور (اس سے قبل) تم نے نہیں کیا ہے؟ جاؤ یہ پیسے (مفت میں) تیرے ہوئے اور اس کے ساتھ کفل نے (توبہ تائب ہو کر) کہا بخدا میں اس کے بعد کبھی بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا چنانچہ اسی رات کو اس کا انتقال ہوا، صبح کو اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا کہ اللہ نے کفل

Maktaba Tul Ishaat.com

کو بخش دیا۔ (حسن)

قولہ: "لولم اسمعه الخ" شرط ہے اور جزاء مقدر ہے ای لم احدّثه ولکنّی الخ ۔**قولہ:** "کفل" بکسر الکاف وسکون الفاء ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں ان حضرات پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وہی ذوالکفل نبی ہے، کیونکہ ایک تو دونوں کے نام بھی الگ الگ ہیں دوم یہ کہ کفل نے توبہ کر لی مگر اس سے قبل گناہوں سے نہیں بچتا تھا جبکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔**قولہ:** "ارعدت" ای زلزلت من خشیة الله یعنی اللہ کے خوف سے کانپنے لگی اور رونے لگی۔**قولہ:** "فاصبح مکتوب الخ" یعنی رات کو لکھا گیا تھا جو صبح نظر آیا۔

حدیث آخر: ۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں: ایک اپنی طرف سے (یعنی موقوف یا ذاتی رائے کے طور پر) اور دوسری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قال عبداللہ (یہ اپنی طرف سے فرمایا کہ) مؤمن اپنے گناہوں کو ایسا محسوس کرتا ہے جیسے وہ گویا پہاڑ کی جڑ (دامن) میں بیٹھا ہو اور ڈر رہا ہو کہ پہاڑ اس پر آن پڑے گا جبکہ فاجر اپنے گناہوں کو مکھی کی مانند سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر بیٹھی اور اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا پس وہ اُڑ گئی، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (یہ وہ مرفوع اور دوسری حدیث ہے) بلاشبہ اللہ تم میں ایک کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہونے والا ہے جو بے آب وگیا، ہلاکت خیز چٹیل زمین میں ہو اس کے ساتھ اس کی اونٹنی ہو جس پر اس کا توشہ اور کھانے پینے کی اشیاء ہوں اور وہ سب کچھ جو اس کے حوائج کے لئے ہو، پس کھو دیا اس نے اس اونٹنی کو پس وہ اس کی تلاش میں نکلا (اور گھومتے پھرتے تھک گیا) یہاں تک کہ موت (کے اسباب) نے اس کو گھیر لیا تو اس نے سوچا (یعنی دل میں کہا) کہ میں واپس اسی جگہ کی طرف لوٹتا ہوں جہاں کھویا ہے میں نے اس اونٹنی کو تاکہ وہاں مر جاؤں، پس وہ اسی مقام کی طرف لوٹا اور اس کی آنکھ لگ گئی اور جیسا ہی جاگا تو یکا یک دیکھا کہ اس کی اونٹنی اس کے سر کے پاس (کھڑی ہے) جس پر اس کا کھانا پینا اور ضروریات کا سامان ہے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "ان المؤمن یریٰ ذنوبه الخ" ذنوبہ یریٰ کا مفعول اول ہے اور مفعول دوم محذوف ہے ای کالجبال جو کَذُباب کے قرینۂ تقابل سے معلوم ہوا، چونکہ ایمان ایک معیار ہے اس لئے اس پر نیکیوں اور گناہوں کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے پس یہ کسوٹی جتنی اچھی ہوگی اسی تناسب سے تمیز بھی صاف ہوگی اس لئے اعلیٰ ایمان پر گناہ پہاڑ کی مانند بھاری لگتے ہیں جبکہ فاجر کے کمزور ایمان پر گناہ کے بُرے اثرات کا کوئی بوجھ زیادہ محسوس نہیں ہوتا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

دوسری بات یہ ہے کہ ایمان معرفت باری تعالیٰ کا ذریعہ ہے تو ایمان کے قوی ہونے کی صورت میں معرفت میں وسعت ہوتی ہے اس لئے خشیت میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ کمزور ایمان سے زیادہ معرفت نصیب نہیں ہوتی اس لئے گناہ کی شناعت مخفی رہتی ہے۔

قولہ: "فَلَاۃ دَوِّیَّۃ" فلاۃ وہ دشت وصحراء جس میں پانی نہ ہو عرف میں بھی اس کو صحراء ہی کہتے ہیں۔ جبکہ "دویۃ" بفتح الدال وتشدید الواؤ والیاء وہ صحراء جہاں کوئی سبزہ ونباتات یعنی گھاس نہ ہو۔ **قولہ:** "مھلکۃ" بفتح المیم جبکہ لام کا فتحہ وکسرہ دونوں جائز ہیں ظرف کا صیغہ ہے یعنی جائے ہلاکت۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک صحرائی زمین میں کسی کی سواری زادِ راہ سمیت گم ہو جائے اور وہ شخص تلاش کر کر کے مایوس ہو جائے اور موت کے آگے گردن پھیلا کر انتظار کرنے لگے اور یک دم وہ موت کے مُنہ سے باہر نکل آنے کا راستہ دیکھے یعنی اس کی سواری بمع سامان کے مل جائے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوگی حتیٰ کہ مسلم کی روایت کے مطابق وہ شخص خوشی کی بناء پر اپنے حواس پر قابو نہ پاتے ہوئے بول اٹھتا ہے: "اَللّٰھم أَنْتَ عَبْدِیْ وَأَنَا رَبُّکَ" تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشی گنہگار کی توبہ پر اس شخص کی خوشی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ "سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھدان لاالٰہ اِلّاانت استغفرک واتوب الیک"۔ چونکہ اللہ حوادث سے پاک ہے اس لئے خوش ہونے سے مراد غایہ یعنی قبول توبہ ہے۔

حدیث آخر:۔ کل ابن اٰدم خطّاءٌ وخیر الخطائین التّوّابون ".(غریب)

ہر ابن اٰدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔

قولہ: "خطّاء" مبالغے کا صیغہ بمعنی کثیر الخطاء ہے پہلے خطّاء کو مفرد ذکر کیا یہ لفظ کُلّ کو دیکھتے ہوئے جبکہ دوسری بار جمع کے صیغے سے ذکر فرمایا یہ کل کے معنی کے اعتبار سے۔ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام مستثنیٰ ہیں حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ خطاء سے مراد وہ عمل ہے جو کرنے والے کے مقام اور شان کے مناسب نہ ہو علیٰ ھذا پھر استثناء کی ضرورت نہیں انتہیٰ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے بعض خلافِ اولیٰ کام اگرچہ ہمارے بارے میں تو نیکیاں ہیں مگر وہ ان پر باوجود رخصت کے بارِ خاطر گذرتے مثلاً بیانِ جواز کے لئے خلاف معمول یا خلافِ اولیٰ کام ایک دو مرتبہ کرنا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه، ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیقل خیراً والِیصمُت". (حدیث صحیح)

جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش (چپ) رہے۔

تشریح:۔ حدیث کا پہلا حصہ جو مہمان کی تعظیم سے متعلق ہے ابواب البر والصلہ میں تفصیلاً گذرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی "باب ماجاء فی الضیافة وغایة الضیافة کم هو؟" ص:۲۳۲ ج:۶)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی طرف وفی الباب..... میں ابی شریح الکعبی کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قولہ: "اولیصمت" اس میں میم کا کسرہ اصح ہے جبکہ ضمہ بھی جائز ہے یعنی باب ضرب ونصر دونوں سے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بتقاضائے ایمان آدمی پر لازم ہے کہ وہ بات کرنے سے پہلے سوچے کہ اس کی بات پر کوئی بُرے اثرات تو مرتب نہیں ہوں گے پس اگر وہ بات اچھی لگے تو کہہ دے ورنہ چُپ رہے کیونکہ ایمان امن سے ہے جو فساد کی ضد ہے لہذا مؤمن ہوتے ہوئے بگاڑ وفساد کی بنیاد رکھنا جائز نہیں، واضح رہے کہ یہ ارشاد مباح کلام کے بارے میں ہے جہاں تک نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں پہلے تفصیل گذری ہے (ابواب الفتن میں اس کے لئے دو تین ابواب ہیں "باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر" اور اس کے بعد دو باب تشریحات از ص:۵۲۴ تا ص ۵۳۳ ج:۶)

باب کی دوسری حدیث میں ہے "من صمت نجا" جو چُپ رہا اس نے نجات پائی اس روایت میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف کہلاتے ہیں بہرحال مطلب یہ ہے کہ جو شخص بُری بات کہنے سے گریزاں رہا تو وہ اس بات کے غلط نتائج سے دنیا وآخرت دونوں میں محفوظ رہا۔ زبان کی حفاظت کے متعلق کچھ ابحاث ابواب البر والصلہ میں گذری ہیں جبکہ تفصیلی مباحث راقم کی کتاب "نقش قدم کامل حصہ دوم یا نقش اخلاق" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ فمن شاء فلیراجع

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن ابی موسیٰ قال سُئِل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ای المسلمین افضل؟ قال: من سلِم المسلمون من لسانه ویده ".(صحیح غریب)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مسلمانوں میں کون اچھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں (یعنی دونوں کی اذیت سے)۔

تشریح:۔ چونکہ سوال میں "اَیُّ الناس " کے عنوان کے بجائے "اَیُّ المسلمین " کہا گیا ہے اس لئے مطلب یہ ہوا کہ سائل کا مقصد محض لوگوں میں سے افضل کا سوال نہیں بلکہ مسلمانوں میں سے افضل کے بارے میں سوال کرنا مقصود ہے چونکہ مسلمان تو وہ ہوتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو اگرچہ ایمان کے مقتضیات میں لوگوں کے ساتھ بلکہ پوری مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک ونیک برتاؤ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ مخلوق کی حیثیت سرکاری اموال واملاک کی ہے جس کی حفاظت اور خیال رکھنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے تاہم یہ پہلو کلمۂ شہادت میں صراحۃً موجود نہیں اس لئے آپؐ نے فرمایا "من سلم المسلمون الخ "یعنی افضل اور سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جو حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی بھرپور خیال رکھے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے بچائے جو ہر مسلمان کے بس کی بات ہے کیونکہ اس پر کوئی پیسہ وغیرہ خرچ کرنا نہیں پڑتا اس سے زیادہ احسان بھی اگرچہ مستحسن بلکہ مطلوب ومرغوب ہے تاہم وہ اضافی افضلیت میں آتا ہے جو خدمات وصدقات اور تبرعات کے ضمن میں شامل ہے اور چونکہ یہاں ادنیٰ مؤمنِ افضل کی بات ہو رہی ہے اس لئے "من سَلِمَ الناس "نہیں کہا اگرچہ ذمی کو بھی ایذاء بلاوجہ نہیں پہنچانی چاہئے ہاں البتہ ابن حبانؒ کی ایک روایت میں "من سلم الناس" بھی آیا ہے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان لوگوں کی ایذاء رسانی سے اجتناب نہ کرے وہ افضل مسلمان نہیں اگرچہ نفسِ ایمان واسلام رہتا ہے کیونکہ کلام میں اصل قید ہوا کرتی ہے جیسا کہ علامہ نے مطوّل میں اس کی تصریح فرمائی ہے، پھر لسان کی تقدیم اس کی شدت تاثیر وعموم کی وجہ سے ہے کہ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

جراحات السِّنان لها التيام

ولا يلتام ما جرح اللسان

پھر قول کے بجائے لسان کا لفظ ارشاد فرمایا تا کہ زبان سے طنزیہ اشارہ کو بھی شامل ہو اور چونکہ عام ایذاء رسانی انہی دونوں سے ہوتی ہے اس لئے آنکھوں کے اشارے اور پاؤں کے ذکر کو ضروری نہیں سمجھا گیا اگر چہ وہ بھی مراد ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ "ید" سے مراد مطلق عمل ہے خواہ وہ کسی بھی جارحہ اور عضو سے ہو۔

اس حدیث پاک میں اور بھی عمدہ نکات اور نفیس ابحاث علماء شارحین نے بیان فرمائی ہیں جو بخاری ومشکوٰۃ کی شروحات میں دیکھی جاسکتی ہیں، ہمارے پیش نظر یہاں ضروری تشریح واختصار ہے۔

حدیث آخر:۔ "من عَيَّرَ اخاه بذنب لم يمت حتىٰ يعمله". (حسن غريب)

جس نے اپنے (اسلامی) بھائی کو کسی گناہ پر عار دِلایا وہ شخص نہیں مرے گا اس وقت تک جب تک وہ گناہ نہ کرے۔

امام ترمذیؒ نے اپنے شیخ احمد بن منیع سے نقل کیا ہے "قالوا من ذنب قد تاب منه" یعنی اس گناہ پر عار دِلانے کی ممانعت مراد ہے جس سے اس نے توبہ کرلی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ احمد سے مراد امام احمد بن حنبل ہو۔

یہ روایت اگر چہ بتصریح امام ترمذیؒ منقطع ہے کہ خالد بن معدان کا سماع حضرت معاذؓ سے ثابت نہیں مگر پھر بھی امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحت وضعف کا دارومدار صرف اتصال وانقطاع یا راوی کے ضعف وثقاہت پر نہیں بلکہ اس میں خارجی محرکات ودیگر قرائن وشواہد کو بھی بڑا دخل ہے۔

اگر کوئی شخص گناہ سے توبہ کر چکا ہو تو اسے عار دِلانا بہر حال ممنوع ہے مگر جو شخص توبہ نہ کر رہا ہو تو اسے گناہ سے روکنے کی کوشش ہونی چاہئے جس میں خیر خواہی اور حکمت ونرمی ملحوظ ہونی چاہئے کیونکہ بغیر خیر خواہی کے اپنا نقصان بھی لازمی ہے کہ عجب وتکبر یا ریاکاری بہت مذموم وصف ہے اور کبھی بے موقعہ وسختی سے روکنے کا انجام الٹا نکلتا ہے کہ وہ شخص ضد کرنے لگتا ہے اور گناہ کے کام میں مزید آگے جا نکلتا ہے البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ تعزیر یا تعییر سے گناہ چھوڑ دے گا تو اس صورت میں عار دلانا بھی جائز ہے۔ اس کی کچھ تفصیل "باب ماجاء فی تعظیم المؤمن" میں بھی گذری ہے "ابواب البر والصلۃ" میں (دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۳۲۳ ج:۶)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن واثلة بن الاَسقع قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لاتُظهِرالشّمَاتَةَ لِاَخيک فيرحمه الله ويبتليکَ ".(هذاحديث حسن غريب)

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اپنے (اسلامی) بھائی (کے غم) پر خوشی کا اظہار مت کرو ورنہ اللہ اس پر رحم کردے گا اور تجھے (اس میں) مبتلا کردے گا۔

تشریح:۔قولہ:"الشماتة" دشمن یا مخالف کی مصیبت پر خوش ہونے کو کہتے ہیں۔قولہ: "ويبتليک" کیونکہ تم نے اس کو حقیر سمجھ کر خود کو بلند و عالی سمجھا تھا جو اللہ کو پسند نہیں آیا۔

محشی نے تقریب سے نقل کیا ہے کہ سند میں "امیۃ بن القاسم" کے بجائے صحیح "قاسم بن امیہ" ہے حاشیہ قوت المغتذی میں ہے کہ اس حدیث کو سراج الدین قزوینی نے موضوع کہا ہے اسی طرح ابن جوزیؒ نے بھی اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے کیونکہ اس میں عمر بن اسماعیل ضعیف ہیں تاہم اس حدیث کی دوسری سند سے عمر بن اسماعیل کا تفرد ختم ہوگیا ہے لہذا حدیث قابل قبول ہے، امام ترمذیؒ نے آگے مکحول کا تذکرہ فرمایا ہے جس کا مقصد مکحول شامی اور مکحول ازدی کے درمیان فرق کرنا ہے۔

قولہ: "ندانم" فارسی کلمہ ہے جس کے معنی "میں نہیں جانتا ہوں" ہیں کیونکہ یہ عجمی تھے ابن سعد نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ مکحول "کابل" کے رہنے والے تھے۔

باب

"عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ماأُحِبُّ انى حكيتُ اَحَداً وان لى كذاوكذا".(حسن صحيح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پسند نہیں کرتا ہوں کہ میں کسی کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا (مال) ملے۔

تشریح:۔قولہ:"حکیت" کسی کے کام کی نقل کرنا کہ مثلاً وہ یوں چلتا ہے اور مقصد اس کی تحقیر اور طنز ہو گویا یہ عملی غیبت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "ولوان لی کذاو کذا" جملہ حالیہ ہے یعنی میں کسی کا عیب نقل کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا اگرچہ اس کے بدلہ اور عوض میں مجھے دنیا کا بہت کچھ دیا جائے۔

یہ ارشاد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے حضرت صفیہؓ کے قد کی پستی کو ظاہر کرنا چاہا تھا چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں کہ میں نے کہا "یارسول اللہ ان صفیة امرأة وقالت بیدها "اے اللہ کے رسول! صفیہ ایسی عورت ہے اور اس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا "تعنی قصیرة "یعنی اشارہ سے یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ صفیہ ٹھگنی ہیں یعنی چھوٹے قد کی عورت ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لقدمَزجتِ کلمة لومُزِجَ بهاماء البحر لَمُزِجَ "تم نے ایسی بات ملائی ہے (اپنی باتوں میں) کہ اگر اس میں سمندر کا پانی شامل کیا جائے تو وہ بھی متغیر ہو جائے گا یعنی خراب ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے عیب کی نقل اُتارنا جائز نہیں خصوصاً جب وہ غیرِ اختیاری ہو جہاں تک اختیاری کا تعلق ہے تو اگر وہ بطور زجر نقل اتارتا ہے اور اس میں اپنے نفس کا علو اور منقول عنہ کا تمسخر مراد نہ ہو تو جائز ہے جبکہ اچھے کام کی نقل اتارنا جائز ہے۔

باب

"عن شیخ من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم أراه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ان المسلم اذاکان یُخالِطُ الناس ویصبرعلی اذاهم خیرمن المسلم الذی لایُخالِطُ الناس ولایصبرعلی اذاهم قال ابن ابی عدی کَاَنَّ شُعبة یری انه ابن عمر".

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے ایک بزرگ سے مروی ہے (یحییٰ بن وثاب راوی کہتے ہیں کہ) میں گمان کرتا ہوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مرفوع) ہے آپؐ نے فرمایا: جو مسلمان لوگوں میں میل ملاپ رکھتا ہو اور ان کی ایذاء پر صبر کرتا ہو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو نہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہو اور نہ ہی ان کی ایذاؤں پر صبر کرتا ہو۔

تشریح: ان بزرگ کا نام یحییٰ بن وثاب نے ذکر نہیں کیا ہے مگر شعبہ نے کہا کہ شاید وہ ابن عمرؓ ہیں اور ابن ماجہ میں یہ روایت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے لہذا شعبہ کا گمان صحیح ہے۔

قولہ: "أراه" بضم الهمزة ای اظن، میں سمجھتا ہوں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ رہتا ہو تو اگر چہ ان کی وجہ سے اس کو تکلیف تو اٹھانی پڑتی ہے مگر اس کی وجہ سے ان کو فائدہ پہنچ رہا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس تکلیف پر صبر کرنا بذات بھی ایک نیکی ہے اس لئے وہ شخص علیٰحدگی اختیار کرنے والے سے افضل ہے جو کسی طرح لوگوں کو خیر نہیں پہنچا رہا ہے۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب لوگوں کے ساتھ مخالطت میں اپنے دین وغیرہ کا نقصان نہ ہوتا ہو اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی امید جاری یا باقی ہو اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے کہ اختلاط محض شر بن جائے تو پھر عزلت نشینی افضل ہے جس کی تفصیل گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۴۲۱ ج:۴ ''باب ماجاء فی النهی عن التبتّل ''من ابواب النکاح وص:۵۳۷ ج:۶ ''باب ماجاء فی الرجل یکون فی الفتنة ''من ابواب الفتن)

حدیث آخر:۔ ''اِیّاکم وسُوء ذات البین فانها الحالقة''. (صحیح غریب)

تم آپس کی ناچاقی سے بچو کیونکہ وہ مونڈنے والی ہے (دین کو)۔

امام ترمذیؒ نے ''سوء ذات البین'' کی تفسیر عداوت اور بُغض سے اور حالقہ کی دین کے مونڈ دینے یعنی صفایا کر دینے سے کی ہے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ لوگوں کے آپس کے تعلقات جب اچھے ہوں تو ان کو صلاح کہتے ہیں جبکہ بُرے تعلق کو سُوء کہا جاتا ہے بشرطیکہ وہ مسلسل اچھے یا بُرے ہوں گویا کبھی کبھار کی خوش گواری و رنجش پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ شاید مونڈنے کا مطلب یہ ہے کہ آپس کی چپقلش و عداوت سے عبادات متاثر ہو جاتی ہیں اور دلجمعی سے کوئی بھی دینی کام نہیں ہو سکتا گویا، یا تو آدمی عبادت کرتا ہی نہیں ہے یا اگر کرتا ہے تو اس میں جان و روحانیت نہیں ہوتی ہے اس طرح آدمی کا دین سے رشتہ تقریباً ٹوٹ جاتا ہے، یہ توجیہ اس لئے کی گئی کہ ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کفر کے علاوہ باقی گناہوں سے نیک اعمال اکارت وضائع نہیں ہوتے ہیں اگر چہ معتزلہ اور ابن قیمؒ اس کے قائل ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں روزے، نماز اور صدقہ سے زیادہ بہتر عمل نہ بتاؤں؟ صحابہ نے فرمایا: کیوں نہیں (یعنی ضرور بتلائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپس کے اچھے تعلقات ہیں کیونکہ آپس کی پھوٹ مونڈنے والی ہے۔ (صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کے بعد امام ترمذیؒ نے ایک معلق روایت نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کا صفایا کرتی ہے۔

اس حدیث میں صیام وقیام وغیرہ سے مراد نفلی روزے، نماز اور صدقات ہیں، البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص فرائض کا تو پابند ہوتا ہے مگر دوسری جانب وہ قاتل، چغلخو اور ڈاکو بھی ہوتا ہے، ایسے میں شاید وہ شخص افضل ہو جو نمازی تو نہیں مگر حقوق العباد اور اصلاح معاشرہ میں بھرپور کوشش کرتا ہو، واللہ اعلم۔ (''اصلاح ذات البین'' کا ایک مستقل باب ابواب البر والصلۃ میں گذرا ہے، تشریحات ترمذی: ص: ۱۹۸ ج: ۶)

حدیث آخر:۔ "دَبّ الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء هی الحالقة الخ".

تم سے پہلی امتوں کی بیماری حسد اور بغض (نفرت) تم میں سرایت کر چکی ہے۔

وہ مونڈنے والی ہے میں نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ وہ دین کا استیصال کرتی ہے۔ اور اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک مؤمن نہ ہوں گے اور مؤمن نہیں بن سکو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے اور کیا تمہیں نہ بتاؤں وہ چیز جو تمہیں محبت پر جمائے رکھے ''آپس میں سلام کو ترویج دو''۔ (حسد اور تباغض کی بحث ابواب البر والصلۃ میں گذری ہے، تشریحات: ص: ۱۹۳، ۱۹۶ ج: ۶)

قولہ: "دَبّ" بفتح الدال وتشدید الباء، سرایت کرنے اور چھپ کر چلنے کو کہتے ہیں چونکہ نیکیوں اور برائیوں کے بھی شجرے ہوتے ہیں ان کی جڑیں اور شاخیں باہم ایک دوسرے سے منسلک ہوتی ہیں اس لئے نیکی جالب ہے نیکی کو اور بدی، بدی کو جنم دیتی ہے، اس لئے جب سلام عام ہوگا تو محبت پیدا ہوگی اور جب محبت پیدا ہوگی تو آپس کی نفرت وعداوت ختم ہو کر اس کی جگہ محبت آجائے گی اس طرح ایمان مضبوط اور جنت میں جانے کا ذریعہ بنے گا، اس کے برعکس ترکِ سلام سے یہ ساری عمارت منہدم ہو سکتی ہے کہ بنیاد کچی ہو تو کسی بھی وقت حادثہ پیش آسکتا ہے۔ (تدبر) قال المنذری اسنادہ جید کذافی تحفة الاحوذی۔

باب

"عن ابی بکرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :مامن ذنب اجدرُ ان یُعَجِّلَ الله لَصاحبه العقوبة فی الدنیامع مایدّخرله فی الآخرة مِن البغی وقطیعة الرحم". (صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی گناہ بغی (بغاوت) اور قطع رحم سے لائق تر نہیں کہ اللہ اس کے مرتکب کو جلد ہی دنیا میں سزا دے بمع اس عذاب کے جو اس کے لئے آخرت میں جمع کر دے۔

تشریح:۔قولہ: "مامن ذنب" ذنب نکرہ سیاق نفی میں عموم کے لئے ہے یعنی مذکورہ دونوں گناہوں کی سزا اس اعتبار سے سب سے زیادہ اور قابل ذکر ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں ملتی ہے البتہ اس کے لئے لفظ "اجدر" استعمال فرمایا ہے جس کے معنی "احری" کے ہیں یعنی لائق جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں گناہوں پر عاجلاً و آجلاً دونوں سزائیں مرتب ہوتی ہیں لہذا یہاں افعل التفضیل کو صرف اسی معنی میں لینا بہتر ہے کیونکہ آخرت میں کفر کی سزا بہت سخت ہے تاہم وہ باوجود اشد ہونے کے صرف آخرت میں ملتی ہے دنیا میں تو کافر مزے کرتا ہے۔

قولہ: "من البغی" امام کے خلاف خروج اور ظلم کو کہتے ہیں، ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ چونکہ بغی سے افساد حال ہوتا ہے اور قطعیۃ الرحم سوء ذات البین ہے جو اشد الفساد ہے اس لئے یہ عجلت سزا کو مقتضی ہیں۔

غرض ان دونوں سے حقوق کا ضیاع اور خلق کو ایذاء رسانی ہوتی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہیں اس لئے سزا بھی جلد مرتب ہوتی ہے تو جس طرح اصلاح ذات البین اور صلہ رحمی پر دنیاوی خوش حالی بھی نصیب ہوتی ہے اسی طرح ان کی اضداد پر بھی دنیوی و اُخروی دونوں سزائیں مرتب ہوتی ہیں۔

حدیث آخر:۔ "خصلتان من کانتافیه کتبه الله شاکراً صابراً الخ".

دو خوبیاں ہیں جس میں وہ پائی جائیں، اللہ اس کو شکر گذار، صبر کرنے والا لکھے گا اور جس میں وہ نہیں ہوں گی اللہ اسے نہ شاکر لکھے گا اور نہ ہی صابر، (وہ خوبیاں یہ ہیں) (۱) جو اپنے دین کے حوالے سے اس کو دیکھے جو اس سے بڑھ کر ہو اور اسی کی پیروی کرے۔ (۲) اور جو اپنی دنیا کے اعتبار سے اس پر نظر کرے جو اس سے کمتر ہو تو اللہ نے اسے جتنی فضیلت کمتر پر دی ہے اس پر اللہ کا شکر کرے تو اللہ اسے شاکر و صابر لکھتا ہے اور (اس کے برعکس) جو شخص اپنے دین میں اس کو دیکھے جو اس سے کمتر ہو اور اپنی دنیا میں اس کو دیکھے جو اس سے زیادہ (مالدار) ہو اور پھر اس پر افسوس کرے جو اس کو نہیں ملا ہے تو اللہ اسے شاکر و صابر نہیں لکھتا۔ (حدیث غریب)

اس حدیث میں ایک عمدہ ضابطہ بیان فرمایا کہ چونکہ انسان میں طبعی طور پر مسابقت اور ریس کا جذبہ پایا

Maktaba Tul Ishaat.com

جاتا ہے اس لئے دین میں اپنے سے آگے والے کی طرف دیکھنا چاہئے تاکہ اعمال کی رفتار اور تیز تر ہو جائے جبکہ دنیا میں اپنے سے پیچھے والے اور نیچے والے کو دیکھنا چاہئے تاکہ آدمی کے پاس جتنا ہے اس پر شکر ادا کرے اور جو نہیں ہے اس پر صبر کرے، دوسری بات کہ دنیا میں مسابقت مطلوب ومحمود نہیں ہے اس لئے جب آدمی آگے والے اور اوپر والے کو دیکھے گا تو ایک تو ناشکری کرے گا دوسرے وہ اپنی دنیوی تلاش کو مزید بڑھائے گا۔

اس مضمون کو اگلی حدیث میں خطاب کے صیغے میں بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں اپنے سے نچلے کو دیکھو فوق والے کو نہ دیکھو کیونکہ یہ زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ جانو گے۔

قولہ: "لاتزدروا" ای لاتحقروا ۔ چنانچہ تجربہ ومشاہدہ بھی یہی ہے کہ جب آدمی صلحاء کے پاس بیٹھتا ہے تو اپنا عمل معمولی نظر آتا ہے اور زیادہ عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ فساق کے پاس بیٹھنے یا اپنا موازنہ ان سے کرنے سے عجب پیدا ہوتا ہے کہ میرا عمل تو ان سے بہت اچھا ہے، اسی طرح جب آدمی غریبوں کے پاس بیٹھتا ہے تو اپنی دنیوی حالت پر اللہ کا شکر کرتا ہے۔ جبکہ امیر لوگوں کے پاس جانے اور بیٹھنے سے مایوسی اور ناشکری جنم لیتی ہے، چنانچہ آج امت کی اکثریت نے جب یہ نسخہ نظر انداز کر دیا تو دنیا کی ریس میں لگ گئی اور دین سے پیچھے جانے لگی۔

باب آخر:۔ حضرت حنظلہ اُسیدیؓ سے روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں سے تھے "**انہ مر بابی بکر وھو یبکی الخ** "فرماتے ہیں کہ وہ گذرے ابوبکرؓ کے پاس دراں حالیکہ وہ (حنظلہ) رو رہے تھے تو ابوبکرؓ نے پوچھا حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا اے ابوبکر! کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور وہ ہمیں دوزخ اور جنت کی یاد دلاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں (لیکن) پھر جب ہم ان کے پاس سے لوٹتے ہیں تو اپنی بیبیوں اور کام کاج (کی چیزوں) میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بہت ساری باتوں (یعنی نصیحتوں اور کیفیات) کو بھول جاتے ہیں، ابوبکرؓ نے فرمایا بخدا ہمارا بھی یہی حال ہے چلو ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، چنانچہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو پوچھا اے حنظلہ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! حنظلہ منافق ہو گیا ہے، کیونکہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں آگ وجنت کی یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر جب ہم واپس (اپنے گھروں کو) جاتے ہیں تو اپنی بیویوں اور (دنیا کے) کام کاج (کی اشیاء) میں مشغول ہو جاتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

اور بہت ساری باتوں کو بھول جاتے ہیں (یعنی وہ سابقہ کیفیت باقی نہیں رہتی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس حالت پر جس کے ساتھ میرے پاس سے اٹھتے ہو ہمیشہ باقی رہو، تو فرشتے مصافحہ کریں تم سے تمہاری مجلسوں میں اور تمہارے بچھونوں پر، اور تمہارے راستوں میں ولیکن اے حنظلہ! کوئی گھڑی کیسی ہوتی ہے اور کوئی کیسی!۔ (حسن صحیح)

قولہ: "کُتّاب" بضم الکاف وتشدید التاء کاتبین وحی کی تعداد تقریباً بارہ تھی۔

قولہ: "نافق حنظلہ" یعنی نفاق کا خدشہ واندیشہ پیدا ہوا اور اندیشے کی وجہ انہوں نے خود ذکر فرمائی ہے کہ جب ہم آپؐ کے پاس ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ ایسی ہوتی ہے جیسے ہم گویا جنت ودوزخ کو روبرو دیکھتے ہیں مگر جب یہاں سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی بلکہ ہم دنیا کی چیزوں جیسے بیویوں اور کھیتوں وغیرہ میں مشغول ہوجاتے ہیں، حالانکہ آپؐ کی خدمت میں حاضری کے وقت ان چیزوں میں دل ہرگز نہیں لگتا، چونکہ یہ تو گویا دورُخی ہوئی اس لئے نفاق کا گمان ہوتا ہے، اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ یہ نفاق نہیں ہے بلکہ دلوں کا حال کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں صاف ستھرے ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات میں کچھ دنیاوی خواہشات وخیالات ان میں داخل ہوجاتے ہیں اگر وہ ہمیشہ دنیا کی آمیزش سے خالی رہے تو پھر تو آدمی فرشتہ یا فرشتہ صفت بن جائے گا وہ انسان کب باقی رہے گا، غرض یہ نفاق نہیں ہے بلکہ قلب کے لوازمات میں سے ہے چنانچہ اسی بناء پر اسے قلب کہتے ہیں کہ انقلابات کی زد میں رہتا ہے، اس لئے آخرت کا تذکرہ بکثرت ہونا چاہئے۔

حدیث آخر:۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی تم میں سے (کامل) مؤمن نہیں بن سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے (اسلامی) بھائی کے لئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح)

یعنی آدمی جتنا اپنے بارے میں خیرخواہ ہوتا ہے اتنا ہی ہمدرد اور خیرخواہ ہونا اپنے بھائی کے لئے لازمی ہے جس کی نشانی یہ ہوگی کہ وہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے بعینہ وہی چیز اپنے اسلامی بھائی کے لئے بھی پسند کرے تو ایسا شخص کامل مؤمن ہے یعنی یہ فرض کیا جائے کہ اگر میں اس آدمی کی جگہ ہوتا اور میں اس جیسے ہوتا تو میں اپنے لئے کیا پسند کرتا تو جب وہی چیز دوسروں کے لئے پسند کرے گا تو وہ یقیناً ان کے ساتھ خیرخواہی کے معیار پر پورا اُترنے میں کامیاب ہوگا اور نتیجہ میں اس کا ایمان کامل شمار ہوگا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ "یاغلام انی أُعَلِّمُکَ کلمات، احفظ اللہ یَحفَظْکَ احفظ اللہَ تجدہ تُجاھَکَ الخ".

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سواری پر) تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات بتلاتا ہوں "تم اللہ (کے حقوق واحکام) کی حفاظت کیا کرو وہ تیری حفاظت کرے گا، تم اللہ (کے حقوق واحکام) کی حفاظت کرو تم اس کو اپنے روبرو پاؤ گے اور جب سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو! اور جب مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگو اور جان لو کہ اگر سب لوگ جمع ہو جائیں اس پر تاکہ تمہیں نفع پہنچائیں تو وہ ہرگز تجھ کو نفع نہ پہنچا سکیں گے مگر صرف اتنا جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھا ہے۔ اور اگر سب اس پر مجتمع ہو جائیں تاکہ تجھے نقصان پہنچائیں کسی چیز سے تو ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے تجھے کچھ نقصان مگر صرف اتنا سا جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھا ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔ (حسن صحیح)

قولہ: "احفظ اللہ" دونوں جگہوں میں مراد اللہ کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہونا اور اللہ کی رضا تلاش کرنا اور تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

قولہ: "یحفظک اللہ" یعنی اللہ دنیا وآخرت میں تجھے مصائب سے بچائے گا۔

قولہ: "تجاھک" بروزن کتاب جبکہ بعض نے تاء کا ضمہ بھی جائز مانا ہے چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہت اور سمت سے پاک ہے اس لئے مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد ہر وقت تیرے ساتھ شامل حال رہے گی۔ چونکہ مسلمان ایک مسافر کی طرح ہوتا ہے اور مسافر کی نظر آگے منزل پر ہوتی ہے اس لئے یہاں مدد ومعیت کو تجاہ سے تعبیر کیا گویا کامیابی تیرے مقابل سامنے ہوگی۔

قولہ: "رفعت الاقلام وجفّت الصحف" کنایہ ہے عدم تغیر سے یعنی جو کچھ تیرے حق میں مقدر ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی چونکہ عین کتابت میں تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن جب کاتب لکھنے سے فارغ ہوتا ہے تو کاغذ سوکھ جاتا ہے اس لئے عدم تبدیلی کو جفاف یعنی سوکھنے سے تعبیر کیا۔

حدیث آخر:۔ "قال رجل یارسول اللہ اعقلھا واتوکل؟ او اطلقھا وَاَتَوَکل؟ قال اعقلھا وتَوَکّلْ". (منکرٌ أو غریبٌ) (عارضہ میں ہے کہ معناً حدیث صحیح ہے)

ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! کیا اس (سواری) کو باندھوں اور توکل کروں یا آزاد چھوڑ کر

Maktaba Tul Ishaat.com

توکل کروں؟ آپؐ نے فرمایا باندھو اور توکل کرو!۔

سائل کا مقصد یہ تھا کہ اسباب کے ساتھ توکل کروں یا بغیر اسباب کے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اسباب اختیار کرو مگر سبب کو مسبب میں مؤثر نہ مانو بلکہ اعتماد بہر حال اللہ عزوجل پر کرو، اس طرح اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، اس کی وضاحت پہلے گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص: ۳۳۷ ج:۶ ''باب ماجاء فی الدواء والحث علیہ'' (ابواب الطب) وص: ۱۳۸، ۱۳۹ ج:۱ ''باب کراھیۃ البول فی المغتسل'' (من ابواب الطہارۃ)۔

حدیث آخر:۔ ''عن ابی الحوراء السعدی قال قلت لحسن بن علی: ماحَفِظتَ مِن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟قال: حَفِظتُ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''دع مایُرِیبُکَ الی مالایریبکَ ''فان الصدق طمانیۃ وان الکذب رِیبۃ''. (وفی الحدیث قصۃ). (صحیح)

ابوالحوراء سعدی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا یاد کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ یاد کیا ہے کہ: جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس چیز کی طرف منتقل ہو جاؤ جو تجھے شک میں نہ ڈالتی ہو! اس لئے کہ سچائی سے دل میں اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جھوٹ سے بے چینی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں کہ شافعیہ نے قنوت الوتر میں ابوالحوراء کی روایت عن الحسن بن علی پر انقطاع کا جو اعتراض کیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ امام ترمذیؒ نے اس سند پر یہاں صحت کا حکم لگایا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ کی مراد یہ نہیں کہ صرف یہی ایک بات مجھے یاد ہے وبس بلکہ مطلب یہ ہے کہ مجھے آپؐ کا یہ فرمان بھی یاد ہے۔

قولہ: ''دع مایریبک'' اس میں یاء کا فتحہ وضمہ دونوں جائز ہیں ریب بفتح الراء سے بمعنی شک وتردد کے ہے جبکہ '' وان الکذب رِیبۃ'' میں را مکسور ہے بمعنی قلق واضطراب کے۔

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ بے غبار اعمال سے دل مطمئن رہتا ہے جبکہ مشکوک کاموں سے دل بے چین ہو جاتا ہے لہذا ان افعال سے بچنا چاہئے جن سے مؤمن کا دل گھبراتا ہو اور وہ کام کرنے چاہئے جن

Maktaba Tul Ishaat.com

سے بحیثیت مسلمان دل خوش و مطمئن رہتا ہو۔

قولہ: "وفی الحدیث قصة" یہ قصہ مسند احمد میں ہے کہ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صدقات کی کھجوروں سے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لعاب کے ساتھ نکال پھینک دیا باقی کھجوروں میں ایک شخص نے کہا اگر یہ (بچہ) کھالیتے تو کیا حرج تھا آپؐ نے فرمایا ہم صدقہ نہیں کھاتے قال و کان یقول "دع مایریبک الخ"۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا عبادت وریاضت کے حوالے سے اور دوسرے کا ذکر ورع (تقویٰ) کے حوالے سے کیا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ورع کے برابر کوئی چیز (عبادت وخصلت) نہیں ہوسکتی۔ (غریب)

قولہ: "واجتهاد" یعنی عبادت میں سخت محنت کرتا ہے۔ **قولہ:** "بِرِعة" رِعة بکسر الراء بِوَزْنِ اس میں عِدَة کی طرح اعلال ہوا ہے۔

قولہ: "لایُعدَلُ بِالرِعة" یعنی لایعدل بالرعة شیٔ لہٰذا مفعول مالم یسم فاعلہ مقدر ہے جو کہ شیٔ ہے پس مطلب یہ ہوا کہ ورع اور تقویٰ کے ساتھ کسی چیز کو برابر و مساوی نہیں کیا جاسکتا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یعدل میں ضمیر اجتہاد کی طرف لوٹتی ہو یعنی اجتہاد فی العبادات کو ورع وتقویٰ کے مساوی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ورع میں حرام ومشتبہ اشیاء سے اجتناب کیا جاتا ہے جبکہ بڑے سے بڑا عبادت گذار کبھی کبھی عدم ورع کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو جاتا ہے حالانکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم وراجح ہے یعنی ایسے دو آمیوں میں سے جو فرائض کی پابندی کے بعد ایک نفلی عبادت میں بہت زیادہ آگے ہو اور دوسرا تقویٰ یعنی محرمات سے اجتناب میں، متقی افضل ہے، تاہم پہلی تقدیر یعنی لایعدل بالرعة شیٔ زیادہ اچھی ہے تاکہ کلام میں تعمیم آجائے بنابر ہر تقدیر "لایعدل" فعل مجہول ہے۔

حدیث آخر:۔ "من اکَلَ طَیِّباً وعَمِلَ فی سُنَّةٍ وامِنَ الناسُ بوائقَه دَخَلَ الجنةالخ"۔

جس نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہے تو وہ شخص جنت میں جائے گا، پس ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو اس زمانہ میں بہت ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: میرے بعد کے زمانوں میں بھی ہوں گے۔ (غریب)

یعنی جس کے معاملات اور عبادات شرع شریف کے مطابق ہوں اور وہ شخص اسی حالت طیبہ پر زندگی

Maktaba Tul Ishaat.com

بسر کرتا ہوا مر جائے تو بغیر عذاب کے جنت میں جائے گا۔

سائل کے سوال کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ بطور شکر اس نے کہا کہ الحمدللہ ایسے لوگ تو آج بکثرت پائے جاتے ہیں اور جواب کا مقصد بھی اظہار تشکر ہے کہ الحمدللہ امت کے آنے والے لوگوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آج کل تو ایسے لوگ بہت ہیں تو کیا آنے والے وقت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اس امت کے ہر دور میں ایسے افراد ہوں گے اگرچہ قُربِ زمانہ میں زیادہ اور بُعدِ زمانہ میں قلیل ہوں گے لیکن مجموعی اعتبار سے امت ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگی۔

قولہ: "بوائقہ" بائقۃ کی جمع ہے بمعنی مصیبت کے یہاں بمعنی شر کے ہے۔

حدیث آخر:۔ "من اعطیٰ لِلّٰہ ومَنَعَ لِلّٰہ وَاَحَبّ لِلّٰہ وابَغَضَ لِلّٰہ وانکح للہ فقداستکمل ایمانہ". (حدیث منکر او حسن وصححہ الحاکم)

جس نے اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ ہی کے لئے روکا اور اللہ ہی کے لئے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے نفرت کی اور اللہ ہی کے لئے (اپنی بیٹی، بہن وغیرہ کی) شادی کردی تو اس نے اپنا ایمان مکمل کردیا۔

یعنی جس آدمی کو ان امور میں اللہ کی رضا کے سوا کوئی لالچ اور طمع نہ ہو بلکہ محض اللہ کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے یہ سب کام کرتا ہو تو چونکہ یہ کام وہی کرسکتا ہے جس پر للّٰہیت کا غلبہ ہو اس لئے اس شخص کا ایمان کامل واکمل ایمان ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ امور بغیر کسی لالچ کے آج نہ صرف مشکل ہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہیں ممکن ہے کہ ایسے لوگ آج بھی پائے جاتے ہوں جو صرف اللہ کے لئے بات کرتے ہوں اور کام کرتے ہوں لیکن جب آزمائش کی گھڑی آتی ہے تو اکثریت فیل ہوجاتی ہے اللہ ہمیں ثابت قدم رکھے۔ آمین

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب صفة الجنة

جنت کے احوال کا تذکرہ

باب ماجاء فی صفة شجر الجنة

(جنت کے درختوں کے احوال کا باب)

"عن ابی سعیدالخدری عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: فی الجنة شَجَرَةٌ یسیر الراکب فی ظلها مائة عام لایقطعهاقال وذالک "الظل الممدود". (حدیث صحیح رواه مسلم ص: ۳۷۸ ج: ۲)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سایہ میں سو/100 سال تک جاتا رہے اسے ختم (عبور) نہیں کر سکے گا فرمایا یہ ظل ممدود (طویل سایہ) ہے۔

قولہ: "فی الجنة" ج، ن، مادہ میں ڈھکنے اور چھپانے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ جنت کے اشجار و باغات میں آدمی چھپ جاتا ہے جیسے گھنے درختوں میں اس لئے اسے جنت کہتے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ دنیا سے نظر نہیں آتی بلکہ ہمیشہ دنیا والوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مرتبہ اس کا مشاہدہ فرمایا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک جنت اور دوزخ دونوں حالاً موجود ہیں اس بارے میں معتزلہ اور خصوصاً جبائی نے جو اختلاف کیا ہے وہ شرح عقائد میں علامہ نے مدلل انداز سے مسترد کیا ہے، پھر جنت چونکہ یکبارگی نعمتوں اور لذتوں میں جنتی کو چھپاتی ہے اس لئے بھی اس کو جنت کہتے ہیں کیونکہ فعلۃ وزن مرۃ کے معنی میں آتا ہے۔ نیز جنت کے درخت زمین کو چھپاتے ہیں۔ (تدبر)

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ جنتوں کی تعداد چار ہے: دو کے برتن وغیرہ سونے کے ہیں جبکہ دو کے برتن وظروف چاندی کے ہیں قال اللہ تعالیٰ: "ولمن خاف مقام ربه جنتان" وقال: "ومن دونهما جنتان" جبکہ ان کے آٹھ دروازے ہیں "وقیل هی سبع جنات"، پھر جو لوگ سات جنتوں کے قائل ہیں وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

سات آسمانوں کو ہی جنات ٹھہراتے ہیں مگر یہ غلط ہے بلکہ جنات سماوات کے اقطار واطراف سے خارج ہیں جن کی چھت رحمٰن کا عرش ہے خصوصاً جنت الفردوس کی۔

پھر مسند احمد میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے صرف ایک دروازہ باب التوبۃ کھلا ہے باقی سب بند ہیں۔ باب التوبۃ بھی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے ساتھ بند ہو جائے گا، دوزخ کے سات دروازے دراصل اس کے سات درجے ہیں۔ کذا فی عارضۃ الاحوذی۔ ہوسکتا ہے کہ ہر طبقے کا دروازہ الگ ہو۔

قولہ: "شجرۃ" ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ طوبیٰ درخت ہے ممکن ہے کہ ہر درخت اتنا پھیلا ہوا ہو۔

قولہ: "فی ظلها" چونکہ جنت میں سورج نہیں اس لئے وہ سایہ وہاں نہیں ہوگا جو یہاں دنیا میں معروف ہے بلکہ صبح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اسفار کے بعد جیسا وقت ہوگا لہٰذا یہاں ایک گونہ تشبیہ اور نعمت ولذت مراد ہے کہ جس طرح گرم علاقوں میں سایہ دار درخت کے نیچے ایک راحت محسوس ہوتی ہے اسی طرح اس درخت کے تحت ایک لطف محسوس ہوگا اگرچہ وہ لطف دنیاوی سایہ سے بے شمار درجہ اعلیٰ ہوگا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سایہ سے مراد پھیلاؤ ہو یعنی وہ درخت ہر طرف اتنا پھیلا ہوا ہوگا کہ گھوڑے پر سوار بھی اگر اسے اخیر تک دیکھنا چاہے تو سو سال میں بھی نہیں دیکھ سکے گا پھر اس روایت کے اخیر میں اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا جو سورۂ واقعہ میں ہے "وظِلٍّ ممدود" مسلم میں یہ آخری الفاظ "قال وذالک الظل الممدود" نہیں ہیں۔

حدیث آخر:۔ "مافی الجنة شجرة اِلّا وساقها من ذهب". (غریب حسن)

جنت میں کوئی درخت ایسا نہیں جس کی شاخ (تنا) سونے کی نہ ہو۔

قولہ: "ساقها" بعض روایات میں "جذوعها من ذهب وفروعها من زَبَرجَدٍ ولُؤلُؤٍ" آیا ہے یعنی جنت کے درختوں کے تنے سونے کے اور شاخیں زبرجد اور موتیوں کی ہوں گی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے سارے درخت ایک طرز اور ایک ہی رنگ کے نہیں بلکہ مختلف النوع ومختلف اللون ہیں جس سے باغات کی خوبصورتی مزید بڑھ جاتی ہے، پھر جب ہوا چلے گی تو یہ شاخیں بجنے لگیں گی جن کی آواز اتنی سُریلی اور خوبصورت ہوگی کہ سننے والوں نے ایسی لذیذ آواز کبھی نہیں سنی ہوگی لہٰذا وہ لوگ حُسنِ منظر کے ساتھ حسن صوت سے بھی لطف اندوز ہوں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی صفة الجنة ونعيمها

(جنت اور اس کی نعمتوں کے احوال کا بیان)

"عن ابی هريرة قال قلنايارسول اللّٰه! مَا لَنا اذاكُنّاعندک رَقَّت قلوبنا وزهدنا وكنا من اهل الآخرة فاذاخرجنامن عندک فانَسْنَااَهَالِينَاوشَمَمنَااولَادَنااَنكرنااَنفُسَنَا؟فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لوانكم تكونون اذاخرجتم من عندی، كنتم علىٰ حالكم ذالک لزارتكم الملائكة فی بيوتكم ولولم تُذنِبُوالَجَاء الله بخلق جديد كئی يُذنِبُوا فَيَغفِرلهم قال: قلت يارسول اللهاِمِمَّ خُلِقَ الخلقُ؟قال من الماء اقلت الجنة مَابِناءُ ها؟قال لَبِنَةٌ من فضة ولبنة من ذهب ومِلاطُهاالمِسكُ الاَزفَرُ وحَصباء ها اللؤلؤوالياقوت وتربتها الزعفران من يدخلها يَنعَمُ لايبأسُ ويخلُد لايموت ولايبلىٰ ثيابهم ولايفنىٰ شَبَابُهم ثم قال ثلثٌ لايُرَدُّ دعوتهم، الامام العادل والصّائم حين يُفطِر ودعوة المظلوم يرفعهافوق الغمام ويفتح لها ابواب السمآء ويقول الرب تبارک وتعالىٰ وعزتی لانصرک ولو بعد حين" هذا حديث ليس اسناده بذالک القوی وليس هوعندی بمتصل وقدروی ....باسنادآخر.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرامؓ) نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارا یہ حال کیوں ہے کہ جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور دنیا سے بے زار ہوتے ہیں اور ہم اہل آخرت سے ہوتے ہیں مگر جب ہم آپ کے پاس سے نکل جاتے ہیں اور گھر والوں کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنے بچوں کو (پیار و محبت کر کے) سونگھتے ہیں، تو ہم اپنے دلوں کو متغیر پاتے ہیں (یعنی سابقہ حالت سے مختلف) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی طرح ہوتے جب تم میرے پاس سے نکلتے ہو اور تم اپنی اسی حالت پر قائم رہتے تو ضرور تم سے فرشتے تمہارے گھروں میں ملتے اور اگر تم گناہ نہ کرو تو البتہ اللہ دوسری مخلوق (تمہارے سوا) پیدا فرمائیں گے تا کہ وہ گناہ کرے اور اللہ ان کے گناہوں کو معاف کریں (یعنی محض اپنے رحم سے یا ان کی توبہ کی بدولت) فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مخلوق (انسان) کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا پانی (نطفہ) سے! میں نے پوچھا جنت کی بناء (عمارت) کس چیز کی ہے؟ (پتھر سے بنی ہے یا کسی اور چیز سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ چاندی کی ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک سونے کی، جبکہ اس کا گارا عمدہ مہک والی کستوری کا ہے، اور کنکریاں اس کی موتی اور یاقوت ہیں (یعنی خوبصورتی اور صفائی میں) اور مٹی اس کی زعفران ہے (یعنی زرد و خوشبودار ہے) جو اس میں داخل ہوگا وہ خوش باش رہے گا اور کسی طرح کی تکلیف نہیں پائے گا اور ہمیشہ (زندہ) رہے گا، مرے گا نہیں نہ ان کے کپڑے پُرانے (بوسیدہ) ہوں گے اور نہ ہی ان کی جوانی ختم (یا کم) ہوگی پھر آپؐ نے فرمایا تین (لوگ) ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی (۱) عادل بادشاہ (۲) روزہ دار جب روزہ کھولتا ہے (۳) اور مظلوم کی دعا جسے اللہ بادلوں کے اوپر (آگے) اٹھا لیتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں میری عزت کی قسم ہے کہ میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر کے بعد کروں۔

قولہ: "وشممنا اولادنا" ظاہری معنی پر بھی محمول کر سکتے ہیں کیونکہ چھوٹے بچوں کی اپنی مخصوص خوشبو ہوتی ہے جبکہ ان کی مائیں ان کو معطر رکھنے کا اہتمام بھی کرتی ہیں تاہم یہ پیار و محبت سے کنایہ بھی ہوسکتا ہے، حدیث کے اس ٹکڑے کا مطلب وہی ہے جو حضرت حنظلہ اُسیدیؓ کی حدیث میں عنقریب گذرا ہے فلانعیدہ۔

قولہ: "ولولم تذنبوا لَجَاء اللہ بخلق جدید الخ" اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی گناہوں پر ہمت افزائی کرنا چاہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تمہاری جبلت وفطرت کچھ اس طرح ہے، کہ تم ایک حالت پر نہیں رہ سکتے ہو اور دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں سے عفو و درگزر کے مظاہر کے لئے ایک ایسی مخلوق کا ہونا بھی ضروری ہے جو ان صفات کا مظہر بن سکے اس لئے کہ جس طرح اللہ کو یہ بات پسند ہے، کہ اس کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کی جائے اور سرمو اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو اس طرح اس کو یہ بھی پسند ہے کہ وہ کسی گنہگار کی بخشش فرمادیں لہٰذا اگر تم سے گناہ نہ ہو جائے تو کوئی اور مخلوق آجائے گی۔ اور یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کے ہوتے ہوئے اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اگر تم فرشتوں کی طرح بن جاؤ گے تو پھر آپ کے بعد ایک اور مخلوق کو لایا جائے گا۔ **قولہ:** "کنتم علیٰ حالکم "ای اَبقیتم علی حالکم "علی ھذا کلام میں تکرار نہیں۔ (تدبر)

قولہ: "مِمّ خلق الخلق" جب حضرت ابوہریرہؓ نے سابقہ جواب سے بھانپ لیا کہ گناہ کرنا گویا انسان کے ساتھ لازم ہے، تو انہوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ آیا یہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے یا ایک امر عارض وطاری کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہاں سوال انسان کے بارے میں ہے اور جواب کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنا طبعی

Maktaba Tul Ishaat.com

عمل ہے اور انسانی مزاج وتقاضوں کی تبدیلی بھی طبعی ہے کیونکہ اس کی اصل پانی ہے اور انسانی نطفہ ایک طرف مختلف النوع اشیاء سے بنتا ہے اور دوسری طرف ایک حالت پر نہیں رہتا۔

قولہ: "ودعوة المظلوم يرفعها فوق الغمام الخ" کنایہ ہے سرعت قبولیت سے۔ قولہ: "ليس اسناده بذالك القوى" یعنی یہ تفصیلی روایت متصل نہیں ہے اور مرسل بھی ہے اور چونکہ یہ روایت دراصل چار احادیث سے مرکب ہے کمافی تحفۃ الاحوذی اس لئے کہا جائے گا کہ یہ حکم مجموعی روایت کا ہے، پس اس کا پہلا جزء "مالنا الخ" مسند احمد میں ہے، دوسرا جزء "ولولم تذنبوا الخ" مسلم میں ہے تیسرا جزء "مم خلق الخلق" امام احمد، دارمی، بزار اور امام طبرانی نے ذکر کیا ہے، اور چوتھا جزء یعنی "ثلاث الخ" مسند احمد وابن ماجہ میں ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی دعوات میں ذکر فرمایا ہے۔ کذا فی التحفہ عن الترغیب والترھیب)

باب ماجاء فی صِفة غُرَف الجنة

(جنت کے بالاخانوں کے احوال کا باب)

"عن على قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان فى الجنة لَغُرَفاً يُرىٰ ظهورها من بطونها وبطونهامن ظهورها،فقام اليه اعرابى فقال:لِمن هى يانبى اللّٰه؟ قال:هى لمن اَطَابَ الكلام واَطعَمَ الطعام وَاَدَامَ الصيام وصلىٰ لِلّٰه بالليل والناس نيام!" (حديث غريب)

(اخرجه احمدوابن حبان فى صحيحه)

حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا بیرونی منظر اندر سے دکھائی دے گا اور اندر کا باہر سے نظر آئے گا، پس ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر پوچھا اے اللہ کے رسول! یہ کس کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو (حق گوئی میں) شیریں گفتگو کرے اور کھانا کھلائے اور کثرت سے روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں۔

(اس حدیث کی تشریح ابواب البر والصلہ میں گذری ہے، دیکھئے تشریحات ترمذی: ص ۲۵۳ ج ۶: "باب ماجاء فی قول المعروف")

حدیث آخر:۔ "ان فى الجنة جنتين من فضة انيتهما ومافيهما الخ".

بے شک جنت میں دو باغ ایسے ہیں کہ ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہیں سب چاندی کے ہیں اور

Maktaba Tul Ishaat.com

دو باغ ایسے ہیں کہ ان کے ظروف اور جتنی چیزیں ان میں ہیں تمام کی تمام سونے کی ہیں (یعنی آرائش وزیبائش اور بیٹھنے کا سارا سامان) اور لوگوں (جنتیوں) اور ان کے رب کی طرف دیکھنے کے درمیان بڑائی کی چادر کے سوا کوئی مانع نہیں ہوگا جو اس کے وجہ پر ہوگی، وہ لوگ خلود کی جنت میں ہوں گے۔

اسی سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ جنت میں ایک خیمہ ہے اندر سے تراشے ہوئے موتی کا، اس کی چوڑائی ساٹھ میل ہے، اس کے ہر گوشے میں (جنتی کے) اہل خانہ ہیں وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے (گویا دوری ان کے درمیان پردہ ہے) مؤمن ان پر چکر لگاتا رہے گا۔ (حسن صحیح)

قولہ: "ان فی الجنة جنتین الخ" جنت سے مراد مطلق اور مصطلح جنت ہے جو مسلمانوں کے ذہن میں ہے اور جس کی دیواروں کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی ہے اس کے اندر دو، دو جنتیں ایسی ہیں جن میں سے دو کا سب کچھ چاندی کا ہے اور دو کا خالص سونے کا ہے۔ انیتھما بمع معطوف کے مبتدا مؤخر ہے اور من فضة خبر مقدم ہے۔ **قولہ:** "اِلّارداء الکبریاء علی وجهه" یہ متشابہات میں سے ہے جو تقریب الی الفہم کے لئے ہے اور وَجھہ سے مراد ذات ہے یعنی جنتیوں کا اپنے رب کو دیکھنے سے مانع کبریاء اور ہیبت ہوگی اسی ہیبت کو رداء سے تعبیر کیا ہے تاکہ غیر مرئی کی تشبیہ بالمرئی سے کلام کا مفہوم سمجھ میں آجائے پس اللہ تبارک وتعالیٰ وقتاً فوقتاً اس چادر وحجاب نورانی کو اٹھائیں گے اور جنتی اس نعمت عُظمیٰ سے محظوظ ہوں گے۔

قولہ: "فی جنة عدن" قوم کے لئے ظرف ہیں یعنی یہ جنتی ان باغات میں ہمیشہ ہوں گے، چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے ظرف زمان ومکان سے پاک ہے اس لئے اس کو دبھم کے لئے ظرف بنانا غلط ہے۔

قولہ: "عرضها ستون میلاً" یعنی ہر طرف سے ساٹھ میل چوڑا ہوگا۔

قولہ: "اهل" یعنی حورِعین۔ **قولہ:** "یطوف" ای یجامع گویا جماع وغیرہ سے کنایہ ہے، اور ایک سے ملتے وقت دوسری حورِعین کو نظر نہ آنا علت حیاء پر مبنی ہے تاکہ قربت اس کے آزادانہ ملاپ پر اثر انداز نہ ہو۔

باب ماجاء فی صفة درجات الجنة

(جنت کے درجوں کا بیان)

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :فی الجنة مائة درجة مابین کل درجتین مائة عام". (حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے۔

ایک اور روایت میں دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت مذکور ہے لیکن چونکہ اصل مراد تکثیر ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں اسی طرح ان دو درجوں کے درمیان بھی بہت ساری منازل ہیں جو کل ملا کر قرآن کی آیتوں کی تعداد کے برابر ہیں گویا بڑے بڑے درجات سو ہیں اور ان کے مابین اوپر سے نیچے تک قرآنی آیات کے عدد کے مطابق ہیں یا اس سے بھی زیادہ ہیں لہٰذا اس حدیث کا ابواب الدعوات کی حدیث سے کوئی تعارض نہیں:

"یقال یعنی لِصاحب القرآن اقرأ وارقِ ورتِّل کما کنت ترتّل فی الدنیا فان منزلتک عند آخر آیة تقرأ بها". (ھذا حدیث حسن صحیح، ترمذی ص:۱۱۹ ج:۲)

حدیث آخر:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے اور نماز (پابندی سے) پڑھی اور بیت اللہ کا حج کیا (راوی نے کہا) میں نہیں جانتا کہ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا یا نہیں مگر اللہ پر کریمانہ حق ہے کہ اس کو بخشے خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین پر رہے جہاں پیدا ہوا تھا، معاذؓ نے فرمایا کیا میں اس کی خبر لوگوں کو نہ دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ دو لوگوں کو تاکہ (زیادہ) عمل کرتے رہے کیونکہ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کا جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بالا اور سب (جنتوں) سے افضل ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں بہتی ہیں، پس جب تم اللہ سے (جنت) مانگو تو فردوس مانگو۔ (وہذا عندی اصح وکذا رواہ البخاری)

قولہ: "اِلّا کان" معناً زائد ہے۔ **قولہ:** "حقاً علی اللہ" یعنی اللہ کے وعدہ کے مطابق تو جس طرح ایک دنیوی بادشاہ کسی کو دینے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر توقع سے بھی زیادہ دیتا ہے اور وعدہ خلافی بھی نہیں کرتا تو مالک الملک کے وعدے کا کیا حال ہوگا۔

قولہ: "اَلا اُخبِر بها الناس" یعنی تاکہ لوگ خوش ہو جائیں۔ **قولہ:** "والفردوس اعلیٰ الجنة واوسطها" یعنی فائق بھی ہے سب جنتوں پر اور افضل و بہتر بھی ہے مع ہذا کشادہ اور وسیع بھی ہے اور چونکہ وہ عرش کے نزدیک بھی ہے اس لئے اس کا حسین اور منور ہونا بھی بدیہی ہے پھر اس کا اعلیٰ علیین خاتم النبیین صلی اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

علیہ وسلم کے لئے ہے جبکہ عرش کے مقابل فرش کی جانب اسفل السافلین ابلیس علیہ اللعنۃ ہوگا، پس ضابطہ یہ ہوا کہ جو جتنا عرش کے قریب ہوگا وہ اتنا ہی افضل ہوگا اور جو جتنا فرش کے نزدیک ہوگا وہ اتنا ہی ارذل ہوگا۔

اگلی روایت میں نہروں کی تعداد بھی ذکر فرمائی ہے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے یعنی پانی، دودھ، شراب اور شہد کی چار نہریں۔

باب کی آخری حدیث میں جنت کے درجات کی وسعت کا ایک اندازہ بتلایا ہے کہ اگر سب خلائق ایک ہی درجہ میں جمع ہو جائیں تو سب سما جائیں گی۔

باب ماجاء فی صفة نِساء اهل الجنة

(جنتیوں کی بیبیوں کے احوال کے بارے میں)

"عن عبدالله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ان المرأة من نِساء اهل الجنة لَیُریٰ بیاض ساقها من وراء سبعین حُلّة حتیٰ یُریٰ مُخّها وذالک بان الله تعالیٰ یقول: "کانهن الیاقوت والمرجان" فاما الیاقوت فانه حَجَر لو ادخلتَ فیه سِلکاً ثم اِستَصفیتَه لَأریتَه من ورائه".

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کا گورا پن ستر جوڑوں (کپڑوں) کے اندر سے دیکھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی ہڈیوں کا گودا بھی دیکھا جا سکے گا اور یہ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "وہ عورتیں (خوبصورتی میں) گویا یاقوت اور مرجان ہیں" پس یاقوت جو ہے وہ ایک (قسم کا ہیرا) پتھر ہے اگر تم نے اس میں ڈورا ڈالا اور اس (پتھر) کو صاف کیا تو وہ ڈورا تمہیں اندر سے دکھائی دے گا۔ (یہ روایت صحاح ستہ میں سے صرف امام ترمذی نے نقل کی ہے ان کے علاوہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام منذری نے الترغیب والترھیب میں بحوالہ ابن ابی الدنیا بھی ذکر کی ہے، تاہم حدیث کا اکثر حصہ باب کے اخیر میں صحیح سند سے مروی ہے۔

قولہ: "ان المرأة" یعنی جنس عورت یا مخصوص ایک عورت۔

قولہ: "لَیُریٰ" بصیغۂ مجہول۔ قولہ: "مخها" بضم المیم وتشدید الخاء۔

قولہ: "الیاقوت والمرجان" یاقوت کے ساتھ تشبیہ صفائی میں ہے اور مرجان کے ساتھ بیاض

Maktaba Tul Ishaat.com

وسفیدی میں۔

قولہ: "اِستصفیتہ" یعنی اگر تم اسے رگڑ کر صاف کرو گے تو اندر کا دھاگا باہر سے نظر آجائے گا۔

صحیح روایات سے جو تعداد زوجاتِ اہل جنت ثابت ہے وہ دو ہے البتہ ترمذی فضائل جہاد میں شہید کے لئے ۷۲ بیبیوں کا ذکر صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (ص: ۲۹۵ ج: ۱۔ ایچ ایم سعید) بعض روایات میں بہتر کی تعداد مطلق آئی ہے علیٰ ہذا پنڈلی اور جسم کی یہ خوبصورتی ہر عورت کی بھی ہوسکتی ہے علی ہذا المرأۃ میں الف لام جنس کے لئے ہوگا، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وصف فقط دو حورعین کا ہو اور باقی عورتیں اس درجے کی نہ ہوں پھر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دو عورتیں دنیا کی عورتیں ہوں گی جو حورعین سے ممتاز ہوں گی اور چونکہ عورتوں کی پیداوار زیادہ ہے اس لئے ہر جنتی کو دو، دو ملیں گی یعنی دوزخ سے نکلنے کے بعد، مگر بظاہر اصح یہ ہے کہ یہ دو بھی حورعین ہوں گی البتہ یہ اقل تعداد ہے خواص کو دو سے زیادہ ملیں گی۔ واللہ اعلم

امام ترمذیؒ نے "باب ماجاء لادنیٰ اھل الجنۃ من الکرامۃ" میں ایک ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ادنیٰ جنتی کو بہتر حوریں ملیں گی۔

دنیا کی عورتیں جنت میں کس کے نکاح میں ہوں گی؟ مذکورہ حدیث میں مرد جنتیوں کا حکم بیان ہوا ہے جو جنتی عورتیں ہیں ان کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ جو عورت دنیا میں جس مرد کے نکاح میں تھی وہ اسی کے نکاح میں رہے گی چنانچہ ابن الجوزیؒ نے "احکام النساء" میں حضرت عائشہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے: "المرأۃ لآخر ازواجھا" اس سے متعدد شوہروں والی بیوہ یا مطلقہ کا حکم بھی معلوم ہوا علاوہ ازیں مندرجہ بالا کتاب میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں جو اس پر ناطق ہیں کہ دنیاوی نکاح اور آخری نکاح میں رہنے والی خاتون اپنے دنیوی اور آخری شوہر کے پاس رہے گی تاہم اسے مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ اصل دارومدار اس کی مرضی پر ہوگا وہ اگر اپنے شوہر کو پسند کرتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے لئے حور مرد کا انتظام کیا جائے گا۔

احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے "بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری شوہر کو ملے گی اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اختیار دیا جائے گا جس کے ساتھ زیادہ موافقت ہو اس کو اختیار کرے اور بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے کہ اگر سب شوہر حسن خلق میں مساوی ہوں تو آخری شوہر کو ملے گی ورنہ اختیار دیا جائے گا"۔

"عن ام سلمۃؓ قلت یارسول اللہ! المرأۃ تزوّج الزوجین والثلاثۃ والاربعۃ

Maktaba Tul Ishaat.com

ثم تموت فتدخل الجنة ويدخلون معها من يكون زوجها منهم؟ قال انها تُخَيَّرُ فتختار أحسنهم خُلقاً فتقول يارب ان هذا كان احسنهم خُلقا فى دار الدنيا فزوّجنيه، يا ام سلمة! ذهب الخُلق بخير الدنيا والأخرة".

(بحوالہ معجم طبرانی: ج:۲۳ص ۳۶۸ حدیث نمبر ۸۷۰)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کی متعدد شادیاں ہوں وہ سب عورتیں اسی کو ملیں گی بشرطیکہ وہ کل یا بعض راضی ہوں۔

جہاں تک کنواری اور مطلقہ کا تعلق ہے تو ان کو بھی اختیار دیا جائے گا کہ جس مرد کو چاہیں پسند کرلیں، اگر کسی کو پسند نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے مذکر حور پیدا فرمائیں گے "ولو ماتت قبل ان تتزوج تخيّرُ ايضاً ان رضيت بادمى زوجت منه وان لم ترض فالله يخلق ذكراً من الحور العين فيزوجها منه"۔

(مجموعۃ الفتاویٰ بحوالہ غرائب احسن الفتاویٰ: ج:۹ص:۴۴)

حدیث آخر:۔ "عن ابى سعيد عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان اول زُمرة يدخلون الجنة يوم القيٰمة على مثل ضوء القمر ليلة البدر والزمرة الثانية على مثل احسن كوكب دُرّى فى السماء لكل رجل منهم زوجتان علىٰ كل زوجة سبعون حلة يُرىٰ مُخّ ساقها مِن وَرَائها". (حسن صحيح)

اولین جماعت جو جنت میں داخل ہوگی قیامت کے دن وہ چودھویں کے چاند کی طرح خوبصورت ہوگی اور دوسری جماعت آسمان کے چمکدار خوبصورت ستارے کی طرح ہوگی، ان میں سے ہر ایک شخص کے لئے دو بیبیاں ہوں گی۔ ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے جن کے پیچھے (اندر) سے اس کی پنڈلی کا گودا دیکھا جاسکے گا۔

تاہم پہلی جماعت انبیاء علیہم السلام کی ہوگی جبکہ دوسری ان کے اتباع کی ہوگی تاہم ان کے درجات ومقامات متفاوت ہوں گے مثلاً صدیقین وعلماء تمام اتباع میں نمایاں ہوں گے پھر شہداء وصلحاء حسب مراتب آسمان کے ستاروں کی طرح مختلف چمک کے حامل ہوں گے۔

باب کی احادیث سے جنتی عورتوں کا حسین ہونا ثابت ہوتا ہے کہ ان کا حُسن اتنا نمایاں ہوگا اور ان کے کپڑے اتنے لطیف ہوں گے کہ ستر جوڑوں کے باوجود ان کے جسم کا گودا پن چھپ نہیں سکے گا اور ان کے جسم اتنے شفاف ہوں گے کہ ہڈی کا گودا بھی دکھائی دے گا جیسے بلّور اور ہیرے کے اندر سے دھاگا دکھائی دیتا ہے،

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض دیکھنے والے کو کپڑوں کے زیب وزینت سے بھی لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا کیونکہ برہنہ عورت میں وہ کشش نہیں ہوتی جو لباس والی میں ہوتی ہے اور وہ لباس اس کے جسم کو مکمل چھپائے گا بھی نہیں جس سے جسمانی خوبصورتی محفوظ ہونے کا بھی موقع ملے گا یوں سمجھنا چاہئے جیسے گوری عورت اپنے چہرے پر سیاہ بالوں کا جال ڈالے یا باریک پردہ جس میں بیاض جھلکتا ہو اس طرح اندر اور باہر دونوں مناظر یکجاہ ہونے سے حسن دوبالا ہو جاتا ہے، مع ھذا وہ عورتیں حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی مکمل آراستہ ہوں گی، پس کوئی کدورت، پسینے کی بدبو یا بداخلاقی کی بدمزگی وہاں نہیں ہوگی "فطوبیٰ لمن کُنَّ له وکان لهن"۔

باب ماجاء فی صفة جماع اهل الجنة

(جنتیوں کی قوت جماع کا بیان)

"عن انس ؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یُعطیٰ المؤمن فی الجنة قوة کذا وکذا من الجماع قیل یارسول الله! اَوَیطیق ذالک؟ قال یُعطیٰ قوة مائة". (صحیح غریب)

مومن کو جنت میں اتنی اتنی (عورتوں سے یا مرتبہ) طاقت جماع کرنے کی دی جائے گی عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! کیا وہ اس کی تاب لا سکے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اسے سو آدمیوں کی قوت دی جائے گی۔

تشریح:۔ قولہ: "کذا وکذا" یا تو کنایہ ہے عورتوں کی تعداد سے مثلاً تیس یا چالیس عورتوں سے بیک وقت جماع کرے گا یا کنایہ ہے مرات سے یعنی حورعین سے بیک وقت اتنی اتنی دفعہ مثلاً تیس یا چالیس دفعہ ہمبستری کر سکے گا اور جب اس پر صحابہ کرام ؓ کو تعجب ہوا کہ ایک آدمی بیک وقت اتنی زیادہ مجامعتیں کیونکر کر سکتا ہے کیونکہ جماع سے فراغت پر فتور کا طاری ہونا ایک ناگزیر حقیقت ہے، تو آپؐ نے ان کے تعجب کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ جنتی کو سو (دنیوی) آدمیوں کی بقدر طاقت دی جاتی ہے لہٰذا اس کے لئے کئی مرتبہ جماع کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ جماع کے متصل بھی ہشاش بشاش اور تروتازہ رہے گا، اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی بیوی بھی تازگی اور بکارت کے مرغوب وصف پر قائم ودائم رہے گی، تاکہ جنتیوں کے شغل کے تسلسل میں کوئی کمی نہ آنے پائے اس طرح وہ لوگ ہمہ وقت ہمہ تن شغل میں خوش باش رہیں گے "ضربُ الاوتار، فَصُّ الابکار، تحت الاشجار علیٰ شَطِّ الانهار"۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی صفة اهل الجنة

(جنتیوں کے احوال کا بیان)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اوّل زُمرة تلج الجنة صورتهم على صورة القمر ليلة البدر لايبصُقون ولايَتَمَخّطُون ولايتغوّ طون انيتهم فيهامن الذهب وامشاطهم من الذهب والفضّة ومَجَامِرهم من الاُلُوّةِ ورشحهم المسک ولكل واحد منهم زوجتان يُرىٰ مُخُّ سُوقهامن ورآء اللحم من الحسن لااختلاف بينهم ولاتباغُضَ، قلوبهم قلبُ رجل واحديسبحون الله بُكرةً وَعَشِيّاً". (حديث صحيح)

اولین گروہ جو جنت میں جائے گا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی نہ وہ تھوکیں گے، نہ ناک سنکیں گے اور نہ ہی وہ پاخانہ کریں گے، ان کے برتن جنت میں سونے کے ہوں گے اور کنگھیاں ان کی سونے چاندی کی ہوں گی، اوران کی دھونی (کی انگیٹھیاں) اَگر (لکڑی) کی ہوں گی اوران کا پسینہ مشک کی طرح خوشبودار ہوگا، ان میں ہر ایک کے لئے دو بیویاں ہوں گی دیکھا جاسکے گا ان کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے باہر (پیچھے) سے بوجہ خوبصورتی کے، اور جنتیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوگا اور نہ کوئی دوسرے سے بُغض (عداوت) رکھے گا ان کے دل ایک ہی آدمی کے دل (کی طرح متحد) ہوں گے وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے ہوں گے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ)

تشریح:۔قولہ:"لايبصقون" بُصاق سے ہے بمعنی تھوک کے ہے۔

قولہ:"ولايتمخّطون" مُخاط بمعنی رینٹ کے ہے دونوں مصدر غراب کے وزن پر ہیں یعنی نہ تو جنتی تھوکیں گے اور نہ ہی ناک پھینکیں گے کہ وہ ان عیوب سے پاک ہوں گے۔اسی بناء پر غائط یعنی بڑا اور چھوٹا پیشاب بھی نہیں کریں گے تو جس طرح ہمارے جسم میں موجود خلیوں کا نظام ہے کہ جب ان کی زندگی ختم ہوجاتی ہے تو دوسرے خلیے یا توان کو جسم سے خارج کرتے ہیں اوراگر وہ کارآمد ہوں توان کو کسی طرح کام میں لایا جاتا ہے اسی طرح جنتیوں کی غذا خلیوں کی طرح خوشبودار پسینے کی صورت میں ہضم ہوگی اور منی کی شکل میں خارج ہوگی غرض اس غذا میں فضلہ نہیں ہوگا۔

قولہ:"انيتهم الخ" ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے برتن سونے کے بنے ہوئے

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوں گے جبکہ کنگھیاں سونے اور چاندی سے مرکب ہوں گی مگر بخاری شریف کی روایت میں اس کے برعکس مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر روایت میں ایک ایک جانب اختصار کیا گیا ہے یا ایک طرف کو دوسری پر قیاس کیا گیا ہے جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم الگ الگ درجات کے اعتبار سے ہو کہ بعض جنتیوں کو دونوں طرح کی چیزیں ملیں گی جبکہ نسبتاً ادنیٰ درجے والوں کو ایک قسم کی صرف سونے یا صرف چاندی کی اشیاء مہیا ہوں گی، پھر سونے چاندی کا ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہر چیز دونوں دھاتوں سے مرکب ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے الگ الگ سیٹ بنے ہوئے ہوں۔

قولہ: "مجامرھم" مِجمر کی جمع ہے مجمر اگر بکسرۂ میم اول ہو تو انگیٹھی کو کہتے ہیں جس میں ایندھن جلایا جاتا ہے جبکہ مُجمر بضم المیم اول ہو تو خوشبو کے لئے جلائی جانے والی چیز کو کہتے ہیں اور یہاں پر یہی معنی مراد یا کم از کم زیادہ مناسب ہے۔

قولہ: "الالوّۃ" اس میں ہمزہ کا فتحہ وضمہ دونوں جائز ہیں جبکہ لام مضموم اور دال مشدد ہے عود ہندی اور اگر کی لکڑی کو کہتے ہیں جس سے اگر بتیاں بھی بنتی ہیں اور بازاروں میں عام ملتی ہیں اگرچہ ان میں اصلی کم ہی ہوتی ہیں پس مطلب یہ ہوا "بُخورھم بالالوّۃ" پھر ان اعواد سے خوشبو حاصل کرنے کے لئے آگ جلانا اور جنت میں آگ کا ہونا لازمی نہیں کیونکہ آج کل تو اس کی صورت بہت آسان ہے جیسے بجلی کے آلات میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

قولہ: "ورشحھم المسک" یعنی رائحۃ عرقھم کرائحۃ المسک ان کے پسینے کی خوشبو مشک کی مانند ہوگی، غرض وہاں طرح طرح کی خوشبو اور قسم قسم کی نعمتوں کی بہتات وفراوانی ہوگی، اور ان نعمتوں کی وجہ سے ان کے آپس میں کوئی اختلاف، حسد اور کینہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ یہ رذائل اخلاق وہاں جنم لیتے ہیں جہاں نعمتوں کی محدود مقدار پائی جاتی ہو اور اس کے حاصل کرنے والے بہت ہوں جبکہ جنت میں قلت اور کمی نعمت کا تصور بھی نہیں ہوگا، علاوہ ازیں رذائل اخلاق کا مادہ ہی ان کے دلوں سے نکال باہر کیا جائے گا قال اللہ تعالیٰ: "ونزعنامافی صدورھم من غِلٍّ اخواناً علیٰ سُرُرٍ متقٰبلین"۔ (حجر آیت ۴۷)

پس ان کے دل آپس میں ایسے موافق ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل ہوتا ہے تو جس طرح ایک شخص اپنے جسم کے بعض حصوں اور دل کے بعض اجزاء سے عداوت ودشمنی نہیں کرتا اسی طرح وہ لوگ جسد واحد کی مانند ہوں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "المؤمنون کرجل واحدان اشتکیٰ عینہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اِشتکیٰ کلہ"۔(الحدیث رواہ مسلم)(تدبر وتشکر)

رہی ان کی تسبیح کرنے کی نعمت تو یہ نہ سمجھا جائے کہ اس میں مشقت ہوگی کیونکہ مشقتوں کی جگہ دنیا اور پھر دوزخ ہے جنت ہرگز زحمت ومشقت کی جگہ نہیں اس لئے اس عمل تسبیح سے راحت بڑھے گی جیسے ہمارا نظام تنفس ہے۔

حدیث آخر:۔"لوان مایُقِلُّ ظُفُرمما فی الجنة بَدَالَتَزَخرفت له مابین خوافق السمٰوٰت والارض ولوان رجلاً من اهل الجنة اِطَّلَعَ فبدا اساوِرُہ لَطَمَسَ ضوء الشمس کماتطمِسُ الشمس ضوءَ النجوم".(غریب)

اگر اتنی (تھوڑی) سی چیز جو ناخن اٹھاتا ہے جنت کی (دنیا میں) ظاہر ہو جائے تو آسمانوں اور زمین کے کناروں کے درمیان سب چیزیں چمک اٹھیں گی اس کی وجہ سے، اور اگر جنتیوں میں سے کوئی شخص (دنیا کی طرف) جھانکے اور اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو وہ سورج کی روشنی کو مٹا دیں گے جیسے آفتاب ستاروں کی روشنی کو ماند کر دیتا ہے۔

قولہ:"مایُقِلُّ" بضم الیاء والقاف المکسورۃ وتشدید اللام جبکہ لفظ ما موصولہ ہے اس کا عائد محذوف ہے یعنی ما یُقِلُّہ اَقَلّ الشیٔ ای حَمَلَہ یعنی جس کو اٹھائے الخ۔

قولہ:"ظفر" بضمتین ناخن۔

قولہ:"لتزخرفت "ای تزینت۔

قولہ:"خوافق" خافقۃ کی جمع ہے جوانب اور کناروں کو کہتے ہیں یعنی تا حد نگاہ چاروں جانب کے افق تک سب چمکیں گے۔

قولہ:"اساوِر" سِوار کی جمع ہے بروزن کتاب بمعنی کنگن کے۔یعنی جنت کی اشیاء انتہائی روشن ہیں اور جنتی لوگ انتہائی حسین ہیں۔

باب ماجاء فی صفة ثیاب اهل الجنة

(جنتیوں کے لباس کا احوال)

"اهل الجنة جُرْدٌمُرْدٌ کحلیٰ لایَفنیٰ شَبَابهم ولاتبلیٰ ثِیابهم".(غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

جنت والے بے ریش نوخیز سیاہ پلک ہوں گے نہ تو ان کی جوانی کبھی ڈھلے گی اور نہ ہی ان کے کپڑے پُرانے ہوں گے۔

تشریح:۔قولہ: "جُرد" اجرد کی جمع ہے جس کے جسم پر بال نہ ہوں یعنی غیر ضروری جیسے بغلوں کے بال اور زیر ناف وغیرہ جبکہ مُرد امرد کی جمع ہے جس کی داڑھی ابھی نہ نکلی ہو یہ صرف لڑکے کے لئے استعمال ہوتا ہے امرأۃ جرداء نہیں کہا جاتا کیونکہ اس کی داڑھی کی توقع نہیں کی جاتی۔

قولہ: "کحلی" کحیل کی جمع ہے سرگیں آنکھوں والے کو کہتے ہیں بمعنی مکحول جس کی پلکیں پیدائشی سیاہ ہوں جیسے تازہ سُرمہ لگایا ہوا ہو۔ نیز ان کی پلکیں سیاہ ہونے کے ساتھ لمبی بھی ہوں گی۔

یعنی اہل جنت ہمیشہ عمر کے اس اسٹیج و مرحلہ پر ہوں گے جو زندگی بھر میں سب سے خوشگوار موڈ ہوتا ہے اور یہ وہ دور ہے جہاں آدمی جوانی میں پہلا قدم رکھتا ہے۔ اس میں اندرونی تمام قُویٰ جوش مارتے ہیں اور آدمی اپنے آپ کو انتہائی چُست و توانا محسوس کرتا ہے وہ خوش و خرم ہونے کے ساتھ عورتوں کی طرف بھی بھرپور میلان رکھتا ہے اور عورتیں اس کی جانب بھی مائلات ہوتی ہیں، غرض اہل جنت شادمانی کی دائمی کیفیت سے مکیف اور دِلشاد و مسرور رہوں گے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "وَفُرُشٍ مَّرفُوعَة" (الایۃ) کی تفسیر میں فرمایا کہ ان فرشوں کی بلندی اتنی ہوگی جتنی آسمان و زمین کے درمیان ہے یعنی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ (هذا حديث غريب واخرجه احمد والنسائي وابن حبان في صحيحه)

قولہ: "ارتفاعها" مبتدا ہے اور "لكما بين السماء والارض" خبر ہے اور "مسيرة الخ" یا تو خبر بعد الخبر ہے یا بیان یا ما سے بدل ہے۔

فرش یعنی جنتیوں کے بستروں کی اونچائی کا مطلب کیا ہے؟ تو امام ترمذیؒ نے خود اس کی تفسیر نقل فرمائی ہے یعنی مراد بستروں اور بچھونوں کی بلندی نہیں بلکہ بلند و عالی درجات میں ان کا بچھایا جانا مراد ہے کہ وہ درجے انتہائی بلند ہوں گے جن کی وجہ سے وہ بچھونے بھی بلند ہوئے۔ مگر امام ترمذیؒ نے ابواب التفسیر میں سورۂ واقعہ کی اس آیت کے تحت مرفوعہ کی تفسیر کچھ یوں نقل کی ہے "وارتفاعها كما بين السماء الخ قال ارتفاع الفرش المرفوعة في الدرجات الخ" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ نفس فرش کی اونچائی یعنی موٹائی پر بھی راضی ہیں نیز انہوں نے وہاں اس حدیث کو حسن کہا ہے، بعض شارحین نے دونوں کا مطلب ایک ہی بیان کیا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

مگر یہ دو الگ الگ مطلب بھی ہو سکتے ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ دونوں مطلب صحیح ہو سکتے ہیں کہ مرفوعۃ نفس فرش کے اعتبار سے ہو یا مرفوعہ تو درجات ہوں البتہ یہ بستر ان درجوں کے بالائی حصوں میں بچھے ہوئے ہوں گے جس سے بستر بھی بلند و بالا نظر آتے ہوں گے۔

پھر اگر نفس بستر بلند ہیں تو اس کا کیا مطلب ہے؟ تو حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ فُرُش مرفوعة علی الاسرة یعنی وہ پلنگوں پر بچھے ہوئے ہوں گے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے اوپر بچھے ہوئے ہوں گے جیسے آج کل لوگ فوم کے گدّے ایک دوسرے پر بچھا کر پلنگ کی طرح بلند کرتے ہیں جبکہ بعض مفسرین نے ''فرشٌ مرفوعة'' سے مراد عورتیں لی ہیں اور عرب عورت پر فرش کا اطلاق کرتے ہیں یعنی عالی القدر عورتیں ہوں گی۔

باب ماجاء فی صفة ثِمار الجنة

(جنت کے پھلوں کا بیان)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے انہوں نے سِدرۃ المنتہیٰ کا ذکر فرمایا، آپؐ نے فرمایا ''یسیر الراکب فی ظل الفنن منها مائة سنة او یستظل بظلها مائة راکب شکّ یحییٰ فیها فراش الذهب کان ثمرها القِلال''۔ (ہذا حدیث حسن صحیح غریب)

سوار اس کی شاخ کے سایہ میں سو سال تک جا سکتا ہے یا فرمایا کہ سو (۱۰۰) سوار اس کے سایہ تلے سایہ کریں گے (تعبیر الفاظ میں راوی) یحییٰ کو شک ہے اس (سدرہ) میں سونے کے پتنگے ہیں گویا سدرۃ المنتہیٰ کے پھل مٹکے ہیں۔ (یعنی مٹکے کی طرح بڑے بڑے بیر لٹکے ہیں)

تشریح:۔ قولہ: ''سِدرة المنتهیٰ'' آخری بیری کا درخت یعنی جہاں اس عالم کی انتہاء ہو جاتی ہے کہتے ہیں کہ یہ درخت ساتویں آسمان کے اوپر عرش رحمٰن کے دائیں واقع ہے اس کے منتہیٰ ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں مثلاً وہاں تک جنات پھیلی ہوئی ہیں اس سے آگے عرش ہے۔ یا وہاں تک ملائکہ کا علم پہنچ سکتا ہے اس سے آگے کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے۔

قولہ: ''الفنن'' بفتحتین غُصن وشاخ کو کہتے ہیں جمع افنان آتی ہے اس بیری کے درخت پر سونے

Maktaba Tul Ishaat.com

کے پتنگوں کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ درخت پر پتنگے لپکتے ہیں اسی طرح اس سدرہ پر بھی پتنگے ٹوٹ پڑتے ہیں وہ یقیناً نورانی پتنگے ہوں گے مگران پر سونے کا اطلاق خوبصورتی کی بناء پر کیا گیا، اگر چہ اس کو ظاہر پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کہ وہ واقعتاً سونے کے ہوں بنابر ہر تقدیر تتلیوں اور پروانوں سے درخت کا حسن بڑھتا ہے خواہ وہ سونے کے ہوں یا کسی اور چیز کے، مگر جنتیوں کے لئے اس میں بڑی خوشخبری ہے کہ وہ اس دلکش منظر سے محظوظ ہوں گے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی صفة طير الجنة

(جنت کے پرندوں کا بیان)

"عن انس بن مالک قال سُئِل رسول الله صلى الله عليه وسلم ماالكوثر؟قال:ذاک نهر اعطانيه الله يعنى فى الجنة اشد بياضاً من اللبن واحلىٰ من العسل فيه طيرٌ اعناقها كاعناق الجُزُرِ قال عمر:ان هذه لَنَاعِمَةٌ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اَكَلَتُهاانعَمُ منها". (حسن)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو مجھے اللہ نے عطا فرمائی ہے (راوی کہتا ہے) یعنی جنت میں جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی مانند (لمبی) ہیں (حضرت) عمرؓ نے فرمایا یہ تو بڑے خوش عیش ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش عیش ہوں گے۔

تشریح:۔ اس نہر کوثر سے میدان محشر میں حوض کوثر کو بھرا جائے گا جس کا تذکرہ ابواب صفۃ القیٰمۃ میں گذرا ہے اسی جلد میں دیکھئے "باب ماجاء فی صفة الحوض" اور اس کے مابعد والا باب "باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض"۔

قوله: "الجُزُر" بضمتین جَزُور بفتح الجیم کی جمع ہے وہ اونٹ یا اونٹنی جسے نحر و ذبح کے لئے مختص کیا گیا ہو چونکہ جنتی ان پرندوں کا گوشت کھائیں گے اور آبِ کوثر پئیں گے اس لئے ان کے بڑے مزے ہوں گے۔

قوله: "اكلتها" بروزن طلبة وبَرَرَة بھی پڑھ سکتے ہیں اور فاعلة وناعمة کے وزن پر بھی، پہلی صورت میں آکل

Maktaba Tul Ishaat.com

کی جمع ہے اور دوسری صورت میں آکل کی تانیث مستعمل بمعنی جمع ہے۔

قولہ: "انعم" اسم تفضیل بالنسبۃ الی الناعمۃ کے ہے یعنی وہ پرندے اگرچہ بہت خوش باش ہوں گے مگر ان کے کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش باش ہوں گے اگرچہ فی نفسہ دونوں ہی خوش نصیب ہیں۔ جنت میں پرندوں کا ثبوت قرآن کی آیت اور متعدد احادیث سے ہوتا ہے "وَلَحمِ طَيرٍ مِمَّايَشتَهُونَ"۔ (واقعہ آیت: ۳۱) خواہ آبی ہوں یا غیر آبی ہر قسم کے پرندے ہوں گے۔

باب ماجاء فی صفة خيل الجنة

(جنت کے گھوڑوں کا حال)

"ان رجلاً سَئَلَ النبیَ صلی الله علیه وسلم فقال: یارسول اللّٰه! هل فی الجنة من خیل؟ قال: اِنِ اللّٰهُ اَدخَلَکَ الجنة فلا تشاء ان تُحمَلَ فیهاعلی فرس من یاقوتة حمرَاء تطیربِکَ فی الجنة حیثُ شئتَ (اِلّافعلتَ!) قال وسأله رجل فقال یارسول الله هل فی الجنة من ابل؟ قال فلم یقل له ماقال لِصاحبه فقالَ اِن یدخلک الله الجنة یکن لک فیهاما اشتهت نفسُک ولذت عینُکَ". هذاحدیث لیس اسناده بالقوی)

حضرت بُریدہ بن حُصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پس وہ کہنے لگا اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ نے تجھے جنت میں داخل کیا تو تم نہیں چاہو گے کہ سوار کر دیئے جاؤ یاقوت کے سرخ گھوڑے پر اور وہ تجھے اُڑا کر جنت میں وہاں لے جائے جہاں تو چاہے گا مگر ایسا ہی ہوگا۔

راوی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور شخص نے پوچھا، اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا جنت میں اونٹ ہوں گے؟ پس آپ نے اس کو وہ جواب نہیں دیا جیسے اس کے ساتھی (پہلے سائل) کو دیا تھا، آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے تجھے جنت میں داخل فرمایا تو تیرے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تیرا جی چاہے اور آنکھیں لطف اندوز ہوں!

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ کی حدیث جو سفیان ثوریؒ سے مروی ہے اور مرسل ہے حدیث باب یعنی مسعودی کی روایت سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ سفیان بمقابلہ مسعودی اوثق واتقن ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"اِنِ اللّٰہُ اَدخَلَکَ الجنۃَ" شرط ہے اور جزاء اکثر نسخوں میں مقدر ہے یعنی "اِلّافعلت" یا "اِلّاحَمَلتَ کماتشاء جبکہ مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی "الافعلت" موجود ہے پھر فعلت بصیغہ مخاطب بھی مروی ہے معروف بھی ومجہول بھی، واحد مؤنث معروف بھی صحیح ہے (تدبر) پھر اِن اللہ میں اِن بکسر الہمزہ ہے کہ شرطیہ ہے جبکہ لفظ اللہ مرفوع علی شریطۃ التفسیر ہے۔

قولہ:"ان تحمل" بصیغہ مجہول۔

آپؐ نے جواب علی اسلوب الحکیم دیا یعنی جنت میں دنیوی گھوڑوں کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہاں کی ہر چیز کی طرح گھوڑے بھی انتہائی نفیس اور عمدہ ومزین ہوں گے چاہے آپ اسے فرش پر چلائیں یا فضاء میں اڑائیں جیسے موٹر، سکوٹر اور جہاز وغیرہ۔

آپؐ نے دوسرے سائل کو جواب قاعدہ کلیہ کی شکل میں دے دیا تاکہ سوالات کا غیر معمولی سلسلہ قائم نہ ہو جائے بلکہ ہر خواہشمند کے لئے یہ ضابطہ ہے کہ وہ جو چیز بھی پسند کرے گا وہ اسے ملے گی خواہ وہ گھوڑا یا اونٹ ہو یا اور طرح کی سواری چونکہ ایک زمانے کے لوگوں کے تصور میں آنے والے وقت کی اشیاء نہیں آتی ہیں اس لئے قاعدہ بتلا دیا کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ جنت میں بھی ہے تاہم دنیاوی چیزیں صرف ماڈل اور نمونے ہیں جبکہ جنتی اشیاء اصلی، حقیقی اور لافانی وجاویدانی ہیں۔

باب کی اگلی حدیث کا مضمون بھی اسی کے مطابق ہے البتہ اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس گھوڑے کے دو پر (بازو) ہوں گے، تجھے اس پر سوار کر دیا جائے گا پھر وہ تجھے اُڑا کر لے جائے گا جہاں تو چاہے گا، اگرچہ پہلی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھوڑا اُڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے جیسا کہ لفظ "تَطِیرُبِکَ" سے معلوم ہوتا ہے مگر کبھی کبھی طیران سرعت سے کنایہ بھی ہوسکتا ہے دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ وہاں معنی مجازی یعنی سرعت سیر مراد نہیں بلکہ اڑنا مراد ہے کیونکہ جناحان اڑنے کی تصریح کرتے ہیں۔

باب ماجاء فی سِنِّ اھل الجنۃ

(جنتیوں کی عمر کے بارے میں)

"یدخل اھل الجنۃ الجنۃَ جرداً مرداً مکحّلین ابناء ثلاثین اوثلاث وثلثین سنۃ".

(حدیث حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

جنت والے جنت میں بالوں سے صاف بے ریش سُرمہ گوں آنکھوں والے داخل ہوں گے جو تیس سال کے یا فرمایا کہ تینتیس سال کے ہوں گے۔

تشریح:۔حدیث کا پہلا حصہ ''باب ماجاء فی صفة ثیاب اهل الجنة'' میں عنقریب گزرا ہے۔

اس روایت میں اہل جنت کی عمر کے حوالے سے راوی کو شک ہے کہ ۳۰ سال ہوگی یا ۳۳، مگر امام احمدؒ، امام بیہقیؒ، امام طبرانیؒ اور ابن ابی الدنیاؒ نے بغیر شک کے ۳۳ سال نقل کیا ہے۔ کذا فی تحفۃ الاحوذی

یہاں یہ اشکال بظاہر وارد ہوتا ہے کہ جب داڑھیاں نہیں نکلی ہوں گی تو پھر وہ ۳۳ سال کے کیسے ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار ابتدائی عروج شباب کے بے ریش ونوعمر ونوجوان ہوں گے مگر ہڈی واعصاب کی قوت کے لحاظ سے اپنے کمال وانتہاء کو پہنچے ہوں گے علیٰ ہذا ان میں ابتدائی جوانی اور انتہائی طاقت دونوں صفات مجتمع ہوں گی جو ۳۳ سال ہیں۔ (تدبر)

باب ماجاء فی کم صف اهل الجنة

(جنتیوں کی صفیں کتنی ہوں گی؟)

''اهل الجنة عشرون ومائة صف ثمانون منهامن هذه الامة واربعون من سائر الامم''. (حسن)

حضرت بُریدہ بن حُصیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت والوں کی ایک سوبیس (۱۲۰) صفیں ہوں گی اسّی (۸۰) ان میں سے اِسی امت کی ہوں گی اور چالیس (۴۰) صفیں باقی (سب) اُمتوں کی ہوگی۔

تشریح:۔علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ یہ اسی (۸۰) صفیں باقی چالیس کی مساوی فی العدد ہوں گی تاکہ اس روایت کا آنے والی اور اُن دیگر روایات سے تعارض نہ آئے جن میں اس امت کو اہل جنت کا نصف قرار دیا گیا ہے، لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس توجیہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ظاہرِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام صفوف باہم مساوی ہوں گی علیٰ ھذا امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وتسلیما باقی اہل جنت کے مقابلے میں دوتہائی ہوگی اور جن روایات میں ربع، ثلث اور نصف فرمایا گیا ہے تو وہ اولین اطلاع اور آپؐ کی رجاء کے

Maktaba Tul Ishaat.com

مطابق ہے اور جیسے جیسے امت مرحومہ پر اللہ کا فضل ببرکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑھتا گیا تو ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ ان کی تعداد اہل جنت کی نسبت بہت زیادہ ہوگئی جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم تقریباً چالیس آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمے میں تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کے چوتھائی رہو؟ سب نے کہا ''ہاں جی'' آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش ہو کہ تم جنت والوں کے تہائی رہو؟ صحابہ نے جواب دیا ''جی ہاں'' آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر رضامند ہو کہ جنتیوں کے نصف (آدھے) ہو (پھر فرمایا) بے شک جنت میں سوائے مسلمان آدمی کے کوئی (غیر مسلم) داخل نہیں ہوگا، تم اہل شرک کی نسبت نہیں ہو مگر (اتنے) جیسے کالے بیل کی کھال پر سفید بال، یا فرمایا کہ سُرخ بیل کی کھال پر سیاہ بال کی طرح۔ (حسن صحیح)

یعنی مشرکین کی تعداد کے مقابلہ میں اس امت کی تعداد ایسی ہے جیسے کالے بیل کے جسم پر سفید بالوں کی تعداد یا سرخ بیل کے بدن پر کالے بالوں کی، جبکہ اہل جنت کے مقابلہ میں امۃ مرحومہ کی تعداد نصف ہوگی مگر اوپر بیان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع سے یہی امید تھی مگر اللہ نے ان کی توقع سے زیادہ آپؐ کو راضی فرمایا اور تعداد دو تہائی فرمادی قال اللہ تعالیٰ: ''وَلَسَوفَ يُعطِيكَ رَبُّكَ فَتَرضَىٰ''۔ (الضحیٰ آیت:۵)

باب ماجاء فی صفة ابواب الجنة

(جنت کے دروازوں کا تذکرہ)

''بابُ امتی الذی یدخلون منه الجنة عرضه مسیرة الراکب المجوّد ثلاثاً ثم انهم لَیُضغَطُونَ علیه حتیٰ تکادمناکبهم تزول''. (غریب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دروازے سے میری امت جنت میں داخل ہوگی اس کی چوڑائی تیز رفتار گھڑسوار کے تین (دن یا سال) کی مسافت ہے، پھر بھی اتنا ہجوم ہوگا اس دروازے پر کہ ان کے کندھے اُترنے کے قریب ہو جائیں۔

تشریح:۔ قولہ: ''الراکب المجوّد'' بصیغہ اسم فاعل راکب کا وصف بھی بن سکتا ہے اور سواری یعنی گھوڑے کا بھی، تجوید کے معنی جید اور عمدہ بنانے کے ہیں یعنی جو خوب تیز چلتا ہو جبکہ ''ثلاثا'' میں بھی دو احتمال ہیں کہ مراد تین دن ہو یا تین سال کی مسافت ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "لَیُضغَطُونَ" ضغط کے معنی دب جانے اور دبانے کے ہیں یعنی رش واز دحام کی وجہ سے ان کے کندھے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے قریب ہو جائیں گے۔ یہ کنایہ ہے کثرت سے ورنہ جنت میں یا اس میں داخل ہونے میں کسی طرح تکلیف نہیں ہوگی اگر چہ صراط پر کچھ کم وبیش مسائل ضرور بعض اہل ایمان کو پیش آئیں گے، مگر جنت کی حدود میں داخل ہونے کے بعد یہ تمام مسائل ختم ہو جائیں گے، مع ھذا یہ حدیث سند کے اعتبار سے کمزور بھی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے: "لِخَالدبن ابی بکر مناکیر عن سالم بن عبداللّٰہ"۔

باب ماجاء فی سُوق الجنة

(جنت کے بازار کے متعلق)

"عن سعیدابن المسیب انه لقی اباھریرة فقال ابوھریرة اسألُ اللهَ ان یجمع بینی وبینک فی سوق الجنة فقال سعیداَفیھاسوق؟قال نعم الخ". (حدیث غریب)

حضرت سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ ان کی ابو ہریرہؓ سے ملاقات ہوئی تو ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں جمع کر دے، تو سعید نے پوچھا کیا اس (جنت) میں بازار ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ جب اہل جنت اس (جنت) میں داخل ہوں گے تو وہ اپنے اپنے اعمال کے تفاضل کے مطابق اس میں سکونت پذیر ہوں گے، پھر دنیوی دنوں کے حساب سے (ہفتہ بھر کے بعد) بروز جمعہ ان کو بُلایا جائے گا تو وہ اپنے رب کی زیارت (دیدار) کریں گے (گویا سب ایک مقام پر جمع ہو جائیں گے) اور ان کو رب کا عرش دکھائی دے گا اور ان کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ جلوہ افروز ہوں گے جنت کے باغات میں سے ایک باغ میں، اور ان کے لئے کچھ منبر نور کے رکھ دیئے جائیں گے، کچھ موتیوں کے، کچھ یاقوت کے، کچھ منبر زبرجد کے، کچھ منبر سونے اور کچھ منبر چاندی کے اور ان (جنتیوں) کے کمتر بیٹھیں گے (دراں حالیکہ جنت میں کوئی کمتر نہیں) مشک اور کافور کے ٹیلوں پر وہ یہ نہیں سمجھیں گے کہ کرسیوں پر بیٹھنے والے ان سے افضل ہیں نشستوں کے اعتبار سے (حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" بھلا کیا تمہیں سورج کے دیکھنے میں یا چودھویں رات کے چاند میں شک ہے؟ ہم نے کہا کہ نہیں! آپؐ

Maktaba Tul Ishaat.com

نے فرمایا اسی طرح تم شک نہیں کرو گے اپنے رب کے دیدار میں (یعنی کوئی ابہام باقی نہیں رہے گا اور نہ ہی استبعاد رہے گا)۔

چنانچہ اس مجلس میں کوئی نہیں بچے گا مگر اس سے روبرو اللہ گفتگو فرمائیں گے بالمشافہ، یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص سے فرمائیں گے اے فلان ولدِ فلان! کیا تجھے وہ فلان دن یاد ہے جب تم نے ایسا ویسا کہا تھا؟ چنانچہ اسے دنیا کی کچھ بے وفائیاں اس کی یاد دلائیں گے (یعنی گناہ) پس وہ شخص کہے گا اے میرے رب! کیا تم نے مجھے نہیں بخشا ہے؟ اللہ فرمائیں گے کیوں نہیں میری وسعتِ مغفرت ہی کی بدولت تو تم اپنے اس درجہ پر فائز ہوا، دریں اثناء وہ اسی گفتگو میں مشغول ہوں گے کہ ان کے اوپر سے ایک بادل ان کو ڈھانپ لے گا سو وہ ان پر ایسی (عمدہ) خوشبو برسائے گا کہ انہوں نے اس کی خوشبو کی طرح کوئی چیز نہیں پائی ہوگی، اور ہمارا رب فرمائیں گے جاؤ اس کرامت کی طرف جو میں نے تمہارے لئے تیار کی ہے، اور جو چاہو وہ لے لو، چنانچہ ہم ایک بازار میں آئیں گے جس کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا (اس بازار کا عالم یہ ہوگا کہ) نہ تو آنکھوں نے اس جیسا کبھی دیکھا ہوگا اور نہ ہی کبھی کانوں نے سُنا ہوگا، اور دلوں میں اس کا تصور تک نہیں گذرا ہوگا، وہاں ہمارے سامنے ایسی چیزیں پیش کر دی جائیں گی جیسا ہی ہم چاہیں گے حالانکہ نہ تو وہاں بیع ہوگی اور نہ ہی شراء، اور اس بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے، آپؐ نے فرمایا کہ اونچے درجے والا ایک شخص اس جنتی کی طرف متوجہ ہو کر ملے گا جو اس سے درجہ میں کمتر ہوگا حالانکہ وہاں کوئی (دراصل) کمتر نہیں ہوگا پس اس کم درجے والے کو وہ لباس پسند آئے گا جو بلند درجہ والے پر ہے، پس ابھی اس سے بات چیت ختم نہیں ہوگی کہ اس کے جسم پر ظاہر ہوگا اس سے بھی اچھا لباس، اور یہ اس لئے کہ کسی جنتی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ جنت میں پریشان ہو جائے، پھر ہم اپنے اپنے محلات کی جانب لوٹیں گے تو ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی (یعنی ملنے کے لئے آئیں گی) سو وہ ترحیب وتہلیل یعنی خوش آمدید کہیں گے اور یہ کہ یقیناً آپ جس حالت میں ہمارے پاس سے چلے گئے تھے اس سے زیادہ حسن وجمال لے کر آئے ہیں! پس ہم جواب میں کہیں گے کہ آج ہم نے اپنے رب پروردگار کے ساتھ (بلا بیانِ وتصورِ کیف) مجالست کی ہے اس لئے ہم جس طرح لوٹے ہیں ہم اسی کے سزاوار ہیں۔

تشریح لغات:۔قولہ: "فی مقدار یوم الجمعة" اس سے مراد دنیوی ہفتے جتنا وقفہ بھی ہوسکتا ہے مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دنیوی سات دن کے بقدر جمعہ والا دن مراد ہے یعنی ہر جمعہ کے روز۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "ویبرز" ای یظھر۔

قولہ: "وَیَتَبَدّیٰ" بَدَایَبدُو بمعنی یظھر ویَتَجلّیٰ۔

قولہ: "ویجلس ادناھم" چونکہ ادنیٰ بمعنیٰ کم گریڈ اور نچلے درجے کے بھی آتا ہے جو یہاں مراد ہے یعنی اوپر والے درجوں سے نیچے اور بمعنی خسیس ونکمہ کے بھی آتا ہے جن کو عرف میں سَفَلَہ کہا جاتا ہے جو یہاں مراد نہیں اس لئے احتمال ثانی کی نفی فرمادی کہ "ومافیھم من دنیّ" یعنی جنت میں کمینہ اور نکمہ کوئی نہیں ہے۔

قولہ: "تتمارون" مِریۃ بکسر المیم سے بمعنی شک کرنے کے ہے۔

قولہ: "اِلاحَاضَرَہ" محاضرہ آمنے سامنے گفتگو یعنی مکالمہ کو کہتے ہیں یعنی اس بات چیت کے دوران کوئی حجاب یا کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔

قولہ: "غدراتہ" بفتحاتٍ غدرۃ کی جمع ہے اصل میں بے وفائی کو اور دھوکہ کو کہتے ہیں مگر گناہ میں چونکہ عہدِ ربوبیت والتزامِ حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس لئے معصیت کو غدر کہا جاتا ہے، یہ تذکیر از دیادِ شکر کے لئے ہے۔ قولہ: "مالم تنظر" سوق سے بدل ہے یعنی "نأتی سوقاً لم تنظر العیون الخ"۔ قولہ: "فیروعہ" ای فیعجبہ یعنی اس ادنیٰ کو اعلیٰ جنتی کا لباس پسند آجائے گا۔

قولہ: "حتیٰ یُخیّلُ الیہ" بصیغہ مجھول ای یظھر علیہ الخ یعنی اول ملاقات میں ادنیٰ جنتی کے دل میں اعلیٰ لباس پر رشک آئے گا تو ابھی ان کی بات چیت ختم نہیں ہوئی ہوگی کہ اس کے بدن پر اس سے بھی اچھا لباس ظاہر ہوجائے گا، اس سے ملتے جلتے مضمون کی حدیث حضرت انسؓ سے مسلم میں بھی مروی ہے۔ (مسلم: ج:۲ص۳۷۹)

حدیث آخر:۔ جنت میں ایک بازار ہے جس میں خرید وفروخت نہیں ہے مگر تصاویر (شکلیں) ہوں گی مردوں اور عورتوں کی پس جب کوئی شخص کوئی شکل پسند کرے گا تو وہ اس میں داخل ہوجائے گا (یعنی اس کی شکل اسی طرح بن جائے گی)

اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے موضوعات میں سے شمار کیا ہے جیسا کہ حاشیہ قوت المغتذی پر ہے بوجہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے مگر امام حاکمؒ نے ان کی دوسری حدیث کی تصحیح کی ہے اور ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں ان کی حدیث کی تخریج کی ہے امام احمدؒ نے بھی فرمایا ہے کہ "لیس بشئی منکر الحدیث"۔

چونکہ اس حدیث میں "دخل فیھا" کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنتی اس تصویر کے اندر

Maktaba Tul Ishaat.com

داخل ہوگا حالانکہ یہ تو مستبعد ہے اس لئے اس کی سند پر کلام ہوا مگر اس کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ تصویر سے مراد شکل ہے اور اس میں داخل ہونے سے مراد متشکل ہونا ہے یعنی اس کی شکل مرئی شکل کی طرح ہو جائے گی لہٰذا اس میں استبعاد نہیں ہے۔

بناء بر ہر تقدیر یہ تبدیلی ذات میں نہیں ہوگی بلکہ اوصاف میں ہوگی اور جنتی لوگ مسلسل حسن و جمال میں ترقی کرتے رہیں گے تو جس طرح دنیا کے فیشن کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور وقتاً فوقتاً نیا نیا فیشن آتا رہتا ہے اسی طرح جنت میں بھی ہوگا۔ (تدبر)

باب ماجاء فی رؤیة اللہ تبارک وتعالیٰ

(اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار کے بارے میں)

"عن جریر بن عبداللہ البَجَلی قال کُنا جلوساعندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنظر الی القمر لیلة البدر فقال: انکم ستُعرضون علی ربکم فَتَرونه کما ترون هذاالقمر، لاتضامون فی رؤیته فان استطعتم ان لاتُغلبُوا علی صلوٰة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبهافافعلوا ثم قرأ: "فسبح بحمدربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب". (صحیح)

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے پس تم اس کو دیکھو گے جیسا کہ دیکھتے ہو اس چاند کو، اس کے دیکھنے میں تمہارے سامنے کوئی آڑ نہیں کی جائے گی (یا زحمت نہیں اٹھاؤ گے) پس اگر تم سے ہو سکے کہ (اپنے کاموں کی وجہ سے) تم سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے کی نمازوں میں مغلوب نہ ہوں تو ایسا ہی کرو! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ لی الخ۔

تشریح:۔ قولہ: "لاتضامون" بضم التاء جبکہ میم کو بالتشدید والتخفیف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں تخفیف کی صورت میں ضیم سے ہے بمعنی ظلم کے یعنی کوئی کسی کے آڑے نہیں آئے گا اور رکاوٹ نہیں بنے گا بلکہ سب لوگ بآسانی دیکھ سکیں گے، جبکہ تشدید کی صورت میں انضمام کے معنی میں ہے بمعنی ازدحام کے یعنی اس دیدار میں کسی طرح مزاحمت نہیں ہوگی کہ بعض نہ دیکھ سکے بلکہ سب لوگ بغیر زحمت وبغیر ازدحام کے اسی طرح

Maktaba Tul Ishaat.com

دیکھیں گے جیسے چودھویں کا چاند بغیر رش کے دیکھا جاسکتا ہے، بناء بر ہر تقدیر تشبیہ کا مقصد یہ ہے کہ نہ تو وہاں کوئی کسی پر ظلم کر کے اس کا حق دیدار چھین سکے گا اور نہ ہی رش کی وجہ سے کوئی زحمت اٹھانی پڑے گے۔

یہ حدیث اور اسی طرح دیگر متعدد احادیث اور قرآنی آیات اللہ تبارک وتعالیٰ کی رؤیت پر صریح ناطق ہیں کہ اہل ایمان آخرت میں دیدار الٰہی کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوں گے، اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے جیسا کہ شرح عقائد وغیرہ میں تفصیلاً بیان ہوا ہے جبکہ معتزلہ ایسی تمام نصوص میں تاویل کرتے ہیں کیونکہ وہ دیدار الٰہی کے منکر ہیں جیسا کہ ان کے اصول ہیں کہ ہر حکم کو مادی فلسفہ واسباب پر، پرکھتے ہیں تو بقول ان کے چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دیدار میں بھی وہی شرائط ہونی چاہئے جو مادی اشیاء کے دیکھنے کے لئے ضروری ہیں جبکہ اللہ عزوجل ان اسباب سے عالی وپاک ہے اس لئے اس کو دیکھنا ممکن نہیں پس اس آیت ''الی ربھا ناظرۃ'' کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے رب کی نعمتوں کی طرف دیکھ رہے ہوں گے یعنی ''الی نعم ربھا ناظرۃ'' اسی طرح باقی نصوص میں بھی تاویل کرتے ہیں۔

ہمارے اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ایسی تمام نصوص کو بلا تاویل ظاہر پر رکھنا اور حقیقی دیدار پر محمول کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ تاویل خلاف ظاہر ہے اور جہاں تک معتزلہ کی دلیل کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عالم آخرت کے احوال کو دنیا کے حالات واسباب پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جب یہ پردہ اُٹھ جائے گا تو اسباب کی تمام عمارات منہدم ہو جائیں گی۔

پھر حدیث باب میں ان دو نمازوں کا ذکر ان کی زیادہ اہمیت کے لئے بھی ہے اور اس لئے بھی کہ ان دو نمازوں کے قضاء ہونے کا خدشہ پایا جاتا ہے۔ کہ صبح آدمی سویا رہتا ہے بستر چھوڑ کر اُٹھنا مشکل ہوتا ہے جبکہ عصر کا وقت مصروفیات کی بناء پر تنگ ومختصر سا محسوس ہوتا ہے، نیز دیدار الٰہی صبح وشام ہوگا اس لئے ان نمازوں کی تاکید فرمائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز دیدار خداوندی کا ذریعہ ہے لہٰذا آدمی جتنی زیادہ نمازیں پڑھے گا اتنا ہی کثرت سے دیدار نصیب ہوگا۔ علاوہ ازیں جب کوئی کسی سے ملنے جاتا ہے تو اس کی ضیافت بھی کی جاتی ہے اور ملاقات بھی، تو شرف ملاقات کا ثبوت تو یہاں سے معلوم ہوا اور ضیافت کا ثبوت مسلم وغیرہ کی صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جتنی مرتبہ مسجد میں جاتا ہے تو ہر مرتبہ جانے کے عوض جنت میں اس کے لئے نُزُل یعنی مہمان نوازی کا کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ (تدبر)

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ حضرت صُہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت "للذین احسنوا الحُسنیٰ وزیادۃ" ۔(یونس) جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لئے بڑی خوبی یعنی جنت ہے اور اس پر زیادتی ہے، کے بارے میں فرمایا کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ایک پکارنے والا پکار کر بولے گا کہ اللہ کے پاس تمہارا ایک وعدہ (باقی) ہے جنتی کہیں گے کیا اللہ نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں بخشی؟ اور ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا (پھر کون سا وعدہ؟) وہ (منادی) کہیں گے کیوں نہیں! اس کے ساتھ حجاب اٹھا دیا جائے گا آپؐ نے فرمایا بخدا اللہ کو دیکھنے سے زیادہ کوئی پسندیدہ نعمت ان کو عطا نہیں کی (یعنی حجابِ نورانی رفع ہوگا)۔

حدیث آخر:۔ "ان ادنیٰ اھل الجنۃ منزلۃً لَمَن ینظر الی جِنانہ وزوجاتہ الخ".

بے شک جنتیوں میں سب سے کم درجے والا وہ ہوگا جو اپنے باغات، اپنی بیویوں، اپنی نعمتوں، اپنے خادموں اور اپنے تختوں (پلنگوں) کی طرف دیکھے گا جو ہزار سال مسافت کی بقدر پھیلے ہوئے ہوں گے جبکہ جنتیوں میں سے سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہوگا جو اللہ کی ذات کو صبح وشام دیکھے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: "وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ" بہت سے چہرے اس دن تر وتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

قولہ: "لَمَن ینظر الخ" یہاں کلام میں تقدیم وتاخیر ہے اصل میں لَمَن ینظر الخ اسم اِنَّ ہے اور ادنیٰ اھل الجنۃ خبر مقدم ہے کیونکہ اصل مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہزار سال کی مسافت پر پھیلی ہوئی نعمتوں کی طرف دیکھے گا وہ ادنیٰ جنتی ہے اور جو شخص اللہ کا دیدار صبح وشام کرے گا وہ معزز جنتی ہے۔

قولہ: "جِنانہ" بکسر الجیم جمع جنت کی ہے۔

قولہ: "زوجاتہ" زوجۃ کی جمع ہے۔

قولہ: "نعیم" جمع نعمت۔

قولہ: "خدم" جمع خادم اور "سُرُر" بضمتین جمع سریر کی ہے، دونوں حدیثوں کی سند پر امام ترمذیؒ نے حکم دتی نہیں لگایا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن ابی سعیدالخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ان اللہ یقول لاھل الجنۃ: یااھل الجنۃ فیقولون لبیک وسعدیک فیقول :ھل رضیتم ؟فیقول مالنالانرضیٰ وقد اعطیتَنامالم تُعطِ احداً من خلقک فیقول :اناعطیکم افضل من ذالک،قالواوایّ شیٔ افضل من ذالک قال اُحِلُّ علیکم رضوانی فلااسخط علیکم ابداً". (حسن صحیح)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے: اے جنت والو! پس وہ کہیں گے: لبیک اے ہمارے رب وسعدیک! پھر فرمادیں گے: کیاتم راضی ہوگئے؟ تو وہ عرض کریں گے کہ کیا ہوا ہم کو کہ ہم خوش نہ ہوں گے حالانکہ آپ نے ہمیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا، پس اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے: میں تمہیں ان سب سے بہتر چیز دے رہا ہوں! جنتی پوچھیں گے: ان سب سے افضل کیا ہوسکتا ہے؟ اللہ جل جلالہ فرمائیں گے کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کررہا ہوں، چنانچہ میں کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

تشریح:۔قولہ:"لبّیک وَسعدیک" اس کے لغوی معنی اور صیغوں کے متعلق تحقیق "باب ما جاء فی التلبیۃ" ج:۳ص:۴۵۵ پر گذری ہے۔فلیراجع

قولہ:"اُحِلُّ علیکم رضوانی" بضم الھمزۃ وکسر الحاء بمعنی انزل اتار رہا ہوں، چونکہ جنتی مہمانوں کی طرح تیار کھانوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں نہ کمانے کی فکر اور نہ ہی پکانے کی، لیکن مہمان کے لئے صاحب خانہ کی طرف سے قدر واکرام کا اظہار ضیافت کی تمام انواع سے بڑی اطمینان بخش تکریم ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو ساری نعمتیں فراہم کرنے کے بعد ان کو تسلی واطمینان دلائیں گے کہ میں تم سے خوش ہوں اور یقیناً یہ ایسی بات ہے کہ ہر جنتی کے دل سے ہر قسم کا احساس کمتری، شرمندگی اور ماضی کی تمام کوتاہیوں کے تصور سے گھبراہٹ کا ازالہ کرتی ہے قال اللہ تعالیٰ :"وعداللہ المؤمنین والمؤمنات جنّٰت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھاومسٰکن طیّبۃ فی جنّٰت عدن ورضوان من اللہ اکبرُ"۔(التوبۃ آیت:۷۲) اور جب رضامندی ہوگی تو اہل جنت اللہ کے دیدار سے بھی مستفید ومحظوظ ہوتے رہیں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی ترائی اهل الجنة فی الغُرَفِ

(جنتیوں کا بالا خانوں سے ایک دوسرے کو دیکھنا)

"عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ان اهل الجنة لَيَتَرَاءَونَ فی الغُرفَة كمايَتَرَاءَونَ الكوكبَ الشرقی اوالكوكبَ الغربی الغاربَ فی الأفق اوالطالعَ، فی تفاضل الدرجات فقالوايارسول الله! اولئک النّبيون؟ قال: بلیٰ والذی نفسی بيده واقوامٌ امنوا بالله ورسوله وصَدَّقَ المرسلين". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی ایک دوسرے کو بالا خانوں میں سے دیکھیں گے جیسے وہ (دنیا میں) دیکھتے ہیں شرقی ستارے کو یا مغربی تارے کو افق (کنارہ) میں ڈوبتا ہوا یا طلوع ہوتا ہوا درجات میں تفاوت کی بناء پر، پس صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ انبیاء ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" اور بخدا (انبیاء کے علاوہ) وہ لوگ بھی ہوں گے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہوں گے اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہوگی۔

تشریح: ۔قولہ: "فی تفاضل الدرجات" صحیحین کی روایت میں لام اجلیہ کے ساتھ ہے یعنی لِيَتَفَاضل مابينهم جس کا مطلب یہ ہے کہ نچلے درجوں والے اوپر کے درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے دنیا میں ستاروں کو آسمان کے کناروں پر طلوع وغروب کے وقت دیکھا جاسکتا ہے، یعنی جنّات اور جنتیوں کے محلات چونکہ لامتناہی خلاء میں واقع ہیں اور اس خلاء کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر جگہ سے دوسرا مقام ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسا کہ ہم چاند کو اوپر اور افق پر محسوس کرتے ہیں اسی طرح جو شخص چاند پر ہوگا وہ زمین کو بھی چاند کی مانند یا ستارے کی طرح اوپر یا افق پر محسوس کرے گا جیسا کہ اس فن والے ادنیٰ تأمل سے جان لیتے ہیں، نیز باوجود دوری کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے البتہ کائناتی نظام میں سیارے اپنی محوری حرکت کی وجہ سے غائب ہوجاتے ہیں یعنی نظروں سے اوجھل ہوجاتے ہیں جبکہ جنت میں محلات اپنی اپنی جگہ ساکن رہیں گے اور جنتی جب بھی چاہیں تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے البتہ وہاں کوئی عرش سے زیادہ قریب ہوگا اور کوئی کم قریب جس سے ان کے درجات متفاوت ہوں گے۔ (تدبر)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی خلود اهل الجنة واهل النار

(اہل جنت واہل دوزخ کے ہمیشہ رہنے کا بیان)

"عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يجمع الله الناس يوم القيٰمة فی صعيد واحد ثم يطلع عليهم رب العٰلمين فيقول: اَ لَا يتّبِعُ كُلّ انسان ماكانوا يعبدون فيُمثّلُ لصاحب الصليب صليبه ولِصاحب التصاوير تصاويره ولصاحب النار ناره فيتبعون ماكانوا يعبدون ويبقىٰ المسلمون فيطلع عليهم رب العالمين فيقول: اَ لَاتتبعون الناس؟ فيقولون نعوذ بالله منک ونعوذ بالله منک؟ اللهُ رَبنا وهذا مكاننا حتىٰ نَرىٰ ربنا، وهو يأمرهم ويثبّتهم ثم يتوارىٰ ثم يطلع فيقول اَ لَاتتبعون الناس؟ الخ". (حسن صحيح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کریں گے اور پھر رب العٰلمین ان پر جلوہ فرمائیں گے اور فرمائیں گے: کیا ہر شخص اپنے اپنے معبود کی پیروی نہیں کرتا (یعنی جو جس کی عبادت کرتا تھا اسی کے پیچھے چلا جائے) پس صاحبِ صلیب (سولی) کے لئے اس کی صلیب پیکر محسوس بنادی جائے گی اور مورتیوں والوں کے لئے ان کی مورتیاں، اور صاحب نار کے لئے اس کی آتش (یعنی جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہی معبود اس کے سامنے اُبھرے گا) پس وہ تمام لوگ ان ان معبودوں کے پیچھے چلے جائیں گے جن جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے جبکہ مسلمان باقی رہ جائیں گے پس ان پر رب العٰلمین جھانکیں گے (یعنی تجلی فرمائیں گے) اور فرمائیں گے کیا تم ان لوگوں کے پیچھے نہیں جاتے؟ پس اہل ایمان کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں وَنَعُوذُ بِاللهِ منک، ہمارا پروردگار (یعنی معبود) تو اللہ ہی ہے اور یہی ہماری جگہ ہے (یعنی ہم یہیں رہیں گے) یہاں تک کہ ہم اپنا پروردگار دیکھ لیں، اور وہ (اللہ) بھی ان کو ٹھہرنے کا حکم دیں گے اور ان کو ثابت قدمی دیں گے، پھر اوجھل ہوکر پھر تجلی فرمائیں گے اور فرمائیں گے تم کیوں لوگوں کے ساتھ نہیں جاتے؟ وہ کہیں گے ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں نعوذ باللہ منک! ہمارا رب تو اللہ ہی ہے اور ہم اسی جگہ انتظار کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اپنے رب کو دیکھیں! اور اللہ بھی ان کو ٹھہرنے کا حکم دیں گے اور ان کو ثابت قدم رکھیں گے۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اللہ کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا تم چودھویں

Maktaba Tul Ishaat.com

رات کے چاند دیکھنے میں ضرر پاتے اور پہنچاتے ہو؟ (یعنی کوئی کسی کے دیکھنے میں مزاحم بنتا ہے؟) صحابہ نے فرمایا: نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا تو تمہیں بھی اُس وقت (یعنی دیدار خداوندی میں) کسی طرح کا ضرر نہیں ہوگا، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے غائب ہو جائے گا اور پھر اوپر سے ظاہر ہو کر ان کو اپنی پہچان کرائیں گے، پھر فرمائیں گے: میں تمہارا رب ہوں پس تم میری پیروی کرو چنانچہ سب مسلمان اٹھیں گے۔ اور اس ساتھ کے پل صراط رکھا جائے گا (یعنی نصب کیا جائے گا) پس لوگ اس پر سے تیز رفتار گھوڑے اور تیز اونٹ کی طرح گذریں گے اور ان کا ''بول'' اس پل پر ''سَلِّم سَلِّم'' (بچاؤ بچاؤ ہوگا)۔

اور باقی رہ جائیں گے دوزخی لوگ تو جب ان میں سے ایک گروہ جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی: کیا اور بھی ہیں؟ چنانچہ ایک گروہ مزید ڈالا جائے گا، اس سے پھر پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی؟ (یعنی سیر ہو گئی؟) وہ کہے گی مزید بھی کچھ ہے؟ (غرض گروہ در گروہ ڈالتے ڈالتے) یہاں تک کہ جب سب اس کے اندر جھونک دیئے جائیں گے تو رحمٰن اپنا قدم اس پر رکھ دیں گے (کمایلیق بشانہ) اور جہنم کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے سمٹ جائے گا پھر اللہ پوچھے گا ''بس!'' وہ کہے گی بس! بس! پس جب اللہ تعالیٰ جنت والوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور دوزخ والوں کو دوزخ میں، تو موت کو لایا جائے گا گریبان (گردن) سے پکڑ کر، پس اسے اس دیوار پر کھڑا کر دیا جائے گا جو اہل جنت واہل نار کے درمیان ہوگی، پھر کہا جائے گا (یعنی اعلان ہوگا) اے اہل جنت! پس وہ خوف زدہ ہو کر جھانکیں گے پھر پکارا جائے گا اے اہل نار! تو وہ خوش ہو کر جھانکیں گے کہ ان کو سفارش کی امید پیدا ہوگی، پس اہل جنت واہل دوزخ سے کہا جائے گا، کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ تو یہ اور وہ سب کہیں گے ہم نے اس کو پہچانا یہ وہ موت ہے جو ہم پر مقرر و مسلط کی گئی تھی، پس اسے لٹا دیا جائے گا اور دیوار پر اچھی طرح ذبح کر دیا جائے گا (یعنی یک بارگی خاتمہ کر دیا جائے گا) پھر اعلان کر دیا جائے گا: اے جنت والو! تم جنت میں ہمیشہ رہو اب کوئی موت نہیں آئے گی اور اے دوزخ والو! اب ہمیشہ زندہ رہنا ہے اب کوئی موت نہیں!۔

تشریح:۔ قولہ: ''فی صعید'' کشادہ، ہموار زمین۔ قولہ: ''ثم یطلع علیھم'' طلوع کا لفظ عموماً نورانی مخلوق کے نمودار ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کی صفات اور حدوث کی جمیع سمات سے منزہ، پاک ومتعالی ہے اس لئے یہاں مراد ظہور یعنی تجلی ہے، پھر قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار کس طرح نصیب ہوگا؟ تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ کے باب ''ذکر عالم المثال'' میں اس پر تفصیلی

Maktaba Tul Ishaat.com

بحث فرماتے ہوئے ابن الماجشون کا قول نقل کیا ہے:

"ان کل حدیث جاء فی التنقل والرؤیة فی المحشر فمعناه: انه یُغَیِّرُ ابصارَ خلقه فَیَرَونَه نازلاً متجلیًا ویناجی خلقه ویخاطبهم وهو غیر متغیّر عن عظمته ولا منتقل لِیعلَموا ان الله علی کل شیٔ قدیر".

یعنی ہر وہ حدیث جو اللہ تعالیٰ کے منتقل ہونے اور محشر میں اسے دیکھنے کے بارے میں ہو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی آنکھوں میں تبدیلی کر دیں گے پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اُترتا ہوا، تجلی کرتا ہوا دیکھیں گے اور اپنی مخلوق سے سرگوشی فرمائیں گے اور ان سے بات چیت کریں گے جبکہ وہ اپنی عظمت سے نہیں بدلیں گے اور نہ ہی منتقل ہوں گے (یہ صرف اس لئے) تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگرچہ امام شاہ ولی اللہؒ نے ایسی تمام روایات کو ظاہر پر حمل کرتے ہوئے عالم مثال پر دلیل بنایا ہے اور اصولی طور پر نصوص کو ظاہر پر محمول کرنا ہی اسلم طریقہ ہے اِلّا یہ کہ کوئی ناگزیر وجہ تاویل کو ضروری کر دے، تب تاویل کا راستہ اپنایا جائے گا۔

یہاں ابن الماجشونؒ کا قول صرف تقریب الی الفہم کے لئے نقل کیا گیا ہے کیونکہ اس سے حدیث الباب کے سمجھنے میں بڑی حد تک مدد ملتی ہے کہ اہل اسلام کبھی اس کو نہیں پہچانیں گے اور کبھی پہچان لیں گے۔ (تدبر)

قولہ: "ویبقیٰ المسلمون" اس روایت میں گویا اس مقام پر اختصار ہے جبکہ صحیحین میں ہے کہ: "وتبقیٰ هذه الامة فیها منافقوها الخ" یعنی باقی اہل ادیان چلے جائیں گے جبکہ اس امت کے مسلمان اور منافق میدان محشر میں باقی رہ جائیں گے جیسا کہ حدیث کے آخر میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ اہل جنت تو تیز گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح چلے جائیں گے "ویبقیٰ اهل النار الخ" اگرچہ یہاں اہل نار سے مراد دوسرے کفار بھی ہو سکتے ہیں جو سُست روی کی وجہ سے ابھی تک راستہ میں ہوں گے۔

قولہ: "فیقولون نعوذ باللہ منک" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے ابھی تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہیں پہچانا ہوگا اس لئے وہ یہ سمجھ کر کہ اللہ تو فحشا اور باطل کا حکم نہیں دیتا پھر ہمیں کیسے کہا جا رہا ہے کہ تم ان اہل باطل کے ساتھ کیوں نہیں جاتے؟ شاید یہ کوئی استدراج ہے اس لئے وہ پناہ مانگیں گے، کیونکہ دنیا میں تو وہ اپنے رب کے بارے میں یہی جانتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ حق بات فرماتے ہیں اور اسی لئے جب

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ آخری بار ان کو اپنی پیروی کا حکم دیں گے تو وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

قولہ: "ھل تضارون" بضم التاء جبکہ راء کی تشدید وتخفیف دونوں جائز ہیں شد کی صورت میں یہ ضرر سے مشتق ہے جبکہ تخفیف کی صورت میں ضیر سے مشتق ہے معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔ کیونکہ ضمیر راجع ہے ضرر کی طرف یعنی جس طرح تمہیں چودھویں رات کے چاند دیکھنے میں کوئی ضرر نہیں ہوتا اسی طرح اللہ کے دیدار میں بھی کوئی ضرر نہیں ہوگا یعنی مزاحمت نہیں ہوگی، پھر تضارون باب تفاعل کی خاصیت کی بناء پر جانبین سے فعل کو مقتضی ہے، یعنی کوئی کسی کو عدم رؤیت کا ضرر نہیں پہنچا سکے گا جیسے بدر دیکھنے میں کوئی کسی کا مزاحم نہیں بنتا۔

قولہ: "ثم یتواری" یعنی مکالمہ منقطع فرمادے گا۔

قولہ: "فیُعَرِّفُھم نفسَہ" امام ترمذیؒ نے باب کے آخر میں اس کا مطلب بیان کیا ہے یعنی "یتجلّٰی لھم" یعنی ان صفات کے ساتھ تجلی فرمائیں گے جن کو اہل ایمان جانتے ہیں۔

قولہ: "مثل جیاد الخیل الخ" یہاں اختصار ہے جبکہ دیگر صحیح روایات میں ہے کہ بعض بجلی کی طرح صراط عبور کریں گے، گویا یہاں عام اہل ایمان کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایات میں تفصیل ہے۔

قولہ: "أُوعِبُوا" بصیغہ مجہول ایعاب مکمل کرنا یعنی سارے ڈالے جائیں گے۔

قولہ: "قَدَمَہ الخ" یہ متشابہات میں سے ہے جس کے بارے میں امام ترمذیؒ نے اسلاف کا قول اس باب میں بھی نقل کیا ہے اور ہم نے اس پر تفصیلاً پہلے بحث کی ہے فلانعیدھا۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص:۳۰۷ ج:۲ "باب ماجاء فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ الی السماء الدنیا کل لیلۃ" قُبیل ابواب الوتر) غرض منصوص کا انکار نہیں کیا جائے گا اور کیف بیان کرنے سے اجتناب ضروری ہے جبکہ عند الضرورت مناسب تاویل کی جائے گی۔

حدیث آخر:۔ "اُتِیَ بالموت کالکبش الاملح الخ" یعنی قیامت کے دن موت کو لایا جائے گا جو سفید مائل بسیاہی رنگ کے مینڈھے کی شکل میں ہوگی، سابقہ روایت میں تھا کہ "مُلَبَّباً" ہوگی یعنی گردن سے پکڑی گئی ہوگی لبہ اصل میں اس کو کہتے ہیں جس کے کپڑے یا گریبان ہنسلی کی ہڈی پر جمع کر کے پکڑا جائے، چنانچہ اسے ذبح کرنے سے اہل جنت کی خوشی کی انتہاء نہ رہے گی اور دوزخ والوں کے غم کا کوئی منتہاء نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر کوئی خوشی یا غم سے مرتا تو یہ دونوں فریق مرجاتے مگر وہاں تو موت نہیں آتی، ابن تیمیہ وابن قیم جہنم کے فناء کے قائل ہیں مگر یہ ان کا تفرد ہے۔ جیسا کہ پہلے بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ عالم مثال میں معانی کا مجسم ہونا کوئی

Maktaba Tul Ishaat.com

انہونی بات نہیں فتدکر۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال پر تفصیلی بحث کی ہے حاشیہ قوت المغتذی میں دوسری توجیہ ذکر کی گئی ہے جو آسان تر ہے فلینظر من شاء۔

باب ماجاء حُفَّتِ الجنة بالمكارِه

وحُفَّتِ النار بالشهوات

(جنت ناگواریوں کے ساتھ اور جہنم ہوَسوں کے ساتھ گھیری گئی ہے)

"عن انس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: حُفَّتِ الجنة بالمكاره وحُفَّتِ النار بالشهوات". (حسن غريب صحيح)

جنت کو تکالیف کے ساتھ گھیرا گیا ہے اور دوزخ کو شہوتوں کے ساتھ گھیرا گیا ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "حُفَّت" بصیغہ مجہول حفاف سے بمعنی حجاب کرنے، ڈھانپنے اور احاطہ کرنے کے آتا ہے۔ قولہ: "المكاره" مکروہ کی جمع ہے جو چیز طبیعت کو ناگوار گذرے، یعنی جنت اور جہنم دونوں کو حجابوں میں محجوب بنایا گیا ہے تاہم جنت کے پردے امور شاقہ ہیں جبکہ جہنم کے حجاب امور مرغوبہ ہیں البتہ اتنا سا فرق ہے کہ جنتی دراصل جنت کا طالب ومتلاشی ہوتا ہے مگر جنت میں جانے کے لئے اُس حجاب کو چاک کرنا اور عبور کرنا پڑتا ہے جو مشقتوں کا مرقع ہے جیسے جہاد، نماز، روزہ وغیرہ جبکہ جہنمی دراصل ان خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے اور پھر ان میں واقع ہو جاتا ہے جو دوزخ کے اوپر حجاب کی صورت میں موجود ہیں مگر ان میں گھستے ہی وہ جہنم میں جا گرتا ہے یا مستحق ہو جاتا ہے۔

غرض جنت میں جانے کے لئے جنت ہی کی طلب ضروری وناگزیر ہے۔ جبکہ دوزخ میں جانے کے لئے دوزخ کی نیت وطلب شرط نہیں بلکہ جہنم کے اِردگرد خواہشات کے جال میں پھنسنا بھی کافی ہے۔ (تدبر)

حدیث آخر:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ نے جنت اور جہنم کو پیدا کیا تو جبرئیل امین کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا جنت دیکھ لو اور ان چیزوں کو دیکھو جو میں نے جنت والوں کے لئے اس میں تیار کی ہیں، چنانچہ جبرئیلؑ نے جنت کی طرف نظر کی اور ان نعمتوں کی طرف بھی جو اللہ نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کی ہیں، آپؑ نے فرمایا پس وہ (جبرئیلؑ) واپس لوٹے اللہ کی طرف اور فرمایا: تیری عزت کی قسم! نہیں سنے گا اس کا حال کوئی مگر وہ ضرور اس میں داخل ہوگا!!! پس

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ نے اس کے بارے میں حکم دیا۔ چنانچہ وہ دشواریوں کے ساتھ گھیری گئی پھر فرمایا دوبارہ اس کی طرف جاؤ اور ان چیزوں کی طرف دیکھو جو میں نے جنت والوں کے لئے اس میں تیار کی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ واپس جنت کی طرف لوٹے تو دیکھا کہ وہ تو دشواریوں کے ساتھ گھیر دی گئی ہے تو وہ واپس اللہ کی طرف لوٹے اور عرض کیا تیری عزت کی قسم! اب یقیناً مجھے ڈر ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا، اللہ نے فرمایا جاؤ جہنم کی طرف اور نظر کرو اس کی طرف اور ان کی طرف بھی جو میں نے جہنمیوں کے لئے اس میں تیار کی ہیں، پس انہوں نے دیکھا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے پر چڑھ رہا ہے (یعنی شدت جوش سے متلاطم ہے) پس جبرئیلؑ اللہ کی طرف واپس آ کر فرمانے لگے تیری عزت کی قسم! اس کے بارے میں جو بھی سنے گا وہ اس میں ہرگز داخل نہیں ہوگا، پس اللہ نے اس کے بارے میں حکم دیا چنانچہ وہ ہوسوں کے ساتھ گھیر دی گئی، پھر فرمایا جبرئیلؑ سے اب جاؤ اس کے پاس چنانچہ جبرئیلؑ اس کے پاس آئے (اور لوٹ کر آئے) اور عرض کرنے لگے تیری عزت کی قسم! تحقیق مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا ہر شخص اس میں داخل ہو جائے گا۔ (حسن صحیح)

قولہ: "الا دخلها" یعنی ہر شخص جنت کے احوال سن کر اس کی طمع کرے گا اور اس میں جانے کی کوشش وخواہش کرے گا۔

قولہ: "لقد خِفتُ اَن لا یدخُلَهَا اَحَدٌ" یعنی جنت میں جانا چونکہ مشقتوں کی برداشت پر موقوف کر دیا گیا ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ ان تکالیف کو کوئی برداشت نہیں کر سکے گا، کیونکہ نفس تو خواہشات کے درپے رہتا ہے۔

قولہ: "لا یسمع بها احد فیدخلها" یعنی دوزخ کے بارے میں جو بھی سنے گا کہ وہاں آگ ہے وہ اس سے ڈرے گا اور بچنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

غرض جنت ودوزخ اور انسان کے درمیان کچھ واسطے ہیں جو نفس سے شروع ہو کر ان دونوں پر ختم ہو جاتے ہیں تاہم جنت اور نفس کے مابین واسطہ وسلسلہ دشواریوں کا مجموعہ ہے، جسے عبور کرنے کے لئے نفس کو اس دشوار گذار پہاڑ پر چڑھانا، تھکانا اور ماندہ کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ دوزخ اور نفس کے درمیان خواہشات کی ایک ایسی دلدل پھیلی ہوئی ہے کہ اس میں قدم رکھنے سے آدمی خود بخود دھنستا رہتا ہے الّا یہ کہ اللہ کا فضل شاملِ حال ہو کر آدمی کی دستگیری فرمائے، وہ مباح امور جو نفس کو مرغوب ہیں لیکن وہ حرام خواہشات کی طرف کھینچتے ہیں وہ گویا اس دلدل کے سواحل ہیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی احتجاج الجنة والنار

(جنت اور دوزخ میں بحث ومباحثہ کا بیان)

"اِحتَجَّتِ الجنة والنار فقالت الجنةُ يدخُلُنِي الضعفاء والمساكين وقالتِ النار يدخلني الجبّارون والمتكبرون فقال للنار انتِ عذابي أنتقِمُ بِكِ مِمّن شئتُ وقال للجنة انتِ رحمتي أرحمُ بِكِ مَن شِئتُ". (حسن صحيح)

جنت اور دوزخ میں تکرار (بحث) ہوئی پس کہا جنت نے میرے اندر کمزور اور مسکین (غریب) لوگ آئیں گے اور کہا دوزخ نے میرے اندر سرکش (ظالم) اور مغرور لوگ داخل ہوں گے! پس اللہ نے (محاکمۃً) فرمایا جہنم سے تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعہ بدلہ لیتا ہوں جس سے چاہوں! اور جنت سے فرمایا تو میری رحمت (کا اثر) ہے تیرے ذریعہ میں جس پر چاہوں مہربانی کرتا ہوں۔

تشریح:۔ قولہ: "اِحتجّت" احتجاج اور محاجہ اپنے اپنے موقف پر حُجت یعنی دلیل قائم کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنت نے اپنی برتری وبہتری کے لئے یہ دلیل دی کہ میرے اندر ایسے لوگ آئیں گے جو اگرچہ بظاہر حقیر لگ رہے ہوں گے مگر عنداللہ وہ بہت کبیر ہوں گے۔ لہٰذا میں بڑوں کی آرام گاہ ہوں تو میں تجھ سے افضل ہوئی۔

جہنم کا استدلال یہ تھا کہ میرے اندر بڑے بڑے متکبر (تیس مارخان) آئیں گے اور میں ہی ان کو کچل کے رکھ دوں گی اور جو اپنے قدم کے نیچے ایسے ایسے مغروروں کو روند دے اس کی بڑائی وافضلیت میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے؟؟؟

پس دونوں میں اللہ عزوجل نے فیصلہ فرمایا کہ ایک کو اپنے اولیاء پر مہربانی کے لئے بنایا ہے اور دوسرے کو دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کا کام الگ الگ ہے جبکہ تفاضل وہاں ہوتا ہے جہاں مجانست ہو تو جب ہر ایک کی ذمہ داری ہی الگ الگ ہے تو تفاضل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اختلاف جنس کی صورت میں ربائے تفاضل نہیں ہوتا۔ (تدبر)

پھر ظاہر یہ ہے کہ یہ مکالمہ ومحاجہ قولی شکل میں ہوا ہے اور اس کے لئے شعور کا ہونا اگرچہ لازمی نہیں لیکن جنت ودوزخ میں اس مکالمہ کے دوران شعور پیدا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں اور یہ بھی لازمی نہیں کہ ان میں یہ شعور ابھی بھی باقی ہو۔ (تفکر)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء مالِاَدنیٰ اهل الجنة من الكرامة

(سب سے کم درجے کے جنتی کے اِعزاز کا بیان)

"ادنیٰ اهل الجنة الذی له ثمانون الف خادم واثنتان وسبعون زوجة وتنصب له قبة من لؤلؤوزبرجد وياقوت كمابين الجابية الى صنعاء". (غريب)

ادنیٰ (معمولی) جنتی وہ ہے جس کے اسی ہزار خادم ہوں گے اور بہتر بیویاں ہوں گی اور اس کے لئے موتی، زمرد اور یاقوت کا (اتنا بڑا) خیمہ نصب کیا جائے گا جتنا جابیہ اور صنعاء (مقاموں) کے درمیان فاصلہ ہے۔

اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ اہل جنت میں سے جو بھی مرتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا وہ جنت میں تیس ۳۰ سال کا بنا دیا جائے گا وہ اس سے کبھی بھی متجاوز نہیں ہوں گے اور یہی عمر اہل نار کی بھی ہوگی۔

اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ ان (جنتیوں کے سر) پر تاج ہوں گے جن کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کے درمیان کو روشن کرے گا۔

تشریح:۔قولہ: "زبرجد" زمرد کے مشابہ ایک قیمتی پتھر ہے جو مختلف رنگوں کا ہوتا ہے مصری ہرے رنگ کا اور قبرص کا زرد رنگ کا ہوتا ہے۔

قولہ: "یاقوت" مشہور قیمتی پتھر ہے اس کے بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں سُرخ، نیلا، زرد اور سفید۔

قولہ: "جابیہ" شام کے ایک علاقے کا نام ہے جبکہ "صنعاء" یمن میں ہے۔ یعنی یہ خیمہ ان مختلف قیمتی پتھر سے مرکب ہوگا پھر یہ بہتر عورتیں حور عین بھی ہوسکتی ہیں اور دنیا کی عورتیں بھی۔

قولہ: "یردّون" ای یُصیَّرُونَ یعنی ان کو تیس سال کی عمر میں لایا جائے گا پس چھوٹوں کی عمر بڑھا دی جائے گی اور بڑوں کی کم کر دی جائے گی گویا یہاں تین سال کی کسر ذکر نہیں کی گئی ہے لہٰذا اس کا معاذ بن جبلؓ کی حدیث سے تعارض نہیں ہے نیز یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔

چونکہ یہ روایت ضعیف بھی ہے اس لئے اس کا مسلم کی روایت سے بھی تعارض نہیں کہ "صغارهم دعاميص الجنة" یعنی جنتیوں کے بچے کیڑوں کی طرح بلا روک ٹوک اپنی مرضی سے گھومتے ہوں گے، اگر اس حدیث کو صحیح مانیں تو پھر تطبیق دو طرح دی جاسکتی ہے کہ ان کو پتہ نہیں چلے گا کہ ہم پہلے دعامیص کی طرح یعنی چھوٹے سے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ دعامیص جنتی بچوں یعنی غلمان کے لئے فرمایا گیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "التیجان" بکسر التاء تاج کی جمع ہے۔

قولہ: "منها" ای من التیجان۔

قولہ: "لتضیئ" ای تنوّر۔

حدیث آخر:۔ المؤمن اذااشتهیٰ الولد فی الجنة کان حمله ووضعه وسِنّه فی ساعة کما یشتهی". (حسن غریب)

مؤمن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل، زچگی اور اس کی عمر (یعنی جنتیوں کے برابر) اسی وقت ہو جائے گی جیسا ہی وہ چاہے گا۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بعد اہل علم کے دو قول نقل فرمائے ہیں کہ آیا جنت میں بچے پیدا ہوں گے یا نہیں؟ ترجیح اس کو دی ہے کہ اگر چہ اولاد ہو سکتی ہے تاہم جنتی لوگ اولاد کی خواہش نہیں کریں گے۔ چونکہ دنیا میں اولاد کی خواہش کچھ عوارض پر مبنی ہے مثلاً کام کاج میں تعاون، گھر کی رونق، نسل کی بقاء وغیرہ وغیرہ اور یہ عوارض جنت میں نہیں ہیں اس لئے وہاں خواہش کا کچھ مطلب نہیں، دنیا میں بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے جو حج اور عمرہ کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں مگر وہ یہ سعادت حاصل نہیں کرنا چاہتے وہ یورپ کو تو بار ہا جانا پسند کرتے ہیں لیکن حرمین کی طرف کوچ نہیں کرتے جبکہ اس کے برعکس بہت سے ایسے بھی ہیں جو بجائے یورپ کے اپنی جمع پونجی حج وعمرہ پر خرچ کرتے ہیں لہٰذا کسی چیز کا امکان اس کی خواہش کو مستلزم نہ سمجھا جائے۔

باب ماجاء فی کلام الحور العین

(حورعین کی گفتگو کا بیان)

"ان فی الجنة لَمُجتَمَعاً لِلحور العین یرفعن باصوات لم یسمع الخلائق مثلها یَقُلنَ:

نحن الخالدات فلا نبید

ونحن الناعمات فلا نبأس

ونحن الراضیات فلا نسخط

طُوبیٰ لِمن کان لناوکُنّا له (حدیث غریب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہہ جنت میں

Maktaba Tul Ishaat.com

حورعین کے جمع ہونے کی ایک جگہ ہے وہ (وہاں جمع ہوکر) ایسی آوازیں بلند کرتی ہیں (یعنی گاتی ہیں) کہ خلائق نے کبھی ویسی (سُریلی) آواز نہیں سنی ہے (یہ گانے ہمارے وزن شعری پر اگرچہ نہیں مگر ان کے کہنے کے مطابق ہوں گے) کہتی ہیں:

''ہم سدا رہنے والی ہیں کبھی فنا نہیں ہوں گی ☆ ہم ناز ونعمت میں پلنے والی ہیں کبھی محتاج نہیں ہوں گی۔☆ ہم شادماں رہتی ہیں کبھی ناراض نہیں ہوں گی ☆ مبارک ہو اس کو جو ہمارے لئے ہیں اور ہم اس کے لئے ہیں۔''

تشریح:۔قولہ:''الحور'' حورآء کی جمع ہے بمعنی گوری کے اور عین بکسر العین جمع ہے عیناء کی جس کے معنی بڑی آنکھوں والی کے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس کی آنکھوں کا سفید حصہ تیز سفید اور سیاہ حصہ تیز سیاہ ہو دونوں صورتیں خوبصورتی کی ہیں۔

قولہ:''لَمُجتَمعاً'' لام تاکید ہے اور مجتمع ظرف کا صیغہ ہے۔

قولہ:''خالدات ''ای دائمات۔

قولہ:''فلا نبیدُ' ای لانھلک ولانموت۔

قولہ:''بَادَ'' بمعنی فنا کے آتا ہے۔

قولہ:''ناعمات'' بمعنی متنعمات کے ہے۔

قولہ:''فلانبأس''ای لانفتقر ولانحتاج۔

قولہ:''الراضیات''ای عن ربنا یا اپنے شوہروں سے راضی رہتی ہیں۔

قولہ:''فلانسخَطُ''ای لانغضب ہم ناراض نہیں ہوتی ہیں کسی حال میں بھی۔

قولہ:''طُوبیٰ'' خوش خبری اور خوش گواری کو کہتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:''**فھم فی روضۃ یُحبرون**''۔(روم، آیت:۱۵) ترجمہ: وہ (بہشت کے) باغ میں خوشحال ہوں گے۔

چونکہ حواس کا لذتوں میں اپنا اپنا حصہ ہوتا ہے جو ہر ایک کا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے لہٰذا جنت میں ان سب لذتوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ وہاں کھانے کی اشیاء بسیار ومزیدار ہیں، سونگھنے کے لئے بے شمار اَعطار، دیکھنے کے لئے لامحدود مناظر مثلاً اشجار وآبشار، انہار وکوہسار اور طرح طرح کے دیگر حسین مناظر اور غلمان وحور قطار در قطار ہیں۔ اور چھونے کے لئے گل بدن حوریں ابکار، انتہائی حیاء دار ہونگی اور گنگنانے کے لئے کلمات

Maktaba Tul Ishaat.com

طیّبات جبکہ سننے کے لئے حورعین کے نغمے اور ضرب الاوتار علی شط الانهار، تحت الاشجار، مع هذا ضيافة الجبار وفض الابكار اور سب سے بڑی نعمت باری تعالیٰ کا دیدار ہے جس پر خواہشات وتمناؤں کی انتہاء وتکمیل ہو جاتی ہے۔

باب ماجاء فی صفة انهار الجنة

(جنت کی نہروں کا بیان)

"ان فی الجنة بحر الماء وبحر العسل وبحر اللبن وبحر الخمر ثم تَشَقَّقُ الانهار بعدُ". (حسن صحيح)

روایت ہے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں (چار دریا ہیں) پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے، پھر اس کے بعد نہریں پھوٹتی ہیں (یعنی جنت کے باغات اور محلات میں)۔

تشریح:۔ قولہ: "بحر الماء الخ" یہاں بحر سے مراد سمندر نہیں بلکہ دریا ہے جیسے دجلہ وفرات اور دریائے سندھ وغیرہ جبکہ انہار سے مراد وہی عرفی نہریں ہیں جو دریا کی شاخ ہوتی ہے جیسے نہر زبیدہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان بحار سے مراد سمندر ہوں۔

قولہ: "ثم تَشَقَّقُ الانهار بعد" یعنی جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو یہ نہریں ان کی جنتوں میں بہادی جائیں گی یا مطلب یہ ہے کہ پہلے یہ مشروبات ان بڑے دریاؤں میں چلتے ہیں اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جنتیوں کے باغات میں منقسم کر کے بہادیئے جاتے ہیں۔

ان چاروں دریاؤں کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ محمد میں بھی آیا ہے:

"فيها انهار من مآء غير آسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عَسَلٍ مُصَفّى".

حدیث آخر:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ سے جنت کی تین مرتبہ دعاء مانگتا ہے تو جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل فرما اور جو شخص جہنم سے تین بار پناہ مانگے تو جہنم کہتی ہے اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ دیں۔ (یہ روایت ابن ماجہ ونسائی میں بھی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اورابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی نقل کی ہے)۔

یہ دعائے جنت ان الفاظ کے ساتھ بھی صحیح ہے "اللّٰھم ادخلنی الجنة" اور یوں بھی صحیح ہے "اللّٰھُمَّ انی اسألک الجنة" جبکہ دوزخ سے پناہ کی دعاء کے الفاظ یہ ہیں "اللّٰھم اَجِرنی من النار" یہ دونوں دعائیں تین تین مرتبہ مانگنی چاہئے اگر اس کو صبح وشام کا معمول بنایا جائے تو شاید یہ زیادہ مفید ہے۔

قولہ: "قالت الجنة" یعنی بزبان حال اور بزبان قال بھی ہوسکتا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جو مُشک کے ٹیلوں پر ہونگے (راوی کہتا ہے) میرا گمان ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن، ان پر اگلے اور پچھلے رشک کریں گے: (۱) وہ شخص جو ہر شب وروز پانچوں نمازوں کے لئے اذان دیتا ہے (۲) وہ شخص جو لوگوں کی امامت کرے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوں (۳) اور وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہو اور اپنے آقاؤں کا حق بھی نبھاتا ہو۔ (حسن غریب)

یہ حدیث ابواب البر والصلہ میں بھی گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص: ۲۵۶ ج: ۶ "باب ماجاء فی فضل المملوک الصالح وباب فی الحب فی اللہ، من ھذا المجلد ۷)

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور وہ اس کو مرفوع روایت کرتے ہیں: تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ عزوجل محبت کرتے ہیں۔

(۱) وہ شخص جو رات کو اُٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔

(۲) اور وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے کوئی صدقہ دیتا ہے جس کو وہ چُھپاتا ہے (راوی) کہتا ہے میرا گمان ہے کہ اپنے بائیں سے (چُھپاتا ہے)۔

(۳) اور وہ شخص جو کسی دستے میں ہوتا ہے پس اس کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں اور وہ (تنہا) دشمن کا مقابلہ کرتا رہے۔ حدیث غریب غیر محفوظ والصحیح ماروا شعبة الخ یعنی اس روایت میں ابوبکر بن عیاش ضعیف ہیں اس لئے شعبہ کی روایت جو ابوہریرہؓ کی حدیث کے بعد آرہی ہے صحیح ہے۔

قولہ: "اُراہ من شمالہ" یعنی بائیں ہاتھ سے یہ کنایہ ہے انتہائی اِخفاء سے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ دائیں نے کیا دیا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بائیں پہلو میں جو شخص بیٹھا ہو اس کو پتہ تک نہ چلے کہ دائیں والے کو کیا دیا؟ بنابر ہر تقدیر اس میں دائیں ہاتھ سے دینے کے اِستحباب کی طرف اشارہ ہے۔ قولہ:

Maktaba Tul Ishaat.com

"سریۃ" لشکر کا حصہ جس کی وضاحت ابواب السیر میں گذری ہے۔

حدیث آخر:۔ "یوشک الفُرات یَحسِرُ عن کنز من الذھب فمن حَضَرَہ فلایأخذمنہ شیئاً. (صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب دریائے فرات سونے کے خزانے سے ہٹ جائے گا، پس جو شخص اس موقع پر موجود رہے وہ اس میں کچھ بھی نہ لے۔

قولہ: "یوشک الفُرات" بروزن غُراب عراق کا مشہور دریا ہے اس کا منبع جنوب مشرق ترکی ہے جو براستہ شام، عراق میں داخل ہو کر بصرہ کے پاس دجلہ سے ملتا ہے، ان کی مجموعی لمبائی تقریباً انتیس سو کلومیٹر یعنی دریائے سندھ جتنی ہے۔

چونکہ ایک حدیث میں فرات کو انہارِ جنت میں سے شمار کیا گیا ہے شاید اسی مناسبت سے امام ترمذیؒ نے یہ حدیث یہاں ذکر فرمائی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس حدیث کو یہاں لانے کی وجہ یہ ہے کہ فرات کے نیچے کا خزانہ لینا اسباب جہنم میں سے اور ترک، اسباب جنت میں سے ہے۔

قولہ: "یحسِر" اس میں سین کا کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہے بمعنی "یکشف" کے ہے یعنی بروزن یضرب ویسمع دونوں جائز ہے بظاہر یہ صورت حال فرات کے پانی کے خشک ہونے سے پیدا ہوگی، پھر مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں جو اگلی روایت میں بھی ہے "یحسر الفرات عن جبل من ذھب" یعنی سونے کی کان کھل جائے گی، جس کے حصول کے لئے سخت لڑائی ہوگی حتیٰ کہ نوانوے فیصد لوگ لقمہ اجل بن جائیں گے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیش آئے گی۔ بعض نے اس کو حضرت مہدی کی آمد سے قبل یعنی متصل قبیل مانا ہے۔

آج کل زیر زمین معدنیات کے بارے میں جو انکشافات جاری ہیں، بعید نہیں کہ فرات کا یہ خزانہ بھی جلد دریافت ہو جائے۔

بہرحال اس خزانہ سے لینا دنیوی واخروی خطرات سے خالی نہیں اس لئے حدیث میں لینے سے ممانعت فرمادی گئی۔

حدیث آخر:۔ تین آدمیوں سے اللہ محبت کرتے ہیں اور تین شخصوں سے نفرت کرتے ہیں پس وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

لوگ جن سے اللہ محبت فرماتے ہیں:

(۱) ایک وہ شخص ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور ان سے اللہ کے نام پر مانگا کسی باہمی قرابت کی وجہ سے نہیں مانگا مگر ان لوگوں نے اسے نہیں دیا، پس ان میں سے ایک شخص نے ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر اس کو چپکے سے دیا، جس کا عطیہ سوائے اللہ اور سوائے دینے والے کے کسی کو معلوم نہ ہو سکا (تو یہ دینے والا محبوب ٹھہرا)۔

(۲) اور کچھ لوگ رات کو سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ نیند ان کو ہر اس چیز سے زیادہ عزیز ہو گئی جو اس کے مقابل ہو (یعنی رُکاوٹ ہو) تو انہوں نے اپنے سر رکھ دیئے (یعنی سو گئے) اور یہ شخص اٹھا اور میری خاطر داری کرتا رہا اور میری آیتیں پڑھتا رہا (تو یہ شخص بھی اللہ کو محبوب ہے)۔

(۳) اور وہ شخص جو کسی چھوٹے لشکر میں تھا وہ لشکر دشمن سے نبرد آزما ہوا، پس اس کے ساتھیوں نے شکست کھائی مگر یہ شخص سینہ سپر ہو کر آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ مارا گیا یا فتح مند ہوا (یہ بھی محبوب الٰہی ہے)۔

اور وہ تین لوگ جن سے اللہ نفرت کرتے ہیں. (یہ ہیں) (۱) بوڑھا زناکار (۲) اِترانے والا فقیر (۳) اور مالدار ظالم (یعنی حق روکنے والا)۔ (صحیح)

قولہ: "فَتَخَلَّفَ بِاَعیَانِھِم" تخلف کے معنی یہاں پر تأخر بھی ہو سکتا ہے اور تقدم بھی یعنی وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے ہو جاتا ہے یا آگے ہو جاتا ہے اصل مقصد ساتھیوں سے جُدا ہونا ہے تاکہ اس کے عطیہ کا کسی کو پتہ نہ چل سکے اور صدقہ محض للہ بن جائے "باعیانھم" ای باشخاصھم یعنی ان ساتھیوں کے گروپ سے الگ ہو جاتا ہے۔

قولہ: "یتملقنی" تَمَلُّق "چاپلوسی آؤ بھگت اور خوشامد کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "مختال" یعنی متکبر و مغرور۔

قولہ: "الظلوم" یعنی حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والا چونکہ سابق الذکر تین لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں بہت زیادہ جدوجہد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان و مال اور راحت و آرام کو اس پر قربان کرتے ہیں اور محبت تو جانبین سے ہوا کرتی ہے اس لئے اللہ بھی ان کو پسند فرماتا ہے، جبکہ آخر الذکر تین شخص خواہ مخواہ کی نافرمانی اور فضول گناہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ بوڑھے کی زناکاری ایک بے لذت سے شوق اور معمولی محرّکِ گناہ کا نتیجہ ہے، جبکہ فقیر کا غرور بھی بغیر سبب تکبر کے ہے اور مالدار کا حقوق ادا کرنے سے

Maktaba Tul Ishaat.com

گریز کرنا محض ظلم اور ستانے کا شوق ہی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ تینوں محض شیطانی گناہ ہوئے چونکہ ہر گناہ ویسے بھی اللہ کے غضب کا ذریعہ ہے اور خصوصاً جب وہ گناہ حیوانی ہونے کے بجائے شیطانی ہو تو اس سے تو اللہ کی ناراضگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

اعاذنا اللہ منہا ومن کل اثم. ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب صفة جهنم

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

(جہنم کے احوال کا بیان۔ اعاذنا الله منها)

لفظ جہنم غیر منصرف ہے البتہ سبب منع صرف میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ عجمی و معرفہ ہے کہ آخرت کی آگ کا نام ہے۔ دوسرا یہ کہ عربی ہے علمیت و تانیث کی وجہ سے "بئر جھنام" گہرے کنویں کو کہتے ہیں یا سخت و غلیظ چیز کو جہنم کہتے ہیں اور دوزخ بھی بہت سخت و غلیظ ہے۔

کائنات میں اوپر اور نیچے کا تعین بہت مشکل ہے کیونکہ زمین اپنی محوری حرکت کی وجہ سے ہر جانب کے لئے مساوی نسبت رکھتی ہے، البتہ عالم میں جس جانب عرش واقع ہے وہ اوپر ہے اور اسی جانب سب جنتیں واقع ہیں، جبکہ دوزخ اس کے بالکل مقابل جانب میں ہے اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زمین کے اوپر جنتیں ہیں اور نیچے دوزخ ہے جس کی لپٹ قیامت کے دن زمین تک پہنچ جائے گی، اور اس کے ساتھ جنتیوں اور زمین کے درمیان حائل آسمانوں کا غلاف بھی ختم کر دیا جائے گا جس سے اصل صورت حال مکمل طور پر واضح ہو جائے گی۔

باب ماجاء فی صفة النار

(دوزخ کا حال)

"عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يُوتىٰ بجهنم يومئذٍ لها سبعون الف زِمام مع كل زِمام سبعون الف ملك يَجُرُّونها". (والثوری لا يرفعه)

اس (قیامت کے) دن جہنم کو لایا جائے گا اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔ یہ روایت حفص بن غیاث کے طریق سے مرفوع بیان کی گئی ہے لیکن امام سفیان ثوریؒ اس کو مرفوع نقل نہیں فرماتے تاہم حفص کی ثقاہت کی بناء پر اسے مرفوع کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح:۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا کہ جنت اور دوزخ ایک دوسرے کے بالکل مقابل جہات پر

Maktaba Tul Ishaat.com

واقع ہیں اور چونکہ دنیا دار التکلیف ہے اس لئے آزمائش کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں انسان وجن کی نظروں سے دور واوجھل ہوں لہٰذا ان کو بہت دور رکھا گیا ہے جن کے اثرات دنیا تک نہیں پہنچتے مگر جب قیامت قائم ہوگی تو دونوں کو قریب لاکر رکھ دیا جائے گا۔

اس لامتناہی خلاء میں جہنم جہاں واقع ہے وہاں سے لانے پر فرشتے مقرر ہیں جیسا کہ حدیث باب میں مذکور ہے وہ دوزخ کو گھسیٹ کر لائیں گے۔ دوسری طرف جنت بھی قریب کردی جائے گی، جنت متقین کو خوش رکھنے کے لئے نزدیک لائی جائے گی۔ جبکہ جہنم متکبرین کو خوف زدہ کرنے کے لئے اور منکرین کو شرمندہ ونادم کرنے کے لئے تاکہ وہ جس سے انکار کرتے اب اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرلیں اور انبیاء علیہم السلام کی کھلے عام تصدیق ہوسکے۔

حدیث آخر:۔ "یَخرُجُ عُنُقٌ من النار یوم القیٰمة له عینان تُبصِران واذنان تسمعان ولسان ینطق الخ". (حسن صحیح غریب)

قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی، اس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی اور دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور زبان ہوگی جو بولے گی وہ (گردن) کہے گی میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں، ہر سرکش ضدی پر اور ہر اس شخص پر جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو پکارتا تھا اور تصویریں بنانے والوں پر۔

قولہ: "عُنُقٌ" اس گردنِ جہنم سے مراد کیا ہے؟ تو حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں: "ای کصورة رقبة وراسٍ" جبکہ محشی نے طیبیؒ سے نقل کیا ہے "ای طائفة منها" دونوں قولین کا مطلب ایک ہے یعنی آگ کا ایک حصہ وشعلہ عظیمہ نکلے گا جس کی شکل گردن اور سر جیسی ہوگی اس میں آنکھیں بھی ہوں گی اور کان و زبان بھی، اس سے معلوم ہوا کہ جہنم میں بھی اللہ نے یہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں اور اس میں کسی استبعاد کی ضرورت نہیں کہ اللہ جل جلالہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور چونکہ دنیا کے خاتمہ پر اسباب پر تکیہ کا زعم بھی ختم ہوجائے گا بلکہ پیچھے گذرا ہے کہ جیسے جیسے قیامت آتی رہے گی تو خوارق میں اضافہ ہوتا رہے گا لہٰذا قیامت کے دن خوارق کا رونما ہونا کسی طرح بھی تعجب خیز نہیں یہ وہ دن ہوگا جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کے جمال وجلال کا بھرپور اظہار کیا جائے گا لہٰذا وہاں خوارق دیکھنے کا خوب موقع ملے گا۔

قولہ: "جبار عنید" جبار سرکش اور عنید حد سے بڑھنے والے کو کہتے ہیں مگر لاعلمی سے بڑھنے والے کو نہیں بلکہ جان بوجھ کر تجاوز کرنے والے کو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

چونکہ سرکش ومتکبر آدمی خلق خدا کو نقصان پہنچاتا ہے اور مشرک زمین میں فساد پھیلاتا ہے اور تصویر بنانے والا تخلیق خداوندی کی مشابہت کرتا ہے اس لئے یہ سب کام اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکومت اور تدبیر مملکت میں دخل اندازی ہے اس لئے ان کو سخت عبرتناک سزا دی جائے گی، تصویر پر راقم نے مستقل کتاب لکھی ہے ''شعاعی تصویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت''۔

باب ماجاء فی صفة قعرِ جهنم

(جہنم کی گہرائی کا بیان)

''ان الصخرة العظيمة لَتُلقیٰ من شفير جهنم فتهوِی فيها سبعين عاماً ماتُفضِی الی قرارها، قال: وكان عمر يقول: اكثِروا ذِكر النار فان حَرّها شديد وان قعرها بعيد وان مقامِعها حديد''. (لانعرف للحسن سماعاً عن عُتبة الخ)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ہمارے منبر یعنی بصرہ کے منبر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا: پتھر کی بڑی چٹان اگر جہنم کے کنارے سے پھینکی جائے اور وہ جہنم میں ستر سال گرتی رہے تب وہ اپنے ٹھکانے (گہرائی) تک نہیں پہنچے گی۔ اور حضرت عتبہؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ کا تذکرہ بکثرت کرو (یا دوزخ کو کثرت سے یاد کرو) کیونکہ اس کی تپش سخت ہے اور اس کی تہہ بہت دور ہے اور اس کی موگریاں (گُرز) لوہے کی ہیں۔

تشریح:۔ قولہ: ''الصخرة'' خاء ساکن ہے گو فتحہ بھی جائز ہے چٹان کو کہتے ہیں۔

قولہ: ''شفير'' کنارہ۔

قولہ: ''مقامعها'' مِقمَعَۃٌ کی جمع ہے لوہے کی وہ سلاخ جس کا سر امڑا ہوا ہو اسے موگری کہتے ہیں۔ یہ کوڑے وسلاخیں دوزخیوں کے مارنے کے لئے ہیں۔

جہنم کی گہرائی اور وسعت انسانی تصور سے بھی بالاتر ہے تاہم باب کی روایت منقطع ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت حسن بصریؒ کی ولادت حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی ہے جبکہ حضرت عتبہؓ کی وفات اس سے پہلے ہو چکی تھی اس لئے سماع ولقاء ثابت نہیں کیونکہ جس وقت حضرت عتبہؓ مدینہ سے بصرہ آئے تھے اس وقت حضرت حسن بصریؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حاشیہ کوکب پر اسد الغابہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عتبہؓ کا اسلام ساتویں نمبر پر ہے جبکہ ان کی عمر چالیس برس کی تھی، ہجرت حبشہ بھی کر چکے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ پر مقرر فرمایا لیکن ۱۵ھ یا ۱۷ھ میں حج کی غرض سے گئے اور حضرت عمرؓ سے درخواست فرمائی کہ مجھے دوبارہ بصرہ نہ بھیجیں، درخواست منظور نہ ہوئی، انہوں نے دعاء مانگی کہ اے اللہ! مجھے دوبارہ بصرہ نہ بھیجیں چنانچہ سواری سے گر کر فوت ہو گئے۔ ظاہر ہے ایسے میں حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات ان سے ممکن نہیں ہے۔ بنا بر صحتِ حدیث سالبہ عدمِ وجود موضوع میں بھی صادق رہتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "الصعود جبل من نار یتصعّد فیه الکافر سبعین خَرِیفاً ویهوی فیه کذالک ابداً". (غریب)

یعنی "سَاُرْهِقُهٗ صَعُوداً" (مدثر آیت:۱۷) عنقریب میں ایسے (کافر کو) صعود پر چڑھادوں گا۔ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صعود آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر ستر سال تک چڑھے گا اور اتنی ہی مدت میں اس سے گرے گا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ (یہ آیت ولید بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔

قولہ: "یتصعد ویهوی" کا ترجمہ معروف کے صیغوں کا کیا گیا ہے اگر ان کو مجہول مانا جائے جیسا کہ ملا علی قاریؒ کی رائے ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ کافر کو اس پہاڑ پر ستر سال تک چڑھایا جائے گا اور ستر سال گرایا جائے گا اس صورت میں یقیناً تکلیف زیادہ ہوگی، جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک شخص چڑھ نہیں سکتا ہو مگر اسے مار مار کر مجبور کیا جاتا ہو تو تکلیف ڈبل ہو جاتی ہے۔ **قولہ:** "خریفاً" برزاں مراد سال ہے۔

بظاہر یہ اشکال سا ہوتا ہے کہ آگ تو لطیف ہے پھر اس کے پہاڑ کا کیا مطلب؟ لیکن اس کا جواب آسان ہے کہ کبھی لطیف چیز بھی ٹھوس جسم بن جاتی ہے۔ چنانچہ ہوا بارش میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کا پانی برف بن جاتا ہے۔ چنانچہ زمین وغیرہ بھی بزبان سائنس گیسوں میں عملِ تکاثف کی بناء پر بنی ہے۔

باب ماجاء فی عظم اهل النار

(اہل نار کے بڑے جسموں کا بیان)

"عن ابی هریرة قا ل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ضرس الکافریوم القیٰمة

Maktaba Tul Ishaat.com

مثل أُحُدٍ وفخذه مثل البيضاء ومقعده من النار مسير ثلاث مثل الرَبَذَة والبيضاء جبل".

(حسن غريب)

کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور اس کی ران بیضاء جتنی ہوگی اور آگ میں نشست (بیٹھنے کی جگہ) تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی جتنی رَبَذَہ تک ہے۔

تشریح:۔قولہ: "البیضاء" امام ترمذیؒ نے اس کی تفسیر فرمائی کہ ایک پہاڑ کا نام ہے، چونکہ کافر کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہوگی اور فخذ یعنی ران تو داڑھ سے بہت بڑی ہوتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ بیضاء پہاڑ احد سے کئی گنا بڑا ہے۔

قولہ: "رَبَذَہ" بالفتحات مدینہ سے تین دن کی مسافت پر ہے جہاں حضرت ابوذر غفاریؓ مدفون ہیں، چونکہ یہ ارشاد نبی علیہ السلام نے مدینہ میں فرمایا تھا اس لئے مطلب وہی ہوا جو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے یعنی مدینہ سے ربذہ تک جتنی مسافت کو وہ گھیرے گا۔ بیضاء پہاڑ اسی ربذہ کے پاس ہے۔

کافر کے جسم میں زیادتی کرنا عذاب کے احساس کو بڑھانے کے لئے ہے کیونکہ جسم کا جتنا زیادہ حصہ متاثر ہوتا ہے اتنا ہی تکلیف میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ کم جگہ میں احساس کم ہوتا ہے چنانچہ اگر ہم سوئی گرم کر کے اس کا سرا جسم پر رکھدیں تو احساس نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے بعض دفعہ ڈاکٹر انجکشن لگاتا ہے لیکن مریض کو پتہ بھی نہیں چلتا کیونکہ سوئی بہت باریک ہوتی ہے اور معمولی سوراخ بلکہ مسام سے داخل ہو جاتی ہے جبکہ بندوق کی گولی یا دیگر زخموں کو برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ (تدبر)

حدیث ابن عمرؓ:۔"ان الكافر ليَسحبُ لسانه الفرسخ والفرسخين يَتَوَطَّأُه الناس".

(غريب)

کافر اپنی زبان بقدر ایک فرسخ، دو فرسخ گھسیٹے گا جس کو لوگ روندتے رہیں گے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہ کافر قہار الرجال تھا جس نے مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کی جھوٹی گواہی دی تھی "انه سمع محمداً يقول قداشرَكَ معه في الرسالة" اس پر بنو حنیفہ نے مسیلمہ کی تصدیق کی حالانکہ اس کو نبی علیہ السلام نے اہل یمامہ کو تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا مگر اس نے خیانت کی۔

قولہ: "لیسحب" کسی چیز کو زمین پر گھسیٹنے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "الفرسخ" تین میل کی مسافت کو فرسخ کہتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی

Maktaba Tul Ishaat.com

مقادیر میں اختلاف الفاظ کی ایک وجہ یا تو یہ ہے کہ ان الفاظ سے مراد تحدید نہیں بلکہ مبالغہ ہے یا پھر اختلاف کافروں کے مختلف احوال کی طرف مشیر ہے مثلاً کسی کافر کی زبان ایک فرسخ تک لٹکی ہوگی اور کسی کی دو فرسخ تک۔

قولہ: "یتوطأہ" وَطِاہ یطَأہ بمعنی کچلنے اور روندنے کے آتا ہے یعنی میدان محشر میں لوگ اس کی زبان پر پاؤں رکھتے ہوئے چلتے رہیں گے۔

حدیث ابی ھریرۃ:۔ "ان غِلظ جلد الکافر اثنتان واربعون ذراعاً وان ضرسه مثل احدوان مجلسه من جهنم مابين مكة والمدينة". (حسن صحيح غريب)

کوئی شک نہیں کہ کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس گز ہوگی اور اس کی داڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی اور دوزخ میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ اور مدینہ کے مابین جتنی مسافت کے بقدر ہوگی۔ مطلب وتشریح اوپر گذر گئی ہے۔

باب ماجاء فی صفة شراب اهل النار

(دوزخ والوں کے مشروب کا بیان)

"عن ابی سعیدعن النبی صلی الله علیه وسلم فی قوله: "كَالمُهلِ "قال كعكر الزيت فاذا قَرّبَه الی وَجهِه سَقَطَت فروة وَجهِه فيه". (هذاحديث لانعرفه الامن حديث رِشدين بن سعدالخ).

حضرت ابوسعید خدریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت "کالمھل" کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جیسے تیل کی تلچھٹ پس جب وہ (جہنمی) اسے اپنے منہ کے قریب کرے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں رشدین ہیں جن پر کم یاداشت کی وجہ سے کلام ہوا ہے۔

تشریح:۔ پوری آیت اس طرح ہے: "وَإِن يَستَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالمُهلِ يَشوِي الوُجُوه"۔ (الکہف آیت: ۲۹) ترجمہ: اور اگر فریاد کریں گے (پیاس کی) تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم ہوگا اور جو) مونہوں کو بھون ڈالے گا۔

اس آیت میں "کالمھل" کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ وہ مُہل عکر الزیت کی مانند ہوگی، عکر بفتح العین والکاف اصل میں گدلا پن کو کہتے ہیں چونکہ یہاں زیت یعنی زیتون کے تیل کی طرف اضافت ہوئی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اس لئے مراد تلچھٹ ہے، پگھلی ہوئی کوئی بھی دھات، پیپ اور زیتون کا پتلا تیل بھی مہل کہلاتا ہے۔

قولہ: "فروۃ وجھہ" بروزن رحمۃ اصل سر کی کھال بمع بال کو کہتے ہیں یہاں مجازاً چہرے کی کھال پر اطلاق ہوا ہے۔

حدیث ابی ہریرہؓ:۔ "ان الحمیم لَیُصَبُّ علی رؤسھم فَینفَذُ الحمیم حتیٰ یخلص الی جوفہ فیسلِتُ مافی جوفہ حتیٰ یمرُق من قدمیہ وھو الصھر ثم یعاد کما کان". (حسن غریب صحیح)

کچھ شک نہیں کہ کھولتا ہوا پانی جہنمیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا پس وہ کھولتا ہوا پانی نفوذ کرے گا (پار ہوگا) یہاں تک کہ اس کے پیٹ تک پہنچ جائے گا پس وہ کاٹ ڈالے گا اس کو جو اس کے پیٹ میں ہے (یعنی آنتیں اور کلیجہ وغیرہ) حتیٰ کہ یہ چیزیں اس کے دونوں قدموں سے (یعنی دُبر سے) نکل جائیں گے اور یہی وہ "صھر" ہے (یعنی قرآن کی اس آیت میں "یُصَبُّ مِن فَوقِ رُؤسِھِم الحَمِیمُ یُصھَرُبِہ مَافی بطونھم والجلود") (حج آیت:۱۹،۲۰) ترجمہ: یعنی ڈالا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی جس سے پگھل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے) پھر وہ (کافر) جیسا تھا ویسا ہی لوٹا دیا جائے گا۔

قولہ: "الحمیم" ح،م، میں حرارت کے معنی پائے جاتے ہیں یہاں کھولتا ہوا گرم پانی مراد ہے جو حد درجہ گرم ہوگا۔

قولہ: "فیسلت" لام کا ضمہ وکسرہ دونوں جائز ہیں اصل میں قطع اور کاٹنے کو کہتے ہیں "سلت القصعۃ"، اس وقت کہا جاتا ہے جب برتن کو چاٹ کر صاف کیا جائے گویا صاف کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

قولہ: "یمرُق" بضم الراء بمعنی یخرج کے مَرَق السھم اس وقت کہتے ہیں جب تیر نشانے سے پار ہو جائے۔

قولہ: "وھو الصھر" بفتح الصاد پگھلانے کو کہتے ہیں یعنی قرآن میں "یُصھَرُ بہ" سے مراد یہی صورت ہے۔

قولہ: "ثم یعاد" ای مافی جوفہ۔

چونکہ کافر دنیا میں اپنی خباثت سے توبہ نہیں کرتا بلکہ زندگی بھر بار بار اور مسلسل گناہ وجرائم کرتا رہتا ہے اس لئے اس کی سزا بھی مکرر مکرر ہوگی اور چونکہ وہ ارادۃً وعزماً ہمیشہ کفر کو اختیار کر چکا ہوتا ہے کہ اگر وہ ہمیشہ زندہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوتا تو ہمیشہ کافر ہی رہتا اس لئے وہ آخرت میں بھی ہمیشہ عذاب میں مبتلاء رہے گا کیونکہ سزا عمل کے مطابق ہوتی ہے جیسا کہ سابقہ باب میں ابن عمرؓ کی روایت میں کافر کی زبان دو فرسخ کے بقدر نکلنے کا ذکر آیا ہے کہ جب رجال بن عبقرہ نے قرآن پڑھنے اور فقاہت حاصل کرنے کے بعد معلم کی حیثیت سے بنو حنیفہ قبیلہ یعنی یمامہ جا کر اپنی جھوٹی شہادت سے ایسا فتنہ برپا کر دیا کہ پورا قبیلہ گمراہ ہو گیا، اس لئے اس کی زبان میدانِ محشر میں لوگوں کے پاؤں کے نیچے بچھائی جائے گی تا کہ وہ لوگوں کے قدموں کو صراط مستقیم سے ہٹانے کی سزا پائے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی قوله: وَيُسقىٰ مِن مَّآءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُه "قال يُقَرَّبُ الی فيه فيكرهه فاذا اُدنِیَ منه شَوىٰ وَجهَه ووقعت فروةُ رأسه فاذا شربه قَطَّعَ اَمعَاءَ هٗ حتیٰ يخرج من دبره يقول الله تبارک وتعالیٰ: "وسُقُوا ماءً حميماً فَقَطَّعَ اَمعاءهم "ويقول: وان يستغيثوا يُغاثُوا بماء كالمهل يشوى الوجوه بئس الشراب وَسَآءَ ت مُرتَفَقاً". (حديث غريب)

اور اس (کافر) کو پیپ ولہو کے پانی سے پلایا جائے گا، وہ اس کو گھونٹ، گھونٹ پیئے گا (ابراہیمؑ: آیت: ۱۶، ۱۷) اس آیت کی بابت آپؐ نے فرمایا وہ مکسچر اس کے منہ کے قریب کر دیا جائے گا تو وہ اسے ناگوار گذرے گا پس جب اور نزدیک کیا جائے گا تو وہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال بمع بالوں کے گر پڑے گی اور جب وہ اسے پیئے گا تو وہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا یہاں تک کہ وہ اس کی دبر سے نکلیں گی، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ان کو کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کو چور چور کر دے گا اور اللہ فرماتے ہیں: اگر جہنمی پیاس کی فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی سے جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا جو مونہوں کو بھون ڈالے گا بُری ہے پینے کی چیز اور بُری ہے آرام گاہ۔

قوله: "صديد" یعنی خون اور پیپ کا مجموعہ۔

قوله: "يتجرعه" جرعۃ سے ہے گھونٹ کو کہتے ہیں یعنی پی نہیں سکیں گے اس لئے گھونٹ گھونٹ پینا پڑے گا۔

قوله: "مرتفقاً" وہ منزل جہاں آرام کیا جاتا ہے۔ باقی الفاظ کی تشریح گذری ہے۔

قوله: فی حديث ابی سعيد الخدریؓ قال: "لسُرادق النار اربعة جُدُرٍ كثف كل جدار مسيرة اربعين سنة".

Maktaba Tul Ishaat.com

اس حدیث میں سرادق کی تفسیر کی گئی ہے جو سورۂ کہف کی آیت میں مذکور ہے: ''اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا '' (کہف: آیت:۲۹) ترجمہ: ہم نے ظالموں کے لئے (دوزخ کی) آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں اُن کو گھیر رہی ہوں گی۔ آپؐ نے فرمایا: دوزخ کی قناتیں چار دیواریں ہیں، ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی مسافت ہے۔

قولہ: ''لَسُرادق'' بفتح اللام مبتدأ اربعۃ جُدُر خبر ہے۔ سُرادق بضم السین سردق بفتح السین کی جمع ہے گھیرنے والی چیز کو کہتے ہیں جیسے دیوار یا قنات تاہم وہ قناتیں کپڑے کا ہونا ضروری نہیں اس احاطہ میں حکمت یہ ہے تاکہ دوزخ کی تپش وحرارت میں مزید اضافہ ہو یعنی گرمی بھی ہو اور حبس بھی۔ قولہ: ''جُدُر'' بضمتین جدار کی جمع ہے۔

قولہ: ''کِثَف'' بکسر الکاف وفتح الثاء موٹائی۔

وبھذا الاسناد: قال ''لوان دلواً من غسّاق یُھراق فی الدنیا لَاَنتن اھل الدنیا'' ۔ اگر دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے (یعنی ڈال دیا جائے) تو سب دنیا والے سڑ جائیں گے۔ ان تینوں اسانید میں رشدین بن سعد ہیں جو متکلم فیہ ہیں۔

قولہ: ''غساق'' سین کی تشدید کے ساتھ اگرچہ تخفیف بھی جائز ہے اس کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں: ایک یہ کہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ کو کہتے ہیں۔ دوم: یہ کہ آنسوؤں کو کہتے ہیں۔ سوم: یہ کہ زمہریر کو کہتے ہیں جو شدت برودت کی وجہ سے آگ کی طرح ان کو جلائے گا۔ بعض نے کہا کہ زناکاروں کی شرم گاہوں سے بہنے اور رسنے والا مادہ مراد ہے، سورۂ ص میں ہے: ''ھٰذَا فَلْیَذُوْقُوْہُ حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ'' (ص: آیت:۵۷) ترجمہ: یہ کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ ہے اب اس کے مزے چکھیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: ''اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وانتم مسلِمون'' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو ان قطرة من الزقوم قُطِرَت فی الدنیا لَاَفسَدَت علی اھل الدنیا معایشھم فکیف بمن یکون طعامه''. (حسن صحیح)

(پھر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر زقوم (سینڈہ) کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو وہ دنیا والوں کی معیشت تباہ (یعنی جینا حرام) کر دے گا پس اس کا حال کیا ہوگا جس کا کھانا یہ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "الزقوم" انتہائی تلخ، خاردار اور بدبودار درخت ہے جس کے کھانے پر اہل دوزخ کو مجبور کیا جائے گا جسے اردو و ہندی میں تھوہر کہتے ہیں اور سینڈہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس آیت اور حدیث میں مناسبت یہ ہے کہ جو شخص صحیح تقویٰ اختیار کرے گا وہ ان مصائب و آفات سے نجات پائے گا جن میں سے ایک زقوم بھی ہے۔

باب ماجاء فی صفة طعام اهل النار

(دوزخ والوں کے کھانے کا بیان)

"عن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : یُلقیٰ علی اهل النار الجوعُ فیَعدِلُ ماهم فیه من العذاب فیستغیثون فیُغاثون بطعام مِن ضریع لایُسمِن ولایغنی من جوع فیستغیثون بالطعام فیُغاثون بطعام ذی غُصَّةٍ فیذکرون انهم کانوا یُجیزُون الغُصَصَ فی الدنیا بالشراب فیستغیثون بالشراب فیُدفع الیهم الحمیم بکلالیب الحدید فاذا دَنت من وجوههم شَوَت وجوههم فاذا دخلت بطونهم قَطَّعَت مافی بطونهم فیقولون:اُدعوا خَزَنَةَ جهنم فیقولون:اَلَم تک تأتیکم رُسُلُکم بالبیّنات ؟قالوا:بلیٰ! قالوا:فادعوا وما دعاء الکافرین اِلّا فی ضلال قال:فیقولون:اُدعُوا مالِکاً فیقولون یامالِکُ! لِیَقضِ علینا ربک قال صلی الله علیه وسلم فیُجیبُهم اِنکم ماکثون! قال الاعمش نُبِّئتُ ان بین دعائهم وبین اِجابةِ مالِک اِیّاهم الف عام،قال فیقولون ادعوا ربکم فلااحدخیرمن ربکم فیقولون رَبَّنا غَلبت علینا شِقوَتُنا وکُنّا قوماً ضالّین،ربّنا اَخرِجنا منها فان عُدنا فاِنّا ظالمون،قال فیجیبُهم اِخسَئوا فیها ولاتکلمون، قال فعند ذالک یَئِسُوا من کل خیر وعند ذالک یأخذون فی الزفیر والحسرة والویل".

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں پر بھوک مُسلّط کی جائے گی، وہ بھوک (تکلیف میں) اس عذاب کے برابر ہو جائے گی جس میں وہ مبتلا ہوں گے، پس وہ (بھوک کی) فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی کی جائے گی ضریع (خاردار جھاڑی) سے جو نہ فربہ کرے گی اور نہ ہی بھوک مٹائے گی، پس وہ فریاد کریں گے (اور طرح) کھانے کی تو وہ فریادرسی کئے جائیں گے ایسے کھانے

Maktaba Tul Ishaat.com

سے جو گلے میں پھنسنے والا ہوگا، تو وہ یاد کریں گے کہ وہ دنیا میں پھنسے ہوئے نوالوں کو پانی سے اُتارا کرتے تھے، اس لئے وہ پانی کی فریاد (یعنی طلب) کریں گے، تو ان کو لوہے کے آنکڑوں کے ساتھ کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جب وہ پانی ان کے چہروں کے قریب ہوگا تو وہ ان کے مونہوں کو بھون ڈالے گا اور جب وہ ان کے پیٹوں میں اُترے گا تو ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے کو ریزہ ریزہ کردے گا پس وہ کہیں گے کہ جہنم کے نگرانوں کو (دعا کے لئے) پکارو پس وہ فرشتے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں فرشتے کہیں گے تو پھر تم خود ہی پکارو اور کافروں کی دعاء (اس روز) محض بے کار (بے اثر) ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر دوزخی کہیں گے کہ مالک (داروغۂ جہنم) کو (دعاء کے لئے) پکارو! پس وہ کہیں گے اے مالک! (دُعاء کریں تا کہ) آپ کا رب ہمارا کام تمام کردے (یعنی موت دے ہمیں)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ مالک ان کو جواب دیں گے کہ کوئی شک نہیں کہ تم اس حال میں ہمیشہ پڑے رہو گے! امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بتلایا گیا ہے کہ ان کی پکار اور ان کو مالک کے جواب دینے کے درمیان ہزار سال گذریں گے۔

آپؐ نے فرمایا: وہ لوگ کہیں گے اپنے رب کو (براہِ راست) پکارو کیونکہ تمہارے رب سے بہتر (در شفقت وقدرت) کوئی نہیں، چنانچہ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آئی ہے اور ہم گمراہ تھے، اے ہمارے رب تو ہمیں اس سے نکال! اگر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو یقیناً ہم قصوروار ہونگے۔

آپؐ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جواب میں کہیں گے دُھتکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے کوئی بات مت کرنا! آپؐ نے فرمایا: اب کی بار وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور اس وقت وہ گدھے کی طرح چلانے لگیں گے اور افسوس وہلاکت کو پکارنا شروع کریں گے۔

تشریح:۔ قولہ: "فَیَعدِلُ ماھم فیہ" یعنی اہل جہنم پر ایسی سخت بھوک مسلّط کی جائے کہ اس کی تکلیف آگ میں جلنے کے برابر ہو جائے گی اس طرح وہ ظاہری وباطنی دونوں حالتوں میں عذاب شدید میں مبتلاء ہو جائیں گے اس بھوک کے عذاب سے نکلنے وبچنے کے لئے وہ کھانے کی تلاش شروع کریں گے۔

قولہ: "فیستغیثون" اصل میں غوث یعنی مددگار طلب کرنے یا مدد طلب کرنے کے لئے آتا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں مراد بھوک ختم کرنے کی مدد مانگنا ہے یعنی کھانا طلب کریں گے۔

قولہ: "ضریع" ایک قسم کا خاردار پودا ہے المکوکب میں اسے جواسہ کہا ہے، اور جب کفار نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کیا کہ پھر تو ہم دوزخ میں خوب تگڑے رہیں گے، کیونکہ ہمارے اونٹ جب جواسہ کھاتے ہیں تو خوب فربہ اور تازہ موٹے ہو جاتے ہیں تو اس پر نازل ہوا "لایسمن ولایغنی من جوع" یعنی دوزخ کا جواسہ نہ تو موٹا کرتا ہے اور نہ ہی بھوک مارتا ہے۔ کیونکہ اول تو دنیوی جواسہ اور دوزخ کے جواسہ میں فرق ہے دوم اونٹ جب اسے کھاتے ہیں جب وہ کچا اور تازہ ہو جسے شبرق کہا جاتا ہے مگر جب خشک اور سخت ہو جائے تو اونٹ اسے منہ بھی نہیں لگا سکتے ہیں کیونکہ اس کے کانٹیں بہت سخت ہو جاتے ہیں اس وقت اسے ضریع کہا جاتا ہے اس وقت وہ زہریلا بھی بن جاتا ہے لہٰذا جہنمی ضریع انتہائی کڑوا، خاردار اور زہریلا ہوگا۔

غرض جہنمیوں کی بھوک کسی طرح کم نہ ہو سکے گی بلکہ کھانے کی کوشش سے ان کی مصیبت مزید بڑھ جائے گی۔

قولہ: "الغُصص" بضم الغین غُصَّۃ بالضم کی جمع ہے وہ لقمہ یا ہڈی وغیرہ جو حلق میں پھنس جائے، غرض ان کو ایسا کھانا دیا جائے گا جو گلے میں پھنسے گا ان کو یاد آجائے گا کہ وہ دنیا میں پانی پی کر پھنسے ہوئے لقمے کو اتارتے، چنانچہ وہ پانی مانگیں گے لیکن ان کو جو پانی دیا جائے گا اس میں آنکڑیں یعنی مڑی ہوئی سلاخیں ہوں گی۔

بعض شارحین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کلالیب سے پکڑ کر پانی پلایا جائے گا لیکن حاشیہ کوکب پر ہے کہ اس طرح کلالیب کا فائدہ نظر نہیں آتا اس لئے صحیح یہ ہے کہ پانی کلالیب کے ساتھ ملا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ کلالیب تو منہ میں پھنس جائیں گے جبکہ گرم کھولتا ہوا پانی ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈال دے گا، کلالیب کلوب بفتح الکاف وتشدید اللام کی جمع ہے۔

قولہ: "ادعوا خزنۃ جھنم" یعنی محافظ فرشتوں سے کہو کہ وہ اپنے رب سے ہمارے لئے دعاء مانگیں اس طرح "ادعوا مالکاً" کا مطلب بھی یہی ہے۔

قولہ: "اخسئوا" اصل میں کُتے کے دُھتکارنے کے لئے جو الفاظ ہوتے ہیں اس کو کہتے ہیں مگر اردو میں اس کے لئے کوئی مُعیّن لفظ مستعمل نہیں ہے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ چونکہ جہنمیوں کے کلام کے صدر و عجز میں اختلاف و تضاد ہے کیونکہ پہلے انہوں نے خود اقرار کیا کہ ہمیں بدبختی نے گھیر لیا ہے اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے نکال دیں، اس لئے یہی

Maktaba Tul Ishaat.com

جواب مناسب ہے، کیونکہ وہ ایک محال خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔

قولہ: "زفیر" گدھے کی آواز کی ابتدائی حالت جبکہ آخری حالت کو شہیق کہتے ہیں۔

امام ترمذیؒ کی تصریح کے مطابق یہ روایت موقوف ہے تاہم اسے مرفوع کے حکم میں کہنا صحیح ہے کیونکہ یہ مدرک بالرائے والعقل نہیں ہے۔ جیسا کہ اصول میں بیان ہوا ہے۔

حدیث ابی سعیدؓ:۔ "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "وھم فیھا کالحون "قال تشویہ النار فتقلص شفتہ العلیا حتیٰ تبلغ وسط رأسہ وتسترخی شفتہ السفلیٰ حتیٰ تضرب سُرَّتہ". (حسن صحیح غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق فرمایا "وھم فیھا کالحون" (مؤمنون: آیت:۱۰۴) ترجمہ: وہ جہنمی اس میں بدشکل ہوں گے آپؐ نے فرمایا کہ آگ دوزخی کو بھون ڈالے گی اس طرح اس کا بالائی ہونٹ سکڑ جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے سر کے نصف تک پہنچ جائے گا جبکہ اس کا نچلا ہونٹ لٹک جائے گا یہاں تک کہ اس کی ناف تک آجائے گا۔

قولہ: "کالحون" ترش رُو اور بگڑے ہوئے مُنہ کو کہتے ہیں کالح کی جمع ہے جس کے ہونٹ دانتوں اور منہ کو نہ چھپا سکے۔

قولہ: "فتقلص" ان تنقبض یعنی سکڑ جائے گا اور سمٹ جائے گا جیسے ریشمی کپڑا جلنے سے سکڑ جاتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "لوان رصاصۃ مثل ھذہ واشار الی مثل الجُمجُمَۃِ اُرسِلت من السماء الی الارض الخ". (حسن صحیح)

آپ نے فرمایا کہ اگر اس طرح کا سیسہ اور اس کے ساتھ آپؐ نے ایک گول برتن (یا سر کھوپڑی) کی مانند کا اشارہ فرمایا آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے (یا چھوڑ دیا جائے) جس کی مسافت پانچ سو سال ہے تو وہ رات سے پہلے ہی زمین پر پہنچ جائے گا لیکن اگر وہ سیسہ (گولا یا گیند) زنجیر کے سرے سے چھوڑا جائے تو وہ چالیس سال تک دن رات چلتا رہے گا جہنم کی تہہ تک جانے یا فرمایا کہ گہرائی سے قبل (یا زنجیر کے دوسرے سرے سے پہلے)۔

قولہ: "رصاصۃ" سفید کو قلعی اور کالے کو اُسرب یعنی سیسہ کہتے ہیں۔ قولہ: "الجُمجُمۃ" بضم الجیمین گول برتن کو بھی کہتے ہیں اور کھوپڑی کو بھی، مراد گول گیند کی طرح سیسہ کا گولا ہے۔ قولہ: "من رأس

Maktaba Tul Ishaat.com

السلسلة" اس سے مراد وہ زنجیر ہے جس کا ذکر سورۃ الحاقۃ میں آیا ہے "ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعاً فاسلکوه" اس زنجیر سے جہنمی کو جکڑا جائے گا والعیاذ باللہ۔

قولہ: "اصلها" یعنی زنجیر کا دوسرا سرا جبکہ قعرھا سے مراد جہنم کی تہہ ہے راوی کو شک ہے تاہم زنجیر کا نچلا سرا اور دوزخ کی تہہ دونوں مسافت میں مساوی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اشکال:۔ آسمان سے زمین تک تو کوئی بھی مادی چیز ایک دن میں نہیں پہنچ سکتی؟ بلکہ روشنی بھی نہیں پہنچ سکتی ہے جس کی رفتار تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔

حل:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جواب دیا ہے کہ یہاں مراد تقلیل ہے یعنی اگر آسمان سے زمین تک کی مسافت ایک دن میں فرض کر لی جائے تو وہ زنجیر اس کے مقابلے میں چالیس سال کی مسافت سے بھی زیادہ طویل ہے لہٰذا یہ مثال تقریب الی الفہم کے لئے ہے جیسا کہ قرآن وسنت کا اصول ہے کہ امثلہ میں تفاھم الناس کی رعایت کی جاتی ہے۔

باب ماجاء ان نار کم هٰذه جزء من سبعین

جزء من نار جهنم

(دوزخ کی آگ دنیوی آگ سے انتہر گنا زیادہ تیز ہے)

عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: نار کم هٰذه التی توقدون جزءٌ واحدمن سبعین جزء من حَرِّ جهنم، قالوا واللّٰهِ اِن کانت لَکافیة یارسول الله! قال فانها فُضِّلت بتسعة وستین جزءً کُلُّهن مثل حَرِّ ها". (حسن صحیح)

تمہاری یہ آگ جسے تم جلاتے ہو جہنم کی حرارت (گرمی) کے ستر ۷۰ اجزاء میں سے ایک ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہہ یہ (دنیوی) آگ بھی یقیناً کافی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کوئی شک نہیں کہ اُسے انتہر گنا بڑھایا گیا ہے جس کا ہر جزء اس (دنیوی آگ) کی طرح گرم ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "ان کانت" مخففہ من المثقلہ ہے یعنی اِنّه یاانها کانت الخ۔

قولہ: "قال فانها فُضِّلت الخ" جواب کا مطلب یہ ہے کہ نہیں بلکہ چونکہ جہنم کی آگ اللہ تبارک

Maktaba Tul Ishaat.com

وتعالیٰ کے غضب کا مظہر واثر ہے اور اس کے انتقام کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا جوش وخروش اور درجۂ حرارت یقیناً دنیاوی آگ سے زیادہ ہونا چاہئے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ گویا اصلاً آگ جہنم کی ہے مگر جب اللہ نے اسے دنیاوالوں کے فائدے یعنی جلانے کے کام کے لئے بھیجنا چاہا تو اسے سمندر میں دومرتبہ ڈبو کر نکالا، اگر چہ یہ حدیث ایک طرح کی تمثیل ہے اصل آگ جہنم کی بہت گرم ہے تاہم دنیوی آگ کا درجہ حرارت مختلف ہوتا ہے۔ اگر ہم اوسطاً ایک ہزار سینٹی گریڈ لے لیں تو ماننا پڑے گا کہ دوزخ کا درجہ حرارت ستر ہزار سینٹی گریڈ ہے۔ اَعَاذَنَا اللہ منھا ومن کل کرب یوم القیٰمۃ ورَحِمَنَا فی القبر والحشر۔

حدیث آخر:۔ "أوقد علی النار الف سنة الخ".

جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال دہکایا گیا یہاں تک کہ وہ سُرخ ہوئی پھر اسے ہزار سال دہکایا گیا تا آنکہ وہ سفید ہوئی پھر اس کو ہزار سال دہکایا گیا حتیٰ کہ وہ کالی ہوگئی، چنانچہ (اب) وہ سیاہ تاریک ہے۔

سائنسی تحقیق کے مطابق بھی سیاہ رنگ تمام رنگوں میں سب سے زیادہ گرم ہے مع ہذا اس کا تاریک ہونا مزید ہیبت ناک ہوگا۔ غرض شدت حرارت کے ساتھ اس میں شدید وحشت بھی ہوگی۔ (یہ حدیث موقوف درحکم مرفوع ہے مگر مرفوعاً بھی مروی ہے)

باب ماجاء ان للنار نَفَسین وماذُکِرَ مَن یُخرجُ من النار الخ"

(دوزخ کے دوسانس کا بیان اور دوزخ سے مؤمن کے نکلنے کا ذکر)

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اشتکت النار الیٰ رَبھا و قالت اَکَلَ بعضی بعضاً فَجَعَلَ لھا نَفَسَین نَفَساً فی الشتاء وَنَفَساً فی الصیف فامانَفَسُھافی الشتاء فزمھریر واما نَفَسُھا فی الصیف فَسَمُوم". (حسن صحیح)

جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی، اس نے کہا کہ میرے بعض نے بعض دیگر کو کھالیا۔ چنانچہ (درخواست کو قبول فرما کر) اللہ نے اس کو دوسانسوں کی اجازت مرحمت فرمائی ایک سانس سردیوں میں اور دوسرا

Maktaba Tul Ishaat.com

سانس گرمیوں میں، پس اس کا سردیوں والا سانس تو وہ زمہریر (سخت ٹھنڈا) ہے اور جو گرمیوں والا سانس ہے تو وہ لُو ہے (یعنی شدید گرم ہوا)۔

تشریح:۔قولہ: "اشتکت النار" یہ شکایت بزبان قال بھی ممکن ہے اور بزبان حال بھی مراد ہو سکتی ہے۔

قولہ: "نَفَساً" بالفتحتین سانس کو کہتے ہیں۔

قولہ: "زمھریر" سخت ٹھنڈا۔

قولہ: "سموم" گرم ہوا۔

اس نظام تنفس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اس کو ظاہر یعنی معنی حقیقی پر محمول کیا جائے علیٰ ہذا پھر یہاں کچھ اشکالات پیش آئیں گے یہ مسئلہ تشریحات ترمذی: جلد اول: ص: ۴۰۷ پر گذرا ہے۔ (دیکھئے "باب ماجاء فی التعجیل بالظہر" ص: ۴۰۴: ج: ۱)

مزید برآں گیس کے بارے میں سائنسی تحقیق یہ ہے کہ جب اس کے مالیکیولز قریب و مجتمع ہو جاتے ہیں تو ان میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے جبکہ ان کی تفریق سے ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے جس کی آسان مثال فریج کا کمپریسر ہے کہ جب گیس اس کے اندر ہوتی ہے تو گرم رہتی ہے اور جب پائپوں میں پھیل جاتی ہے تو ٹھنڈی ہو جاتی ہے اس لئے فریج کے برف خانہ سے حرارت نکل کر سرد ہو جاتا ہے، تاہم چونکہ عالم غیب اسباب کے ضابطے سے بالاتر ہے اس لئے وہاں یہ ضابطہ لاگو کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ محض خوارق کا مظہر ہے اگرچہ اس ضابطے سے سمجھنے میں کافی حد تک مدد مل سکتی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کو معنی مجازی پر محمول کیا جائے کہ دنیا کی گرمی و سردی دوزخ کے سموم و زمہریر کے مشابہ ہیں گویا یہ وہاں سے آتی ہیں۔

بعض حضرات کو زمہریر کو ٹھنڈا ماننے میں تأمل ہے میرے خیال میں یہ تأمل یا انکار ایک غلط فہمی پر مبنی ہے کہ وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ آگ کے اندر سرد خانہ گویا نعمت ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم بچپن میں برف میں کھیلتے اور ہاتھ پاؤں سُن ہو جاتے تو آ کر آگ کے پاس بیٹھ جاتے حالانکہ بزرگ اس سے منع کرتے، مگر جب ہاتھ پیر گرم ہو جاتے تو ہم درد کی شدت سے تڑپنے لگتے، لہٰذا گرم اور سرد کا اجتماع ہر ایک کی انفرادی تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللہ من غضبہ

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔ "عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الخ".

قتادہ کے دونوں شاگردوں شعبہ اور ہشام کے الفاظ شروع حدیث میں مختلف ہیں، ہشام نے کہا کہ دوزخ سے نکلے گا اور شعبہ کے الفاظ ہیں کہ جہنم سے ہر اس شخص کو نکالو جس نے "لا الـہ الّا اللہ" کہا ہو اور اس کے دل میں جَو کے برابر خیر (ایمان) ہو (اور) جہنم سے نکالو اس شخص کو جس نے لا الـہ الّا اللہ" کہا ہو اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر خیر (ایمان) ہو، جہنم سے نکالو اس شخص کو بھی جس نے "لا الہ الّا اللہ" پڑھا ہو اور اس کے دل میں ذرہ کے وزن کے مطابق خیر ہو، شعبہ کی روایت میں ذرۃ بغیر تشدید راء کے ہے جس کے معنی مکئی کا دانہ ہیں۔ (حسن صحیح)

یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی ہے (بخاری: ص:۱۱ ج:۱ "باب زیادۃ الایمان ونقصانہ") اور (مسلم: ج:۱ ص:۱۰۹) کتاب الایمان میں "یخرج" کا صیغہ مجہول بھی آیا ہے پھر شعبہ کی روایت میں "اخرجوا" باب افعال سے امر کے مخاطب وہ اہل ایمان ہیں جن کو جنت کا پروانہ مل چکا ہوگا، وہ پل صراط عبور کرنے کے بعد دوسرے مؤمنین کی سفارش کریں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی سفارش منظور فرما کر ان سے فرمائیں گے کہ جاؤ نکالو الخ۔

قولہ: "بُرّۃ" گندم۔

قولہ: "ذرّۃ" بفتح الذال وتشدید الراء المفتوحہ سُرخ چیونٹی کو بھی کہتے ہیں اور کمرے میں روشندان میں آنے والی دھوپ میں جو گرد کے چھوٹے اجزاء نظر آتے ہیں ان کو بھی کہتے ہیں اور ہاتھ زمین پر رکھ کر جھاڑنے سے جو جزء گرتا ہے اس کو بھی، کنایہ ہے قلیل ترین مقدار سے، اس روایت میں شعبہ نے ذرۃ بضم الذال وتخفیف الراء نقل کیا ہے جو مکئی کو کہتے ہیں لیکن امام مسلمؒ یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "قـال یـزیـد صَحَّفَ فیھا ابو بسطام" ابو بسطام شعبہ کی کنیت ہے یعنی انہوں نے اس میں تصحیف کی ہے لہٰذا صحیح ذرّۃ بالتشدید ہی ہے کیونکہ روایت کی ترتیب میں زیادت سے کمی کی طرف انتقالات ہوئے ہیں۔

اس روایت سے بظاہر ایمان کی زیادتی وکمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جَو گندم سے بڑا ہوتا ہے اور ذرہ سب سے چھوٹا ہوتا ہے، یہ مسئلہ ان شاء اللہ کچھ تفصیل کے ساتھ ابواب الایمان میں عنقریب بیان ہوگا، تاہم چونکہ مذکورہ روایت میں خیر سے اور اس روایت کے مطابق جس میں ایمان کی تصریح ہے سے ایمانی کیفیات بھی مراد ہوسکتی ہیں جو ایمان کے آثار میں شمار ہوتی ہیں پس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس نے لا الہ الا اللہ یعنی کلمہ

Maktaba Tul Ishaat.com

شہادت پڑھا ہو جس سے وہ مؤمن شمار ہوتا ہے اور اس کے دل میں اس کے آثار بھی پائے جاتے ہوں، چونکہ نکالنے والے اہل ایمان ہوں گے اور ان کو ایمان کے آثار ہی نظر آسکتے ہیں اس لئے مراد آثار ایمان لینا زیادہ قرین قیاس ہے نیز اس لئے بھی کہ مسلم: ص:۱۰۳ پر اس حدیث کے آخر میں ہے:

"فیقول اللہ تعالیٰ: شفعت الملائکۃ وشفع النبیُّون وشفع المؤمنون ولم یبق اِلّا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوماً لم یعملوا خیراً قط الخ".

ظاہر ہے کہ بغیر ایمان کے تو کوئی بھی جنت میں نہیں جاسکتا معلوم ہوا کہ خیر سے مراد اعمال اور کیفیات قلبیہ یعنی ایمان کے آثار ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے بخاری و مسلم کی شروحات ملاحظہ ہوں۔

حدیث آخر:۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جہنم سے نکالو اس شخص کو جس نے کسی دن مجھے یاد کیا ہو یا کسی موقع پر مجھ سے ڈرا ہو۔ (حسن غریب)

یعنی جو بتقاضائے ایمان اللہ کو یاد کر چکا ہو یا اللہ سے ڈرا ہو، یہ قید لگانا اس لئے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ خوف اور ذکر تو کفار بھی کرتے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انی لَاَعرف اٰخر اھل النار خروجاً رجل یخرج منھا زَحفاً فیقول یارب الخ". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے نکلنے والے آخری شخص کو میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ ایسا شخص ہے جو اس سے نکل کر گھٹنوں کے بل چلے گا اور کہے گا اے میرے رب! لوگوں نے سب گھروں کو (اپنے اپنے قبضے میں) لے لیا ہے آپؐ نے فرمایا: اس سے کہا جائے گا کہ تو جنت کی طرف چلو تو سہی اور اس میں داخل تو ہو جا! آپؐ نے فرمایا پھر وہ چلے گا تا کہ اس میں داخل ہو جائے تو پائے گا لوگوں کو کہ انہوں نے سب مکانات لے لیے ہوں گے، چنانچہ وہ واپس لوٹ کر کہے گا اے میرے رب! لوگوں نے تمام جگہوں کو (اپنی تحویل میں) لیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کیا تجھے وہ زمانہ یاد ہے جس میں تو تھا؟ (یعنی دنیا کی زندگی) وہ کہے گا "ہاں" (یاد ہے) تو اس سے کہا جائے گا کہ اب تو آرزو کر! آپؐ نے فرمایا: پس وہ آرزوئیں (تمنائیں) کرے گا، پس اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے وہ سب ہے جس کی تم نے خواہش کی اور دنیا کا دس گنا (مزید بھی تمہیں دیا جا رہا ہے) آپؐ نے فرمایا وہ کہے گا (از روئے تعجب) کہ تو مجھ سے مذاق

Maktaba Tul Ishaat.com

کرتا ہے حالانکہ تو مالک الکل ہے ؟ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپؐ کی داڑھیں کھل گئیں (یعنی نمودار ہوگئیں اور نظر آئیں)۔

قولہ: "آخر اهل النار" اگلی روایت جو ابوذرؓ سے مروی ہے میں "و آخر اهل الجنة دخولاً" کا اضافہ ہے تو ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں تلازم ہے لہٰذا دونوں کو ذکر فرمانا صرف وضاحت کے لئے ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دفع توہم کے لئے ہو کہ اسے درمیان میں معلق نہیں رکھا جائے گا بلکہ دوزخ سے نکالنے کے بعد سیدھا جنت میں لے جایا جائے گا۔

قولہ: "زَحفاً" بچے کا پیٹ اور کہنیوں کے بل سرکنا۔

یہ روایت یہاں مختصر ہے مسلم: ص:۱۰۵ ج:۱ میں یہ روایت تفصیلاً مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ شخص دوزخ سے نکلتے وقت گرتا اُٹھتا ہوا مشکل سے نکل جانے کے بعد واپس مُڑ کر دوزخ کو دیکھ کر اللہ کا شکر کرے گا اور کہے گا کہ اللہ نے مجھے وہ نعمت دی جو کسی کو نہیں دی ہے پھر اسے ایک درخت دِکھائی دے گا تو وہ اس کے قریب جانے کی درخواست کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے وعدہ لے گا کہ پھر کوئی آرزو تو ظاہر نہیں کروگے وہ وعدہ کرے گا، چنانچہ جب وہاں پہنچے گا تو آرام کرے گا اور پانی پیئے گا تو ایک اور درخت جو پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگا اسے دکھائی دے گا، اس طرح وہاں بھی جانے کی خواہش کرے گا اور وعدہ کرے گا کہ پھر کوئی سوال نہیں کروں گا، غرض وہاں پہنچنے کے بعد تیسرا درخت نظر آئے گا، پھر وہاں پہنچنے کے بعد جنتیوں کی آوازیں سنے گا اس طرح وہ جنت میں داخل ہونے کی درخواست ودُعاء کرے گا الخ۔

قولہ: "اَتَذکر الزمان الذی کنتَ فیه؟" بعض شارحین نے اس سے جہنم کی زندگی مراد لی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ دوزخ میں تو زیادہ سے زیادہ آرزو یہ ہوسکتی ہے کہ بس دوزخ سے باہر پاؤں رکھنے کی جگہ مل جائے تو زہے قسمت اس لئے مراد دنیا ہے پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص کوئی بادشاہ ہو جس کی آرزو دنیا میں مملکت کی توسیع تھی اور عام شخص بھی ہوسکتا ہے کہ اسے بادشاہ بننے کا شوق یا تصور گذرا ہو۔ قولہ: "ضحک" بمعنی تبسم کے ہے اور نواجذ سے مراد انیاب یا انیاب کے بعد والے دانت ہیں، کیونکہ آخری داڑھوں کے دیکھنے کے لئے پورا منہ کھولنا پڑتا ہے جو آپؐ کی عادت شریفہ نہ تھی۔

رہا یہ مسئلہ کہ اس شخص نے اللہ کی طرف تمسخر کی نسبت کی جسارت کیسے کی؟ تو اس کے تین جواب ہوسکتے ہیں: (۱) کہ چونکہ اس شخص نے بار بار اللہ سے وعدہ کیا اور پھر اسے توڑا اور ہر وعدہ خلافی پر اللہ نے اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کا عذر قبول فرمایا علیٰ ھذا اسی درگذر کو بطور مشاکلت سخریہ کہا۔(۲) یا استفہام انکاری ہے یعنی مجھے پتہ ہے کہ تو مذاق نہیں کرتا۔(۳) یا پھر یہ بات بے ساختہ اس کی زبان پر آجائے گی جس کی ایک مثال پیچھے گذری ہے کہ جس شخص کی سواری گم ہوئی ہو اور مایوسی کے بعد اسے مل جائے اور وہ کہے: ''انت عبدی وانا ربک'' آپؐ کی مسکراہٹ سے تیسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔(تدبر)

حدیث ابی ذرؓ:۔قولہ: ''یُؤتیٰ برجل فیقول سَلُوا عن صِغار ذنوبہ واَخبِئُوا کبارھا''.

یعنی اس آخری جنتی کو دوزخ سے نکالنے کے بعد لایا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائیں گے کہ اس سے چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں پوچھو اور بڑے گناہ پوشیدہ رکھو (یعنی ان کے بارے میں مت پوچھو) چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کئے تھے؟ تو نے فلاں فلاں وقت یہ یہ کام کئے ہیں؟ (تو وہ اقرار کرے گا) آپؐ نے فرمایا پس اس سے کہا جائے گا کہ تیرے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی ہے آپؐ نے فرمایا وہ شخص فوراً کہے گا اے میرے رب! بلاشبہہ میں نے بہت سے کام (گناہ) اور بھی کئے ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھتا ابوذرؓ فرماتے ہیں بتحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ ہنسے یہاں تک کہ آپؐ کے نواجذ (داڑھیں) ظاہر ہوئے۔(حسن صحیح)

اس کا ایک مطلب تو سابقہ حدیث میں گذرا ہے کہ مراد ضحک سے تبسم ہے لیکن بعض علماء نے اس کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگرچہ آپؐ کی عادت شریفہ تو مسکراہٹ ہی کی تھی تاہم ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ آپؐ نے ضحک بھی فرمایا ہو علیٰ ہذا کہا جائے گا کہ کبھی کبھار ہنسنے میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ کثرت وشدت کی حد تک نہ ہو، جہاں تک قہقہے اور ضحک کی عادت کا تعلق ہے تو ان سے بہرحال بچنا چاہئے۔

قولہ: ''اَخبئوا'' اِخباء سے امر کا صیغہ ہے یعنی چھپاؤ خَبأٌ کے معنی چھپانے کے آتے ہیں۔**قولہ: ''فان لَکَ مکان کل سَیِّئۃ حسنۃ''** اگر اسے محض فضل باری کہا جائے تو پھر تو کوئی اشکال نہیں کیونکہ **''ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء''** لیکن اگر اسے خصوصیت پر محمول نہ کیا جائے تو اس کو سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۷۰ **''اِلّا من تاب وامن وعَمِلَ عملاً صالحاً فاُولٰئک یُبدِّلُ اللہ سَیِّئاتھم حسناتٍ و کان اللہ غفوراً رحیماً''** کے تناظر میں دیکھنا چاہئے، جس کا ظاہری مطلب اور عام مفسرین کا قول اگرچہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی ہر بُری خصلت کے عوض اللہ اس کو اچھی عادت عطا فرماتا ہے، شرک کے بدلے توحید، زنا کے عوض عفت اور بخل کی جگہ سخا وغیرہ وغیرہ مگر دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تبدیلی زمانہ اسلام میں

Maktaba Tul Ishaat.com

کئے ہوئے گناہوں کے بارے میں بھی ہے اور عین گناہ کی جگہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اسے نیکیاں عطا فرمائے گا جیسے سنکھیا زہر ہے لیکن بعض دفعہ وہ مقوی وصحت افزا ثابت ہو جاتی ہے البتہ یہ کہنا مشکل ہے کہ ایسا نرم سلوک کتنے لوگوں سے کیا جائے گا؟ تاہم اتنی سی بات ظاہر ہے کہ ندامت کو ملحوظ رکھا جائے گا، یہ قول سعید بن مسیب اور مکحول کا ہے۔ باب کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جبکہ پہلا قول ابن عباسؓ و دیگر مفسرین کا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ گناہوں کو مٹا کر عمل صالح اور توبہ کی برکت سے اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ میں اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو عذاب دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس میں کوئلہ بن جائیں گے، پھر ان کو رحمت خداوندی ڈھانپ لے گی چنانچہ ان کو نکالا جائے گا اور جنت کے دروازوں کے پاس ڈالا جائے گا، آپؐ نے فرمایا پس جنتی ان پر پانی چھڑک دیں گے، اس طرح وہ اُگیں گے جیسے کہ اُگتا ہے دانہ سیلاب کے لائے ہوئے کوڑے میں، پھر وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "حُمماً" بضم الحاء وفتح المیم حُممۃ کی جمع بمعنی کوئلہ کے ہے۔

قولہ: "الغُثاء" بضم الغین اصل میں سیلاب میں بہنے والی چیز کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد دانہ اور بیج ہے۔

قولہ: "حُمالۃ السیل" سیل بمعنی سیلاب اور حُمالہ اور حمیل السیل بمعنی محمولہ کے ہیں یعنی سیلاب کے ساتھ بہنے والی اشیاء جیسے لکڑیاں، درخت کے اوراق اور کچرا وغیرہ۔

چونکہ سیلابی کچرہ جب کنارے پر لگتا ہے تو اس میں پائے جانے والے دانے بہت ہی جلد اُگتے ہیں اس لئے ان جنتیوں کی سُرعت صحتِ مندی کی حمالۃ السیل سے تشبیہ دی گئی، گویا راکھ اور کوئلہ سے انسان جلدی جلدی پیدا ہو کر جنت کی طرف بھاگیں گے جبکہ اس سے قبل وہ کوئلہ بن چکے تھے، اگر غور کیا جائے تو کوئلہ بنانا بھی اللہ کی مہربانی ہے کیونکہ جو جگہ جل کر متغیر ہو جاتی ہے وہ سُن ہو کر احساس درد وجلن سے تقریباً عاری ہو جاتی ہے،

غرض حدیث باب کے مطابق عُصاۃ مؤمنین کو جہنم میں عذاب دیا جائے گا لیکن ان کی کھالیں تبدیل نہیں کی جائے گی جبکہ کفار کی کھالیں تبدیل ہوتی رہیں گی تاکہ وہ اپنے کئے ہوئے کی سزا مکمل طور پر چکھیں۔

حدیث ابی سعید الخدریؓ:۔ دوزخ سے ہر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ایک ذرّہ کا ہم وزن ایمان ہوگا، ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جس کو شک ہو وہ "ان اللہ لایظلم مثقال ذرّۃ" الایۃ پڑھ لے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "مثقال" بمعنی وزن کے جبکہ ذرّہ کے بارے میں پیچھے تین اقوال گذرے ہیں فلیتذکر۔ علاوہ ازاں ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ ذرّہ دینار کا ایک ہزار چوبیسواں جزء ہوتا ہے جو یہاں مراد ہے اور کنایہ ہے تقلیل سے انہوں نے دینار کے باقی اجزاء کا ذکر بھی کیا ہے۔ فمن شاء فلیراجع

حدیث آخر:۔ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا دوزخ میں جانے والوں میں دو شخص بہت زیادہ چلائیں گے تو رب تبارک وتعالیٰ حکم دیں گے کہ ان دونوں کو نکالو! چنانچہ جب ان کو نکالا جائے گا، اللہ ان سے پوچھیں گے تم دونوں کا زور، زور سے چیخنا چلانا کس بناء پر تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نے ایسا اس لئے کیا تا کہ تو ہم پر رحم فرمائے! اللہ فرمائیں گے تمہارے لئے میرا رحم کرنا یہ ہے کہ تم دونوں جاؤ اور خود کو دوزخ میں وہیں ڈالو جہاں تم تھے، چنانچہ وہ دونوں چلیں گے، پس ان میں ایک تو خود کو گرادے گا جس کے لئے اللہ دوزخ (کی اس جگہ) کو ٹھنڈا خوشگوار بنادے گا جبکہ دوسرا کھڑا رہے گا اور خود کو نہیں گرائے گا، پس رب تبارک وتعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے خود کو گرانے سے روکا جیسے تیرے ساتھی نے خود کو گرایا؟ تو وہ جواب دے گا کہ اے میرے رب! مجھے پوری امید تھی کہ تو مجھے اس میں دوبارہ نہیں لوٹائے گا بعد ازاں کہ تو ایک دفعہ مجھے نکال چکا، تو رب تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تم اپنی امید پر رہو چنانچہ وہ دونوں اللہ کے فضل سے مل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

اس روایت میں رشدین بن سعد اور انعم افریقی دونوں ضعیف ہیں۔

حدیث آخر:۔ "لَیُخرَجَنَّ قوم من امتی من النار الخ". (حسن صحیح)

آپؐ نے فرمایا یقیناً میری امت کے کچھ لوگ میری سفارش سے جہنم سے نکالے جائیں گے جن کو جہنمی کہا جائے گا (یعنی اہل جنت ان کو جہنمیوں کے نام سے یاد کریں گے)

قولہ: "لیخرجن" مذکورہ بالا ترجمہ مجہول صیغے کا کیا گیا ہے۔

قولہ: "یُسَمُّونَ الجھنمیین" جہنمی کی جمع ہے تاہم مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ لوگ اللہ سے دعاء مانگیں گے جس کی وجہ سے ان کا یہ تسمیہ ختم کر دیا جائے گا یعنی اس کے بعد جنتی ان کو جہنمی کہنا چھوڑ دیں گے۔

حدیث آخر:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دوزخ جیسی سنگین چیز نہیں دیکھی دراں حالیکہ اس سے بھاگنے والا سو رہا ہو اور جنت جیسی نعمت نہیں دیکھی دراں حالیکہ اس کا چاہنے والا سو رہا ہو۔

حاشیہ قوت پر اس حدیث کو مرفوع کے بجائے عامر بن قیس کا مقولہ قرار دیا ہے امام ترمذیؒ نے بھی اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کی تضعیف کی ہے اگر چہ بعض حضرات نے اس کی تحسین بھی کی ہے۔

بہر حال مطلب اس کا یہ ہے کہ دوزخ کی ہولنا کی سُن کر ایک آدمی کیسے سوسکتا ہے، جبکہ جنت کی لامتناہی نعمتوں کا سُن کر کسی کو نیند کیسے آتی ہے؟ اس لئے بعض حضرات نے ''مـــا رأیـت'' کو فعل تعجب کا صیغہ مانا ہے یعنی ان دونوں کو نظر انداز کرنا تعجب خیز ہے۔

باب ماجاء ان اکثر اهل النار النساء

(دوزخ میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے)

"عن ابی رجاء العطاردی قال سمعتُ ابن عباس یقول قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اِطَّلعتُ فی الجنة فرأیتُ اکثر اهلها الفقراء واطّلعتُ فی النار فرأیت اکثر اهلها النساء". (حسن صحیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت میں جھانکا تو میں نے جنت والوں میں زیادہ تعداد غریبوں کی دیکھی اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو میں نے دوزخ والوں میں زیادہ تعداد عورتوں کی دیکھی۔

تشریح:۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جھانکنا لیلۃ الاسراء یا صلوٰۃ خسوف میں ہوسکتا ہے اور ان کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے کیونکہ آپؐ کو یہ مناظر کئی مرتبہ دکھائے گئے ہیں۔

جنت میں فقراء کی اکثریت ایک تو اس لئے ہے کہ غریب آدمی عموماً اللہ کے احکامات کو خوشی سے مانتا ہے جبکہ غنی میں عموماً سرکشی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ دوم ویسے بھی دنیا میں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے تو اسی تناسب سے جنت میں تعداد زیادہ ہوئی بلحاظ وجہ اول کے۔

جہاں تک عورتوں کی دوزخ میں اکثریت کا تعلق ہے تو ایک تو دنیا کی عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے دوم عورتوں میں ناشکری اور فسق وفجور کا عنصر زیادہ ہوتا ہے دیکھئے جب وہ بازار کی غرض سے گھر سے نکلتی ہیں تو کس طرح زیب وزینت اختیار کرتی ہیں اس کا مقصد مردوں کو اپنی طرف راغب ومائل کرنا ہے، تاہم یہ ارشاد ابتداء احوال آخرت کے بارے میں ہوسکتا ہے مگر جب اللہ کے فضل سے مؤمنات دوزخ سے نکل جائیں گی تو پھر شاید صورت حال مختلف ہوجائے، بہر حال اس روایت میں حورِعین کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ صرف دنیوی لوگوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب

"عن النعمان بن بشیر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :قال ان اھو نَ اھل النار عذاباً رجل فی اخمص قدمیہ جَمرتان یغلی منھمادماغہ".(حسن صحیح)

دوزخ والوں میں عذاب کے حوالے سے ہلکا ترین وہ شخص ہوگا جس کے دونوں پیروں کے تلووں میں دو چنگاریاں ہوں گی جن سے اس کا دماغ اُبل رہا ہوگا یعنی کھولے گا۔

تشریح:۔قولہ:"اخمص" پاؤں کے تلوے میں جو خالی جگہ ہوتی ہے، بخاری کی روایت کے مطابق یہ شخص خواجہ ابوطالب ہوں گے۔یقیناً ان کی اسلام کے لئے بڑی خدمات ہیں اور حضور علیہ السلام سے انتہائی محبت کرتے جس کی برکت سے عذاب میں تخفیف تو ہوگی مگر عدم ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے کی اہلیت سے محروم رہے۔واللہ علیم حکیم۔اس کی کچھ حکمتیں مفسرین نے ذکر کی ہیں۔

باب

"اَلا اُخبرکم باھل الجنۃ؟ کل ضعیف مُتَضَعّف لواقسَمَ علی اللہ لَاَبَرّہ اَلا اُخبِرکُم باھل النار کل عُتُلٍّ جَوّاظٍ متکبر".(حسن صحیح)

کیا تمہیں جنتیوں کے بارے میں (یعنی ان کی علامات) نہ بتلاؤں ہر کمزور، حقیر سمجھا جانے والا ہے اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کرے اور کیا تمہیں دوزخیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ ہر سخت مزاج (یا بدزبان) مالدار بخیل (یا موٹا پیٹو) اور گھمنڈی۔

تشریح:۔یہ روایت مسلم:ص:۳۸۲ج:۲ میں بھی آئی ہے امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "متضعف" ماہوالمشہور کے مطابق بفتح العین ہے یعنی جسے لوگ معمولی سمجھتے ہیں اور اس کے ضعف کی وجہ سے اس پر چڑھ آتے ہیں جبکہ ضعیف بمعنی متواضع کے ہے، چونکہ ایسا شخص نرم دل ہوتا ہے اس لئے ایسا شخص جنتی ہوتا ہے۔

قولہ:"عتل" بضم العین والتاء بدمزاج جھگڑالو۔

قولہ:"جوّاظ" بفتح الجیم وتشدید الواؤ اس کے کئی معانی بیان کئے ہیں مال جمع کرنے اور بخل کرنے والا یعنی جو حقوق نہ دیتا ہو، یا جو موٹا ہو۔"وقیل القصیر البطین" یعنی بڑے پیٹ والا ٹھنگنا۔"وقیل

Maktaba Tul Ishaat.com

الفاخر ''یعنی فخر کرنے والا۔

قولہ: ''متکبر'' تکبر اور غرور کرنے والا گھمنڈ کرنے والا۔ چونکہ ایسا شخص اللہ کی مخلوق پر رحم نہیں کرتا اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتا اس لئے وہ دوزخ کا مستحق ہے۔ اِلّا ان یشاء اللہ و یصلحہ

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الایمان

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان باب افعال کا مصدر ہے مجرد باب "امن" ہے جس کے معنی بے خوف ہونے اور مطمئن ہونے کے آتے ہیں باب افعال چونکہ متعدی ہوتا ہے اس لئے اس کے معنی ہوں گے بے خوف و مطمئن کرنے کے چنانچہ جس نبی پر ایمان لایا جاتا ہے مؤمن اس کو اپنی طرف سے اطمینان کا یقین دلاتا ہے کہ آپ میری تکذیب سے بے خوف رہئے!

اسی طرح مؤمن خود بھی نبی ورسول کی بات سے مطمئن ہوجاتا ہے اگر چہ اس بات پر دلیل نہ ہو چنانچہ متکلمین یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک مقلد کا ایمان بھی معتبر ہے یعنی ایمانِ تقلیدی۔

ایمان سے متعلق ابحاث کافی طویل ہیں جس کو تفصیل درکار ہو تو وہ بخاری کی شروحات خصوصاً عمدۃ القاری علامہ عینیؒ کی شرح بخاری میں دیکھ لے یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کے چند پہلوؤں کو اجمالاً بیان کرتا ہوں:

(۱).....ایمان لغت میں وہی تصدیق منطقی بمعنی اذعانُ حکم المخبر کے ہے یعنی خبر دینے والے کو سچا ماننا البتہ تصدیق منطقی اور ایمان میں یہ فرق ضرور ہے کہ ایمان نفس تصدیق کا نام نہیں بلکہ اس اذعان کے ساتھ قبول وانقیاد بھی ضروری ہے، بایں طور کہ اس پر تسلیم کا اطلاق صحیح ہو سکے جسے فارسی میں گرویدن کہا جاتا ہے یعنی بغیر استکبار وانکار اور بلا عناد ماننا، غرض تصدیق مع الانقیاد کو ایمان کہتے ہیں جبکہ تصدیق منطقی کے لئے انقیاد شرط نہیں۔ (تدبر)

اصطلاح شریعت میں ایمان کی تعریف عقائد نسفی وشرح عقائد میں یوں کی گئی ہے:

"والایمان هو التصديق بماجاء به من عندالله تعالىٰ اى تصديق النبى صلى الله عليه وسلم بالقلب فى جميع ماعلم بالضرورة مجيئه به مِن عندالله

Maktaba Tul Ishaat.com

تعالیٰ اجمالاً والاقرار به الخ".

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں اور وہ اس طرح ثابت ہیں جیسے بدیہی ہوتا ہے تو ان سب کی تصدیق مع الاقرار باللسان اجمالی طور پر کرنا ایمان ہے۔ ہاں جو چیزیں تفصیلاً مروی ہیں یا جن کی تفصیل ملحوظ ہو تو وہاں ایمان تفصیلی لانا بھی لازمی ہے، نیز اقرار سے مانع کی صورت میں اقرار کا سقوط بھی ہوسکتا ہے لیکن عند المطالبہ بدون المانع اقرار بھی لازمی ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ دین کی وہ موٹی موٹی باتیں جو اس طرح مشہور ہوئی ہوں جو اپنی شہرت کی وجہ سے ہر عام وخاص کو معلوم ہوں تو وہ ان کو دین کی حیثیت سے جانتا ہو جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ ان کی تصدیق مع الانقیاد ایمان ہے اور ان کا تصدیق نہ کرنا کفر ہے۔

(۲).....کفر کیا ہے؟ بظاہر تو کفر انکار کو کہنا چاہئے لیکن اگر ہم کفر کا مصداق انکار کو گردانتے ہیں تو وہ شخص جو نہ انکار کرتا ہو اور نہ تصدیق، وہ نہ مؤمن ہوگا اور نہ ہی کافر کہلائے گا اس لئے سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کفر تصدیق وانقیاد کے فقدان کا نام ہے خواہ پھر اس کے ساتھ انکار بھی ہو یا بغیر انکار کے ہو۔

بناء بریں کفر کی متعدد صورتیں بن گئیں (۱) کفر انکار (۲) کفر جحود (۳) کفر عناد (۴) کفر نفاق۔

کفر انکار: یہ ہے کہ دل وزبان دونوں سے انکار ہو۔ کفر جحود: یہ ہے کہ دل تو تصدیق کرتا ہو لیکن زبان پر اقرار وتسلیم اور انقیاد نہ ہو جیسے فرعون اور ابوجہل کا کفر، اگر دل سے تصدیق اور زبان سے گا ہے گا ہے اقرار بھی ہو مگر تسلیم وانقیاد نہ ہو خواہ عدمِ انقیاد عناد کی وجہ سے ہو یا پھر کسی اور بناء پر ہو جیسے خواجہ ابوطالب کا انکار عار کی وجہ سے تھا اسے کفر عناد کہا گیا ہے، جبکہ کفر نفاق قسم دوم کی ضد ہے یعنی ظاہری تسلیم وانقیاد اور اقرار ہو لیکن دل میں تصدیق اور انقیادِ باطنی نہ ہو جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول کا کفر۔

نیز بدیہیات وضروریات دین میں تاویل بھی کفر ہے۔ مثلاً ایک شخص نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور حج کا وہ مطلب تبدیل کرتا ہے جو امت میں مسلّم ہے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے چنانچہ قادیانی اس لئے کافر ہیں کہ ایک تو انہوں نے ایک بدیہی مسئلے کا انکار کیا دوم انہوں نے نصوص کے اجماعی مطالب کو محرّف کر دیا۔

(۳).....ایمان بسیط ہے یا مرکب؟ یہ مسئلہ کافی اختلافی ہے۔ ابتداءً اس میں دو قول ہیں: ایک بسیط ہونے کا اور دوم مرکب ہونے کا۔ اور ثانیاً سات اور علی تقدیر آٹھ اقوال ہیں بایں طور کہ چار مذاہب بساطت کی صورت میں بنتے ہیں اور تین یا چار ترکیب کی صورت میں، ان مذاہب کی تفصیل اس طرح ہے کہ کرامیہ، جہمیہ،

Maktaba Tul Ishaat.com

مرجئہ اور جمہور محققین کا مذہب ایمان کی بساطت کا ہے پھر ان میں اختلاف ہے:

(۱).....کرامیہ فقط اقرار کو ایمان کہتے ہیں، اس کا بطلان ظاہر ہے کہ پھر تو منافق بھی مؤمن ہو جاتا ہے، حالانکہ منافقین بتصریح جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

(۲).....جُہیمہ صرف معرفت کو ایمان قرار دیتے ہیں یہ مذہب بھی باطل ہے کیونکہ پھر اہل کتاب کو مؤمنین ماننا پڑے گا۔

(۳).....مرجئہ کہتے ہیں کہ نفس تصدیق ایمان ہے بایں طور کہ کوئی گناہ اس کے منافی یا مضر نہیں جیسا کہ کفر میں نیکی مفید نہیں، نصوص سے اس کی نفی بھی بتصریح معلوم ہوتی ہے اور عصاۃ المؤمنین کا جہنم میں جانا بھی ثابت ہے۔

(۴).....جمہور محققین یعنی متکلمین وفقہاء فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے تاہم یہ نفس ایمان کا درجہ ہے، اس سے اقرار یا اعمال کی اہمیت میں کسی طرح کمی کا توہم نہیں ہونا چاہئے وہ سب اپنی جگہ اہم ہیں تاہم ان کی حیثیت فرعیات وثمرات اور لوازمات کی ہے اگر کسی مؤمن میں تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان سارے موجود ہوں تو نور علی نور ہے اور وہ کامل ایمان ہے جس کی بناء پر وہ عذاب خداوندی سے محفوظ رہے گا۔ لیکن اگر کسی میں فقط تصدیق پائی جاتی ہو تو وہ بھی مؤمن ہی کہلائے گا اور اگر اللہ اسے گناہ پر سزا دینا چاہے تو بالآخر اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ترکیب ایمان میں بھی چار اقوال ہیں یہ مذہب جمہور محدثین، معتزلہ اور خوارج وغیرہ کا ہے۔ کہ ایمان تین عناصر کے مجموعے کا نام ہے، تصدیق قلبی، زبان سے اقرار اور عمل، پھر ان کے آپس میں اختلاف ہے۔

(۵).....خوارج کے نزدیک کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی کافر ہو جاتا ہے ان میں بعض غالی لوگ صغیرہ گناہ کو بھی موجب کفر کہتے ہیں۔

(۶).....معتزلہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ اگرچہ ایمان سے تو خارج ہو جاتا ہے لیکن جب تک تصدیق باقی ہو تو وہ کفر میں داخل نہیں ہوتا، اس کو وہ لوگ منزلة بين منزلتين سے تعبیر کرتے ہیں، تاہم حکم وانجام کے اعتبار سے ان دونوں مذہبوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ دونوں کے نزدیک مرتکب کبیرہ اگر توبہ نہ کرے تو ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہے گا اس کی معافی کی صورت ممکن نہیں نہ اس کی شفاعت ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی سزا ختم ہو سکتی ہے لیکن بے شمار نصوص سے اس موقف کی نفی ہوتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۷).....اصحاب حدیث فرماتے ہیں کہ ایمان مندرجہ بالا تین امور سے مرکب تو ہے لیکن کسی معصیت سے آدمی ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

(۸).....اگر ایمان کے لئے اقرار کو شرط کے بجائے شطر یعنی جزء مانا جائے تو پھر ایک اور مذہب بھی قابلِ ذکر ہوگا کہ ایمان دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) تصدیق (۲) اقرار عقائد نسفی میں اس کو ذکر کیا گیا ہے ''الایمان هو التصديق والاقرار'' اس پر علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

''هذاالذی ذکره من ان الایمان هو التصديق والاقرار مذهب بعض العلماء وهو اختيار الامام شمس الائمه وفخر الاسلام''.

پھر جو لوگ اقرار کو شرط کہتے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ کا اجراء اقرار پر موقوف ہے جہاں تک فی مابینہ وبین اللہ کا معاملہ ہے تو اس کے لئے فقط تصدیق ہی کافی ہے، فقہ اکبر میں امام صاحبؒ کا مذہب اسی آٹھویں قول میں نقل کیا گیا ہے۔

ان مذاہب کے دلائل مطولات میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں یہاں اتنی سی بات عرض کی جاتی ہے کہ اہل حق کا جو اختلاف نظر آتا ہے وہ دراصل زمانے کے حالات کا تقاضا تھا، کہ جب معتزلہ اور خوارج نے بڑے شدومد کے ساتھ یہ بات کی کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوجاتا ہے تو متکلمین نے فرمایا کہ ہرگز نہیں بلکہ ایمان تو تصدیق کا نام ہے عمل کا نام نہیں۔

اس کے برعکس جب محدثین کے زمانے میں اہل بدع نے عمل کی حیثیت یکسر گرادی جیسے مرجیہ یا تصدیق کی ضرورت ختم کردی جیسے کرامیہ اور جہمیہ یا اقرار کی شرط یا شطریت کو نظر انداز کردیا جیسے مرجئہ وجہمیہ تو اس وقت کے اہل حق نے ان تینوں کی اہمیت پر زور دیا، اور یہ ہر دور کے اہل حق کا طریقہ رہا ہے۔ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کے مابین رہا ہے۔ تدبر وتشکر

باب ماجاء اُمِرتُ ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا الاِلٰه الا اللّٰه

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں)

''عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اُمِرتُ ان اُقاتل الناسَ حتىٰ يقولوا الاِلٰه اِلّا الله فاذاقالوها عَصَمُوامِنّی دِمائَهم واموالَهم اِلّابِحقها وحسابهم على

Maktaba Tul Ishaat.com

اللّٰہ". (حسن صحیح)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہیں پس جب انہوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے محفوظ کرلیا مجھ سے اپنے جان و مال کو سوائے اس کلمہ کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے پاس ہے۔

تشریح: ۔"فاذاقالوھا اوربحقھا" دونوں کی ضمیریں کلمہ کی طرف راجع ہیں اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جب لوگ اسلام کو قبول کرلیں تو پھر ان سے لڑنے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ ہاں البتہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کلمہ کے جو حقوق ہیں ان میں کوتاہی پر گرفت کی جائے گی جو ظاہری خلاف ورزی ہوگی ان کا مؤاخذہ ہم کریں گے۔ جیسے حدود کا نفاذ، اور جو مخفی ہوگی اس پر عدم اطلاع کی وجہ سے یا عدم ثبوت کی بناء پر ہم سزا نہیں دے سکتے بلکہ وہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اسی طرح اگر اقرار جھوٹا ہوگا تو اس پر سزا دینا بھی اللہ کا کام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجرائے احکام کے لئے ظاہری اقرار کافی ہے ہاں البتہ اگر اس سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو ایمان کے منافی ہو جیسے بُت کو سجدہ کرنا یا زنار باندھنا تو وہ اقرار کالعدم شمار ہوگا۔

پھر لا الہ الا اللہ اِسمِ علَم ہے مراد اس سے پورا کلمہ طیبہ اور اسلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحیحین میں "ویؤمنوا بی، وبماجئت بہ، اور وانّ محمداً رسول اللہ" کا اضافہ بھی مروی ہے، اور ترمذی کے اگلے باب میں مزید اضافے بھی ہیں۔

چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مامور ہیں اس لئے جب آپ فرمائیں کہ اُمرتُ تو مطلب یہی ہوگا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور جب صحابی فرمائیں کہ اُمرتُ تو مراد یہ ہوگی کہ مجھے نبی علیہ السلام نے حکم دیا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ صحابی کے قول "اُمِرتُ" کا مطلب یہ لیا جائے کہ مجھے صحابی نے حکم دیا ہے اس کی وجہ تحفۃ الاحوذی میں یہ بتائی ہے کہ صحابہ کرامؓ مجتہد تھے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے حکم سے استدلال نہیں کرتا "لانھم من حیث انھم مجتھدون لایحتجون بامر مجتھد آخر"۔ غیر مقلدین کو اپنے پیشوا کی یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

قرآن میں تین قسم کے لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق بات کی گئی ہے:

(۱) ایک عوام الناس کا طبقہ ہے اس کے لئے عام فہم انداز، آسان اور سہل زبان میں قصص و امثال کے

Maktaba Tul Ishaat.com

ذریعہ نصیحت بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ''ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مُدّکر''؟۔

(۲) دوم علماء کی جماعت ہے کہ ان کے لئے ان کے شایان شان دلائل اور احکام بیان کرنے کا جامع ومختصر طرز اختیار کیا گیا ہے تا کہ وہ ان اصول سے استنباطات کرتے رہیں۔

(۳) سوم معاندین کا گروہ ہے یہ لوگ نہ تو نصیحت سُنتے اور قبول کرتے ہیں اور نہ ہی احکام قبول کرنے کی زحمت کرتے ہیں ان کے لئے جہاد کا حکم ہے کہ جب یہ ائمۃ الکفر راستہ سے ہٹ جائیں گے تو وہ دوسروں کی ہدایت کا سدِّ باب نہیں کرسکیں گے، جہاد کے متعلق بحث تشریحات جلد پانچ میں گذری ہے۔

سوال:۔ بظاہر اس حدیث سے جزیہ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ اس میں دو ہی صورتیں بیان کی گئی ہیں کہ یا تو وہ لوگ اسلام قبول کرلیں یا پھر موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔

جواب:۔ اس کے متعدد جوابات ہیں: ایک جواب: یہ ہے کہ اس میں لفظ ناس سے مراد مشرکین ہیں یعنی عرب کے اہل شرک اور ان کا حکم یقیناً وہی ہے جو سوال میں ذکر ہوا، ان سے جزیہ وصول نہیں کیا جاتا۔

دوسرا جواب: یہ ہے جو علامہ طیبیؒ نے دیا ہے کہ یہ حدیث تو عام ہے اور ناس تمام کفار کو شامل ہے خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں تاہم اس حدیث میں آیت کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے یعنی ''حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون''۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ قتال سے مراد قہر اور تسلط ہے خواہ وہ غلبہ قتال کی وجہ سے ہو یا صلح اور جزیہ کی وصولی کی صورت میں ہو جبکہ کلمہ شہادت پڑھنے سے مراد انقیاد ہے خواہ اسلام قبول کرنے سے ہو یا جزیہ ادا کرنے سے اور بلاشبہ ذمی لوگ بھی اسلامی ریاست کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اگرچہ ان کو اپنے اپنے مذاہب کے مطابق رسومات ادا کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مگر وہ اپنی رسوائی پر شرمندہ رہنے کی وجہ سے اسلام کے آگے بے بس بھی ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اسلام کی جانب راغب بھی ہوتے رہتے ہیں اور یہی گویا حکمی قتال ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ بنادیئے گئے تو عربوں میں سے جس کو انکار کرنا تھا وہ منکر ہوگیا (چنانچہ ابوبکرؓ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا) پس عمر بن خطابؓ نے ابوبکرؓ سے کہا آپؓ لوگوں (مانعین زکوٰۃ) سے کیسے لڑیں گے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ''لاالہ الااللہ'' کہیں اور جس نے کہہ دیا ''لاالہ الااللہ'' اس نے مجھ سے اپنی مال وجان محفوظ

Maktaba Tul Ishaat.com

کرلی سوائے حق اسلام کے اور اس کا حساب اللہ کے پاس ہے پس ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم ہے! میں ضرور لڑوں گا اس شخص سے جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرتا ہے، بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے اور قسم ہے اللہ کی! کہ اگر یہ لوگ وہ رسّی مجھے نہ دیں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے روکنے پر ان سے بہرحال لڑوں گا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بس کیا تھا خدا کی قسم! میں سمجھ گیا کہ اللہ نے ابوبکرؓ کا سینہ جنگ کے لئے کھول دیا ہے تو میں سمجھ گیا کہ یہی بات صحیح ہے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "کفر من کفر" حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں کہ منحرفین کے تین گروہ تھے: ایک جو بالکلیہ مرتد ہوگئے تھے دوم جنہوں نے صرف زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اور سوم جو زکوٰۃ کی فرضیت کے معترف تھے مگر حکومت کو دینے کے منکر ہوگئے تھے، تاہم عام شارحین نے دو جماعتیں بنائی ہیں ایک جو مرتد ہوگئے تھے اور مسیلمہ کذاب کے حامی ہوگئے تھے دوم جو مانعین زکوٰۃ تھے، یاد رہے کہ ان مرتدین یا مانعین میں مہاجرین اور انصار شامل نہ تھے بلکہ یہ دراصل وہ قبائل تھے جو مدینہ منورہ سے دور افتادہ علاقوں میں آباد تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی تعلیمات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے زیادہ فیض یافتہ بھی نہیں تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس شبہہ کے درپیش ہونے کی وجہ سے مانعین زکوٰۃ کو صحابہ نے مرتدین نہیں سمجھا تھا کیونکہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ زکوٰۃ لینے کا حکم تو آپؐ کو تھا "خذ من اموالهم صدقة" الآیۃ حضرت عمرؓ کا ابوبکرؓ سے مناظرہ بھی اسی تناظر میں ہوا ہے علی ھذا اس فریق پر اس حدیث میں کفر کا اطلاق تغلیباً یا کفر دون کفر کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ انکا استدلال اگرچہ غلط تھا مگر اس میں ان کو شُبہہ لاحق تھا اب چونکہ زکوٰۃ کا وجوب بدیہیات دین میں سے ایک ہے لہٰذا آج منکر زکوٰۃ کو بالاجماع کافر کہا جائے گا امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"قلنا لا فان من انكر فرض الزكوٰة فى هذه الازمان كان كافراً باجماع المسلمين". (تفصیل کے لئے دیکھئے نووی بر مسلم: ص: ۳۸، ۳۹ ج: اقدیمی کتب خانہ)

ابوبکر صدیقؓ کا جواب بظاہر قیاس جدلی کے طرز پر ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو نص کا علم نہ ہوا ہو کہ قتال بند کرنا صرف کلمہ شہادت پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ نماز، روزہ وزکوٰۃ وغیرہ سب احکام کی ادائیگی سے مشروط ہے لیکن چونکہ حضرت عمرؓ تو تارکین وجاحدین صلوٰۃ کے خلاف قتال کے قائل تھے تو ابوبکرؓ نے ان کو بتلا دیا کہ جس طرح نماز کا حکم ہے اسی طرح زکوٰۃ کا بھی ہے اور ان کی توجہ "الا بحقه" کی طرف مبذول کرادی کہ اسلامی حقوق کی عدم ادائیگی بھی جنگ کی وجہ بن سکتی ہے۔ اور چونکہ قیاس جدلی تھا اور یہ مناظرہ اظہارِ

Maktaba Tul Ishaat.com

حق کے لئے تھا اس لئے حضرت عمرؓ کی سمجھ میں یہ باریک نکتہ آتے ہی ان کو بھی شرح صدر ہو گیا، عارضۃ الاحوذی میں ہے: "ولو قاتلهم بالاجتهادلكان ذالك له ولكن النص ثابت من طُرُقٍ"۔

غرض حضرت ابوبکرؓ نے نص اور قیاس دونوں طریقے اپنائے جس سے استدلال مزید مستحکم ہوا اب وہ نص کون سی تھی؟ تو الکوکب الدری کے حاشیہ پر امام حاکم کی اکلیل کے حوالے سے عبدالرحمٰن ظفری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے:

"قال بَعَثَ رسولُ الله صلى الله عليه وسلم الى رجل من اشجع لِتوخذ صَدَقَته فَابىٰ ان يعطيها فَرَدَّه اليه الثانية فَابىٰ ثم رده اليه الثالثة وقال: اِن اَبىٰ فاضرب عُنُقَه! قال عبدالرحمن اَحَدُ رُواة الحديث: قلتُ لِحكيم: ما اُرىٰ ابوبكرٌ قاتل اهل الردة اِلاعلى هذاالحديث؟ قال: اجل!".

اسی طرح حدیث ابی ھریرۃ میں بھی "ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ" ثابت ہے۔

لہٰذا جن شارحین نے کہا ہے کہ حضرات شیخین کے پاس نص نہیں تھی بلکہ یہ استدلال قیاس پر مبنی ہے تو اس کی اب چنداں ضرورت نہیں رہی۔

قولہ: "عِقالاً" بروزن کتاب وہ رسی مراد ہے جس سے اونٹ باندھا جاتا ہے عِقال کے کئی معنے آتے ہیں لیکن یہاں چونکہ تشدید اور تصغیر مقصود ہے اس لئے رسی ہی مراد ہے جو کنایہ ہے معمولی چیز سے یعنی اگر کوئی اتنی مقدار میں زکوٰۃ روکے جس کی قیمت ایک رسی کی برابر ہو تو بھی اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

تارک صلوٰۃ وصیام اور مانع زکوٰۃ کا حکم جلد سوم کے بالکل شروع میں عرض کیا جا چکا ہے (دیکھئے ابواب الزکوٰۃ: ص:۹ ج:۳) یعنی مانع زکوٰۃ سے زکوٰۃ زبردستی بھی وصول کی جا سکتی ہے اگرچہ اس میں اُس کی جان چلی جائے۔

قولہ: "ماهو الاان رأيت الخ" ھو ضمیر شان ہے جس کی تفسیر مابعد نے کی ہے۔

قولہ: "فعرفت انه الحق" یہ تقلید نہیں بلکہ اپنے قول سے رجوع ہے کیونکہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں ہاں موافقت جائز ہے، امام نووی فرماتے ہیں:

"ومعنىٰ قوله: عرفت انه الحق اى بمااظهر من الدليل واقامه من الحجة فعرفتُ بذالك ان ماذهب اليه انه الحق لَاان عمر قلّدابابكرٌ فان المجتهد

Maktaba Tul Ishaat.com

لایقلد المجتهدَ وقدزعمت الرافضة ان عمر انما وافق ابابکرؓ تقلیداً وبنوه علی مذهبهم الفاسدفی وجوب عصمة الائمة وهذه جهالة ظاهرة منهم والله اعلم". (شرح مسلم: ص:۴۰ج:۱قدیمی کتب خانہ)

باب ماجاء امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لاالٰهَ الااللہ الخ

"عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :امرت ان اقاتل الناس الخ".

تشریح:۔اس حدیث کی تشریح سابقہ باب کی پہلی حدیث میں کی جا چکی ہے البتہ یہاں یہ بھی اضافہ ہے"وان محمداً عبده ورسوله وان یستقبلوا قِبلَتَنَاویاکلوا ذبیحَتَنَاوان یصلوا صلا تَنَا،فاذا فعلوا ذالک حُرِّمَت علینادمائهم واموالهم اِلّابحقها،لهم ما للمسلمین وعلیهم ماعلی المسلمین"۔(حسن صحیح)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں"لاالـه الا اللّٰـه" کی اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کریں اور ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں،پس جب وہ ایسا کریں گے تو ہمارے اوپر ان کے خون اور ان کے اموال (املاک) حرام کردیئے جائیں گے (یعنی یہ سب چیزیں محترم ہوجائیں گی) سوائے کلمہ کے حقوق کے (یعنی وہ ان پر لازم ہوں گے) ان کے لئے وہی مراعات وحقوق ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان کے ذمہ وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

اس حدیث میں استقبال قبلہ کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ چونکہ ہماری نماز اور اہل کتاب کی نماز میں بہت ساری چیزیں مشترک ہیں جبکہ قبلہ مکمل امتیازی شعار ہے کیونکہ اہل کتاب کعبہ کی طرف نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

اور ذبیحہ کا ذکر امتیازِ عادی کے لئے ہے کہ جب عبادات میں امتیازات کو بیان فرمایا تو آکل وعادات کا تمایز بھی بیان فرمایا گو کہ ذبیحہ عبادات میں سے بھی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض جب تک کوئی اسلام کے دائرہ میں پوری طرح داخل نہیں ہوگا اس وقت تک وہ مسلمان شمار نہیں ہوگا اور جب کوئی اسلام قبول کرلے تو پھر اس کے جان و مال سے تعرض جائز نہیں جیسا کہ سابقہ باب میں گذرا ہے۔

باب ماجاء بُنِی الاسلام علی خمس

(اسلام پانچ (ارکانوں) پر بنایا گیا ہے)

"عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :بُنِی الاسلام علی خمس شهـــادة ان لاالـه الاالله وان محمداً رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحج البيت". (حسن صحيح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے: (۱) لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی گواہی دینا (۲) نماز کو فروغ دینا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

تشریح:۔ بناء عمارت کھڑی کرنے کو کہتے ہیں تاہم حسی بناوٹ کے ساتھ اس کا اطلاق معنوی ترکیب وہیئت پر بھی ہوتا ہے اور یہاں یہی معنوی تصویر وتشبیہ مراد ہے کہ جیسے اسلام گویا گولی خیمے کی طرح محفوظ چھت ہے جس کا عمود یعنی بیچ کا ستون کلمہ شہادت ہے اور چار اطناب یعنی اطراف کے ستون نماز، روزہ اور زکوٰۃ وحج ہیں، عمود کے بغیر تو اس کی چھت نصب ہو ہی نہیں سکتی بلکہ زمین بوس ہو جاتی ہے جبکہ باقی اطناب کے بغیر یہ خیمہ ناقص رہتا ہے جہاں تک باقی اعمال کا تعلق ہے تو یوں سمجھنا چاہئے جیسے کوئی خیمہ یا گھر زیادہ محفوظ ہوتا ہے اور کوئی کم محفوظ، بڑے سوراخ اور دراڑ سے زیادہ خطرہ لاحق رہتا ہے اور چھوٹے سُراخ سے چھوٹے خطرات اور گرمی وسردی کی آمد کا خطرہ درپیش رہتا ہے۔

قولہ: "علی خمس" بعض حضرات کو یہ شبہہ لاحق ہوتا ہے کہ مبنی اور مبنیٰ علیہ میں اتحاد ہے کیونکہ اسلام تو عین ارکان خمسہ کا نام ہے تو وہ ان پر کیسے مبنی ہوا؟ اس لئے بعض شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ "علیٰ بمعنی من" کے ہے لیکن اس کا یہ بھی جواب ہوسکتا ہے کہ اسلام سے یہاں مراد ہیئت ترکیبی ہے جیسا کہ اوپر تشریح میں گذرا ہے اور ہیئت ارکان سے غیر ہوتی ہے اگرچہ یہ غیریت اعتباری ہوتی ہے لیکن تشبیہ کے لئے کافی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "شھادۃ الخ" مجرور و مرفوع دونوں پڑھنا جائز ہے اسی طرح باقی معطوفات کا اعراب ہے، جر بنا بر بدلیت خمس سے اور رفع بناء بر خبریت مبتداء مقدر کے لئے یعنی وھی یا احدھما وثانیھا وھکذا۔

قولہ: "واقام الصلوٰۃ" اقامت کے کئی معنے آتے ہیں یہاں معنی فروغ دینا زیادہ مناسب ہے باقی تحقیق ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ (تشریحات: ج:۱ص:۳۸۶) چونکہ ان پانچ ارکان میں فرض کفایہ کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا اس لئے اِن کی تخصیص کی گئی جبکہ باقی ارکانِ اسلام جیسے جنازہ و تکفین اور جہاد و خدمت والدین اور دیگر حقوق واجبہ دوسروں کے ادا کرنے سے اور ان کی کفایت سے ذمہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

باب ماجاء فی وصف جبرئیل للنبی ﷺ الایمانَ والاسلامَ

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جبرئیل علیہ السلام کا ایمان و اسلام کا بیان (یعنی سوال) کرنا)

"عن یحییٰ بن یعمُر قال اول من تکلم فی القدر مَعبَدالجُھَنی قال خرجتُ انا وحُمید بن عبدالرحمن الحِمیَری حتیٰ أتینا المدینۃ، فقلنا لو لَقِینا رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألناہ عما اَحدَثَ ھٰؤلآء القوم فلقینا یعنی عبداللہ بن عمر، وھو خارج من المسجد قال فاکتنفتُہ انا وصاحبی فقلتُ یا اَبَا عبدالرحمن !ان قوماً یقرؤن القرآن ویتقفرون العلم ویزعمون "ان لاقدر وان الامر اُنُفٌ" قال فاذا لقیتَ اُولٰئک فَاَخبِرھم انی منھم بریٌٔ وانھم منی بُراءُ، والذی یحلف بہ عبداللہ لو ان احدھم اَنفَقَ مثل اُحد ذھبا ما قبل ذالک منہ حتیٰ یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔

قال ثم اَنشأ یحدث فقال: قال عمر بن الخطاب کنا عند رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لایُریٰ علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا احد حتیٰ اَتَی النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَلزَقَ رُکبَتَہ بِرُکبَتِہٖ ثم قال یامحمد! ما الایمان؟ قال ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ۔

قال: فما الاسلام؟ قال شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان مُحمداً عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ

Maktaba Tul Ishaat.com

وایتاء الزکوٰۃ وحج البیت وصوم رمضان ،قال فماالاحسان؟قال:ان تعبداللہ کانک تراہ، فان لم تکن تراہ فانہ یراک اقال فی کل ذالک صدقتَ قال فتعجبنامنہ یسألہ ویصدقہ، قال فمتیٰ الساعۃ؟قال:ماالمسئول عنہاباعلم من السائل اقال فماامَارَاتُھا؟؟؟قال:ان تلِدالامۃ رَبَّتَھاوان تریٰ الحُفاۃَ العُراۃَ العَالّۃ رِعاء الشاء یتطاولون فی البنیان!

قال عمر فلقینی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدذالک بثلاث فقال:یاعمر اھل تدری مَنِ السائل؟ذاک جبرئیل اتاکم یعلمکم امر دینکم":(صحیح حسن)

حضرت یحییٰ بن یعمر سے روایت ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے تقدیر کے بارے میں گفتگو کی ہے وہ معبد جُہنی ہے، یحییٰ بن یعمر فرماتے ہیں کہ میں اور حمید بن عبدالرحمٰن دونوں (مدینہ کی طرف) نکلے، یہاں تک کہ ہم مدینہ پہنچے، ہم نے کہا کہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کسی سے ہماری ملاقات ہوجائے تو ہم اس سے پوچھیں گے اس مسئلہ کے بارے میں جوان لوگوں (منکرین قدر) نے رچایا ہے، چنانچہ ہماری ملاقات (حسب منشا) اس سے ہوئی یعنی عبداللہ بن عمرؓ سے جبکہ وہ مسجد سے نکلنے والے تھے تو میں نے اور میرے ساتھی دونوں نے ان کو گھیر لیا (یہاں بعض نسخوں میں یہ اضافہ ہے "فظننتُ ان صاحبی سیکِلُ الکلام اِلَیَّ" یعنی میں نے باور کیا کہ میرا ساتھی بات کرنے کا اختیار مجھے دے گا) چنانچہ میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک کچھ لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور علم (حدیث وغیرہ) بھی حاصل کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ تقدیر کچھ نہیں، بس ہر چیز پہلی مرتبہ ہی وجود میں آتی ہے، ابن عمرؓ نے فرمایا جب آپ کی ان لوگوں سے ملاقات ہوجائے تو ان کو بتاؤ کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، اور قسم ہے اس کی جس کی عبداللہ قسمیں کھاتا رہتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک اُحد جتنا سونا صدقہ کرے تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا تاوقتیکہ اس خرچ کے ساتھ تقدیر پر ایمان نہ ہو اور اس کے بھلے بُرے پر۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ پھر ابن عمرؓ حدیث بیان کرنے لگے پس فرمانے لگے کہ عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، اتنے میں اچانک ایک شخص آیا جو انتہائی سفید کپڑوں والا اور نہایت سیاہ بالوں والا تھا، نہ تو اس پر سفر کا اثر دیکھا جاسکتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا، یہاں تک کہ وہ (سیدھا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر اپنے گھٹنے کو آپؐ کے گھٹنے سے ملا کر بیٹھ گیا، اور پھر پوچھا: اے محمد! ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (ایمان یہ ہے) کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں

Maktaba Tul Ishaat.com

پر، اس کے رسولوں پر، آخری دن (قیامت) پر اور تقدیر پر ایمان لائے، اس کے خیر و شر پر (یعنی ان سب کی تصدیق کرنا ایمان ہے)

اس شخص نے پوچھا تو اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (اسلام ہے)۔

اس نے پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اس طرح (توجہ سے) کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو! اور تم اس کو اگرچہ (عبادت میں) دیکھ تو نہیں سکتے ہو لیکن وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (اس لئے عبادت میں توجہ ضروری ہے)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ وہ سائل ہر جواب پر کہتا آپ نے سچ فرمایا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ آپؐ سے سوال بھی پوچھتا ہے اور آپؐ کی تصدیق بھی کرتا ہے

سائل نے پوچھا پس قیامت کب ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا جا رہا ہے وہ (اس حوالے سے) سائل سے زیادہ نہیں جانتا!

سائل نے کہا تو اس کی علامات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا (اس کی نشانیاں یہ ہیں) کہ جنے گی باندی اپنی سیّدہ کو اور یہ کہ دیکھے گا تو ننگے پیر، برہنہ تن محتاج بکریوں کے چَرانے والوں کو جو اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تین دن بعد مجھ سے ملے تو فرمایا اے عمر! کیا تم جانتے ہو وہ سائل کون تھا؟ وہ جبرئیل تھے جو (دراصل) تمہارے لئے آئے تھے تاکہ تمہیں آپ کا دین سکھلا دیں۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے حدیث کے اسی آخری جملے سے ترجمۃ الباب اخذ کیا ہے چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے دین کے بارے میں سوالات پوچھے تھے جو آنحضور علیہ السلام کے جوابات کے موجب بنے اس لئے تعلیم کی نسبت حضرت جبرئیلؑ کی جانب کی گئی یعنی بطور تسبیب جیسے ''بَنَی الامیر المدینة''۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ترجمۃ الباب حضرت جبرئیلؑ کی تصدیق سے لیا ہو جبکہ امام بخاریؒ نے اس پر یوں باب باندھا ہے ''باب سوال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام

Maktaba Tul Ishaat.com

الخ"۔

قولہ: "اول من تکلم فی القدر معبد الجهنی" بضم الجیم جُہینہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے، یہ شخص بصرہ میں رئیس القدریہ تھا حضرت حسن بصریؒ کے حلقۂ درس میں بیٹھتا تھا مگر واصل کی طرح اس نے اپنا نظریہ تقدیر کے بارے میں گھڑ لیا تھا، پھر مدینہ منورہ آیا تھا ۸۰ھ یا اس کے بعد حجاج بن یوسف نے قتل کر دیا تھا، ابواب التقدیر میں قدریہ وغیرہ کے بارے میں تفصیل گذری ہے۔

قولہ: "فاکتنفتُه الخ" کَنَف پرندے کے پر اور بازو کو کہتے ہیں یعنی میں ابن عمرؓ کے ایک جانب ہو گیا اور میرا ساتھی دوسری جانب۔

قولہ: "یتقفّرون العلم" یہ لفظ متعدد طریقوں سے پڑھا گیا ہے یہاں قاف، فا، پر مقدم ہے جس کے معنی طلب کرنے اور جمع کرنے کے آتے ہیں، دوسری روایت یقفرن یعنی یاء کے بعد فاء ہے جیسا کہ حاشیہ ترمذی پر ہے ایک میں یتفقّرون یعنی فاء۔تاء اور قاف مؤخرہ کے درمیان ہے اس کے معنی باریکیوں سے بحث کرنا ہے اور یہی مطلب یتقعّرون کا بھی ہے یعنی علم کی گہرائی اور قعر وتہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قولہ: "وان الامر اُنُف" بضم الہمزۃ والنون یعنی کوئی بھی کام سابقہ تقدیر کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ نو مولود ہوتا ہے، بالکل نیا اور تازہ ہوتا ہے۔

قولہ: "انی منهم بری" یہ تمہید ہے اور اظہار نفرت ہے تاکہ سامعین کے ذہنوں میں اس انکار کی شناعت بڑھ جائے، پھر اس کے بعد دلیل سے اپنا مدعیٰ ثابت فرمایا۔

قولہ: "ماقبل ذالک منهم الخ" بظاہر یہ ان کی تکفیر ہے کیونکہ اعمال کی عدم قبولیت اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کسی گناہ سے نہیں بلکہ عدم ایمان کی وجہ سے ہوتی ہے علیٰ ہذا کہا جائے گا کہ یہ تکفیر ان قدریہ کی ہے جو تقدیر کے یکسر منکر ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عدم قبولیت سے مراد اس پر ثواب کی نفی ہو عدم فراغ الذمہ نہ ہو، قبولیت کے دونوں معنے ترمذی کے سب سے پہلے باب "لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور" میں گذری ہیں۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں چونکہ ایمان بالقدر کی تصریح ہے اس لئے انہوں نے بطور استدلال کے یہ حدیث ذکر فرمائی۔

قولہ: "کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم" یہ حجۃ الوداع کے بعد کا واقعہ ہے اور چونکہ صحابہ کرامؓ کو سوالات پوچھنے سے منع کیا گیا تھا اس لئے وہ کسی ہوشیار اعرابی کے آنے کا انتظار کرتے اور اس کے سوال پوچھنے پر خوش ہو جاتے اس لئے حضرت جبرئیلؑ نے اعرابی کی طرح بیٹھنے کا انداز اختیار کر کے پوچھا

Maktaba Tul Ishaat.com

''یا محمد'' تا کہ صحابہ پہچان نہ سکیں، کپڑے سفید تھے جو نورانی مخلوق اور اہل علم کے ساتھ زیادہ مناسب ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید کپڑے پہننے، اس کے احرام اور کفن کو پسند کیا اور افضل قرار دیا ہے۔ اگر چہ بیان جواز کے لئے دوسرے رنگوں کا بھی بنفس نفیس استعمال کیا ہے جیسے فتح مکہ کے دن آپؐ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا اس لئے کہا جائے گا کہ دوسرے رنگ کے کپڑے بھی جائز ہیں سوائے خالص سرخ رنگ کے جو مردوں کے لئے مکروہ ہے مگر افضل بہر حال سفید ہیں خواہ عمامہ ہو یا کوئی اور لباس۔

جہاں تک کالے بالوں کا تعلق ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ طلب کا اصل اور موزون ترین زمانہ جوانی کا دور ہے جس میں حواس ظاہریہ و باطنیہ مضبوط ہوتے ہیں۔

قولہ: "لایریٰ علیہ اثر السفر و لایعرفہ منا احد" پہلے جملے سے اس کے مسافر ہونے کی نفی مراد ہے اور دوسرے سے مقامی باشندے ہونے کی۔ کیونکہ مسافر کی حالت اس طرح نہیں ہوتی ہے وہ تو پراگندہ بالوں اور میلے کپڑوں والا تھکا ماندہ نظر آتا ہے نہ کہ تر و تازہ جبکہ مقامی شخص کو وہاں کے لوگ پہچانتے ہیں مگر یہاں یہ کیفیت تھی کہ جب وہ شخص آیا تو سب لوگ اس کو ایسے ہی دیکھتے رہے جیسے کسی انجان شخص کو دیکھتے ہیں۔

جہاں تک اس شخص کے بیٹھنے اور سوال کرنے کا انداز ہے تو یہ صحابہ کرام سے اپنی شخصیت چھپانے کے لئے ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتے ہوں کیونکہ غیر معمولی کام کرنے والے کی طرف لوگ متوجہ ہو جاتے ہیں، کسی کی مجال تھی جو آپؐ کے پاس اس طرح قریب ہو کر بیٹھے اور آپؐ کو یا محمد! سے مخاطب کرے؟ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یا محمد! کہنا اسم صفتی کے طور پر ہو یا پھر یا محمد! کہنے کی ممانعت انسانوں کے لئے خاص ہو۔

مسلم کی روایت میں ''**فالزق رکبتیہ برکبتیہ**'' پر یہ بھی اضافہ ہے ''**ووضع کفیہ علی فخذیہ**'' کہ اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھا اور اپنے دونوں ہاتھ آپؐ کی یا اپنی رانوں پر رکھ دیئے، یہ بھی ابہام پیدا کرنے کے لئے تھا یعنی حضور علیہ السلام کی رانوں پر رکھنے کی صورت میں۔

قولہ: "ما الایمان؟" چونکہ ایمان نجات کی بنیاد اور ملاک الحسنات ہے اس لئے اس کا سوال مقدم کیا۔

قولہ: "فما الاحسان؟" اگر احسان کے صلہ میں لفظ ''اِلیٰ'' آجائے تو بمعنی نیک سلوک کرنے کے آتا ہے جبکہ بغیر ''الیٰ'' کے بمعنی اخلاص کے آتا ہے جو یہاں مراد ہے کیونکہ لغت میں احسان کے معنی خوب بنانے اور اچھا کرنے کے آتے ہیں اور چونکہ اخلاص سے بھی اعمال و عبادات میں جان پیدا ہوتی ہے اس لئے اخلاص

Maktaba Tul Ishaat.com

کو اور شرع کے موافق عبادت کرنے کو احسان کہا جاتا ہے۔

قولہ: "ان تعبداللہ الخ" یعنی عبادت کرتے وقت تیری کیفیت یہ ہونی چاہئے کہ گویا تم اللہ تبارک وتعالیٰ کے رُوبرو اس طرح کھڑے ہو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو! اگر چہ تم اللہ کو دیکھ تو نہیں سکتے ہو مگر چونکہ وہ تو تمہیں بہر حال دیکھ رہا ہے اس لئے عبادت میں کبھی کوتاہی نہ کرنا چاہئے!

عبادت میں تین چیزیں ہوتی ہیں جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ لغت میں ذلّۃ کو کہا جاتا ہے "یقال طریق مُعَبَّدٌ ای مُذَلَّلٌ وفی الشرع عبارۃ عما یجمع کمال المحبۃ والخضوع والخوف"۔

(ابن کثیر: ص:۲۵ ج:۱ قدیمی کتب خانہ)

بعض شارحین نے یہاں دونوں جملوں سے دو الگ الگ مقامین کا مطلب بیان کیا ہے کہ پہلا درجہ مشاہدہ کا ہے جو سب سے اعلیٰ ہے جبکہ دوسرا مراقبہ کا درجہ ہے یعنی اوّلاً تو یہ کوشش ہونی چاہئے جیسے آدمی اللہ کو دیکھ رہا ہو لیکن اگر وہ یہ درجہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتا تو پھر اس یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے مثلاً کوئی شخص لوگوں سے براہ راست مخاطب ہو تو وہ زیادہ چوکنا رہتا ہے بنسبت اس کے کہ وہ ٹی وی/TV پر خطاب کرے۔

لیکن حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب میں اس مطلب کی سختی سے نفی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک ہی مرتبہ کا بیان ہے یعنی مراقبہ اور مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے مراقبہ میں اضافہ ہوگا تو احسان کے حسن میں بھی زیادتی آئے گی، اور جملہ ثانیہ پہلے جملے کی دلیل ہے یعنی عبادت میں غفلت نہیں ہونی چاہئے بلکہ یوں کرنی چاہئے جیسے آدمی اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر چہ وہ اللہ کو دیکھ تو نہیں سکتا لیکن اللہ تو اس کو دیکھ رہا ہے "فکیف تغفل عنہ وکیف تصلی وقلبک فی مکان وجسمک فی مکان الخ" اور علامہ سندھی کے حاشیہ مسلم سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ "فان لم تکن الخ" میں ان وصلیہ ہے جیسا کہ اوپر ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"والمقصود بیان مراعاۃ الخشوع فی العبادۃ والخضوع ومایتعلق بالعبادۃ علی الوجہ الذی واعاہ لو کان رائیاً ولاشک انہ لو کان رائیاً حال العبادۃ لم یترک شیئاً لِمَاقدرعلیہ من الخشوع وغیرہ ولامنشأ لِتلک المراعاۃ حال کونہ رائیاً اِلّا کونہ تعالیٰ رقیباً عالماً مطلعاً علی حالہ وھذاموجودوان

Maktaba Tul Ishaat.com

لم یکن العبد یراہ تعالیٰ ،ولذالک قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعلیلہ: فان لم تکن تراہ فانہ یراک وھویکفی فی مراعاۃ الخشوع علی ذالک الوجہ"فإن "علی ھذاوصلیۃ الخ". (حاشیہ سندھی بر مسلم:ص:۲۹ج:۱)

اس سے ان جاہل صوفیاء کے زعم کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ"فان لم تکن تراہ "کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنی ہستی کو مٹادیا تو تم اس (اللہ) کو دیکھ لوگے گویا"تــــراہ"شرط کے لئے جزاء ہے حالانکہ یہ صراحتاً غلط ہے ایک تو یہ عربیت کے اصول کے منافی ہے کیونکہ اگر"تــراہ"جزاء ہوتو پھر حالت جزمی میں الف ساقط ہونا چاہئے تھا۔دوم یہ حدیث کے مقصد کے خلاف ہے کیونکہ یہاں بات احسان کی ہورہی ہے نہ کہ رؤیت باری تعالیٰ کی۔سوم یہ بلاغت کے بھی مخالف ہے کیونکہ سوال میں رؤیت کا کوئی تذکرہ نہیں لہٰذا پھر جواب سوال کے موافق نہیں بنے گا۔چہارم اس کے بعد"فانہ یراک"کا کوئی مطلب اور ربط نہیں بنے گا۔

قولہ:"فعجبنا منہ الخ "تعجب کی وجہ خود بیان فرمائی کہ تصدیق سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان حقائق کو جانتا ہے جبکہ سوال تو مجہول کے بارے میں ہوتا ہے۔

قولہ:"ماالمسئول عنھاالخ" یعنی قیامت کی آمد کا وقت سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں تو جیسے تم نہیں جانتے ایسا ہی میں بھی نہیں جانتا ہوں۔

قولہ:"ان تلدالامۃ ربتھا" اس جملے کے مطلب میں شارحین بخاری ومسلم اور مشکوٰۃ کے شراح نے بہت کچھ لکھا ہے جیسا کہ باقی حدیث جبرئیل پر بھی تفصیل سے لکھا ہے،لیکن جو مطلب سب سے زیادہ جلی ہے وہ یہ ہے کہ بیٹی ایسی ہوجائے گی جیسے ماں اس کی لونڈی ہو بیٹی بجائے محکوم کے حاکمہ بن جائے گی وہ سارے اختیارات رشتوں وغیرہ کے ماں سے لے لے گی جیسے آج کل مشاہدہ ہے اور جب لڑکی کا یہ حال ہوگا،تو لڑکا تو بطریق اولیٰ نافرمان وآقا بنے گا۔ابن رجب حنبلیؒ نے شرح الخمسین میں اس حدیث پر لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ قلب الامور ہوجائے گا،حقائق بالکل اُلٹ پلٹ جائیں گے،جیسے آج کل نظر آرہا ہے کہ علماء کو ان پڑھ کہا جاتا ہے اور دو پیسوں کے کمانے والے کو علم والا،تعلیم یافتہ بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے اور زمام اقتدار کو نکمے لوگوں کا حق سمجھا جاتا ہے وغیرہ۔

قولہ:"الحفاۃ"بضم الحاء حافی کی جمع ہے بمعنی ننگے پیر والا۔

قولہ:"عُراۃ"جمع عاری کی ہے یہ مطلب نہیں کہ مکمل ننگے لوگ بلکہ جن کے جسم پر پورا لباس نہ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "العَائلَة" عائل کی جمع ہے فقیر محتاج کو کہتے ہیں۔

قولہ: "رِعاء الشاء" بکسر الراء راعی کی جمع ہے بمعنی چرواہے کے۔

قولہ: "یتطاولون" تفاخر بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ تعمیرات میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی بھرپور کوشش کریں گے، اور معنی لغوی یعنی لمبی لمبی اور اونچی اونچی تعمیرات بھی مراد ہوسکتی ہے آج دونوں کا مشاہدہ عام کیا جاسکتا ہے۔

قولہ: "فلقینی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعدذالک بثلاث" شیخین کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت جبرئیلؑ اٹھ کر چلے گئے تو نبیؐ نے فرمایا اس آدمی کو واپس میرے پاس بلا لو مگر صحابہ کرامؓ کو کچھ دکھائی نہ دیا تو نبیؐ نے اس وقت فرمایا تھا کہ یہ جبرئیلؑ تھے، گویا اب تک نبیؐ کو بھی معلوم نہ ہوا تھا، ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ بھی تلاش کرنے والوں میں نکلے ہوں مگر وہ شخص نہ ملنے کی وجہ سے اپنے گھر چلے گئے ہوں اور چونکہ ان کا گھر عوالی میں تھا اس لئے اگلے دن نہ آئے ہوں۔

باب ماجاء فی اضافة الفرائض الی الایمان

(فرض اعمال کو ایمان میں شامل کرنے کا بیان)

"عن ابن عباس قال قَدِمَ وفدُعبدالقیس علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا: اِنّا ھذا الحیَّ من ربیعة ولسنانَصِلُ الیک الافی الشھرالحرام اَفَمُرنَابشیئ نأخُذہ عنک وندعوا الیہ مَن وَرَاءَ نااِفقال اٰمُرُکم باربع: الایمان باللہ ثم فَسَّرَھا لھم شھادة ان لاالٰہ اِلّااللہ وانی رسول اللہ واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وان تؤدّواخُمُسَ ماغَنِمتُم". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عبدالقیس کا نمائندہ وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا انہوں نے کہ ہم اس قبیلے والے (بڑے قبیلہ) ربیعہ سے ہیں اور ہم سوائے حرمت والے مہینے کے آپ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے ہیں (کیونکہ ہمارا راستہ دشمن قبیلہ مضر پر ہے) اس لئے آپ ہمیں ایسی (جامع) بات کا حکم دیں جس پر ہم خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں جو ہمارے پیچھے (انتظار میں) ہیں! پس آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں، اللہ پر ایمان لانے کا پھر آپؐ نے ان کے لئے اس کی وضاحت فرمائی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوں، اور نماز کو فروغ دینا، اور زکوٰۃ ادا کرنا اور یہ کہ تم جو غنیمت حاصل کرتے ہو اس کا پانچواں حصہ ادا کرو۔

تشریح:۔ قولہ: "وفد عبدالقیس" وافد کی جمع ہے نمائندہ جماعت کو کہتے ہیں جو کسی بڑی شخصیت سے ملنے جائے، بعض نے کہا ہے کہ معززین پر مشتمل جماعت کو کہتے ہیں۔ جبکہ عبدالقیس، ربیعہ قبیلہ کی ایک شاخ کا نام ہے جو مُضر قبیلہ کے مقابل ہے، علی ھذا.....انّا ھذا الحی بنابر اختصاص منصوب ہوگا تقدیر اس طرح ہوگی "انّا ھذا الحیّ حیٌّ من ربیعة"۔ ربیعہ اور مضر دونوں قبیلوں کی جڑ نزار بن معد بن عدنان نامی شخص ہے ربیعہ اور مضر اس کے دو بیٹے تھے جن سے یہ دو قبیلے بن گئے، پھر ربیعہ قبیلہ کے ایک شخص عبدالقیس کی اولاد نے بھی ایک قبیلہ کی شکل اختیار کر لی جس کا یہاں ذکر ہے، یہ لوگ بحرین میں اور اس کے آس پاس رہتے تھے مدینہ جانے کے لئے ان کو مضر قبیلہ کے علاقوں سے گذرنا پڑتا تھا مگر آپس کی دشمنیوں کی وجہ سے اشہر الحرم کے علاوہ باقی مہینوں میں وہ ان کو گذرنے نہیں دیتے جبکہ اشہر الحرم میں باقی عربوں کی طرح یہ لوگ بھی جنگ بندی کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملے نہیں کرتے تھے، یہاں شہر حرام سے مراد یا تو جنس ہے جو چار مہینے ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، یا پھر صرف رجب مراد ہے کیونکہ مضر اس کا خصوصی اہتمام واعظام کرتے تھے۔

قولہ: "نأخذہ وندعوا الیہ" دونوں کو جزم ورفع کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جزم اس لئے کہ جواب امر ہیں اور رفع اس لئے کہ جملہ صفت شئ ہے کیونکہ نکرہ کے بعد جملہ صفت ہوتا ہے۔

قولہ: "آمرکم باربع الخ" یہاں روایت میں اختصار ہے جبکہ صحیحین کی روایت میں ہے: "امرھم باربع ونھاھم عن اربع" یعنی ان کو چار قسم کے برتنوں اور مٹکوں کے استعمال سے بھی روکا تھا جن کا ذکر ابواب الاشربہ میں گذرا ہے۔

قولہ: "شھادة ان لا الہ الا اللہ الخ" مبتداء مقدر کی خبر ہے ای ھی شھادة ان لا الخ"۔ قولہ: "و اقام الصلوٰة الخ" اگر اقام اور مابعد کے مصادر معطوفہ کو مجرور پڑھا جائے تو ان کا عطف ایمان پر ہوگا اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو عطف شہادۃ پر ہوگا اور یہی امام ترمذیؒ کی غرض اور ترجمۃ الباب کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اعمال ایمان کی تفسیر میں شامل ہوں گے۔

چونکہ حدیث کے الفاظ پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ اعمال ایمان میں شامل ہیں تو پھر باقی تین اشیاء کیا ہیں؟ اور اگر یہ ایمان پر عطف ہیں تو پھر تو اشیاء چار نہیں بلکہ پانچ ہو جائیں گی: (۱) ایمان (۲) نماز (۳) صیام (۴) زکوٰۃ (۵) اداء الخمس۔

Maktaba Tul Ishaat.com

غرض پہلا اعتراض مرفوع ہونے اور دوسرا مجرور ہونے پر مبنی ہے اس لئے شارحین نے دونوں ممکنہ صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے جواب دیا ہے۔ کہ پہلی صورت کے اختیار کرنے میں جواب یہ ہے کہ راوی نے باقی اشیاء کو ذکر نہیں کیا ہے اور چونکہ روایت کو مختصر کر کے نقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ مطلب تبدیل نہ ہوتا ہو اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

دوسری صورت میں جواب یہ ہے کہ اصل اشیاء اربعہ اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وغیرہ ہیں اگر چہ صوم کا ذکر یہاں نہیں مگر صحیح روایت میں وہ بھی مذکور ہے، جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو یہ ان چاروں میں معدود نہیں کیونکہ بُلغاء کے یہاں جو چیز پہلے سے معلوم ہو اس کا تذکرہ مقصودی نہیں ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی وفد کو ایمان کا پہلے سے پتہ تھا، یا پھر اداء الخمس کا ذکر جواب پر اضافہ ہے کیونکہ یہ لوگ جنگجو تھے اس لئے ان کو یہ حکم بتادیا، یا پھر زکوٰۃ وخمس ایک ہی ہیں لہٰذا تعداد چار ہی ہے۔

رہا حج کا عدم تذکرہ تو اگر چہ جمہور کے نزدیک حج ۶ھ میں فرض ہوا ہے اس آیت سے "واتموا الحج والعمرة لله" اور یہ وفد ۸ھ میں آیا تھا لیکن ابن حجر وابن کثیرؒ وغیرہما کی تحقیق یہ ہے کہ اس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا کیونکہ اس کی فرضیت اس آیت سے ہوئی ہے "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا"۔ (آل عمران: آیت: ۹۷) فلا اشکال۔

جہاں تک ایمان کی کمی وزیادتی کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ دراصل اس کی ترکیب وعدم ترکیب پر مبنی ہے جو حضرات ترکیب کے قائل ہیں تو وہ اس کی کمی بیشی کے قائل ہیں جبکہ ایمان کو بسیط ماننے والے اس کی کمی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

چونکہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اہل حق کے درمیان یہ اختلاف دراصل حالات کے تقاضوں پر مبنی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ ان کے آپس میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے لہٰذا اس کو زیادہ ہوا دینے کی ضرورت نہیں اور جن نصوص سے اس کی زیادتی معلوم ہوتی ہے تو اس سے مراد قوت، انشراح، ثمرات وغیرہ ہیں تفصیل شرح عقائد میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ترمذی کا اگلا باب بھی اسی مسئلہ کے لئے ہے۔

قوله: "وقال قتيبة وكنا نرضىٰ ان نرجع الخ" اس سے مراد عباد کی تحسین وتوثیق ہے کہ ہمیں ان سے روزانہ کم از کم دو حدیثوں کے سننے پر بڑی خوشی محسوس ہوتی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب استكمال الايمان وزيادته ونُقصانه

(ایمان کو کامل بنانے اور اس کے زیادہ اور کم ہونے کا بیان)

"عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنّ من اكمل المؤمنين ايماناً احسنهم خُلُقاً واَلطَفُهُم باهله". (حديث حسن)

اہل ایمان میں کامل تر ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق ان میں سے زیادہ اچھے ہوں اور جو ان کی بنسبت اپنے گھر والوں سے زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتا ہو۔

تشریح:۔قولہ: "رضيع لعائشة" رضیع یہاں پر رضاعی بھائی کے معنی میں ہے نہ کہ بمعنی مشہور۔ مطلب یہ ہے کہ روایت میں انقطاع نہیں ہے بلکہ متصل ہے۔

اس حدیث سے حسن اخلاق اور نرم برتاؤ کا اعلیٰ مقام معلوم ہوتا ہے خصوصاً جب اپنے گھر والوں کے ساتھ ہو، کیونکہ بعض لوگ نیک نامی اور داد حاصل کرنے کے لئے اَجانب کے ساتھ تو حسن سلوک کرتے ہیں جبکہ بعض اپنی ملازمتوں اور غربت کی مجبوری کے پیش نظر گھر کے باہر چاپلوسی کے عادی ہو جاتے ہیں مگر وہ اپنے گھر میں شیر کی طرح دھاڑتے رہتے ہیں۔اس حدیث میں ان کی توجہ اس نکتے کی طرف مبذول کرادی گئی ہے کہ اپنی سلطنت اور غلبہ کی جگہ میں اپنے زیردست لوگوں اور کمزور و محتاج انسانوں کے ساتھ نرم رویہ ہی آدمی کے اصل اخلاق کی عکاسی کرتا ہے لہٰذا اپنے نوکروں اور ملازمین سے سختی اور اپنے سے زیادہ طاقت ور کے آگے دست بستہ کھڑا ہونا اچھے اخلاق نہیں بلکہ مکاری ہے جو ایمان سے غیر چیز ہے، مزید وضاحت اگلی حدیث میں ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب کی مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل دو مزید احادیث سے ایمان کی کمی وبیشی کے اثبات پر استدلال کیا ہے۔

مگر پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ اہل حق میں یہ اختلاف گویا وقت کے الگ الگ تقاضوں کی بناء پر تھا اور یہی وجہ تھی کہ امام مالکؒ نے ایمان کی کمی کے قول سے اجتناب کیا تا کہ خوارج کے زعم کو تقویت نہ ملے گو کہ اس قول کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایمان کی زیادتی کے بارے میں نصوص ہیں جبکہ کمی کے حوالے سے کوئی حدیث یا آیت نہیں ہے، تاہم جمہور محدثین نے جب یہ دیکھا کہ زیادت و کمی دو مقابل چیزیں ہیں لہٰذا اگر کوئی محل ایک ضد کو قبول کرتا ہے تو وہ دوسری سے بھی موصوف ہو سکتا ہے علیٰ ہذا اگر ایمان زیادت سے موصوف ہو سکتا ہے جیسا

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ مندرجہ بالا حدیث اور دیگر نصوص میں اس کی تصریح ہے تو وہ کمی کو بھی قبول کرے گا۔

متکلمین کہتے ہیں کہ زیادتی سے مراد قوت و پختگی یا تفصیل بعد الاجمال وغیرہ ہے کیونکہ جو صحابہ کرامؓ اسلام کے پہلے دور میں جبکہ وحی کا نزول جاری تھا، انتقال فرما چکے ہیں وہ بھی یقیناً کامل ایمان والے تھے ان کا ایمان کسی طرح ناقص نہیں تھا، اسی طرح آج بھی جو آدمی بالغ ہونے کے بعد فرضیت حج وزکوٰۃ سے پہلے بغیر حج وادائے زکوٰۃ کے مرجائے اسے بھی ناقص الایمان نہیں کہا جاسکتا، جس کا صاف مطلب یہی بنتا ہے کہ اعمال ثمرات ایمان اور فروع ایمان ہیں اجزاء نہیں ہیں ورنہ تو انتفائے جزء سے انتفائے کل لازم آتا اور ایسا شخص ناقص الایمان کہلاتا، غرض ایمان تصدیق کا نام ہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تصدیق میں مراتب ہیں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اگرچہ ایمان تقلیدی بھی نجات اخروی کے لئے کافی ہے لیکن یقین کا درجہ یقیناً اس سے اعلیٰ ہے اسی طرح یقین میں بھی تین درجات ہیں، نفس یقین، عین الیقین اور حق الیقین جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا "بلی ولکن لیطمئنّ قلبی"۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا اور ان کو نصیحت کی، پھر فرمایا: اے گروہ عورتوں کے! صدقہ دیا کرو! کیونکہ دوزخیوں میں تمہاری تعداد زیادہ ہے، پس ان میں سے ایک خاتون نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ایسا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے بہت زیادہ لعن وطعن کرنے سے یعنی شوہروں کی ناشکری کرنے سے! آپؐ نے فرمایا: میں نے نہیں دیکھا کسی ناتمام عقل اور ناقص دین والے کو جو تم سے زیادہ غالب رہتا ہو پختہ عقل والوں اور ذی رائے لوگوں پر! ان میں سے ایک عورت نے دریافت کیا کہ عورتوں کی عقل اور دین کی کمی کی نشانی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے (یہ نقصِ عقل کی نشانی ہے) اور تمہارے دین کا نقصان حیض کا آنا ہے چنانچہ تم میں سے ایک عورت (ہر ماہ کم از کم) تین چار دن رُک جاتی ہے، نماز نہیں پڑھتی۔ (حسن صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "خَطَبَ الناسَ" یعنی عیدگاہ میں۔ قولہ: "ولِمَ ذاک یارسول اللّٰہ!" لفظ "لِمَ" اصل میں لِمَا تھا مگر تخفیفاً الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ قولہ: "لِکثرۃ لعنکن" یعنی بددعاء یعنی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ قولہ: "وکفر کن العشیر" عشیر بروزن غریب اگرچہ مطلق مصاحب کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد شوہر ہے کیونکہ وہ بھی ساتھ رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کرنا اور ناشکری کرنا کبائر گناہوں میں

Maktaba Tul Ishaat.com

سے ہیں۔قولہ:"لذوی الالباب"لُب کی جمع ہے خالص عقل کو کہتے ہیں جس میں شکوک اور خواہشات کی آمیزش نہ ہو اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ جب مضبوط رائے رکھنے والے ہوشیار شخص پر غالب رہتی ہو تو عام لوگوں پر غالب آنا تو معمولی بات ہے، چنانچہ حقیقت یہی ہے جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے عُقلاء کو سوائے انبیاء کے عورت ایک چٹکی اور ایک ہی ہنسی سے بے وقوف بنالیتی ہے الا ماشاء اللہ وقلیل ماھم، کون ہوسکتا ہے جو یوسفؑ کی طرح بھاگ جائے؟

قولہ:"مِنکن" اغلب کے ساتھ متعلق ہے۔قولہ:"ومانقصان عقلھا؟الخ"یعنی عورت کے عقل ودین کے ناقص ہونے کی نشانی کیا ہے؟ لہٰذا لفظِ مَا استفسار لمیت کے لئے نہیں بلکہ نشانی دریافت کرنے کے لئے ہے کیونکہ جب آپؐ نے ان کے نقصانِ عقل ودین کی خبر دے دی تو ان صحابیات کو یقین تو آ ہی گیا لیکن ان کے سامنے مرد اور عورت کے عقل ودین کے درمیان تفاوت کی واضح نشانی نہیں تھی۔جس پر آپؐ نے فرمایا کہ ان کا نسیان نقص عقل اور ایام حیض میں ترکِ صوم وصلوٰۃ نقصان دین کی علامت ہے، جہاں تک عورتوں کے نقصانِ عقل کا تعلق ہے تو اگر چہ عام عورتیں اس حقیقت کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتیں جو ان کے نقصان عقل کی ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ ہر بے وقوف آدمی اپنے آپ کو دانا وعقلمند گردانتا ہے، مگر ان کا کثرت سے بولنا، ہر بات پر لڑنا، چھوٹی چھوٹی باتوں کو اُچھالنا، مکر وفریب کرنا، نقالی کرنا، تیزی سے نشو ونما پانا، جلد موٹاپا اختیار کرنا، دردِزہ کے وقت موت کے قریب پہنچنے کے باوجود اس کے اسباب دوبارہ اختیار کرنا اور سابقہ تکلیف کو بھول جانا، اور بازار اور نامحرم مردوں میں زیب وزینت کے ساتھ یوں چلنا کہ ذھن میں یہ احساس ہر وقت موجزن ہو کہ گویا سارے لوگ اسے دیکھ رہے ہیں اور زیادہ تر فکر آخرت سے بے نیاز ہو کر گناہوں کی داعیہ ہونا وغیرہ وغیرہ نقصان عقل کی علامات ہیں چنانچہ کوئی عورت منطق نہیں پڑھتی۔اگر چہ اس میں بھی باری تعالیٰ کی حکمت ہے کیونکہ"لولا الحمقیٰ لَخَرِبَتِ الدنیا"اگر احمق لوگ نہ ہوتے تو دنیا کا نظام نہیں چل سکتا، کیونکہ دنیا کی بقاء جس طرح اللہ والوں کے وجود پر موقوف ہے اسی طرح دنیا کا چلنا بے وقوفوں کی کثرت سے موجودگی پر بھی مبنی ہے، عورت میک اپ کر کے سارا سارا دن دوسروں کو خوش کرنے کے لئے اپنی نماز سے اس لئے بے اعتنائی کرتی ہے کہ وضوء کرنے سے میک اپ خراب ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معذور آدمی کو اگر چہ عذر کی بناء پر ایک عمل ترک کرنے کی رخصت دی جاتی ہے مگر اس کے باوجود وہ عمل کرنے والوں کا جتنا ثواب حاصل نہیں کرسکتا، اور چونکہ اس حدیث میں

Maktaba Tul Ishaat.com

نقصانِ دین سے ثواب کی کمی مراد ہے لہٰذا اس سے امام ترمذیؒ کا استدلال زیادت ایمان پر صحیح نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقہ دینے سے اللہ کے غضب وعذاب سے بچنے کا قوی امکان پیدا ہوتا ہے۔

پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ اہل دوزخ میں عورتوں کی زیادتی دخول اولیٰ کے اعتبار سے ہے ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اس میں رہیں کیونکہ اہل ایمان کا جنت میں جانا طے شدہ ہے، نیز اس حدیث میں حاضرات کو غائبات پر تغلیب دی گئی ہے یعنی یہ حکم صحابیات کے لئے نہیں بلکہ مجموعی عورتوں کے لئے ہے۔

بہرحال اس ارشاد پاک میں عورتوں کو ایک مفید مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر وہ صدقہ دیا کریں گی تو وہ عذاب سے نجات حاصل کرسکتی ہیں۔ صحابیات نے اس پر بھرپور عمل کیا۔ باقی امت میں آنے والی عورتوں کے لئے بھی یہی مفید ترکیب ہے۔

جہاں تک عورتوں کی ناشکری کا تعلق ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ عورت شوہر کے احسانات کی صریح نفی کرے جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے طریق میں ہے: "تقول احدٰکنّ اذا غضبت علی زوجها: ما رأیتُ منک خیراً قطُّ" یعنی غصہ کے وقت بول اٹھتی ہے کہ میں نے کبھی بھی تیری طرف سے نیک برتاؤ کو نہیں دیکھا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر کے احسانات پر شکریہ ادا نہ کرے۔ یہ بھی ایک طرح کی ناشکری اور کفران ہے کیونکہ وہ شکر چھپاتی ہے۔ قولہ: "یعنی و تکفرن العشیر" میں "یعنی" کا لفظ راوی کا مدرج واضافہ ہے کہ راوی کو اپنے استاذ کے الفاظ یاد نہ تھے تو اس کے مفہوم کو یعنی کہہ کر ادا کردیا۔ ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں اس طرح ہے: "تکثرن اللعن وتکفرن العشیر"۔

حدیث آخر:۔ ایمان کے کچھ اوپر ستر/۷۰ باب ہیں پس ان میں سب سے معمولی راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور سب سے اونچا "لا الٰہ الا اللہ" کہنا ہے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "بِضع" بکسر الباء کا لفظ تین سے نو تک عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے، بعض روایات میں بضع وستون بھی آیا ہے لیکن ان میں تعارض نہیں کیونکہ مراد تکثیر ہے یا بعض روایات میں کچھ انواع بعض دیگر میں شامل کی گئی ہیں۔

ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ: ایمان امن سے ہے یعنی خود اپنے لئے امن حاصل کرنا اور دوسروں کو امن دینا اور اس کے اسباب زیادہ ہیں لہٰذا ان سب اسباب پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے پھر جو چیز امن کے منافی ہے اس کے ترک کو بھی ایمان کہا کیونکہ اس کے ارتکاب سے امن ختم ہوجاتا ہے جیسے

Maktaba Tul Ishaat.com

زنا اور چوری وغیرہا۔

پھران شعبوں کو بعض علماء نے جمع کرنے کی کوشش کی ہے مگران کے آپس میں تفاوت پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعیین تفصیلاً مروی نہیں ہے لہٰذا ان پر اجمالاً ایمان بھی کافی ہے۔

ابن حبانؒ نے ان کی تعداد ستتر ۷۷ لکھی ہے جو یہ ہیں: (۱) ایمان باللہ (۲) وبصفاتہ (۳) وحدوث ماسواہ (۴) وملائکتہ (۵) وکتبہ (۶) ورسلہ (۷) والقدر خیرہ وشرہ (۸) والیوم الآخر (۹) ومحبۃ اللہ (۱۰) والحب فی اللہ (۱۱) والبغض فی اللہ (۱۲) ومحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳) واعتقاد تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم ودخل فیہ الصلوٰۃ علیہ واتباع سُنتہ (۱۴) الاخلاص ویدخل فیہ ترک الریاء وترک النفاق (۱۵) والتوبۃ (۱۶) والخوف من اللہ (۱۷) والرجاء الی اللہ (۱۸) والشکر علیٰ نعماہٗ (۱۹) والصبر علی البلاء (۲۰) والرضاء بالقضاء (۲۱) والحیاء من اللہ (۲۲) والتوکل علی اللہ (۲۳) والرحمۃ علی الخلق (۲۴) والتواضع ویدخل فیہ تعظیم الکبیر والرحمۃ علی الصغیر وترک الکبر والعُجب (۲۵) والوفاء بالوعد (۲۶) ترک الحسد (۲۷) ترک الحقد (۲۸) ترک الغضب (۲۹) النطق بالتوحید (۳۰) تلاوۃ القرآن (۳۱) تعلُّم العلوم الشرعیۃ (۳۲) وتعلیمھا (۳۳) الدعاء (۳۴) ذکر اللہ (۳۵) التطھر (۳۶) ستر العورۃ (۳۷) صلوٰۃ الفرائض (۳۸) صلوٰۃ السنن والنوافل (۳۹) الزکوٰۃ بجمیع انواعھا (۴۰) صدقۃ التطوع (۴۱) فکّ الرقاب (۴۲) الجود ویدخل فیہ الاِطعام (۴۳) صیام الفرض (۴۴) صیام النوافل (۴۵) الاعتکاف (۴۶) تحری لیلۃ القدر (۴۷) الحج (۴۸) العمرۃ (۴۹) الطواف (۵۰) الفرار بالدین من الفتن (۵۱) الوفاء بالنذر (۵۲) محافظۃ الایمان (۵۳) اداء الکفارات کلھا (۵۴) التعفف من الزنا واللواطۃ بالنکاح (۵۵) القیام بحقوق العیال (۵۶) برّ الوالدین ویدخل فیہ برالاساتذۃ وکل ذی حق (۵۷) تربیۃ الاولاد (۵۸) صلۃ الرحم (۵۹) طاعۃ السید (۶۰) الرحمۃ علی العبد (۶۱) العدل فی الامارۃ (۶۲) مصاحبۃ الجماعۃ (۶۳) طاعۃ اولی الامر (۶۴) الاصلاح بین الناس (۶۵) قتل الخوارج ویدخل فیہ قتل البُغاۃ (۶۶) الاعانۃ علی الخیر ویدخل فیہ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر (۶۷) اقامۃ الحدود (۶۸) الجہاد ویدخل فیہ اداء الخُمس (۶۹) انفاق المال فی حقہ وترک التبذیر والاسراف داخل فیہ (۷۰) ردّ السّلام (۷۱) جواب العاطس (۷۲) کفّ الاذیٰ عن الناس (۷۳) اجتناب اللھو (۷۴) ایفاء الدَین (۷۵) الاحسان مع الجار (۷۶) حسن المعاملۃ مع الناس (۷۷) وکف الاذیٰ عن الطریق۔ (بشکریہ مولانا عبید اللہ قندھاری برحاشیہ شرح عقائد)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء الحیاء من الایمان

(حیاء کا ایمان میں سے ہونے کا بیان)

"عن سالم عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مَرَّ برجل وهو یعظ اخاه فی الحیاء فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :الحیاء من الایمان ".(حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گذرے دراں حالیکہ وہ شخص اپنے بھائی کو (ترکِ) حیاء کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء تو ایمان میں شامل ہے۔

تشریح:۔امام ترمذیؒ نے اپنی پوری کتاب میں کہیں بھی فقہی مسئلہ میں اپنے استاذ امام بخاریؒ کا قول بطور استدلال یا تحریر مذاھب میں نقل نہیں کیا ہے اگر چہ رجال کے بارے میں زیادہ تر ان پر تکیہ کرتے ہیں یا پھر امام دارمیؒ پر جیسا کہ مقدمہ میں گذرا ہے، تاہم ابواب الایمان میں بطرزِ امام بخاریؒ مصنفؒ نے کئی ابواب ترکیب ایمان کے سلسلہ میں ذکر کئے ہیں، علیٰ ہذا ترجمۃ الباب میں لفظِ "من" تبعیض کے لئے ہے اور چونکہ بعینہٖ یہی الفاظ حدیث پاک کے بھی ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث میں "من" کو تبعیضی سمجھا ہے حالانکہ اس میں ابتدائیہ ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی ایمان ہی کی بدولت حیاء پیدا ہوتی ہے اور اگر من بمعنی تبعیض ہو تو پھر جزئیتِ حیا نفس ایمان سے نہیں بلکہ کامل ایمان کے اعتبار سے ہے۔

پیچھے عارضۃ الاحوذی کا حوالہ گذرا ہے کہ ایمان امن سے ہے لہٰذا امن کے اسباب کو بھی ایمان کہا گیا ہے۔

"لما کان الایمان الامان حقیقة ،وکانت له اسباب وفوائد سُمِّیت کلها باسمها کقوله "الحیاء من الایمان"فهذه تسمیة سببه بهاالخ".

بہر حال یہ شخص اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں سخت وسُست کہہ رہا تھا تو آپؐ نے منع فرمادیا کہ مثلاً اگر حیاء کی وجہ سے اس کا کچھ حق تلف ہو جائے تو اس کے بدلے اسے اُخروی اجر وثواب ملے گا لہٰذا حیاء سے بچنا نہیں چاہئے بلکہ باحیاء رہنا چاہئے ہاں البتہ جہاں کوئی حق بات کہنی ہو تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے جو اس کے بیان سے شرماتا ہے تو وہ حیائے محمود نہیں بلکہ وہ خذلان ہے، حیاء کے متعلق پیچھے باب گذرا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی حرمة الصلوٰة

(نماز کے تقدس کا بیان)

"عن معاذبن جبل قال کنتُ مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فی سفرفاصبحتُ یوماً قریباً منه ونحن نسیر،فقلت یارسول اللہ اَخبِرنی بعمل یُدخِلُنِی الجنة ویُبَاعِدُنی عن النار! قال: لقدسألتنی عن عظیم وانه یسیرعلیٰ من یَسّرَه اللہ علیه،تعبُدُاللہ ولاتشرک به شیئاً وتُقیم الصلوٰة وتؤتی الزکوٰة وتصومُ رمضان وتَحُجُّ البیت ثم قال:اَلااَدُلُّک علی ابواب الخیر؟ الصومُ جُنَّة والصدقة تُطفِئُ الخطیئة کمایُطفِئُ الماءُ النارِوصلوٰة الرجل من جوف اللیل ،قال ثم تلا "تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم...حتیٰ بَلَغَ ...یعملون" ثم قال: اَلااُخبِرُکَ برأس الامر کلّه وعموده وذِروَةِ سَنامه؟ قلت بلی یارسول اللہ! قال رأسُ الامر الاسلام وعمودُه الصلوٰة وذِروَةُ سَنامه الجهادثم قال اَلااخبرک بِمِلاک ذالک کلّه؟قلت بلیٰ یارسول اللہ!قال فَاَخَذَ بلسانه ،قال کُفَّ علیکَ هذا!قلتُ یانبی اللہ وَاِنَّا لَمُواخذون بما نتکلم به؟قال ثَکِلتک اُمُّک یامعاذ! وهَلْ یَکُبُّ الناسَ فی النارعلی وجوههم اوعلیٰ مناخرهم الا حَصائِدُالسِنَتِهِم".(حسن صحیح)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر (تبوک) میں، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو ایک دن میں ان کے قریب رہا جبکہ ہم چل رہے تھے پس میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے مجھے دور کردے!

آپؐ نے فرمایا بلاشبہ تم نے مجھ سے ایک بڑی بات پوچھی ہے، تاہم وہ اس شخص کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ آسان کردے، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز کو فروغ دو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو!

پھر آپؐ نے فرمایا کیا میں تجھ کو اچھائی کے دروازوں کی خبر نہ دوں؟ روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو بُجھاتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ اور آدمی کا رات کے درمیانی حصہ میں نماز پڑھنا (خیر کے ابواب ہیں) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "تتجافیٰ جنوبهم" کی تلاوت کی

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں تک کہ ''یعملون'' تک پڑھا (ترجمہ: الگ رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنی خوابگاہوں سے اور وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈر سے اور امید سے)۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے پورے امر (دین) کی اصل اور اس کے ستون اور اس کی کوہان کی بلندی کی خبر نہ دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا کہ امر کا سر (اصل) اسلام (کلمہ شہادت) ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی بلندی جہاد ہے، پھر آپؐ نے فرمایا کیا میں تجھے ان سب کی جڑ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اسے اپنے خلاف استعمال سے روک لو! پس میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ہم پکڑے جائیں گے ان باتوں کی وجہ سے جو ہم بولتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا تیری ماں تجھے گم کرے، اے معاذؓ! کیا کوئی چیز لوگوں کو اوندھے منہ یا فرمایا نتھنوں کے بل دوزخ میں گراتی ہے زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی کے سوا؟ (یعنی زبان ہی کے بے دریغ استعمال سے لوگ دوزخ میں جاتے ہیں)۔

تشریح:۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو سفر تبوک میں ہوئی تھی۔ قولہ: ''یدخلنی الجنة ویباعدنی عن النار'' یدخل اور یباعد کو بنا بر جواب امر مجزوم پڑھنا بھی اگرچہ جائز ہے مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کو مرفوع پڑھ کر عمل کی صفات قرار دیا جائے یعنی ایسا عمل بتایئے کہ جس میں یہ دونوں خوبیاں ہوں کہ جنت میں لے جاتا ہو اور دوزخ سے بچاتا ہو۔

قولہ: ''لقد سألتنی عن عظیم وانه لیسیر الخ'' یعنی تم نے ایسے عمل کے بارے میں پوچھا جس کو سرانجام دینا بہت مشکل کام ہے البتہ جس پر اللہ آسان کر دیں تو اس کے لئے یہ عمل بہت آسان ہے اور یہ مشاہدہ کے عین مطابق ہے کیونکہ کسی کافر کے لئے کلمہ شہادت پڑھنا موت سے بھی زیادہ مشکل ہے اور کسی فاسق شخص کے لئے نماز اور روزہ وغیرہ یا تہجد کی نماز انتہائی دشوار کام ہیں لیکن اللہ کے نیک بندوں کی تو غذا یہی ہیں وہ ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں۔

قولہ: ''تعبداللہ الخ'' یہ اور اس پر معطوف جملے یا تو اخبار بمعنی امر کے ہیں جیسا کہ اوپر ترجمہ کیا گیا ہے یا پھر مبتدأ مقدر کی خبر ہیں تقدیر اس طرح ہوگی ''ھو ان تعبداللہ ،ای العمل الذی تسألنی عنه ھو عبادتک اللہ الخ''۔ قولہ: ''اَلَا اَدُلُّکَ علیٰ ابواب الخیر'' یہاں سے نوافل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں اور جب نفلی روزے اور صدقہ کا یہ عالم ہے تو فرائض کا مقام تو یقیناً اس سے اعلیٰ ہوتا ہے لہٰذا فرائض کا حکم بطریق

Maktaba Tul Ishaat.com

اولیٰ معلوم ہوجائے گا، گویا یہ ماقبل کی دلیل ہے کہ جب نفل عبادات کا یہ مقام ہے تو سابقہ جو فرض عبادات کا ذکر ہوا ان کو معمولی نہ سمجھا جائے۔ (کذا فی الکوکب الدری)

قولہ: "الصوم جنة" بضم الجیم وتشدید النون سپر اور ڈھال کو کہتے ہیں چونکہ روزے سے خواہشات ٹوٹ جاتی ہیں اور نفس کمزور ہوجاتا ہے اس لئے صائم پر نفس اور شیطان کا وار نہیں چلتا۔ تاہم یہ مقصد ایک دو روزوں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ لگاتار کئی روزے رکھنے سے اضمحلال آتا ہے تو روزہ ڈھال کا کام کرلیتا ہے۔ قولہ: "والصدقة تطفئ الخ" ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے آگ سے حفاظت سے اور مراد حکمی بجھانا ہے جس کی تشبیہ حسی بجھانے والی چیز یعنی پانی سے دی گئی ہے۔

قولہ: "تتجافیٰ جنوبهم عن المضاجع" پہلوؤں کا دور رہنا کنایہ ہے نماز پڑھنے سے لیکن یہ کون سی نماز ہے تو مشہور ومحقق قول کے مطابق تہجد کی نماز مراد ہے بعض حضرات نے صلوٰۃ اوّابین یعنی مغرب وعشاء کے درمیان کی نماز مراد لی ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ دن میں کھیتوں اور دیگر امور میں مصروف ہوتے اور عام عربوں میں مغرب کے بعد سونے کا رواج تھا مگر صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز کا انتظار کرتے اور نوافل پڑھتے۔

قولہ: "برأس الامر" جیسے سر کے بغیر کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح دینِ اسلام بھی بغیر کلمہ شہادت کے معتبر نہیں یعنی اعتقادِ توحید ورسالت ضروری ہے۔ قولہ: "عموده" بمعنی ستون کے فان الصلوٰة عماد الدین۔ قولہ: "وذروة سنامه" بکسر الذال چوٹی اور بلندی کو کہتے ہیں۔ سنام بفتح السین اونٹ کے کوہان کو کہتے ہیں جہاد کو اسلام کی اونچی چوٹی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی کا دارومدار جہاد پر ہے اگر جہاد ہوگا تو اسلام کا پرچم اعلیٰ وارفع ہوگا اور ساری دنیا پر اس کا رعب قائم رہے گا لیکن جہاد کے تعطل سے سارے فتنے سر اُٹھا کر بدمست ہاتھی کی طرح حقائق کو مسخ وپامال کرتے رہیں گے۔

قولہ: "مِلاک" بکسر المیم جڑ کو کہا جاتا ہے اس میں فتحہ بھی جائز ہے۔ قولہ: "کُفّ" بضم الکاف وفتح الفاء المشددۃ منع کرو، روکو! قولہ: "ثکلتک" بکسر الکاف بمعنی فَقَدَتْکَ لیکن اس سے معنی لغوی یعنی گم کرنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جو رفع غفلت اور انتباہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ قولہ: "یکبّ" بفتح الیاء وضم الکاف منہ کے بل گرنے کو کہتے ہیں۔

قولہ: "او مناخرهم" "او" شک من الراوی کے لئے ہے۔ "منخر" بفتح المیم وکسر الخاء کی جمع ہے اس میں خاء کا فتحہ بھی صحیح ہے ناک کے نتھنے کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ قولہ: "حصائد" بمعنی محصود، حصید اور محصود کٹی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوئی کھیتی کو کہتے ہیں اس میں زبان کے بے دریغ استعمال کی تشبیہ درانتی کے ساتھ دی گئی ہے اور باتوں کی مشابہت کٹی کھیتی اور گھاس سے بیان کی گئی ہے تو جس طرح درانتی خشک وتر اور ضار ونافع کی تمیز کئے بغیر کاٹتی ہے اسی طرح اگر زبان کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی ہر طرح کی بات کرتی ہے جس سے اتنا نقصان ہوتا ہے کہ آدمی اوندھا یعنی ذلیل ہو کر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے پس زبان کی حفاظت نجات کی ضمانت ہوئی۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو جو مسجد کی دیکھ بھال کر رہا ہو تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں: ''انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللّٰہ''۔ (سورۂ توبہ: آیت: ۱۸) بے شک آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (حسن غریب)

قولہ: ''یتعاھد المسجد'' تعھد دراصل تحفظ اور تجدید عہد کو کہتے ہیں پھر یہاں اس سے مراد صورتاً تعمیر وخدمت بھی ہو سکتی ہے اور معنوی عمارت یعنی عبادت بھی ہو سکتی ہے، پھر عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ مراد اذان سن کر مسجد میں جانا ہے (تو چونکہ اذان پانچ دفعہ ہوتی ہے علیٰ ہذا پانچوں نمازیں باجماعت مراد ہیں یعنی یہ تعاہد کا بہر حال مدلول ہے رہا مزید وابستگی تو وہ نور علی نور ہے) وہ مزید لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کو دیکھا جو لوہار تھا جب اذان سُنتا تو وہ ہتھوڑا جو پہلے ہی اٹھا چکا ہوتا مارنے کے بجائے پھینک دیتا ''لئلا یکون عملاً بعد النداء ولکنہ یرمیھا ویقدم اِلَی المسجد''۔

باب ماجاء فی ترک الصلوٰۃ

(نماز چھوڑنے کا گناہ)

''عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بین الکفر والایمان ترک الصلوٰۃ''.

(حسن صحیح) وعنہ ''بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ''. (حسن صحیح)

(۱) نماز چھوڑنا کفر اور ایمان کو ملانا ہے۔ (۲) نماز چھوڑنا بندے اور کفر کو باہم ملانا ہے۔

تشریح:۔ ترک الصلوٰۃ مبتدأ مؤخر ہے اور بین الکفر والایمان خبر مقدم ہے جبکہ لفظ ''بین'' جو ظرف ہے کا متعلق محذوف ہے یعنی ''وُصلَۃٌ'' تقدیر اس طرح ہوئی ''ترکُ الصلوٰۃ وصلۃ بین الکفر والایمان'' چونکہ نماز پڑھنا ایمان اور کفر کے درمیان حجاب ہے تو ترک صلوٰۃ سے وہ حجاب ختم ہو کر ملاپ کا

Maktaba Tul Ishaat.com

موجب بنتا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نماز کی وجہ سے کفر اور ایمان اور نمازی و کفر کے درمیان حد فاصل کا واسطہ رہتا ہے لیکن جب یہ واسطہ ختم ہو جائے تو دونوں کی سرحدیں باہم مل جاتی ہیں اور آدمی کفر کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے۔ چونکہ کفر و ایمان کلی مشکک ہیں اس لئے اگر چہ وہ تارک صلوٰۃ کلیۃً کافر تو نہیں کہلائے گا لیکن کفر کے انتہائی قریب جانے سے بلکہ بارڈر سے داخل ہونے کی وجہ سے وہ جزوی کافر کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حدیث آخر:۔ العهد الذی بیننا وبینهم الصلوٰة فمن ترکها فقد کفر". (حسن صحیح غریب)

ہمارے اور ان منافقین کے درمیان عہد و پیمان (کا دارومدار) نماز (پر) ہے پس جس نے نماز چھوڑ دی تو اس نے کفر کیا (یعنی ظاہری کفر کو بھی اختیار کر لیا)۔

چونکہ منافقین کلمہ شہادت پڑھتے اور نماز بھی پڑھتے تھے اس لئے ان پر مسلمانوں کے احکام لاگو کئے جاتے تھے تو نماز کی وجہ سے ان کو تحفظ حاصل تھا پس اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیں تو پھر ہمارے اور ان کے مابین امن وامان کا عہد باقی نہیں رہے گا جیسے "باب ماجاء اُمرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوا لا اله الا الله ویقیموا الصلوٰة" میں عنقریب گذرا ہے علی ھذا "فمن ترکها فقد کفر" کا مطلب یہ ہوا کہ اب اس پر منافق کے احکام نہیں بلکہ کافر کے احکام لاگو ہوں گے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فقد کفر بنابر تغلیظ کہا گیا ہو۔ حدیث کا یہ مطلب حاشیہ قوت پر قاضی بیضاویؒ سے نقل کیا گیا ہے۔ (تارک صلوٰۃ کا حکم تشریحات: جلد سوم: ص:۹ پر گذرا ہے)

باب

"عن العباس بن عبدالمطلب انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ذاق طعم الایمان من رضی بالله رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد نبیاً". (حسن صحیح)

ایمان کا مزہ چکھا اس نے جو راضی ہوا اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر۔

تشریح:۔ قوله: "ذاق" حاشیہ قوت میں امام راغبؒ سے نقل کیا ہے کہ تھوڑی مقدار کھانے یعنی چکھنے کو ذوق کہتے ہیں جبکہ زیادہ مقدار کو اکل کہا جاتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "رَضِیَ" رضا کے معنی قناعت کے ہوتے ہیں یعنی کسی چیز پر اس طرح خوش ہونا اور مطمئن ہونا کہ اس کے علاوہ دیگر کسی چیز کی خواہش، طلب اور توجہ باقی نہ رہے، علیٰ ہذا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اللہ کو رب ماننے، اسلام کو دین ماننے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر اس طرح خوش ہو اور مطمئن ہو کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور رب کا تصور تک نہ کرے۔

اور اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے لئے نرم گوشہ نہ رکھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور متنبی خواہ وہ قادیانی ملعون ہو یا کوئی اور جھوٹا متنبی ہو کو نبی تسلیم ہی نہ کرتا ہو تو یقیناً وہ ایمان پر مطمئن کہلائے گا اور اسے ایمان کی ایسی حلاوت نصیب ہوگی جیسے مزیدار چیز کے کھاتے وقت دل و دماغ میں سرور و شادمانی کی کیفیت اور خوشی کی لہر اٹھتی ہے اور پورے بدن میں پھیلتی ہے جس سے سُستی ختم اور ہمت تازہ دم ہو جاتی ہے

پھر اس حدیث میں اور آنے والی حدیث میں ایک لطیف تشبیہ ہے کہ جو شخص ان صفات کا حامل ہوگا وہ صحت مند آدمی کی طرح ہے جو لذیذ اشیاء کی مٹھاس واضح طور پر محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ان خوبیوں سے محروم ہو وہ گویا صفراء کے مریض کی طرح ہے جو میٹھی میٹھی اشیاء کی حلاوت کا احساس نہیں کر سکتا ہے۔

حدیث آخر:۔ تین خصلتیں (خوبیاں) جو اگر کسی کے اندر آجائیں تو وہ ان کی بناء پر ایمان کی حلاوت پائے گا (۱) وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول باقی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہوں (یعنی وہ کسی سے اتنی محبت نہ کرتا ہو) (۲) اور یہ کہ وہ اگر کسی شخص سے محبت کرے تو اس کی محبت صرف اللہ ہی کے لئے ہو۔ (۳) اور یہ کہ وہ کفر کی طرف پلٹنے (جانے) کو جبکہ اللہ نے اسے کفر سے نکالا ہے ایسا ناگوار سمجھے جیسے وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (حسن صحیح)

اس حدیث میں کامل ایمان کا ذکر ہے جس کے نصیب ہو جانے کے بعد کیفیت اور حالت یہی ہوتی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ آدمی اپنی مرضی کو بالائے طاق ہی نہیں رکھتا بلکہ بھول جاتا ہے اور صرف اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں زندگی کھپاتا ہے۔

اس حدیث میں "بعد اذانقذہ اللہ منہ" اس شخص کے لئے ہے جو پہلے کفر میں زندگی گزار رہا تھا مگر اللہ نے توفیق دی اور مشرف باسلام ہوا، اور وہ شخص بھی اس کا مصداق ہے جس کو شروع سے اللہ نے کفر سے محفوظ رکھا ہو مگر آپؐ کے زمانہ میں اکثریت قسم اول سے تعلق رکھتی تھی اس لئے وہ تعبیر غالب رہی علیٰ ہذا "ان یعود" اسی معنی کے مطابق ہے دوسرے معنی کے مطابق بمعنی یصیر کے ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب لایزنی الزانی وھومؤمن

(ایمانی کیف میں کوئی زنا نہیں کرسکتا)

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :لایزنی الزانی وھومؤمن ولایسرق السارق وھومؤمن ولکن التوبۃ معروضۃ".(حسن صحیح غریب)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ زنا کرنے والا شخص زنا نہیں کرتا دراں حالیکہ وہ کامل مومن ہو اور چور چوری نہیں کرتا دراں حالیکہ وہ کامل مومن ہو۔ تاہم توبہ پیش کی ہوئی رہتی ہے۔

تشریح:۔قولہ:"وھومؤمن" واؤ حالیت کے لئے اور تنوین تعظیم کے لئے ہے پس مطلب یہ ہوا کہ کامل ایمان اور زنا و چوری کبھی بھی جمع نہیں ہوسکتے ہیں یعنی اگر ایمان کامل ہے تو اس کے ساتھ زنا و چوری جمع نہیں ہوسکتیں اور زنا یا چوری کرے تو پھر اس کا ایمان کامل نہیں بلکہ ناقص ہے۔

قولہ:"ولکن التوبۃ معروضۃ" یعنی زنا و سرقہ کی وجہ سے ایمان تو گھٹ جائے گا البتہ اس زانی اور چور کو توبہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے پس اگر اس نے توبہ کرلی تو ایمانی کیف و کمال پھر بحال ہوسکتا ہے۔

حدیث آخر:۔"اذازنی العبدخرج منہ الایمان فکان فوق رأسہ کالظلۃ فاذاخرج من ذالک العمل عادالیہ الایمان".

جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے (کمالِ) ایمان نکل جاتا ہے اور اس کے سر کے اوپر سائبان کی طرح منڈلاتا ہے پھر جب وہ شخص اس عمل سے فارغ ہوجاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

یہ حدیث ترمذی میں معلق ہے لیکن ابوداؤد نے اپنی سنن میں متصل ذکر کی ہے امام حاکمؒ نے صحیح علی شرط الشیخین قرار دی ہے اور حافظ ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔(کذا فی تحفۃ الاحوذی)

اپنے ظاہری مطلب کے لحاظ سے یہ حدیث بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے ایمان کے خروج کی تصریح ہے جو بظاہر معتزلہ وخوارج کی دلیل ہے لیکن اگر سابقہ حدیث کی تشریح کو ملحوظ رکھا جائے تو اشکال ختم ہوجائے گا، پس مطلب یہ نکلا کہ زنا وغیرہ کبیرہ گناہ کے دوران کامل ایمان باقی نہیں رہ سکتا بلکہ وہ نکل جاتا ہے جہاں تک نفسِ ایمان کی بات ہے تو اس حدیث میں اس کی بات نہیں ہورہی ہے تاہم کامل ایمان

Maktaba Tul Ishaat.com

کا سر پر منڈلانے میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ ایمان کا تعلق اس شخص سے مکمل ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ اور ثمرات ضائع کر دیئے جاتے ہیں اور جڑیں اس زانی کے دل کے اندر باقی رہتی ہیں۔ جیسے آدمی اپنے اوپر چھتری پکڑے تو اس چھتری کا دستہ اس کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور چھتری کا کپڑا سر کے اوپر ہوتا ہے جس کی بناء پر حفاظت رہتی ہے، پھر جب آدمی گناہ وزنا سے نکل جائے تو ایمان لوٹ جاتا ہے کیونکہ کامل ایمان اور زنا میں تضاد ہے جب ایک کسی محل میں داخل ہوگا تو دوسرا وہاں سے نکلے گا اور جب وہ نکلے گا تو یہ داخل ہوگا۔

البتہ یہاں یہ ماننا پڑے گا کہ زنا کرنے کے بعد زانی پھر سے خود بخود کامل مومن بن جاتا ہے کیونکہ جب کامل ایمان لوٹ آیا تو آدمی کامل مومن بن جائے گا حالانکہ یہ ماننا تو بہت مشکل ہے، اس لئے بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں کامل کی بات نہیں بلکہ نفسِ ایمان کی بات کی گئی ہے اور یہ حکم تغلیظاً ہے یعنی زانی گویا نفس ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ توجیہ پہلے اشکال سے زیادہ مشکل لگتی ہے، اس لئے اس کا حل یہ نظر آتا ہے (واللہ اعلم) کہ بات تو کامل ایمان کی ہوری ہے لیکن چونکہ حقیقت یہ ہے کہ کامل مومن اول تو زنا کرتا نہیں اگر بالفرض اس سے زنا صادر ہو جائے تو وہ فوراً تائب ہو جاتا ہے کیونکہ توبہ کا موقع تو دیا جاتا ہے جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں گذر گیا لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ جب وہ زنا سے فارغ ہو جائے اور ایمان کے تقاضے کے مطابق فوراً تائب ہو جائے تو ایمان واپس لوٹ آتا ہے۔ لہٰذا کہا جائے گا کہ یہ حدیث مفسّر ہے اور سابقہ حدیث میں توبہ کی قید اس کی تفسیر ہے فان الحدیث یفسر بعضہ بعضاً کمایفسّر القرآن بعضہ بعضاً۔

قولہ: "ھذاخروج عن الایمان الی الاسلام" یعنی ایمان جو قلبی تصدیق ویقین کا نام ہے کے ہوتے ہوئے تو کوئی شخص گناہ اور خصوصاً کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرسکتا ہے لہٰذا جو شخص ایسا کرے گا وہ گویا دعوے کی حد تک مسلمان ہے، لیکن اس جملے کا اصل مطلب وہی ہے جو اوپر تشریح میں گذر گیا یعنی کامل ایمان نہیں رہتا لیکن نفسِ ایمان باقی رہتا ہے، شرح عقائد میں اس متن "والکبیرۃ لاتخرج العبدالمؤمن من الایمان ولاتدخلہ فی الکفر" کے تحت حسن بصری کا مذہب یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو منافق مانتے تھے۔

"واحتجت المعتزلۃ بوجھین الاول ان الامۃ بعداتفاقھم علی ان مرتکب الکبیرۃ فاسق، اختلفوافی انہ مؤمن وھومذھب اھل السنۃ والجماعۃ او

Maktaba Tul Ishaat.com

کافر وھوقول الخوارج اومنافق وھوقول الحسن البصریؒ الخ". (ص:۸۴)

لیکن مقاصد میں حضرت حسن بصری ؒ کا اپنے قول سے رجوع نقل کیا گیا ہے لہٰذا اب اہل السنۃ والجماعۃ کے مابین اس مسئلہ میں کسی طرح کا کوئی ابہام یا اختلاف نہیں ہے اور متفقہ مسئلہ ہے کہ جب تک کسی گناہ کو حلال وجائز سمجھ کر نہ کیا جائے تو نفس ارتکاب سے کوئی کفر لازم نہیں آتا ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے باب کے آخر میں نقل کیا ہے۔

"وھذا قول اھل العلم لانعلم اَحَداً کَفَّرَاَحَداً بالزنا والسرقة وشرب الخمر".

قولہ:"وقدروی من غیروجه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال فی الزنا والسرقة مَن اصاب مِن ذالک شیئاً فاقیم علیه الحدفھو کفارة ذنبه.....روی ذالک عن علی بن ابی طالب وعبادة بن الصامت الخ" یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے امام ترمذیؒ نے ابواب الحدود میں نقل کی ہے اس پر وہاں بحث گذری ہے فلانعیدہ۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: جلد پنجم: ص:۳۴۵ سے آگے "باب ماجاء ان الحدود کفارة لاھلھا")

حدیث آخر:۔"من اصاب حداً فعُجِّل عقُوبَتُه فی الدنیافالله اعدل من ان یُثَنِّیَ علی عبده العقوبة فی الآخرة ومن اصاب حداً فستره الله علیه وعفاعنه فالله اکرم من ان یعود فی شیٔ قدعفاعنه". (حسن غریب)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی (موجب) حد کو پہنچا (یعنی کر گذرا) پس اس کی سزا دنیا میں جلد ہی دے دی گئی تو اللہ کا انصاف اس سے بہت بالاتر ہے کہ وہ اپنے بندے کی سزا قیامت میں دُہرادیں اور جو شخص کسی حد (گناہ) کو پہنچا اور اللہ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی (یعنی معاف کیا) تو اللہ کا کرم اس سے بہت اونچا ہے کہ جو چیز معاف کی ہو اس سے رجوع فرمائیں۔

حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں فرمایا ہے کہ یہاں ہر دو حکموں کی دو دو صورتیں ہیں پہلے حکم کی دو صورتیں یہ ہیں کہ حد قائم ہونے کے بعد وہ محدود یا تو توبہ کرے گا یا نہیں تو اس میں توبہ والی صورت کو ذکر فرمایا کیونکہ بظاہر حد لگنے کے بعد مومن تائب ہو ہی جاتا ہے جبکہ دوسری صورت حذف کر دی گئی، اسی طرح گناہ پر کسی دوسرے کی اطلاع نہ ہونے کی صورت میں وہ توبہ کرے گا یا نہیں تو اس میں بھی توبہ والی صورت کو ذکر کیا جو مومن

Maktaba Tul Ishaat.com

کی شان کے مطابق ہے، غرض یہاں دونوں صورتوں میں توبہ کی قید مراد ہے۔

علیٰ ہذا اس حدیث کا سابقہ حدیث سے کسی طرح تعارض نہیں آیا کیونکہ اس میں مغفرت کو مشیت باری تعالیٰ پر موقوف کیا گیا ہے۔ "فستره الله فهو الى الله تعالىٰ ان شاء عذّبه يوم القيٰمة وان شاء غفرله وروى ذالك عن على بن ابى طالب وعبادة بن الصامت وخزيمة بن ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم"۔

باب ماجاء المسلم من سَلِمَ المسلمون من لسانه ويده

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں)

"عن ابى هريرة قال قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم من سَلِمَ المسلمون من لسانه ويده والمؤمن من اَمِنَه الناس علىٰ دمائهم واموالهم". (صحيح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے (یعنی ایذاء سے) دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے خون (جانوں) اور اپنے مال کے بارے میں مطمئن ہوں (یعنی بے خوف ہوں)۔

تشریح:۔ اس حدیث کے پہلے جزء کی تشریح ابواب صفۃ القیامۃ میں باب بلاترجمہ کے تحت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں گذری ہے، اور جو مطلب پہلے جملے کا بنتا ہے وہی دوسرے جملے کا بھی ہے یعنی مسلم سلامتی کے معنی میں ہے اور مومن امن واطمینان کے معنی میں لہٰذا مسلم کو چاہئے کہ وہ دوسروں کی سلامتی کو یقینی بنائے اور مومن کو چاہئے کہ وہ دوسرے اہل ایمان کے امن واطمینان کی عملی ضمانت دے وہ اپنے قول وعمل سے دوسرے مسلمانوں کو یہ باور کرائے کہ وہ نہ کسی کو زبانی وقولی تکلیف پہنچائے گا اور نہ عملی طور پر کسی کو جانی ومالی نقصان پہنچائے گا۔

اگر کوئی مسلم ومومن قولاً یا عملاً اس کردار وذمہ داری کے خلاف چلتا ہے تو وہ مسلمان ومومن کہلانے کا مستحق نہیں گو کہ وہ اپنے عمل ایذاء رسانی سے خارج از اسلام وایمان تو نہیں ہوگا لیکن یہ ایسا ہوگا جیسے کوئی جاہل اپنا نام بحرالعلوم رکھے اگرچہ اس کے پاس تھوڑا بہت علم تو ہوتا ہے لیکن یہ نام یقیناً بے جا رکھا ہوا تصور کیا جائے گا۔ غرض کامل مومن وہ ہے جو سلامتی کے پیغام کے ساتھ امن دینے کا التزام کرتا ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء ان الاسلام بدأغريباً وسيعود غريباً

(اسلام نامانوس شروع ہوا تھا اور عنقریب وہ دوبارہ نامانوس بن کر لوٹے گا)

"عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان الاسلام بَدَأَ غريباً وسيعود كما بَدَأَ فطوبىٰ للغُرباءِ". (حسن صحيح غريب)

بے شک اسلام نامانوس ظاہر ہوا ہے اور عنقریب دوبارہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ پہلے ظاہر ہوا تھا۔ پس ابدی عزت ہے نامانوس (اجنبی ہو جانے) والوں کے لئے۔

تشریح:۔قولہ: "بَدَأَ" یہ لفظ اگر مہموز اللام ہو جیسا کہ امام نوویؒ نے تصریح کی ہے تو بمعنیٰ ابتداء کرنے اور شروع ہونے کے ہے اور اگر بَدَا الف کے ساتھ یعنی ناقص سے ہو تو پھر ظہور کے معنی میں ہے بَدَا یبدُو بُدُوّاً بمعنی ظہور کے آتا ہے مطلب کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں تاہم اصل روایت ہمزہ کے ساتھ ہے۔

قولہ: "غريباً" غرابت سے ہے اجنبیت وندرت کو کہتے ہیں چونکہ نادر اشیاء سے تعجب ہوتا ہے اس لئے تعجب کو بھی غرابت کہتے ہیں، غریب پردیسی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ دیار غیر اور پردیس میں نامانوس ہوتا ہے اس کا پوچھنے والا نہیں ہوتا یا پھر ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔

قولہ: "فطُوبىٰ" بروزن فُعلیٰ طیّب سے مؤنث کا صیغہ اسم تفضیل ہے بمعنی خوش خبری کے یا بمعنی خیر و بھلائی کے۔ جنت اور ایک جنتی درخت وغیرہ کے اقوال بھی ہیں۔

قولہ: "لِلغرباء" غریب کی جمع ہے مراد مسلمان ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جو امت کے فساد کے وقت جب لوگ سنتوں اور دین کے باقی احکام کو نظر انداز کر دیں گے، یہ ان احکام پر عمل کریں گے اور لوگوں کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی تلقین کریں گے۔

اس حدیث شریف میں اسلام کی ابتدائی اور آخری حالت کی تشبیہ ایک اجنبی مسافر کے ساتھ دی گئی ہے جو کسی شہر یا بستی میں وارد ہوتا ہے اور کوئی اس کا پُرسان حال نہیں ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو لوگوں پر پیش کرتا ہے اپنا تعارف کرواتا ہے مگر وہ لوگ اس کو مہمان بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں وہ کسمپرسی کے عالم میں مارا مارا پھرے۔ کہیں مسجد میں پہنچتا ہے یا لوگوں کے کسی اور مجمع میں جا گھستا ہے بہت سارے لوگ اس سے بچنے کی

Maktaba Tul Ishaat.com

کوشش کرتے ہیں کوئی سنگدل گالیاں بھی دیتا ہے، کوئی بے وقوف دھکے بھی دیتا ہے اور بچے کبھی کبھی اس کے پیچھے لگا دیئے جاتے ہیں مگر ان لوگوں میں ایک خداترس ایسا بھی ہوتا ہے جو اس پردیسی غریب کو جگہ دیتا ہے اور کھانا کھلاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح حال اسلام کا تھا ابتدائی دور میں۔ اور اسلام سے وابستہ لوگوں کا جو معاشرہ میں نہ صرف تنہا کر دیئے گئے تھے بلکہ ان پر زمین تنگ کرنے کی ساری چالیں چلی گئیں، بعینہ یہی صورت حال اسلام کے آخری دور میں بن جائے گی کہ دین والوں کو محض دینداری کی وجہ سے معاشرے میں الگ تھلگ کر دیا جائے گا، اس طرح ان کے لئے معاشرہ میں کوئی جگہ، کوئی وقار، کوئی رشتہ، کوئی منصب وغیرہ نہیں ہوگا بس وہ اس دنیا میں ایسے ہوں گے جیسے وہ یہاں والوں کے ابنائے جنس ونوع سے نہیں ہیں یقیناً یہ بہت تکلیف بلکہ ناقابل برداشت صورت حال ہوگی لیکن ہمت والوں کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم خوش خبری دی ہے "فبذالک فلیفرحوا، وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون" یعنی اس وقتی وعارضی ذلت کے بدلے ان کے لئے سرمدی عزت ہوگی۔

حدیث آخر:۔ "ان الدین لَیَأرِز الی الحجاز کما تأرِز الحیّة الی جُحرھا وَلَیعقِلَنَّ الدین فی الحجاز معقل الأرویّة من رأس الجبل ان الدین بدأ غریباً ویرجع غریباً فطوبیٰ للغرباء الذین یصلحون ماافسدالناس من بعدی من سنتی". (حسن)

بے شک دین حجاز کی طرف سمٹ آئے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں سکڑ جاتا ہے، اور بلاشبہ دین حجاز میں پناہ لے گا جنگلی بکری کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی پر پناہ لیتی ہے، بے شک دین نامانوس شروع ہوا تھا الخ۔

قولہ: "لَیَأرِز" بکسر الراء سکڑ جانے کو کہتے ہیں تاہم أرز پناہ گاہ کو بھی کہتے ہیں لہٰذا یأرز بمعنی پناہ لینے کے بھی صحیح ہے۔

قولہ: "لَیَعقِلَنَّ" پناہ لینے کے معنی میں ہے لیکن مراد ایسی پناہ ہے جہاں تک رسائی ناممکن ہو جائے کیونکہ عقل بمعنی روکنے اور امتناع کے بھی ہے۔

قولہ: "مَعقِل" مصدر میمی یا ظرف مکان کا صیغہ ہے۔ قولہ: "الأرویّة" بضم الہمزۃ وتشدید الیاء جنگلی بکری کو کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ خطرات اور فساد امت کے زمانہ میں اسلام حجاز کو جائے پناہ بنائے گا اور باقی دنیا سے

Maktaba Tul Ishaat.com

سمٹ کر اس طرح واپس آجائے گا کہ اس کا وہاں نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ جیسے سانپ اپنے بل میں اور جنگلی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جانے کے بعد قابل دید اور قابل تناول وحصول نہیں رہتی اور جہاں سے ہو کر یہ دونوں واپس آتے ہیں تو وہاں ان کے نشانات بھی پانا مشکل ہوتا ہے۔

اس حدیث میں غرباء ان لوگوں کو کہا ہے جو ان سنتوں کی بحالی میں مصروف عمل ہوں گے جن کو لوگوں نے مسخ کر دیا ہوگا، چونکہ عوام کو سنت کے مقابلہ میں بدعت عمل میں بہت زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ دوسری طرف علماء کی معاشرے پر گرفت کمزور ہوتی جارہی ہے اس لئے جیسا کہ مشاہدہ ہے عام علماء اور خصوصاً علماء سوء عوام ومعاشرے کے مزاج پر چلیں گے، ایسے میں جو علماء سنتوں کے احیاء کی کوشش کریں گے ظاہر ہے کہ ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جائے گا وہ لامحالہ معاشرہ میں الگ تھلگ ہو جائیں گے، اس حدیث کو ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں بھی حسن کہا ہے۔

باب ماجاء فی علامة المنافق

(منافق کی نشانیوں کا بیان)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اٰية المنافق ثلاث اذا حَدَّثَ كَذَبَ واذاوَعَدَاَخلَفَ واذااؤتُمِنَ خان"(حسن غريب)

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اسے امانت سونپی جائے تو خیانت کرے۔

حدیث آخر:۔"اربع من كُنّ فيه كان منافقاً وان كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتىٰ يَدَعَهَا،اذاحَدَّثَ كذب واذاوَعَدَاَخلَفَ واذاخاصم فجر واذا عاهد غَدَرَ". (حسن صحيح)

یہ چار باتیں جس میں ہوں گی: وہ منافق ہوگا وگر کسی میں ان میں سے ایک بات (عادت) ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک عادت ہوگی تا آنکہ وہ اسے چھوڑ دے: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳) اور جب کسی سے لڑائی کرے تو بے ہودہ گوئی کرے (۴) اور جب عہد وپیمان کرے تو عہد شکنی کرے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ چونکہ پہلی حدیث میں ثلاث کا عدد حصر کے لئے نہیں ہے لہٰذا یہ اشکال وارد نہیں ہونا چاہئے کہ اگلی حدیث کا اس سے تعارض ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے آپ علیہ السلام کو تین کا علم دیا گیا ہو اور پھر مزید ایک کا اضافہ کیا گیا ہو جیسا کہ علم نبوی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

قولہ: "فجر" فجور دراصل میانہ روی سے ہٹنے کو کہتے ہیں یہاں مراد گالم گلوچ اور دیگر بدزبانی ہے۔ قولہ: "واذا عاھد غدر" یعنی وعدہ کرتے ہی اسے توڑ دیتا ہے جس کو دھوکہ کہا جاتا ہے کیونکہ دھوکہ باز کا وعدہ کرنا دراصل ایک چال ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح اور مطلب میں شارحین کافی پریشان نظر آتے ہیں کیونکہ بظاہر ان خصلتوں میں تو بہت سارے مسلمان مبتلاء ہیں اس طرح ان سب کو منافق کہنا پڑے گا بلکہ بخاری شریف کی روایت میں تو تصریح ہے کہ ایسا شخص خالص یعنی پکا منافق ہے دوسری طرف منافق کی اُخروی سزا تو کافر سے بھی زیادہ سخت بیان ہوئی ہے، تو امام ترمذیؒ نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد نفاق عمل ہے جس سے کفر لازم نہیں آتا بلکہ صرف گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کسی نے کہا کہ ان خصلتوں کا دائمی اجتماع یعنی بطور عادت مستمرہ ہونا مراد ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس کا سب سے بہترین مطلب ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں بیان فرمایا ہے کہ نفاق اس قول یا عمل کا نام ہے جو باطن کے خلاف ہو، پس اگر یہ مخالفت باطن مع الظاہر عقائد میں ہو تو یہ نفاق کفر ہے اور اگر عمل میں ہو تو نفاق عمل ہے۔ اس طرح وہ شخص جس میں یہ چار خصلتیں مجتمع ہوگئی ہوں وہ خالص منافق ہوگا۔ اگر قولی مخالفت یا عملی مخالفت توحید میں ہے تو یہ خالص کفر اور اگر عمل میں ہو یعنی توحید اور ذات وصفات کے حوالے سے نہ ہو تو وہ بھی خالص منافق ہوگا مگر کافر نہیں بلکہ عاصی ہوگا:

"والمختار من ذالک ان یقول: الذی یُحَدِّثُ فیکذب ان کان فی التوحید فھو کافر وان کان فی غیر ذالک فھو عاص والکل نفاق وکذالک من عاھد فغدر ووعد فأخلفه ان کان ذالک مع الله فھو کافر کقوله تعالی: "ومنھم من عاھد الله لئن آتانا من فضله لنصّدّقنّ ولنکونن من الصالحین فلما اٰتھم من فضله بخلوا به وتولّوا وھم معرضون". (توبہ: آیت نمبر: ۷۵، ۷۶)

تاہم اگر جھوٹ کسی غرض صحیح کی بنیاد پر ہو تو اس کا حکم گزرا ہے۔ (عارضۃ الاحوذی: ص: ۲۷ ج: ۱۰ حصہ دہم)

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔"اذاوعدالرجل وینوی اَن یَفِیَ به فلم یَفِ فلاجناح علیه".(حدیث غریب)

جب آدمی وعدہ کرے اور ارادہ یہی ہو کہ اسے پورا کرے گا مگر وہ اسے (بوجہ عذر) پورا نہ کرسکا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ حدیث بتصریح امام ترمذیؒ ضعیف ہے تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص وعدہ کرتا ہے اور اسے پورا بھی کرنا چاہتا ہے مگر بوجوہ وہ اسے پورا نہ کرسکے تو اس پر گناہ نہیں یعنی یہ وعدہ خلافی نفاق کی شاخ نہیں کیونکہ منافق تو شروع سے اور اپنی عادت کے مطابق ایفائے عہد کا پابند نہیں جبکہ مسلمان وعدہ پورا کرنے کو اپنی دینی واخلاقی ذمہ داری سمجھتا ہے مگر عذر پیش آنے کی صورت میں وہ بہرحال پورا کرنے کا پابند نہیں۔

باب ماجاء سِبَابُ المسلم فسوق

(مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے)

"قتال المسلم اخاه كفر وسِبَابه فسوق".(حسن صحيح)

مسلمان کا اپنے (مسلمان) بھائی سے لڑنا کفر ہے اور اس کو گالی دینا گناہ ہے۔

اس حدیث پر بحث اور تشریح "باب ماجاء فی الشتم" میں گزری ہے۔(دیکھئے تشریحات ترمذی: ص:۲۵۳ج:۶)

باب ماجاء فی من رَمَیٰ أخاه بكفر

(مسلمان کو کافر قرار دینے کا گناہ)

"عن ثابت بن الضحاك عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:لیس علی العبد نذر فیما لایملك،وَلاَعِنُ المؤمن كقاتله ، ومن قَذَفَ مؤمنابكفرفهو كقاتله ومن قتل نفسه بشئ عَذَّبه الله بماقتل نفسه یوم القیٰمة".(حسن صحیح)

لازم نہیں ہوتی بندے پر نذر اس چیز کی جس کا وہ مالک نہیں، اور مومن پر لعنت کرنے والا (گناہ میں) اس کے قاتل کی طرح ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کا الزام لگایا تو وہ (بھی گناہ میں) اس کے قاتل کی مانند

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے اور جس نے خود کو کسی چیز سے مارڈالا تو قیامت کے دن اللہ اس کو اسی چیز سے سزا دیں گے جس سے اس نے خودکشی کی ہوگی۔

تشریح:۔اس حدیث میں چار باتوں کا ذکر ہے:(۱) نذر (۲) لعنت کرنا (۳) تکفیر (۴) اور خودکشی۔ یہاں امام ترمذیؒ نے صرف تکفیر یعنی تیسرے مسئلہ کے لئے باب قائم کیا ہے باقی تینوں مسائل اپنے اپنے متعلقہ ابواب میں گزرے ہیں، نذر کے لئے (تشریحات ترمذی:ص:۴۰۲ج:۵"باب لانذر فی مالایملک ابن ادم" اول ابواب النذ وروالایمان) لعنت کے لئے (دیکھئے:ص:۲۴۶:ج:۶"باب ماجاء فی اللعنة من ابواب البر والصلة) اور خودکشی کے لئے (ملاحظہ ہو:ص:۳۴۴ج:۶"باب ماجاء من قتل نفسہ بسم اوغیرہ)

تاہم لعنت کے حوالہ سے یہاں مزید شناعت کا ذکر فرمایا ہے کہ لعنت کرنا گویا قتل کرنے کے مترادف ہے کیونکہ لغت میں ملعون کو اللہ کی رحمتِ اخروی سے محروم کرنا مقصود ہوتا ہے اور قتل کرنے سے دنیوی نعمتِ حیات سے انقطاع مطلوب ہوتا ہے البتہ اگر قاتل سے مراد قتال کرنے والا یعنی لڑنے والا لیا جائے تو پھر حکم میں نسبتاً تخفیف آجائے گی کیونکہ قتال سے قتل کرنا لازم نہیں آتا تاہم قتال کرنے میں مراتب ہیں بعض قتال کفر ہے، بعض قریب الی الکفر اور بعض مباح بلکہ باعث اجر وثواب ہوتا ہے جیسا کہ اپنی جگہ بیان ہوا ہے، حاشیہ میں ہے کہ لاعن کو قاتل کہنا الحاق الناقص بالکامل کے قبیل میں سے ہے تغلیظاً وتشدیداً جبکہ قذف کی تشبیہ قتل کے ساتھ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ کفر (ارتداد وغیرہ) قتل وقتال کے اسباب میں سے ہے، پس کسی کو کافر کہنا گویا استحقاق قتل کا فتویٰ ہے ممکن ہے کہ کوئی اس فتوی کی وجہ سے مقذوف کو قتل کرے اس طرح قاذف بھی شریک قتل شمار ہوگا۔

حدیث آخر:۔"ایما رجل قال لاخیه "کافر" فقد بَاءَ بها احدُهما".(حدیث صحیح)

جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو کافر کہا تو یقیناً ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کلمہ کا مستحق ہوا۔

قولہ:"کافر" مرفوع ہے بنا بر خبریت یعنی انت کافر یا ھو کافر یا پھر حرف نداء محذوف کا منادی ہے۔

قولہ:"باء" باء بالشئ کے معنی لوٹنے کے آتے ہیں یعنی ان میں سے ایک اس لفظِ کفر کے ساتھ لوٹے گا کیونکہ اگر وہ شخص جسے کافر قرار دیا جارہا ہے واقعتاً کفر کا مرتکب ہو تو پھر یہ بات اس پر فٹ ومنطبق ہو جائے گی لیکن اگر وہ کفر سے بری ہوگا تو پھر جس نے کافر کہا ہوگا وہ اس کلمہ کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے مسلمان کے اسلام کو کفر کہا اور یہ بات یقینی ہے کہ دین حق کو باطل قرار دینا کفر ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں تک تو حدیث کا مطلب آسان ہے لیکن اگر الزام لگانے والے کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ وہ اسلام کو باطل کہے تو پھر حدیث مشکلات میں سے ہے، حاشیہ پر اس کی پانچ توجیہات کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کہنے والا کافر تو نہیں ہوگا البتہ سخت گنہگار ہوگا کہ اس نے انتہائی خطرناک بات کی ہے، علیٰ ہذا اس صورت میں کفر کا استحقاق تغلیظاً وتشدیداً ہوگا۔

تکفیر کا اصول "باب ماجاء فی ابطال المیراث بین المسلم والکافر من ابواب الفرائض" میں بیان کیا جاچکا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص:۴۲۵ ج:۶)

باب ماجاء من یموت وھویشھد ان لااِلٰہ اِلّا اللّٰہ

(ایمان کی حالت میں موت آنے کا بیان)

"عن الصُنابحی عن عُبادۃ بن الصامت انہ قال: دخلتُ علیہ وھوفی الموت فبکیت فقال: مَھلاً لِمَ تبکی؟ فواللہ لَاِن اُستُشھِدتُ لَاَشھَدَنّ لکَ اوَلَاِن شُفِّعتُ لَاَشفَعَنّ لَکَ وَلَاِن استطعتُ لَانفَعَنّکَ ثم قال: واللہ مامن حدیث سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکُم فیہ خیرالّاحَدَّثتکموہ اِلّاحدیثاً واحداً وَسَاُحَدِّثکموہ الیوم وقداُحیط بنفسی سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من شھِد ان لااللہ الااللہ وان محمداًرسول اللہ حَرَّم اللہ علیہ النار". (حسن صحیح غریب)

حضرت عبدالرحمٰن بن عُسیلہ فرماتے ہیں کہ میں عبادہ بن صامتؓ کے پاس آیا جبکہ وہ حالتِ نزع میں تھے تو میں رونے لگا، حضرت عبادہؓ نے فرمایا ٹھہر جاؤ..... تم کیوں روتے ہو؟..... خدا کی قسم! اگر مجھ سے گواہی طلب کی گئی تو میں ضرور تیرے لئے گواہی دوں گا اور اگر میری سفارش قبول ہوتی ہے تو میں ضرور تیرے لئے سفارش کروں گا اور اگر میرا بس چلے تو میں ضرور تجھے نفع پہنچاؤں گا، پھر انہوں نے فرمایا بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی ایسی حدیث سُنی ہے جس میں آپ لوگوں کا فائدہ ہے تو وہ حدیث میں نے آپ سے بیان کی ہے سوائے ایک حدیث کے اور وہ بھی بیان کر ہی دیتا ہوں کیونکہ مجھے گھیرا گیا ہے (یعنی موت نے) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو اللہ اس پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ صنابحی کے بارے میں امام ترمذیؒ نے کتاب کے دوسرے باب "باب ماجاء فی فضل الطہور" میں تفصیل بیان کی ہے فلیراجع چونکہ حضرت صنابحیؓ کو اپنے استاذ حضرت عبادہ بن صامتؓ کے فراق کا یقین ہو گیا تھا اس لئے صدمۂ فراق برداشت نہ کر سکے اور... رو پڑے جس پر حضرت عبادہؓ نے ان کو تسلی دی۔

موت کے وقت کبھی خوف کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی رَجَاء کا حضرت عبادہ بن صامتؓ پر رجاء کا غلبہ تھا جو کہ مستحسن امر ہے اس لئے فرمایا کہ میں تیری ہر ممکن مدد کروں گا۔

قولہ: "مامن حدیث.....الاحدثتکموہ" یعنی جو بھی حدیث اعمال سے متعلق تھی وہ میں نے بیان کی ہے اور جس میں احکام نہ تھے اور اس کے عدم بیان میں مصلحت تھی تو وہ میں نے بیان نہیں کی ہے۔ ہاں آج ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو اگرچہ اعمال سے متعلق تو نہیں اور بیان کرنے میں اس پر تکیہ کر کے اعمال میں سُستی کا اندیشہ تھا لیکن تم میرے خاص شاگرد ہو اور میں بھی آخری لمحاتِ حیات میں ہوں اس لئے بیان کرتا ہوں تا کہ کتمانِ علم لازم نہ آئے اور تم غلط فہمی میں بھی مبتلا نہیں ہو گے کیونکہ ایسی فضیلت والی احادیث سے عوام سست ہو جاتے ہیں خواص نہیں۔

قولہ: "حَرَّم اللہ علیہ النار" بظاہر اس جملے سے اعمال کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اس لئے علماء نے اس میں تاویل کو ضروری سمجھا ہے۔

امام ترمذیؒ نے امام زہریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت کا فرمان ہے جب صرف توحید کا حکم تھا باقی احکام و فرائض وغیرہا ابھی نازل نہیں ہوئے تھے لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔

دوسرا قول جس کی طرف امام ترمذیؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ حرّم اللہ علیہ النار کا مطلب یہ نہیں کہ عاصی جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ دوزخ میں جائے بھی تب بھی اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ اسے بالآخر وہاں سے نکال لیا جائے گا علیٰ ہذا حرمت سے مراد خلود کی نفی ہے، اور یہ مضمون کئی صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے: "قال سیخرج قوم من النار من اھل التوحید ویدخلون الجنة" چنانچہ جب اہل التوحید کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا تو اس وقت کافر آرزو کریں گے کہ کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے۔

پھر آگے امام ترمذیؒ نے پرچی والی حدیث نقل کر کے اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کا دوسرا پہلو مدلل و مبرہن فرمایا ہے یعنی بعض نصوص سے عاصی کا جہنم میں جانا ثابت ہے جبکہ بعض روایات سے عفو و مغفرت بھی ثابت ہے اس لئے اہل السنۃ والجماعت کہتے ہیں کہ عاصی کا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اگر وہ چاہے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو بقدر گناہ سزا دے کر جنت میں داخل فرمادیں اور چاہے تو بغیر عذاب وعقاب کے شروع ہی سے جنت میں داخل فرمادیں۔ وماذالک علی اللہ بعزیز

باب کی حدیث کے مطلب میں اور بھی بہت سے اقوال ہیں مثلاً یہ خاصۃ المفرد ہے جس کی وضاحت پہلے گزری ہے، یا یہ اس شخص کے لئے ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو یا گناہ سے سچی توبہ کرلی ہو، جبکہ حضرت وھب بن مُنبہ فرماتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ" مفتاح الجنۃ ہے تاہم چابی کے لئے دندانے بھی ضروری ہیں لہٰذا کلمہ توحید کے ساتھ اعمال بھی بہت اہم ہیں کیونکہ جس چابی میں دندانے نہیں ہوں گے تو اس سے تالے کا جلدی کھلنا ضروری نہیں کبھی جلدی کھل جاتا ہے اور کبھی پریشانی ہوتی ہے پس جس قدر چابی دندانوں سے خالی ہوگی اسی مقدار میں پریشانی ہوسکتی ہے اگرچہ کبھی کبھی لگاتے ہی تالہ کھل جاتا ہے، ابن العربیؒ نے اس کو پسند کیا ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت سے ایک آدمی کو سب لوگوں سے الگ کردیں گے (یعنی سب خلائق کے سامنے اس سے روبرو بات کریں گے) پھر اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھول دیئے جائیں گے، ہر رجسٹر تا حد نگاہ پھیلا ہوا ہوگا، پھر اللہ فرمائیں گے: کیا تو ان میں سے کسی گناہ کا انکار کرتا ہے؟ کیا تجھ پر میرے (متعین کردہ) نگران فرشتوں نے کوئی ظلم کیا ہے؟ (کہ تجھ پر ناکردہ گناہ کا الزام لگایا ہو؟) وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! اللہ فرمائیں گے تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! (یعنی خلاصی کا کوئی راستہ نہیں ہے) پس اللہ فرمائیں گے..... کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے اور یہ کہ آج تجھ پر کچھ ظلم نہیں ہوگا، چنانچہ ایک پرچی نکالی جائے گی جس پر لکھا ہوگا "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ" پس اللہ فرمائیں گے حاضر ہوجاؤ اپنے وزنِ اعمال کے پاس (تاکہ تمہیں انصاف کا قریب سے مشاہدہ ہو) وہ کہے گا اے میرے رب! اس پرچی کا ان رجسٹروں سے کیا موازنہ ہوگا؟؟؟ پس اللہ فرمائیں گے لیکن تجھ پر ظلم نہیں ہوگا (لہٰذا وزن ضروری ہے تاکہ موازنہ کیا جائے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ وہ سارے رجسٹر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے اور وہ پرچی دوسرے پلڑے میں، اس طرح سارے رجسٹر ہلکے ثابت ہوں گے اور وہ پرچی بھاری ثابت ہوگی اور اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی۔ (حسن غریب)

قولہ: "سِجِلٌّ" بکسرۂ سین وجیم وتشدید اللام، دفتر یعنی حساب وکتاب کی بڑی کتاب کو کہتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

یہاں مراد وہ کتاب ہے جس میں اعمال درج کئے جاتے ہیں۔قولہ:"بِطاقة"بکسر الباء چھوٹی پرچی چونکہ عموماً اس کو کپڑے اور چادر کے پلّو میں لپیٹ کر رکھا جاتا ہے اس لئے اسے بطاقہ کہتے ہیں گویا یہ لفظ طاق سے ہے اور باء زائد ہے۔قولہ:"فطاشت"ای خَفّت۔

اس حدیث سے وزنِ اعمال کی کیفیت کی ایک صورت یہاں سے معلوم ہوئی جبکہ بعض روایات سے اس بندے کا تولنا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عین اعمال کو مجسم بنا کر وزن کیا جائے۔شرح عقائد میں ہے:"والمیزان عبارة عما یُعرف به مقادیر الاعمال والعقل قاصر عن ادراک کیفیته"۔ (شرح عقائد:ص:۷۹)

بہرحال وزن حق ہے اگرچہ اس کی کیفیت مدرک بالعقل نہیں ہے۔پھر بظاہر یہ شخص کلمہ شہادت کے علاوہ دیگر نیکیوں سے مکمل عاری وخالی معلوم ہوتا ہے اس کے پاس سوائے اس کلمہ کے کوئی عمل نہیں ہوگا تاہم اس کلمہ کے پڑھنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ زندگی میں پہلی بار پڑھا جانے والا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ مسلمان ہونے یا بالغ ہونے کے بعد کسی دوسرے موقع پر اس نے پڑھا ہو جو عنداللہ شرف قبولیت حاصل کر چکا نیز اس شخص نے توبہ بھی نہیں کی، مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی دوسری نیکیاں بھی ہوں لیکن نسبت اس پرچی کی طرف کی گئی کیونکہ باقی نیک اعمال میں ثقل اللہ کے نام کی برکت سے آیا۔

باب اِفتراق هذه الامة

(اس امت میں فرقہ بندیوں کا بیان)

"عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:تَفَرَّقت الیهود علیٰ اِحدٰی وسبعین فرقةً اوالنتین وسبعین فرقةً والنصاریٰ مثل ذالک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے یا فرمایا کہ بہتّر فرقوں میں اور نصاریٰ بھی اسی طرح (متفرق) ہوگئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

حدیث آخر:۔"لیأتِیَن علی امتی ماأتیٰ علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان

Maktaba Tul Ishaat.com

كان منهم من اتىٰ امّه علانيةً لكان في امتي من يصنع ذالك وان بني اسرائيل تفرّقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفترق امتي على ثلاث وسبعين ملةً كلهم في النارالاملة واحدة قالوا من هي يارسول الله؟ قال: ماانا عليه واصحابي". (حسن غريب)

میری امت پر ضرور وہ وقت آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا تھا جیسے ایک نعل دوسری نعل کے برابر ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر اُن میں کوئی ایسا شخص ہو جو کھلم کھلا زنا کرے اپنی ماں سے تو میری امت میں بھی ایسا آدمی ہوگا جو ویسا ہی کرے گا اور بے شک بنی اسرائیل بہتر ملتوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر ملتوں میں بٹ جائے گی، یہ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک ملت کے صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ ملت کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگی۔

تشریح:۔ پہلی حدیث میں راوی کو شک ہے کہ آیا آپؐ نے اکہتر فرمایا یا بہتر؟ مگر دوسری روایت میں بہتر ہی کا عدد بغیر شک راوی کے مروی ہے۔ قولہ: "من اتىٰ امه علانية" اس کا بے غبار مطلب زنا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ باہمی اختلافات کی وجہ سے اپنے اپنے مذاہب پر قائم نہ رہ سکے بلکہ دونوں امتیں آپس میں بہتر، بہتر فرقوں میں بٹ گئیں میری امت بھی ان کے نقش قدم پر چلے گی اور ان کی پیروی و متابعت میں ان کے قدم سے قدم ملا کر چلے گی حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی اپنی ماں سے علانیہ زنا کرتا ہو تو اس امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس میں بھی ان کی پیروی کرے گا۔

چنانچہ آج کل اس کا صاف مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ ساری اسلامی دنیا کے مسلمان مغرب کی مشابہت اختیار کرنے میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں عورتیں عورتوں کی اور مرد مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں زندگی کا کوئی شعبہ خواہ وہ سیاست کا ہو یا صحافت کا، تجارت کا ہو یا مناکحت کا، اخلاق و لباس اور زندگی کی بود و باش کے تمام اطوار میں مغرب یعنی یہود و نصاریٰ کا اتباع ضروری تصور کیا جاتا ہے، صرف اتنی سی بات ہے کہ یہود اپنے انبیاء کو بھی قتل کرتے تھے لیکن اب چونکہ انبیاء نہیں ہیں اس لئے اس امت کے لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارثوں علماء و صلحاء کو قتل کرتے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم" لکھی ہے جو انتہائی اہم ہے۔ اس میں ایک اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب اہل کتاب کی متابعت ناگزیر ہے جیسا کہ "لتتبعن" کے صیغہ تاکید سے معلوم ہوتا ہے تو پھر اہل کتاب کی مشابہت سے ممانعت کیوں فرمادی؟ جواب یہ ہے کہ اگرچہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس امت کی غالب اکثریت اہل کتاب کی پیروی کرے گی بمقتضائے حدیثِ باب لیکن پھر بھی آپؐ یہ چاہ رہے تھے کہ میری امت میں ایک طائفہ منصورہ بھی ہونا چاہئے جو یہود ونصاریٰ کی مشابہت سے دور رہے اور دور رہے لگی چنانچہ جب صحابہ کرامؓ نے اس طائفہ ناجیہ کے بارے میں آپؐ سے پوچھا تو آپؐ نے جواباً فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ہوگا وہ طائفہ منصورہ وناجیہ ہوگا۔

بعض حضرات نے ان فرقوں کی تقسیم ونشاندہی میں تکلف کیا ہے کسی نے کہا کہ بیس روافض کے ہیں ،بیس خوارج کے،قدریہ معتزلہ کے بھی بیس ہیں اور باقی چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں جو کل ملا کر بہتر بنتے ہیں جبکہ ایک جماعت اہل السنۃ والجماعۃ کی ہے، کسی نے دوسرے طریقے سے عدد کو پورا کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے تمام فرقے مراد ہیں لہٰذا جو گزرے ہیں وہ بھی اس عدد میں شامل ہیں اور جو ابھی باقی ہیں وہ بھی مراد ہیں، صرف اتنی بات یقینی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ناجی ہیں باقی ناری ہیں۔

تاہم یہ افتراق اصول وعقائد میں مراد ہے فرعیات واعمال کا اختلاف مراد نہیں لہٰذا فقہاء میں جو اختلاف ہے وہ ہرگز نجات کے منافی نہیں ہے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی تضلیل نہیں کرتا نیز ''ما انا علیه واصحابی'' میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ میں جو چیز مشترک تھی وہ عقائد کی رسّی تھی۔ فروعی مسائل میں صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی اختلاف تھا۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے ''عقائد الاسلام'' میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جن بہتر فرقوں کے بارے میں '' کلهم فی النار '' آیا ہے اس سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد نہیں اس لئے دوزخ کا دائمی عذاب ایمان کے منافی ہے دائمی عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہئے جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کو رد نہ کریں۔ اور ان احکام کے جو دین سے ضروری اور بدیہی طور پر ثابت ہوں منکر نہ ہوں۔ (اعتنی ملخصاً مکتوب: نمبر ۳۸ از دفتر سوم، عقائد الاسلام: ص: ۲۴۳، ادارۂ اسلامیات، لاہور)

یعنی جب تک کوئی فرقہ ضروریات دین کا صریح منکر یا مؤوّل نہ بنے اس وقت تک ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے مگر جو فرقہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے تو ان کا جنت میں جانا ممنوع ہو جاتا ہے علیٰ ہذا اہل قبلہ میں سے جو لوگ کفر سے کم درجے کی گمراہی کے مرتکب ہوں گے تو وہ گنہگاروں کی طرح دوزخ کے مستحق ہوں گے وہ اپنی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوں گے اور یہی وہ اہم نکتہ ہے جس کی رُو سے اسلاف نے فِرَقِ مبتدعہ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

تکفیر سے اجتناب کیا ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن العربی مالکیؒ نے عارضۃ الاحوذی کے اس باب میں اہل الظاہر پر سخت ناراضگی و برہمی کا اظہار کیا ہے کہ یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں حالانکہ قیاس پر تو معرفت باری تعالیٰ مبنی ہے۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ یہ بات بالکل بجا ہے کہ قیاس معرفتِ باری تعالیٰ کا اہم ذریعہ بلکہ مبنی علیہ ہے چنانچہ عقائد نسفی کی عبارت ''حقائق الاشیاء ثابتة '' سے ہی شروع ہو جاتی ہے کیونکہ جب محسوسات کا علم ہوگا تو تب غائبات کا علم ممکن ہو سکے گا تفصیل شرح عقائد میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ابن العربیؒ نے اس بارے میں بہت سے اشعار بھی لکھے ہیں جو چاہے وہ عارضہ کے اس باب میں ملاحظہ کریں۔

اس حدیث سے ملتا جلتا مضمون ''باب فی لزوم الجماعة'' من ابواب الفتن میں گزرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ج:۶ ص:۵۱۵ تا ص:۵۲۲)

حدیث آخر:۔ ''ان اللہ تبارک وتعالیٰ خَلَقَ خلقه فی ظلمة فالقی علیهم من نوره فمن اصابه ذالک النور اهتدی ومن اخطأه ضَلَّ فلذالک اقول جَفَّ القلمُ علی علم اللہ''.

(حسن)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنی طرف سے کچھ نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس سے چُوک گیا وہ گمراہ ہو گیا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ قلم سوکھ گیا ہے اللہ کے علم کے مطابق۔

قولہ: ''خلقه'' مراد ثقلین یعنی جن وانس ہیں۔ **قولہ:** ''فی ظلمة'' مراد یا تو قوت بہیمیہ یا نفس امارہ بالسوء کی تاریکی ہے یا اخلاق رذیلہ ہیں یا پھر جہالت مراد ہے علی ھذا نور سے مراد علی الترتیب قوت ملکیہ، نور ایمان، اخلاق حسنہ اور نور معرفت باری تعالیٰ ہے جو دلائل اور سمجھنے کی صلاحیتیں ہیں۔

قولہ: ''من نوره'' یعنی اپنی جانب سے ان میں ہدایت پانے کے ذرائع بھی ڈالے مثلاً قوت بہیمیہ اور نفس امارہ شہوات کی تکمیل پر آمادہ کرتے ہیں تو قوت ملکیہ اور نور ایمانی اطاعت باری تعالیٰ کی طرف راغب کرتے ہیں اسی طرح اخلاق سیئہ اور جہالت دونوں گمراہی پر اُکساتے ہیں جبکہ اخلاق حسنہ اور نور معرفت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہدایت پر آمادہ کرتے ہیں۔

قولہ: "فمن اصابه الخ" یعنی جس پر اچھائی کا پہلو غالب آیا تو وہ ہدایت پر رہا جبکہ بُرائی کا دامن تھامنے والا یعنی جس میں فضائل مغلوب اور رذائل غالب ہیں وہ گمراہی پر رہتا ہے۔

قولہ: "ولذالک اقول جفّ القلم علی علم الله" کنایہ ہے عدم تغیر سے یعنی تقدیر لکھی جا چکی ہے اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ تقدیر کی تفصیل ابواب القدر میں گزری ہے۔ فلیراجع

حدیث آخر:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے کہا: "اللہ ورسولہ اعلم" "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا ان پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، آپؐ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ جب لوگ ایسا کریں (یعنی صرف اسی کی عبادت کریں) تو ان کا اللہ پر کیا حق ہے؟ (یعنی لائق کیا ہے؟) میں نے کہا: اللہ ورسولہٗ اعلم، آپؐ نے فرمایا: وہ یہ ہے ان کو عذاب نہ دے۔ (حسن صحیح)

قولہ: "ماحقهم علی الله ؟" اللہ تبارک وتعالیٰ پر کوئی چیز واجب تو نہیں جیسا کہ عقائد نسفی اور شرح عقائد وغیرہ میں ہے البتہ اللہ عزوجل نے جن باتوں اور اعمال پر انعام مقرر کیا ہے اور ثواب کا وعدہ کیا ہے تو وہ اتنا زیادہ یقینی ہے کہ اسے شارع کے کلام میں عموماً ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں جیسے "ومامن دابة فی الارض الّا علی الله رزقها"۔ (سورۂ ہود: آیت:۶) یا جیسے باب کی حدیث میں "ماحقهم علی الله" ہے کیونکہ جب کبھی دنیوی بادشاہ کسی کو مدعو کرتا ہے اور اسے انعام دینے کا اعلان کرتا ہے تو نہ تو اسے مایوس کرتا ہے اور نہ اس کی توقع سے کم دیتا ہے بلکہ زیادہ ہی دیتا ہے تو جب دنیا کے ملوک کا یہ حال ہے تو مالک الملک و مالک یوم الدین کی شان تو بہت اونچی ہے۔۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے انہوں نے خوش خبری سنادی کہ جو بھی مرجائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا میں نے عرض کیا، اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے؟ انہوں نے فرمایا "ہاں"۔ (حسن صحیح)

یعنی جب آدمی کی موت عقیدۂ توحید پر آئے گی تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بھی اسے جنت سے دائما روک نہیں سکے گا آگے اللہ کی مرضی ہے کہ ابتداء ہی سے جنت میں داخل کردے بایں صورت کہ سارے گناہ معاف فرمادیں یا کچھ سزا بقدر گناہ دے کر پھر جنت میں بھیج دیں، مگر جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے کیونکہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفرمادون ذالک لمن یشاء''۔

ان دونوں حدیثوں سے توحید کا اونچا مقام معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس سے سابقہ حدیث میں جو حضرت معاذؓ سے مروی ہے عبادت کے بعد ''ولایشرکوا بہ شیئاً'' کی تصریح ہے یعنی صرف نماز و دیگر عبادات ہی کافی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ شرکیہ اعتقادات وعبادات سے بچنا بھی لازمی ہے لہٰذا جو کفار اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور شرک بھی کرتے ہیں وہ اس خوش خبری کے مستحق نہیں ہیں۔

ابوذرؓ کی یہ حدیث صحیحین میں بھی آئی ہے بخاری شریف کے جنائز میں ہے: ''انہ من مات من امتی لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ فقلتُ الخ''۔ (بخاری: ص:۱۶۵ ج:۱) جبکہ کتاب بدء الخلق میں اس طرح ہے: ''من مات من امتک الخ''۔ (بخاری: ص:۴۵۷: ج:۱، قدیمی کتب خانہ) یعنی حضرت جبرئیلؑ نے آپؐ کو یہ خوش خبری ان کی امت کے بارے میں سنادی۔

☆☆☆

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب العلم

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علم سے مراد شریعت سے آگہی اور معرفتِ باری تعالیٰ کے لئے معاون علوم ہیں اگرچہ علوم کی اقسام تقریباً لاتعداد ہیں مگر سارے علوم ایک جیسے نہیں ہیں کوئی علم فرض ہے، کوئی نفل، کوئی مباح، کوئی مکروہ اور کوئی حرام یہ بعینہ اسی طرح کی تقسیم ہے جیسے اصول فقہ میں عمل اور حکم کی کی گئی ہے۔

ابن قیمؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام "مفتاح دار السعادۃ" لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکال دیا مگر اس کے بدلے میں جنت سے افضل دو چیزیں ان کو عطاء فرمادیں ایک علم دوسرا ارادہ (کسب) وہ لکھتے ہیں: "اذا کان کل من العلم والعمل فرضاً فلابدمنهما کالصوم والصلوٰۃ الخ" یعنی جس عمل کی جو حیثیت ہوگی اس کے لئے حصول علم کی بھی وہی حیثیت ہوگی علی ھذا فرض عمل کے لئے علم کا حصول فرض ہے اور نفل کے لئے نفل، تاہم چونکہ حرام سے بچنا بھی فرض ہے اس لئے رذائل اخلاق کا علم بھی فرض ہے تاکہ تکبر وحسد اور عجب وغیرہ کو پہچان کر ان سے بچا جائے، جبکہ عقائد کا علم بھی فرض ہے خواہ وہ عمل سے متعلق ہو یا توحید وغیرہ سے پس معلوم ہوا کہ جس علم سے امر مباح کا حصول مقصود ہو جیسے عصری علوم تو وہ درجہ مباح میں شامل ہیں گو کہ صحیح نیت سے اس کا درجہ عبادت تک پہنچ جاتا ہے، جبکہ وہ علوم جو معرفت باری تعالیٰ سے دور کرتے ہوں وہ دراصل جہالت درجامہ علم ہے جیسے جادو، علم موسیقی اور غلط ارادے سے حاصل کیا جانے والا علم۔

باب اذا اراد اللہ بعبد خیراً فقّھہ فی الدین

(جب اللہ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے)

"عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من یرد اللہ به خیراً یُفقّهه فی الدین" (ای یجعله عالماً فی الدین) (حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ جس کی خیر و بھلائی چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ بوجھ عطاء فرماتا ہے یعنی فقیہ بناتا ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "خیراً" اس میں تنوین تعظیم کے لئے ہے ای خیراً عظیماً وعمیماً۔

قولہ: "یُفَقِّھہ" فِقہ لغت میں فہم و بصیرت کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاح میں دلائل سے احکام شرعیہ کے استنباط کے ملکہ کو کہا جاتا ہے پھر فَقِہَ بکسر القاف اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی بات کا مطلب و مراد سمجھے جبکہ فَقُہَ بضم القاف اس وقت کہتے ہیں جب آدمی فقیہ بن جائے یعنی اسے فقاہت کا ملکہ حاصل ہو جائے، علی ھذا کہا جائے گا کہ فقاہت میں مختلف درجات ہیں، **قال اللہ تعالی: "یرفع اللہ الذین آمنوا والذین اُوتوا العلم درجات"۔**

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ دین سمجھنے سے دینداری آسان ہو جاتی ہے کیونکہ جب آدمی شریعت کے اسرار و رموز سے آگاہ ہوگا تو وہ دین و آخرت کے امور میں دلچسپی لے گا اور عمل بھی شریعت کے مطابق کرے گا۔ نیز اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوگا جس سے وہ جنت کے اعلیٰ وارفع درجات حاصل کرے گا بخلاف اس شخص کے جو دین کے مزاج اور اس کی افادیت سے ناواقف ہو ایسا شخص عموماً دنیا کی وادیوں میں سرگرداں رہتا ہے اگر وہ امور دین پر عمل کرتا بھی ہے تو پوری طرح شرح صدر کے بغیر لگا رہتا ہے۔ جس سے نہ تو عبادت کا بھرپور لطف حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کوئی اعلیٰ مقام پایا جاسکتا ہے بلکہ ایسا شخص عموماً عمل کے شوق میں شریعت کو نقصان پہنچاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ نیکی کر رہا ہے۔

بہرحال فقیہ شخص نہ صرف خود فائدہ میں رہتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ دیتا ہے، صوفیہ کے نزدیک بغیر عمل کے نفس علم سے کوئی شخص فقیہ نہیں بن سکتا جیسا کہ حاشیہ پر حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے۔

ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں: "صدقوا" یعنی انہوں نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص نجات کو نہیں جانتا وہ کیسے فقیہ ہو سکتا ہے؟

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو شریعت کا ماہر بنانا چاہتا ہے تو اس کی عادت شریفہ ہے کہ اسے شوقِ علم، ذہانت اور عالی ہمت عطاء کرتا ہے اگرچہ بطور خرق عادت یہ بھی ممکن ہے کہ کسی غبی کو فقاہت عطاء فرمائے۔

بعض لوگ اپنے بچوں میں سے ذہین کو سکول میں داخل کرتے ہیں اور اغبیا کو مدرسہ میں، ان کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جس شخص کو اللہ نے علم کے لئے پیدا نہیں کیا ہے اسے کیونکر فقیہ بنایا جاسکتا ہے ایسے میں اہل مدارس کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کے انتخاب میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ کون سا بچہ علم پڑھنے کی اہلیت

Maktaba Tul Ishaat.com

رکھتا ہے کیونکہ علم ہر ایک کے لئے مفید نہیں بعض لوگ علم پڑھنے سے اپنے خراب مزاج کی وجہ سے بگڑ جاتے ہیں جیسے فرق مبتدعہ کے سارے پیشوا ایسے ہی تھے۔

باب فضل طلب العلم

(علم حاصل کرنے کی فضیلت)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من سَلَكَ طريقاً يلتمس فيه علماً سَهّلَ الله له طريقاً الى الجنة". (حسن)

جو شخص کسی راستہ میں چلا، جس میں وہ علم (دین) تلاش کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردے گا۔

تشریح:۔قولہ: "طریقاً" سراد تحصیل علم ہے خواہ اس کے لئے حسی راستہ اختیار کر کے سفر کرے یا نہ کرے عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اللہ کے راستے بہت ہیں ان میں سب سے افضل طلب علم ہے..... پھر آگے فوائد میں لکھتے ہیں: "لاخلاف ان طريق العلم طريق الى الجنة بل اوضح الطرق اليها" چونکہ علم حاصل کرنے سے شریعت پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے، عمل کے لئے اسے سازگار ماحول مل جاتا ہے، عالم کا حلیہ ولباس بھی گناہ کرنے میں ایک رکاوٹ ہے اس لئے یہ بھی ایک طرح کی آسانی ہے کیونکہ شریعت بعینہ جنت کا راستہ ہے۔

اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میدان محشر میں اور پل صراط پر علماء کے ساتھ خصوصی رعایت برتی جائے جس کی بناء پر وہ مشکلات و پریشانیوں سے بچیں اور بآسانی جنت میں داخل ہوں۔

چنانچہ ابن قیمؒ مفتاح دار السعادۃ میں لکھتے ہیں کہ علماء کا مقام و درجہ انبیاء علیہم السلام کے بعد یعنی صدیقین کا ہے "فمن طلب العلم لِيُحيِيَ به الاسلام فهو من الصديقين و درجته بعد درجة النبوة"۔ (ص:۱۲۴، دار الکتب العلمیۃ)

ابن کثیرؒ نے طبرانی سے حدیث نقل کی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يقول الله تعالىٰ لِلعلماء يوم القيٰمة اذا قعد على كرسيه لِقضاء عِباده انى لم اجعل علمى وحكمتى فيكم

Maktaba Tul Ishaat.com

الّا وانا اریدان اغفرلکم علی ماکان منکم ولا اُبالی ".(اسنادہ جید)

(تفسیر ابن کثیر اوّل سورۃ طٰہٰ: ص:۱۴۶ ج:۳، قدیمی کتب خانہ)

تاہم یہ فضیلت ان علماء کو حاصل ہے جو احیائے دین کی غرض سے علم حاصل کرتے ہیں۔

حدیث آخر:۔"من خرج فی طلب العلم فھوفی سبیل اللہ حتیٰ یرجع ".(حسن غریب)

جو شخص علم (دین) کی طلب میں نکلا تو وہ (مسلسل) راہِ خدا میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ کر آئے۔

قولہ:"من خرج " یعنی اپنے گھر وغیرہ سے نیز کسب یعنی مطالعہ وغیرہ بھی اس حکم میں ہے کیونکہ خروج کے اصلی معنی طلب کے ہیں لہٰذا جو شخص گھر بیٹھے بیٹھے مطالعہ کتب یا دوسرا علمی مشغلہ جاری رکھے شائد وہ بھی اس اجر کا مستحق ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

قولہ:"فھوفی سبیل اللہ الخ" سبیل اللہ دراصل جہاد کے لئے بطور اسم علم استعمال ہوتا ہے چونکہ مجاہد کا ثواب اور شہید کا درجہ معروف ومشہور ہے۔ اس لئے جس عمل کا ثواب جہاد کے برابر ہوتا ہے اس کی تشبیہ جہاد سے دی جاتی ہے پھر چونکہ یہ بھی جائز ہے کہ مُشَبَّہ کا درجہ مشبہ بہ سے زیادہ ہو جیسے "اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کماصلیت علی ابراھیم الخ "لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاد کا سفر علم کے سفر سے زیادہ باعث اجر وثواب ہو کیونکہ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں.....ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:"وسُبُل اللہ کثیرۃ منھاوافضلھاطلب العلم "....."وہ مزید لکھتے ہیں....."لاخلاف ان طریق العلم طریق الی الجنۃ بل اوضح الطرق الیھا "اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے قلموں کی روشنائی شہید کے خون کے ساتھ تولی جائے گی تو سیاہی بھاری ثابت ہوگی۔

حدیث آخر:۔"من طلب العلم کان کفّارۃ لِمَامَضَی".(ضعیف)

جس نے طلب کیا علم کو تو وہ اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔

قولہ:"کفارۃ لمامضی" اگر مراد صغائر ہوں تو چونکہ اس مضمون کی بہت ساری احادیث وارد ہیں اس لئے کہا جائے گا کہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہے جبکہ مضمون کے لحاظ سے صحیح ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

"ولا اشكال في ان الحسنات يذهبن السيئات.....ولا اشكال في ان طريق العلم طريق الجنة لان من سُبل الله الشريعة او اشرف سُبل الله".

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ما مضیٰ سے مراد وہ حقوق اللہ ہوں جن کا تدارک نہیں ہوسکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ حقوق العباد بھی معاف ہوتے ہوں جن کا تدارک نہیں ہوسکتا جیسے کسی سے معمولی لڑائی کی ہے مگر وہ آدمی اب زندہ نہیں رہا وغیرہ ذالک۔

باب ماجاء في كِتمان العلم

(علم چھپانے کا بیان)

"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من سُئِل عن علمٍ عَلِمَه ثم كَتَمَه أُلجِمَ يوم القيٰمه بِلَجَامٍ من نار". (حسن)

جو سوال کیا جائے ایسے علم (مسئلہ) کے بارے میں جس کو وہ جانتا ہو پھر وہ اسے چھپائے (یعنی نہ بتائے) تو قیامت کے دن وہ لگام دیا جائے گا آگ کی۔

تشریح:۔قولہ: "من سئل عن علم" یعنی جس کی سائل و مستفتی کو ضرورت ہو اور وہ جواب کو سمجھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔قولہ: "ثم كتمه" لفظ ثم یہاں پر برائے استبعاد ہے یعنی عالم کی شان تو اشاعتِ دین اور تعلیم ہے پس جو عالم باوجود تقاضا کے نہیں بتاتا گویا وہ ایک تعجب خیز روش اپنائے ہوئے ہے، پھر کتمان عام ہے خواہ زبانی طور پر بتانے سے گریز کرے یا پھر کتاب کی ضرورت کسی کو پیش آجائے اور یہ اسے نہ دے تاہم آج کل لوگوں میں امانت داری بہت کم ہے وہ کسی کی چیز لے کر پھر واپس نہیں کرتے ہیں خصوصاً کتاب کے معاملہ میں لوگ بہت لاپرواہی کرتے ہیں ایسے میں کتاب نہ دینا اس وعید میں نہیں آتا..... ہاں ذمہ دار و امانت دار آدمی سے کتاب روکنا اس وعید میں آئے گا۔

قولہ: "الجم الخ" بصیغہ مجہول یعنی جس طرح اس نے دنیا میں اپنی زبان لگام کی مانند بنا کر جواب دینے سے گریز کیا اسی طرح اسے لگام پہنا کر خاموش کر دیا جائے گا کیونکہ گناہ و سزا میں مناسبت ہوتی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم چھپانے کی اجازت نہیں ہے خصوصاً جب کوئی شخص طالب و سائل بن کر عالم کے پاس آئے تو یہ ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۱) کیونکہ جواب نہ دینے سے سائل جہل کے اندھیرے میں رہے گا۔

(۲) سائل عمل کے ثواب سے محروم ہوگا۔

(۳) خاموشی یا جواب سے انکار کی صورت میں وہ عالم آپؐ کی وصیت جو اگلے باب میں مروی ہے پر عمل نہیں کر سکے گا۔

(۴) اور یہ کہ کتمانِ علم ایک طرح کتمان شہادت بھی ہے۔

(۵) نیز یہ ایسا بخل ہے جس میں دونوں طرفین کو نقصان ہے تاہم اگر وہ سائل ایسا ہو جو مسئلہ کے جواب کو نہ سمجھتا ہو یا غیر مفید یا فضول سوال کرتا ہو یا اس جواب کے اظہار میں کوئی نقصان متوقع ہو یا کسی دیگر مصلحت کے پیش نظر جواب دینا شرعاً ضروری نہ ہو تو پھر وہ کتمان اس وعید میں نہیں آتا۔ خاص کر عوام جب غیر معمولی فضائل سنتے ہیں تو پھر عمل میں سُست ہو جاتے ہیں۔ (تدبر و تذکر)

باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم

(طالب کے لئے آپؐ کی وصیت کا بیان)

"عن ابی ھٰرون قال کُنّا نأتی اباسعیدفیقول مرحباً بوصیّة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الناس لکم تَبَعٌ وان رجالا یأتونکم من اقطار الارض یتفقّھون فی الدین واذا اَتَوکُم فاستوصُوابھم خیراً".

ابوہارون فرماتے ہیں کہ ہم (طلبہ) حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس آتے تھے تو وہ فرماتے تھے خوش آمدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگ تمہارے تابع ہیں اور یہ کہ تمہارے پاس کچھ لوگ دنیا کے (مختلف) اطراف سے آئیں گے تاکہ وہ (تم سے) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں چنانچہ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے لئے میری وصیت یاد رکھو!

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر ضعف کا حکم نہیں لگایا ہے تاہم اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ روایت صرف ابی ہارون کی وساطت سے مروی ہے چونکہ ابوہارون ضعیف شیعہ ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہ روایت ضعیف ہے گو اس کا مضمون صحیح ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب کی اگلی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ وہ طلبہ مشرق کی جانب یعنی عراق وغیرہ سے آئیں گے چنانچہ ابوہارون کہتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ جب ہمیں دیکھتے تو ہمیں ترحیب وخوش آمدید کہتے اوراس کی وجہ آپؐ کی وصیت پرعمل قرار دیتے کیونکہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ جب لوگ علم حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، وہ سلوک خواہ مالی ہو یا قولی وعملی۔

ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ حدیث میں ''خیـــــراً'' سے مراد تعلیم ہے یعنی جب تابعین تمہارے پاس آجائیں تو تم چونکہ میرے صحابہ ہو، میرے مکارم اخلاق ودیگر تعلیمات سے آگاہ ہو لہٰذا اُن کو اِن کی تعلیم دیا کرو علیٰ ہذا پھر حدیث کا مضمون صحیح ہوجائے گا، کیونکہ ایک اور صحیح حدیث میں ہے: ''تسمعون ویُسمع منکم ویُسمَع مِمّن یسمَعُ منکم ''اسی طرح ''فلیبلغ الشاھدالغائب ''وغیرہ بہت ساری احادیث ہیں۔قولہ: ''تبع'' بفتحتین تابع کی جمع ہے جیسے خدم جمع خادم ہے۔اس سے تابعین کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوئی یعنی مکارم اخلاق اور شریعت سیکھنے میں ساری امت صحابہ کرامؓ کی تابع ہے، الاول فالاول۔

قولہ: ''فاستوصوابھم خیراً'' سین طلب کے لئے ہے اور کلام میں تجرید ہے یعنی اپنے نفسوں سے ایک شخص منتزع کرکے اس سے طلبہ کے بارے میں وصیت طلب کریں یا مطلب یہ ہے کہ ان کے بارے میں میری وصیت قبول کرو! غور سے سنو! اور اس پر عمل کرو۔

باب ماجاء فی ذھاب العلم

(علم اُٹھ جانے کا بیان)

''عن عبداللہ بن عمروبن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ان اللہ لایقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ اذالم یترک عالماً اِتخذالناس رءُ وساً جُھّالاً فسُئِلوافَافتَوابغیرعلم فضلُّواواضلّوا''.(حسن صحیح)

بے شک اللہ تعالیٰ قبض نہیں کرے گا علم کو یکبارگی چھین کر کہ اس کو لوگوں سے چھین لے لیکن علم کو قبض کرے گا علماء کے قبض (وفات) کرنے کے ذریعہ، یہاں تک کہ جب نہیں چھوڑے گا کسی عالم کو تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے چنانچہ وہ سردار مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے پس وہ (سردار) خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"اِنتزاعاً" یقبض کا مفعول مطلق بمعنی قبضا کے ہے یا ینتزعه کا مفعول مطلق مقدم ہے۔قولہ:"رُءُ وساً" بضم الہمزۃ وبعد ھا واؤ رأس کی جمع ہے جبکہ اس کو بعض طرق میں رُءَساءَ بھی پڑھا گیا ہے یعنی بفتح الہمزۃ بلاواؤ آخر میں دوسرا ہمزہ بھی ہے رئیس کی جمع ہے مطلب و معنی دونوں قرأتوں کا ایک ہے کیونکہ رأس اور رئیس دونوں سردار کو کہتے ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علم ختم ہو جائے گا مگر اس کے ختم ہونے کی صورت یہ نہیں ہوگی کہ لوگوں کے سینوں سے پرواز کر کے چلا جائے بلکہ ایک ایک عالم کا انتقال ہوتا رہے گا اور پیچھے خلاء پُر کرنے کے لئے کوئی نہیں ملے گا اس طرح ایک دور ایسا آجائے گا کہ کوئی عالم بھی نہیں بچے گا۔پس لوگ جاہل آدمیوں کو اپنا سردار ومفتی بنالیں گے پھر وہ ان سے مسائل پوچھیں گے اور وہ ان کو بغیر علم کے جوابات دیں گے یعنی اپنی سمجھ ورائے کے مطابق اس طرح وہ سردار خود بھی گمراہ ہوں گے کہ غلط فتوی اور غلط عمل بتائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے کہ دوسرے ان کے غلط فتوؤں پر عمل کر کے گمراہی اپنائیں گے۔

اس حدیث سے تعلم کی ترغیب معلوم ہوئی کہ اگر تعلم کا سلسلہ خدانخواستہ منقطع ہو جائے تو علماء ختم ہو جائیں گے اور نتیجتاً جہالت وگمراہی جنم لے گی۔

نیز جاہل کو رئیس بنانے اور بغیر علم شریعت کے فتوی دینے کی ممانعت بھی معلوم ہوئی،علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد وفتوی کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ پہلی امتوں میں ایسا ہوتا تھا کہ علم سینوں سے غائب ہو جاتا تھا،اب صرف علماء کے قبض سے اٹھتا ہے نیز عدم عمل سے بھی علم ضائع وختم ہو جاتا ہے نیز عدم تدریس سے اور علمی مشغلہ ترک کرنے سے بھی علم ختم یا کم ہو جاتا ہے کیونکہ" العلم غرس وماءه درس "نیز گناہ کرنے سے بھی علم کم ہو جاتا ہے،لہٰذا کہا جائے گا کہ یہ حدیث عام حالات کے بارے میں ہے۔

حدیث آخر:۔حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپؐ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھائی،پھر آپؐ نے فرمایا یہ ایسا وقت ہے کہ لوگوں سے علم (وحی) اُچک لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کی کسی چیز پر قادر نہیں رہیں گے،تو حضرت زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیسے اُچک لیا جائے گا (علم) ہم سے جبکہ ہم نے قرآن پڑھا ہے اور بخدا ہم اسے ضرور پڑھتے رہیں گے اور پڑھائیں گے اس کو اپنی عورتوں اور بچوں کو! آپؐ نے فرمایا اے زیاد! تجھ پر روئے تیری ماں! میں تو یقیناً تجھے

Maktaba Tul Ishaat.com

مدینہ کے سمجھ دار لوگوں میں شمار کرتا تھا، یہ توراۃ وانجیل بھی تو یہود ونصاریٰ کے پاس ہیں مگران کو کتنا فائدہ ہورہا ہے؟ حضرت جُبیر بن نُفیر فرماتے ہیں اس (حدیث کو سننے) کے بعد میری ملاقات عُبادہ بن صامتؓ سے ہوئی تو میں نے ان سے کہا کیا آپ نے سُنا نہیں جو آپ کے بھائی ابودرداءؓ نے کہا؟ چنانچہ میں نے وہ بات جو ابودرداءؓ نے کہی تھی ان کو بتادی، توانہوں نے فرمایا ابودرداء نے سچ کہا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں تجھے ضرور بتادوں کہ سب سے پہلا علم جو لوگوں سے اٹھایا جائے گا وہ خشوع ہے قریب ہے کہ تو جامع مسجد میں داخل ہوگا مگر اس میں کوئی عاجزی کرنے والا نہیں دیکھے گا۔ (حسن غریب)

قولہ: "فشخص" اٹھالیا۔ قولہ: "اَوَانُ" "ای وقت ۔ قولہ: "یُختَلَسُ" بصیغہ مجہول ای یُسلب بسرعۃ چھین لیا جائے گا اور اُچک لیا جائے گا۔ قولہ: "العلم" اس سے مراد کیا ہے؟ تو ایک احتمال یہ ہے کہ مراد وحی ہے اور آپؐ کو آگاہی ہوئی کہ آپؐ کا سفر آخرت عنقریب شروع ہونے والا ہے، لہٰذا آپؐ کے وصال کے بعد لوگوں کا عالم بالا سے ہر قسم کا تعلق وحی ختم ہوجائے گا کیونکہ آپؐ آخری نبی ہیں علی ہذا "حتیٰ لایقدروا منه علی شیٔ" کا مطلب یہ ہوا کہ لوگ رسول کی زبانی پھر کچھ نہ سُن سکیں گے کہ وہ اس دارفانی میں نہیں ہوں گے، مگر یہ پیش گوئی چونکہ مطلق نفی علم کو مستلزم تھی کیونکہ اس طرح علم کم ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہوجائے گا اس لئے حضرت زیاد نے اس کی صورت پوچھی۔

دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یختلس الخ سے مراد نفس علم کی نفی ہو کہ علم کم ہوتے ہوتے بالآخر ختم ہوجائے گا حتیٰ کہ لوگ پھر کچھ بھی علم شریعت کے حصول پر قادر نہیں ہوں گے اس پر حضرت زیاد نے بطور استفہام کے پوچھا کہ علم کا سلسلہ تو ہم جاری رکھیں گے بایں طور کہ ہم اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور وہ اگلی نسل میں منتقل کردے گی اس طرح یہ سلسلہ تو بظاہر جاری ہی رہے گا۔

اور آپؐ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ علم صرف قرأت کرنے اور روایت کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ علم نجات وفلاح کا ایک ذریعہ ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب اس پر عمل کیا جائے اگر کوئی علم شریعت پر عمل سے عاری ہو تو وہ بجائے نجات کے ہلاکت خیز ثابت ہوجاتا ہے اس مقصد کے سمجھانے کے لئے آپؐ نے اہل کتاب کی مثال دی جو باوجود علم کے گمراہ ہیں۔ نیز عمل سے علم زندہ بلکہ زیادہ پختہ ہوجاتا ہے جبکہ بغیر عمل والا علم بالآخر ختم ہوجاتا ہے۔

غرض علم اور عمل دونوں ع، م، ل مادہ سے مرکب ہیں لہٰذا ان کا آپس میں ایک دوسرے سے تعلق جسم

Maktaba Tul Ishaat.com

وجان کی طرح ہے جوان کو الگ کرے گا وہ ان کو باقی نہیں رکھ سکے گا، لہٰذا علم کو عمل کے لئے سیکھنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے ورنہ علم اٹھ جائے گا پھر اس کے حصول کی کوئی صورت ممکن نہیں رہے گی۔ اس لئے حضرت عبادہ بن صامتؓ نے علم کے اٹھنے کی دلیل اور مثال میں خشوع کا ختم ہونا پیش کیا کیونکہ عاجزی علم کے لوازمات میں سے ہے اور نفی لازم سے ملزوم کی نفی ہو ہی جاتی ہے۔ (تدبر)

باب ماجاء فی من یطلب بعلمه الدنیا

(علمِ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے)

"عن کعب بن مالک قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من طَلَبَ العلم لِیُجارِیَ به العلماء اولِیُمَارِیَ به السُفهاء اویَصرِفَ به وجوهَ الناس الیه اَدخله الله النار". (غریب)

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جس نے علم حاصل کیا اس لئے تاکہ وہ اس کے بل بوتے پر علماء سے مقابلہ (اور برتری حاصل) کرے یا اس کے ساتھ نادانوں سے تکرار و حجت بازی کرے یا اس کے ذریعہ (امیر) لوگوں کے رُخ اپنی طرف مبذول کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

تشریح:۔ قولہ: "لِیُجَاری" جریاً اور جراءً چلنے اور دوڑنے کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص صرف اس لئے علم حاصل کرتا ہے تاکہ وہ علماء کے شانہ بشانہ چلے یا ان کے ساتھ علمی دوڑ میں شامل ہو کر مقابلہ کرے جس سے لوگوں میں چرچا اور شہرت پیدا ہو۔ قولہ: "اولِیُماری" مِریۃ بمعنی شک سے ہے کیونکہ بحث کرنے سے آدمی کو خود بھی شک لاحق رہتا ہے اور دوسرے کو بھی شک میں ڈالتا ہے، اس لئے مِریۃ کو بمعنی جھگڑا بھی لیا گیا ہے اور اگر مراء سے ہو تو پھر بھی معنی جھگڑا اور بحث و تکرار کے ہیں۔

قولہ: "او یصرف به الخ" لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیر دینے کا مطلب بظاہر مالداروں کی توجہ حاصل کرنا ہے تاکہ ان سے دنیوی مفادات حاصل کر سکے تاہم حاشیہ پر مرقات سے نقل کیا ہے کہ اس میں عوام اور طلبہ کی توجہ حاصل کرنے کی نیت بھی مراد ہے تاکہ اس کی تعظیم و اکرام اور شہرت خوب ہو۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے اگر نیت بگڑ گئی تو کچھ بھی نہیں بچے گا پس اگر نیت علماء

Maktaba Tul Ishaat.com

سے مناظروں کی ہو تو حسد کی بناء پر ثواب ختم، اسی طرح حال بے وقوفوں یعنی عوام کے ساتھ مماراۃ کی نیت کا ہے جبکہ تیسرے جملے یعنی لوگوں میں شہرت کا شوق دین کو دنیا کے عوض بیچنے کے مترادف ہے، ایسے شخص کا خاتمہ بالخیر خطرہ میں ہے۔ والعیاذ باللہ

غرض فساد نیت انتہائی خطرناک فتنہ ہے اس لئے ہر طالب علم کو نیت کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس کی نحوست سے خاتمہ بالخیر متاثر نہ ہو تاہم یہ وعید علم شریعت کے بارے میں ہے جبکہ دنیوی تعلیم کا حکم بس دنیاوی عمل کی طرح ہے جو عمل اچھا ہے یا مباح ہے تو اس کی تعلیم بھی اسی طرح ہے اور جو عمل ناجائز ہے تو اس کی تعلیم بھی ناجائز ہے گو کہ زندگی بھر دنیوی عمل اور علم دونوں میں انہماک مذموم ہے خصوصاً جب اس سے غفلت جنم لیتی ہو۔

تحصیل علم میں نیت کیا ہونی چاہئے؟ تو تفسیر خازن میں آیت: ''فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون''۔ (توبہ: آیت: ۱۲۲) کے تحت لکھا ہے:

''وفی الآیة دلیل علیٰ انه یجب ان یکون المقصود من العلم والتفقه دعوة الخلق الی الحق وارشادهم الی الدین القویم والصراط المستقیم فکل مَن تفقه وتعلّم بهذا القصد کان علیٰ المنهج القویم والصراط المستقیم ومن عَدَلَ عنه وتعلّم العِلم لطلب الدنیا کان من الاخسرین اعمالاً''.

حدیث آخر:۔ ''من تعلّم علما لغیر الله او اراد به غیر الله فلیتبوّأ مقعده من النار''.

جس نے اللہ (کی رضاء) کے سوا (کسی اور مقصد) کے لئے علم سیکھا یا فرمایا کہ اس نے (حصول رضائے) باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور مقصد کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

قولہ: ''او اراد به'' بظاہر لفظ ''او'' شک من الراوی کے لئے ہے ابوداؤد ''باب فی طلب العلم لغیر اللہ'' میں حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے:

''من تعلم علما مما یُبتغیٰ به وجه الله لایتعلمه الا لیصیب به عرضاً من الدنیا لم یجد عَرَفَ الجنة یوم القیٰمة یعنی رِیحَهَا''. (ص: ۵۱۵ ج: ۲، میر محمد کتب خانہ)

ان دونوں حدیثوں سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ علم شریعت کے حصول میں نیت خالص لوجہ اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ہونی چاہئے دوسری بات یہ کہ جو غلط نیت سے پڑھے گا تو وہ جنت میں ان لوگوں کے ساتھ داخل نہیں ہو سکے گا جو بہشت میں پہلے داخل ہوں گے اب جہنم میں کب تک پڑا رہے گا یہ صرف اللہ جانتا ہے۔

پھر جس طرح فساد نیت نقصان دہ ہے تو اسی طرح بغیر کسی نیت کے محض بے مقصد پڑھنا بھی کوئی اچھا کام نہیں کیونکہ اتنا بڑا عمل جس کا ثواب بھی بے تحاشا زیادہ ہے اور اس کے لئے وقت بھی بہت زیادہ درکار ہے بغیر کسی مقصد کے کرنا جیسے بعض طلبہ کرتے ہیں ضیاع وقت بھی ہے اور علم کی بے حد ناقدری بھی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا ہے مگر عارضۃ الاحوذی میں ابن العربیؒ فرماتے ہیں: "وھو حدیث صحیحُ المعنی ضعیفُ المسند والمبنی" یعنی اس حدیث کا مضمون صحیح ہے کہ دوسری روایات اور اصول کے موافق ہے اگر چہ سند کمزور بلکہ ضعیف ہے۔

بابماجاء فی الحَثِّ علی تبلیغ السماع

(یاد کی ہوئی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت وذمہ داری)

"عن ابان بن عثمان قال خرج زیدبن ثابت من عندمروان نصف النھار قلنامَابَعَثَ الیہ ھذہ الساعۃَ اِلّالِشیٔ یسالہ عنہ،فقُمنافَسَألناہ فقال نعم سَألَنَا عن اشیاء سمعناھامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول:نَضّرَ اللہ امرءً سمع مناحدیثا فحفِظہ حتیٰ یُبَلِّغَہ غیرَہ فَرُبَّ حامل فقہ الی من ھوافقَہُ مِنہ ورُبّ حامل فِقہٍ لیس بِفَقِیہٍ". (حسن)

حضرت ابان بن عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ دوپہر کے وقت مروان کے یہاں سے نکلے، تو ہم نے کہا کہ مروان نے اس (آرام اور گرمی کے) وقت ان کے پاس بُلا وا اسی ہی لئے بھیجا ہوگا تا کہ ان سے کوئی (اہم) بات پوچھے، چنانچہ ہم کھڑے ہوئے اور ان سے اس بات کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا ہاں مروان نے ہم سے کچھ ایسی ہی باتیں پوچھیں جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے سُنا ہے: اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھیں جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی، پھر اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اس کو دوسروں تک پہنچائے کیونکہ کبھی کبھار فقہ لئے پھرنے والے ایسے شخص تک لے جاتے ہیں (یعنی پڑھاتے سناتے اور پہنچاتے ہیں) جو اس اٹھانے والے سے زیادہ

Maktaba Tul Ishaat.com

سمجھ دار ہوتا ہے، اور بعض فقہ (کے مسائل والفاظ) کے یاد کرنے والے فقیہ نہیں ہوتے ہیں

حدیث آخر:۔ "نضر الله امرءً سمع مناشيئاً فَبَلَّغَه كماسمعه فرب مُبَلَّغٍ اوعىٰ من سامع". (حسن صحيح)

اللہ تروتازہ رکھے اس کو جو ہم سے کوئی چیز سنے (یا دیکھے) پھر اسے اسی طرح آگے پہنچائے (دوسروں تک) جیسی اس نے سنی ہو کہ بعض پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد کرنے والے ہوتے ہیں (یعنی مطلب کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں)۔

تشریح:۔ قوله: "مابعث اليه هذه الساعة اِلّالشیٔ یسأله عنه" بعث کا فاعل مروان ہے یعنی ما بعث مروان الی زیدبن ثابت هذه الساعة الخ چونکہ اسلاف کی عادت حکمرانوں کے پاس جانے کی نہ تھی مگر جب ان کو طلب کیا جاتا تھا تو تب جاتے اور وقت بھی دوپہر کا تھا جس میں عموماً لوگ قیلولہ کرتے ہیں اس لئے اس وقت مروان کے پاس جانا بلاوجہ نہیں ہوسکتا تھا تو سوال کی ضرورت پیش آئی۔

قوله: "نعم سَألَناعن اشياء الخ" دفع توہم ہے یعنی میں اس لئے بلا تاخیر مروان کے پاس آیا تھا کہ ان کو بعض احادیث سننے کی طلب تھی اور ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تبلیغ میں ہرگز سستی نہیں کرتے کیونکہ ایک تو یہ ہماری ذمہ داری ہے دوم اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔

قوله: "نضر الله الخ" مخفف پڑھنا بھی صحیح ہے لیکن بتشدید الضاد باب تفعیل سے پڑھنا اصح ہے نضرۃ چہرے کی رونق کو کہتے ہیں جو نعمتوں اور خوشیوں کے ملنے سے نصیب ہوتی ہے۔ قوله: "سمع منا حديثا" اگلی روایت میں بجائے حدیثاً کے شیئاً ہے جو عمل کو بھی شامل ہے تاہم اُس روایت کی ابن ماجہ والی سند میں بجائے شیئاً کے حدیثاً کا لفظ ہے پھر منا جمع کے صیغے میں بقول طیبیؒ کے صحابہ کرامؓ کو بھی شامل کرنا مراد ہے۔

قوله: "فبلّغه كماسمعه" اس سے بعض حضرات نے روایت بالمعنی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے تاہم جمہور کے نزدیک روایت بالمعنی بشروطٍ جائز ہے تفصیل وصول حدیث وغیرہ کتب میں ہے سیوطیؒ نے الاتقان میں وحی جلی اور وحی خفی یعنی قرآن وحدیث میں فرق کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ومن ههنا جاز رواية السنة بالمعنى لان جبرئيل ابدَاه بالمعنى ولم تجز القراءة (اى قراءة القرآن) بالمعنى لان جبرئيل ابدَاه باللفظ ولم يُبح له إبحائه بالمعنى الخ".

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "فرب حامل فقه الخ" اس میں راویوں کی تین قسمیں بیان کرنا مقصود ہے: (۱) جو فقیہ ہو (۲) جو افقہ ہو (۳) جو غیر فقیہ ہو۔ پہلی قسم: صیغہ افقہ اسم تفضیل سے معلوم ہوا کہ راوی فقیہ ہوتا ہے لیکن محمول الیہ یعنی جس تک پہنچائی جاتی ہے وہ حامل سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔ دوسری قسم: لفظ رُبّ سے معلوم ہوئی کیونکہ رُبّ تقلیل کے لئے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اکثر تو حامل افقہ ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار محمول الیہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے جبکہ قسم سوم کی تصریح آخر میں کی گئی ہے ورب حامل فقه ليس بفقيه كذافي الكوكب الدرى۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور صحیح ہے اگرچہ امام ترمذیؒ نے حسن کی تصریح کی ہے۔

قوله: "فرب مُبَلَّغ اوعىٰ من سامع" مُبَلَّغ باب تفعیل سے صیغہ اسم مفعول ہے یعنی محمول الیہ لہٰذا لام پر فتحہ پڑھا جائے گا۔ اوعیٰ بمعنی احفظ کے آتا ہے لیکن یہاں مراد افقہ ہے جیسا کہ سابقہ حدیث میں تصریح ہے۔

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو سیکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کی خصوصاً قابل وذہین لوگوں وطلبہ کو پڑھانے کی انتہائی جامع خوش خبری ثابت ہوئی چونکہ نااہلوں کو پڑھانے سے علم کا ضیاع ہوتا ہے اس لئے بعض علماء نے اس سے منع فرمایا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کشکول میں مطرف بن عبداللہ بن شخیر کا قول نقل کیا ہے: "لاتطعم طعامک من لايشتهيه قال مهدى كانه يعنى الحديث"۔ (بحوالہ طبقات: ص: ۱۰۵ ج: ۷)

اور مشکوٰۃ میں ابن ماجہ وبیہقی کی ایک ضعیف حدیث ہے: "طلب العلم فريضة على كل مسلم وواضع العلم عندغير اهله كَمُقَلِّدِ الخنازير الجواهرَ واللؤلؤ والذهبَ"۔ اس پر ملا علی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے: "بان يحدّث من لايفهمه اومن يريدمنه غرضاً دنيوياً اومن لايتعلمه لله"۔

باماجاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ ﷺ

(من گھڑت احادیث بیان کرنے کی سخت ممانعت)

"عن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كَذَبَ عَلَيَّ متعمداً فَلْيَتَبَوّأ مقعده من النار". (حسن صحيح)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے

Maktaba Tul Ishaat.com

مجھ پر جان بُوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تشریح:۔ حاشیہ پر مرقات اور طیبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن صلاح نے اس حدیث کو متواتر قرار دیا ہے کہا جاتا ہے کہ باسٹھ صحابہ کرامؓ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں سے یہ حدیث مروی ہے گویا یہ صرف اسی حدیث کی خاصیت ہے جو عشرہ مبشرہ کی جماعت سے مروی ہے بیس صحابہ کرامؓ کے نام تو امام ترمذیؒ نے بھی وفی الباب میں ذکر کئے ہیں۔

قولہ: "عَلَیَّ متعمداً" تعمد قید سے وہ صورت وعید سے خارج ہوگئی جس میں وہم یا نسیان کی بناء پر حدیث میں غلطی آجائے یا کسی سے روایت سنی ہو اور خیال یا یقین یہ ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے حالانکہ وہ موضوع تھی تو وہ بھی معاف ہے بشرطیکہ اس میں روایت کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔

ملا علی قاریؒ نے مرقات میں اور ابن العربیؒ نے عارضہ میں لکھا ہے کہ بعض صوفیہ جو ترغیب وترہیب کے حوالے سے احادیث بناتے ہیں اور جواز میں یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے تو "عَلَیَّ" فرمایا ہے یعنی میرے خلاف جو بنائے گا جبکہ ہم تو "لَہ" یعنی نبی علیہ السلام کے مقصد کے مطابق بناتے ہیں جو ان کے خلاف نہیں بلکہ ان کے حق میں ہیں، تو یہ محض جہالت ہے کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو تو "فلیتبوأ مقعدہ من النار" امر بمعنی اخبار ہے جیسا کہ باب کی اگلی حدیث میں ہے: "فانہ من کَذَبَ عَلَیَّ یَلِجُ النار" بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ اس کو امر کے صیغہ سے بیان کرنے کی حکمت تہدید اور تہکّم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ تغلیظ اور تشدید کا معنی دے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ:

"ان الامة اجمعت علی ان الکذب علی اللہ یکون بہ الرجل کافراً فی نسبتہ ما لایجوز الیہ فی ذاتہ او صفاتہ او افعالہ و کذالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مثلہ الخ".

یعنی اللہ کی ذات وصفات میں غلط بیانی سے آدمی کافر ہو جاتا ہے خواہ آدمی از خود ایسی غلط بیانی کرے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرے کہ مثلاً آپؐ نے یوں فرمایا ہے۔ البتہ اگر وہ ایسا جھوٹ بولے جس سے شریعت میں کمی یا بیشی آتی ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے مگر ایمان سے خارج نہیں ہوگا: "الا ان یقصد بذالک

Maktaba Tul Ishaat.com

الاستخفاف بالشریعة فهو کافر "یعنی اگر شریعت میں کمی بیشی کرنے کے لئے جھوٹ بناتا ہو اور مراد شریعت کی بے وقعتی ہو تو یہ کفر ہے۔

غرض حدیث بیان کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے حتیٰ کہ حاشیہ پر تو غلط عبارت پڑھنے کو بھی یہ وعید شامل کی گئی ہے۔

آج کل حدیث نقل کرنے کی شرائط:۔ ان احادیث میں جو سخت وعید آئی ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ خطاب صحابہ کرامؓ سے ہے وبس کیونکہ صحابہ کرامؓ تو سارے عدول ہیں وہ تو آپؐ پر جھوٹ باندھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کہا جائے گا کہ وعید قیامت تک آنے والی تمام امت کے افراد کے لئے ہے، تاہم اتنا سا فرق ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جس زمانہ میں احادیث کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی تو راویوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مختلف اساتذہ کے پاس جا کر ان کی احادیث زبانی سنتے اور لکھتے طلبہ کے سامنے کوئی چھپی ہوئی کتاب یا پہلے سے تیارہ شدہ مسودہ نہیں ہوتا تھا بلکہ استاذ اپنے ہی مسودہ سے احادیث سناتا اور طلبہ اس املاء کو ضبط کرتے تھے، جس کی تفصیل اصول حدیث اور تاریخ وغیرہ کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

آج کل چونکہ احادیث ساری مرتب ہو گئی ہیں اور کتابیں چھپ چکی ہیں لہٰذا اب راویوں کی وہ سخت شرائط تو اساتذہ کے لئے لازمی نہیں کہ مثلاً جوان ہونا، حافظہ قوی ہونا وغیرہ تاہم ورع اور سمجھ داری کی قید اب بھی ملحوظ رکھنا چاہئے طلبہ کو چاہئے کہ ایسے اساتذہ سے احادیث پڑھیں جن کی صحبت و شرف تلمذ حاصل کرنے سے عمل کا شوق بڑھتا ہو، اور وہ استاذ حدیث کا صحیح مطلب سمجھتا ہو۔

دیگر بات جو بہت اہم ہے یہ ہے کہ آج کل احادیث کے بارے میں لوگ افراط تفریط کا شکار ہو گئے ہیں ایک فرقہ تو بالکل حجت حدیث کا منکر ہو گیا ہے کہ ان کے بزعم احادیث پر بھروسہ کرنا مشکل ہے، جبکہ کچھ لوگ محض اس بات پر کہ حدیث میں آیا ہے اعتماد کر کے اسے عمل میں بھی لاتے ہیں اور نقل بھی کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو احتیاط اور علم کی قید سے مبراء سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں طریقے غلط ہیں منکرین حدیث پر تو علماء نے باقاعدہ کتابیں لکھی ہیں اور ان کے شبہات کے کافی شافی جوابات دیئے ہیں اگرچہ ان معاندین کو شفاء نصیب نہ ہوئی ہم نے مقدمہ تشریحات میں اس پر مختصر گفتگو کی ہے۔ فلیراجع

جہاں تک دوسرے گروہ کا حال ہے تو یہ بھی ایک فتنہ سے کم نہیں آپ کسی بھی بازار میں عام بازاری آدمی سے سن سکتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حدیث میں یوں آیا ہے جبکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ یہ حدیث کس

Maktaba Tul Ishaat.com

کتاب میں ہے اور اس کی سند کا درجہ کیا ہے؟ اور اصل الفاظ کیا ہیں؟ عام خطیب حضرات بھی ایسے ہی ہیں ۔اختصار کے پیش نظر احادیث نقل کرنے کے لئے یہاں دو جامع شرائط پیش کی جاتی ہیں جو شخص ان شرائط پر پورا اُترتا ہو تو وہ روایت کا مجاز ہوگا اور جس میں یہ شرائط نہ ہوں تو وہ اس کی جسارت نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ ہم نے فلاں عالم سے یہ مسئلہ سُنا ہے:

(۱).....پہلی شرط: جواز روایت کی یہ ہے کہ اگر نقل کرنے والا علم رجال میں اتنی مہارت رکھتا ہو کہ وہ سند دیکھ کر خود فیصلہ کر سکے کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ تو سند جانچنے کے بغیر اس کے لئے روایت کرنا جائز نہیں وہ پہلے سند دیکھ کر پہلے اطمینان حاصل کرے تب روایت کرے۔ تاہم آج کل رجال کے ماہرین کا شاید کہیں وجود نہ ہو یا کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔

(۲).....دوسری شرط: یہ ہے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس کی تصحیح یا تحسین کی ہے یا نہیں؟ تو اس وقت تک اس کے لئے روایت کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے، چونکہ آج کل یہ مقام صرف علماء ہی حاصل کر سکتے ہیں اس لئے عوام کو بہر حال احادیث کی روایت سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو صحیح الفاظ نقل کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ عام شاہدہ ہے، بلکہ اکثر عوام موضوعی احادیث زیادہ پسند کرتے ہیں ہاں اگر کسی مستند کتاب میں دیکھ کر روایت کریں تو وہ الگ بات ہے بشرطیکہ وہ حدیث کا درجہ بھی بیان کریں اور یہ کہ وہ درجہ جانتے بھی ہوں۔

یہ دونوں شرائط صحیحین کے علاوہ دیگر کتب کے لئے ہیں جیسے سُنن و مسانید، جہاں تک صحیحین کا تعلق ہے تو ان کی روایات چونکہ تمام صحاح ہیں اس لئے غیر ماہر بھی ان سے روایت کر سکتا ہے، اگرچہ بخاری و مسلم کی بعض روایات پر بھی کلام کیا گیا ہے:

"قال الحافظ السخاوی فی فتح المغیث وبالجملة فسبیل من اراد الاحتجاج بحدیثٍ من السنن لاسیماابن ماجه ومصنف ابن ابی شیبه وعبد الرزاق مماالامر فیهااشداوبحدیث من المسانید واحد، اذجمیع ذالک لم یشترط من جمعه الصحةَ ولاالحسنَ خاصةً (۱) وهذاالمحتج ان کان مُتَأَهِّلاً لمعرفة الصحیح من غیره فلیس له ان یحتج بحدیث من السنن من غیر ان ینظر فی اتصالِ اسناده وحال رُوَاتِه کمااانه لیس له ان

Maktaba Tul Ishaat.com

یحتج بحدیث المسانید حتیٰ یحیط علماً بذالک(۲)وان کان غیر متأهل لدرک ذالک فسبیله ان ینظر فی الحدیث فان وجد احداً من الائمة صحّحه ،اوحسّنه فله ان یقلّده وان لم یکن ذالک فلایقدم علی الاحتجاج به فیکون کحاطب لیل فلعلّه یحتج بالباطل وهو لایشعر".

(ماتمس الیه الحاجة لمن یطالع سنن ابن ماجه:ص:۴۵)

باب ماجاء فی من روی حدیثاً ویُریٰ انه کَذِبٌ

(مشکوک روایت سے پرہیز کا بیان)

"عن المغیرة بن شعبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:من حَدَّث عَنِّی حدیثاً وهو یری انه کذب فهو اَحَدُ الکاذبین".(حسن صحیح)

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کی جبکہ وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ (دو) جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

تشریح:۔قولہ:"وھویریٰ"لفظ یُریٰ بفتح الیاء وضمھا دونوں طرح پڑھنا جائز ہے بالفتح بمعنی یقین کے آتا ہے اور بالضمہ بمعنی ظن وگمان کے آتا ہے مطلب یہاں دونوں کا ایک ہے یعنی روایت کے بے اصل ہونے کا یقین ہو یا ظن ہو دونوں صورتوں میں روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

قولہ:"اَحَدُ الکاذبین" کا ذبین جمع اور تثنیہ دونوں طرح پڑھنا جائز ہے کہ دونوں روایتیں ثابت ہیں۔جمع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص سند کے باقی راویوں کی طرح جھوٹا ہے جبکہ تثنیہ کی صورت میں مطلب میں دو احتمال ہیں:ایک یہ کہ وہ شخص مسیلمہ کذّاب اور اسود عنسی کی طرح ہے کیونکہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے اللہ پر بہتان باندھا تھا تو جھوٹی حدیث نقل کرنے والا بھی اللہ اور اس کے رسول پر تہمت لگاتا ہے یعنی ایسی بات کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے نہیں کی ہے۔

دوسرا مطلب جو زیادہ ظاہر ہے یہ ہے کہ یہ شخص حدیث گھڑنے والے کی طرح جھوٹا ہے کہ ایک نے بنائی اور دوسرے نے شائع کی۔غرض اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی روایت بیان کرنی چاہئے۔

امام ترمذیؒ نے امام دارمیؒ سے پوچھا کہ اگر کسی کو سند میں گڑبڑ کا علم ہو جائے اور پھر اسے روایت کرے

Maktaba Tul Ishaat.com

تو کیا وہ بھی اس وعید میں شامل ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اصل دارومدار متنِ حدیث پر ہے علیٰ ہذا اصل چیز متنِ حدیث کا صحیح ہونا ہے اگر اس کا اطمینان ہوجائے تو کمزور سند کی روایت نقل کرنا بھی صحیح ہوگا جبکہ متن کے بے اصل ہونے کے علم کی صورت میں سند خواہ بظاہر قوی ہی کیوں نہ ہو لیکن روایت کرنے سے بچنا لازمی ہوگا اِلّا یہ کہ اس کی علت بیان کرے۔

باب مانهى عنه ان يقال عندحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم

(حدیث سُن کر بہانے تراشنا جائز نہیں ہے)

"عن ابی رافع وغیرُہ رَفَعَه قال لاألفِینَّ احدَکم مُتّکِئاً علی اَرِیکته یأتیه امر مماامَرتُ اونَهَیتُ عنه فیقول لاادری.....مَاوَجَدنافی کتاب الله اِتَّبعناه". (حسن)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور قتیبہ کے علاوہ دوسرے راوی اس کو مرفوع روایت کرتے ہیں (جبکہ قتیبہ نے موقوف علی ابی رافع روایت کیا ہے) آپؐ نے فرمایا: میں ہرگز تم میں سے کسی ایک کو اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے نہ پاؤں جس کے پاس میرا کوئی حکم آئے جس کا میں نے امر کیا ہو یا نہی کی ہو.....تو وہ کہنے لگے کہ میں نہیں جانتا.....بس ہم جو کچھ اللہ کی کتاب میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔

حدیث آخر:۔"اَلَا ھل عَسیٰ رجل یبلغه الحدیث عنی وھومتکیٔ علیٰ اَرِیکته فیقول بیننا وبینکم کتاب الله فماوجدنافیه حلالاً اِستحللناه وماوجدنافیه حراماً حرّمناه وانّ ماحرّم رسول الله کماحرّم الله". (حسن غریب)

آگاہ ہو! کہ وہ وقت قریب ہے کہ ایک آدمی کو میری حدیث پہنچے گی جبکہ وہ ٹیک لگائے ہوگا اپنی مسند پر...پس وہ کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے پس ہم جو اس میں حلال پائیں گے اسی کو حلال کہیں گے اور جس کو حرام پائیں گے اسی کو حرام سمجھیں گے ...حالانکہ بلاشبہہ اللہ کے رسول نے جس چیز کو حرام کہا ہے وہ ویسی ہی حرام ہے جیسی اللہ نے حرام کی ہو۔

تشریح:۔قولہ:"لاألفِینَّ" ای لااَجِدَنَّ میں نہ دیکھنے پاؤں یعنی ایسا موقع نہیں آنا چاہئے کہ تم میں سے کوئی حدیث کو رد کرے۔قولہ:"متکئاً علیٰ اریکته" دلہن کے لئے جو چھپر کھٹ عربوں میں خاص طور پر سجایا جاتا ہے اسے اریکہ کہا جاتا ہے، یہ تعبیر اس شخص کی حماقت، تکبر اور علم سے بے رغبتی سے کنایہ ہے کیونکہ جو

Maktaba Tul Ishaat.com

شخص دنیا کی لذتوں کا عادی اور زیادہ کھانے کا خوگر ہو جاتا ہے تو وہ احمق و متکبر بھی ہوتا ہے اور جاہل بھی، اور جاہل و متکبر ہی ایسی بات کر سکتا ہے کہ اللہ اور رسول کے احکام میں فرق ہے کوئی ذی عقل اور باشعور شخص یہ بات نہیں کر سکتا کیونکہ ہر دانا شخص جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام دیئے ہیں یا جو ارشادات فرمائے ہیں وہ عمل ہی کے لئے ہیں اور یہ کہ وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور یہ کہ قرآن پر عمل بغیر احادیث کے مکمل ہو ہی نہیں سکتا "یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم"۔(الایۃ)

بہر حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک ہے، بخدا نبی کی ہر بات سچی ہوتی ہے کہ ان کا مشن سچائی پھیلانا ہے۔

منکرینِ حدیث کا حکم:۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اگر حدیث کو اہانت کی غرض سے رد کیا جائے تو یہ کفر ہے اور اگر خبر واحد ہونے کی وجہ سے مسترد کرے تو وہ شخص مبتدع ہے جبکہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک وہ کافر ہے کیونکہ جو خبر واحد کا انکار کرتا ہے تو وہ درحقیقت پوری شریعت کی نفی کرتا ہے: "وبہ اقول فان من انکر خبر الواحد فقد رد الشریعۃ کلھا الخ"۔

تیسری صورت یہ ہے کہ حدیث کو اس لئے قبول نہ کرے کہ وہ قرآن کے ساتھ (بظاہر) معارض ہے...اس میں تفصیل ہے جو اصول فقہ میں بیان ہوئی ہے۔خلاصہ باب یہ ہے کہ حدیث کا بہت اونچا مقام ہے اس کے متعلق لاپرواہی اور مخالفت کا تصور بھی نہیں کرنا چاہئے، اسی بناء پر مرقات میں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے: "ولذا رجح الامام الاعظم الحدیث ولو ضعیفاً علی الرای ولو قویاً"۔یعنی حدیث ضعیف بھی ہو تب بھی رائے اور قیاس اگرچہ قوی ہو پر مقدم ہے۔(کذا فی تحفۃ الاحوذی)

باب ماجاء فی کراھیۃ کتابۃ العلم

(حدیث لکھنے کی ممانعت کا بیان)

"عن ابی سعید قال اِستأذنّا النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتابۃ فلم یأذن لنا".

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے ہمیں اجازت نہیں دی۔

تشریح:۔ قولہ: "استأذنا" سین وتاء طلب کے لئے ہیں یعنی طلبنا الاذن فی کتابۃ الحدیث۔

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ روایت مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: ''لاتکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحه''۔ (مسلم: ص:۴۱۴ ج:۲) یعنی قرآن کے علاوہ لکھی ہوئی بات کے مٹانے کا حکم دیا تھا۔

ان دونوں حدیثوں سے کتابتِ حدیث کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور اسی کو بہانہ بنا کر منکرینِ حدیث نے حجیتِ حدیث کی نفی پر استدلال کرنے کی کوشش کی ہے مگر چونکہ کتابت حدیث کے جواز بلکہ استحباب یا وجوب پر امت کا اجماع ہے اس لئے مذکورہ بالا حدیث یا تو منسوخ ہے یا مؤوّل ہے جس کی تفصیل تشریحات ترمذی کے مقدمہ میں گذری ہے۔ (دیکھئے: ص:۱۹ تا ۲۳ ج:۱) اور کچھ ثبوت اگلے باب میں بھی ہے۔

باب ماجاء فی الرخصة فیه

(احادیث لکھنے کی اجازت کا بیان)

''عن ابی هریرة قال کان رجل من الانصار یجلس الی رسول الله صلی الله علیه و سلم فیسمع من النبی صلی الله علیه وسلم الحدیث فیعجبه ولایحفظه فشکیٰ ذالک الی رسول الله صلی الله علیه وسلم :انی لَاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولااحفظه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اِستَعِن بیمینک وَاَومَابیده لِلخطّ''.(هذاحدیث لیس اسناده بذالک القائم الخ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنتا تھا تو وہ حدیث اس کو پسند آتی لیکن اس کو یاد نہیں رہتی پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی کہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور بہت پسند کرتا ہوں لیکن مجھے وہ یاد نہیں رہتی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لیا کرو اور (اس کے ساتھ) آپؐ نے اپنے ہاتھ سے خط کی جانب (لکھنے کا) اشارہ کیا۔

باب کی یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن کتابت احادیث کے بارے میں صحیح احادیث کا بہت بڑا مجموعہ موجود ہے اس لئے کتابت حدیث پر امت کا اجماع ہے اگر بالفرض اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہ بھی ہوتی تب بھی امت کا تعامل استدلال کے لئے کافی تھا جیسا کہ اصول میں بیان ہوا ہے حالانکہ یہاں تو صحیح احادیث بھی بکثرت پائی جاتی ہیں ازاں جملہ باب کی دوسری اور تیسری احادیث بھی ہیں یہ دونوں احادیث مقدمہ میں

Maktaba Tul Ishaat.com

گزری ہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا (پھر اس کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے) فذکر قصۃ یعنی خطبہ حج نقل کیا تو ابوشاہؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! یہ میرے لئے لکھوا دیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ خطبہ) ابوشاہ کے لئے لکھ دو!۔ (حسن صحیح رواہ الشیخان)

حدیث آخر:۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مجھ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں تھیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے جبکہ میں نہیں لکھتا تھا۔ (حسن صحیح اخرجہ البخاری ایضاً)

رہا یہ سوال کہ پھر ابوہریرہؓ کی مرویات کی تعداد کیوں زیادہ ہے؟ تو اس کا جواب مقدمہ میں گزرا ہے علاوہ اس کے ایک جواب یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ عبادت وسیاست میں مشغول ہو گئے تھے جبکہ ابوہریرہؓ تدریس وتحدیث میں لگے رہے۔

چونکہ ابوہریرہؓ کے پاس لکھی ہوئی احادیث بھی ثابت ہیں اس لئے کہا جائے گا کہ باب کی حدیث میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتابت کی نفی مراد ہے مطلقاً نہیں، ہوسکتا ہے کہ نبیؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے دوسرے صحابہ کی احادیث لکھ کر یکجا کی ہوں یا اپنی یاد کی ہوئی احادیث خوف نسیان کے پیش نظر لکھی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور صحابی کی لکھی ہوئی احادیث سے استفادہ کرتے ہوں۔

باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل

(اسرائیلی روایات نقل کرنے کا حکم)

"عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :بَلِّغُوا عنّی ولو ایۃً وحَدِّثوا عن بنی اسرائیل ولا حَرَجَ ومن کذب علیَّ متعمّداً فلیتبوأ مقعدہ من النار". (حسن صحیح)

میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل سے نقل کرو اس میں کوئی حرج (گناہ) نہیں اور جو مجھ پر ارادۃً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

تشریح:۔ قولہ: "بَلِّغُوا عنّی ولو ایۃ" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ بلغوا امر کے صیغہ سے آپؐ کی

Maktaba Tul Ishaat.com

طرف سے تبلیغ کی فرضیت معلوم ہوئی تاہم یہ تبلیغ فرض کفایہ ہے علی ھذا البعض کی تبلیغ سے باقی کی ذمہ داری ساقط ہوجائے گی۔ انتہیٰ۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک فرضیت کے ثبوت کے لئے نص کا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہونا دونوں شرط ہیں اور یہ خبر واحد ہے اس لئے اس سے تو فرضیت کا قول مشکل ہے تاہم دیگر نصوص کو دیکھ کر تبلیغ کو اور خصوصاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرض کہا جاسکتا ہے۔

محشی نے طیبی سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اپنے ارشادات کے لئے لفظ تبلیغ استعمال فرمایا جس میں متن اور سند دونوں میں احتیاط کی طرف اشارہ ہے جبکہ بنی اسرائیل کی روایت کے لئے لفظ تحدیث میں توسع کی جانب اشارہ ہے کیونکہ زمانہ بہت دراز گزرا ہے اس لئے اسرائیلی روایات میں سند کی رعایت ولزوم میں ضیق وتنگی ہے، اس لئے آپؐ نے فرمایا ''ولاحـــرج'' یعنی ان کی باتوں میں سچائی کا امکان ہے اور تحقیق مشکل ہے کیونکہ ان لوگوں نے اسانید کی پابندی ملحوظ نہیں رکھی ہے لہٰذا جہاں صدق کا امکان ہو اس کو نقل کرنے میں حرج نہیں ہے۔ یہاں آیت سے مراد بعض حضرات کے نزدیک حدیث ہے کیونکہ اس کے معنی قطعہ بمعنی ٹکڑے کے ہیں جو حدیث پر بھی صادق ہے لیکن قاضی بیضاویؒ اور شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ مراد قرآن کی آیت ہے اور جب قرآنی آیت کی تبلیغ واجب ہے تو حدیث کی بطریق اولیٰ واجب ہے کیونکہ قرآن کی حفاظت کا وعدہ تو اللہ نے فرمایا ہے اور اس کی نشر واشاعت بھی عام ہے تو جب عام کا ابلاغ لازمی ہے تو حدیث کا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔

حضورؐ کا معمول شریف تھا کہ جب بھی وحی نازل ہوتی تو فوراً حاضرین کو بتاتے اور کاتبین وحی کو بلا کر ان سے لکھواتے پھر صحابہ اس کو آگے تک اور دوسروں تک پہنچاتے، یہ طریقہ احادیث میں بھی رائج تھا گو لکھنے کا عام معمول نہ تھا۔

ایک روایت میں بنی اسرائیل کی تصدیق وتکذیب سے ممانعت آئی ہے جبکہ باب کی حدیث میں اجازت کی تصریح ہے یہ بظاہر تعارض ہے؟ اس کا حل یہ ہے کہ اسرائیلی روایات تین طرح کی ہیں:

(۱) ایک وہ جو ہمارے عقائد واحکام سے معارض ہوں، ان کا حکم: یہ ہے کہ وہ روایات من گھڑت ہیں اور ان کی روایت، ان پر عمل کرنا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری وہ روایات ہیں جن کی ہماری شریعت میں تصدیق ثابت ہیں جیسے فرعون کا غرق ہونا۔ ایسی روایات کی تصدیق لازمی ہے کہ وہ ہماری شریعت کا حصہ ہیں۔

(۳) تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جو قرآن کی مجمل آیات کی تفاصیل میں مفید ثابت ہوسکتی ہیں، وہ

Maktaba Tul Ishaat.com

تورات میں تفصیلاً مروی ہیں اور ہمارے عقائد واعمال سے کسی طرح متصادم نہیں، یاان کی زبانی وہ روایات جو تاریخی حیثیت کی حامل ہیں تو ایسی روایات کی نقل میں کوئی حرج نہیں ہے، ہاں البتہ جو اسرائیلی روایات صریح عقل کے خلاف ہیں جیسے عوج کی قدوقامت کے بارے میں بے سروپا روایات تو ان کو نقل کرنا عقل کے منافی ہے، ایسی روایات بچے رات کو شغل کے طور پر نقل کرتے ہیں یا پھر ان کو رد کرنے کی غرض سے نقل کیا جاسکتا ہے۔

غرض وعظ ونصیحت، تفصیل مجمل اور تاریخی روایات جو عقل ونقل صحیح کے منافی نہ ہوں نقل کی جاسکتی ہیں اور باب کی حدیث میں یہی آخری تیسری قسم مراد ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ روایات کے خلط ملط ہونے سے آپؐ کی طرف غلط بات کی نسبت ہوسکتی ہے لہٰذا اختلاط سے بچنے اور احتیاط کی تاکید فرمائی، اس جملے کی تشریح پہلے گذری ہے۔

باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعله

(نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے)

"عن انس بن مالک قال اَتَی النبی صلی الله علیه وسلم رجل یستحمله فلم یجد عنده مایحمله فَدَلَّه علی آخَرَ فَحَمَلَه فَاَتَی النبیَ صلی الله علیه وسلم فَاَخبَرَه فقال: ان الدال علی الخیر کفاعله" (غریب من هذه الوجه)

حضرت انسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپؐ سے سواری طلب کی مگر اس نے آپؐ کے پاس ایسا جانور نہیں پایا جس پر آپؐ اس شخص کو سوار کرتے، پس آپؐ نے اس کو ایک اور شخص کا پتا بتادیا چنانچہ (وہ شخص اس کے پاس گیا اور) اُس نے اِس کو سواری دے دی وہ شخص (پھر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس کی اطلاع آپؐ کو دی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا خیر کا پتا دینے والا اس کام کے کرنے والے کی طرح ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "فلم یجد عنده الخ" اس کا ظاہری مطلب تو وہی ہے جو اوپر ترجمہ میں بتایا گیا ہے دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ فلم یجد کی ضمیر آنحضورؐ کی طرف راجع ہو پھر مطلب یہ ہوگا کہ آپؐ کو اپنے پاس کوئی ایسا جانور نہیں ملا جس پر اس شخص کو سوار کرسکیں اس لئے اسے دوسرے کے پاس بھیج دیا۔

چونکہ عمل، علم پر مبنی ومتفرع ہوتا ہے اس لئے کسی نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والے کو بھی عمل کرنے

Maktaba Tul Ishaat.com

والے کے برابر ثواب ملتا ہے، تاہم اگر بتلانے کے باوجود کوئی اس دلالت وعلم اور تبلیغ پر عمل نہ کرے تو اس صورت میں عمل کا ثواب اگرچہ نہیں ملے گا لیکن دلالت کرنے اور راہنمائی کا ثوب بہرحال ملے گا، چنانچہ قاضی بیضاویؒ نے ''سواءٌ علیهم أءَ نذرتهم ام لم تنذرهم لایؤمنون ''۔(بقرہ:آیت:۶) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جن کفار پر مُہر جباریت لگ چکی تھی وہ اگرچہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر پھر بھی اللہ عزوجل نے ''سواء علیک '' نہیں فرمایا کیونکہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے آپؐ کے لئے ڈرانا اور نہ ڈرانا دونوں مساوی نہ تھے بلکہ آپؐ کو انذار پر ثواب ملتا رہتا تھا۔

اس کے برعکس جو شخص کسی برائی کی دلالت کرے گا تو وہ بھی عامل کی طرح گناہ میں برابر کا شریک ہوگا جیسا کہ باب کی آخری حدیث میں ہے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ دلالت کرنے میں مماثلت گناہ اور ثواب کے اعتبار سے ہے ضمان اور تاوان میں مماثلت نہیں علیٰ ہذا اگر کسی نے کسی کے دشمن کو اس کا پتا بتلا دیا یا مال کی دلالت کی تو دلالت کرنے والے پر بالاتفاق ضمان نہیں ہوگا ''اِلّاان اباحنیفة قال ان المحرم اذادلّ الحلال علی صیدفَعَقَرَه الحلال فان الکفارة علی المحرم الدال بماجَنیٰ علی الصیدالخ '' یعنی اگر محرم نے حلال کی کسی شکار میں کسی طرح مدد کی تو یہ موجب جزا ہوگی۔

المستر شد عرض کرتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک تسبیب کا مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے جو ہدایہ جلد سوم ''کتاب الاکراہ'' میں دیکھا جاسکتا ہے جبکہ ''کتاب الرجوع عن الشہادات'' میں بھی ''صاحب ہدایہ'' نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ:''لان التسبیب علی وجه التعدی سبب الضمان کحافرالبئرالخ ''۔ (فلینتظرمن شاء)

حدیث آخر:۔ حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے سواری طلب کی، اُس نے کہا میرا جانور سواری کے قابل نہیں رہا ہے..... پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فلاں شخص کے پاس جاؤ! (یعنی وہ تمہیں سواری دے دے گا) چنانچہ وہ فلاں کے پاس گیا تو اُس نے اِس کو سواری دے دی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''من دل علی خیر فله مثل اجرفاعله اوقال عامله''۔(حسن صحیح)

قولہ: ''اُبدِعَ'' بضم الہمزۃ بصیغہ مجہول جانور کے تھک جانے اور ہلاک ہوجانے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہی حدیث دوسری سند سے ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ''مثل

Maktaba Tul Ishaat.com

اجر فاعله" بغیر شکِ راوی کے مروی ہے۔

حدیث آخر:۔عن بُریدبن عبداللہ بن ابی بُردۃَ عن جدہ ابی بُردَۃَ عن ابی موسیٰ الاشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:اشفعوا وَلْتُوجَروا وَلیَقضِی اللہ علی لسان نبیّہ ماشاء".(حسن صحیح)

سفارش کریں اور ثواب حاصل کریں اور اللہ اپنے نبی کی زبانی وہ تمام فیصلے ضرور صادر فرمائیں گے جو وہ چاہتے ہیں۔

قولہ:"عن ابی بردۃ عن جدہ ابی بردۃ" اس میں جدّہ کی ضمیر بُرید کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ آگے ترمذی نے اشارہ کیا ہے نیز بُرید اپنے دادا ابوبُردہ کی کنیت سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔

قولہ:"ولتوجروا ولیقضی اللہ" پہلا لام امر کے لئے اور دوسرا تاکید کے لئے ہے اس میں دوسری قرأت ولیقض ہے یعنی آخر میں یاء کے بغیر ہے، پس یہ صیغہ امر کا ہوگا، جنہوں نے لیقضی کا لام امر کے لئے کہا ہے تو اس سے مراد دعا ہے۔(تدبر)

حضور علیہ السلام کا صحابہ کرامؓ کو سفارش کی ترغیب دینا دو حکمتوں پر مشتمل ہے ایک ان کو کار خیر میں شامل کرنا جیسا کہ سابقہ حدیث میں گذر چکا ہے۔دوم کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عام آدمی بڑی شخصیت سے مل نہیں سکتا ہے رعب کی وجہ سے یا کسی رکاوٹ کی بناء پر پس سفارش کی ترغیب میں اس کی مدد کرانا بھی مقصود ہے۔پھر یہ ثواب نیک مقصد کی سفارش تک محدود ہے اگر کسی ناجائز کام یا کسی کی حق تلفی وغیرہ کے لئے ہوگی تو وہاں حکم معکوس ہوجائے گا اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:"من یشفع شفاعۃ حَسَنَۃً یکن لہ نصیب منھا ط ومن یشفع شفاعۃ سیئۃً یکن لہ کِفل منھا"۔(سورۂ نساء: آیت:۸۵) کفل حصے کو کہتے ہیں لیکن عموماً ناگوار چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی جس نے اچھی سفارش کی تو اس کے لئے ثواب کا حصہ ہے اور جس نے بُرائی کی سفارش کی تو اس کے لئے گناہ میں حصہ ہے، پھر سفارش کا قبول ہونا شرط ثواب نہیں۔

حدیث آخر:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی آدمی ایسا نہیں جو ظلم کی رُو سے قتل کردیا جائے مگر یہ کہ ہوتا ہے آدم کے بیٹے (قابیل) پر ایک بارِ گناہ اس کے خون کا، یہ اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا راستہ بنایا ہے۔(حسن صحیح)

قولہ:"وقال عبدالرزاق سَنَّ القتل" یعنی یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح یعنی

Maktaba Tul Ishaat.com

باب افعال اور مجرد دونوں سے مروی ہے معنی ومطلب دونوں کا ایک ہے یعنی جس نے کوئی راہ بدی وگناہ کی ڈالی تو جتنے لوگ اس راستہ پر چلیں گے ان کے مرتکب لوگوں کے اپنے گناہ اپنی جگہ پورے ہوں گے لیکن مع ھذا ان سب میں سے ہر ایک کے برابر گناہ بنیاد ڈالنے والے شخص کو بھی ملے گا والعیاذ باللہ۔ یہ مضمون اگلے باب میں زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

باب ماجاء فی من دَعَااِلیٰ هُدًی فاتُّبِعَ او الی ضلالة

(جس نے نیکی بدی کی دعوت دی اور اس کی پیروی کی گئی)

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من دعاالی هُدیً کان له من الاجرمثل اجورمن یَتّبِعُه ولاینقُصُ ذالک من اجورهم شیئاً ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اثام من یُتّبِعُه لاینقُصُ ذالک من اثامهم شیئاً". (حسن صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے بُلایا ہدایت کی طرف اس کے لئے ان لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ہوگا جو اس کی فرمانبرداری کریں گے جبکہ اس کا ثواب ان لوگوں کے ثوابوں میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ اور جس نے لوگوں کو کسی گمراہی (گناہ) کی طرف بُلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنے گناہ اس کی پیروی کرنے والوں کے ہیں باوجودیکہ اس کا گناہ ان کے گناہوں میں کچھ بھی نہیں گھٹائے گا۔

حدیث آخر:۔ "من سنّ سنةً خیرفاتُبِعَ علیهافله اجرُه ومثل اُجورمن اِتّبَعَه غیر منقوص من اجورهم شیئاً ومن سَنَّ سنة شرفاتُبِعَ علیهاکان علیه وزره ومثل اوزارمن اتبعه غیر منقوص من اوزارهم شیئاً". (حسن صحیح)

جس نے کوئی اچھا طریقہ چلایا اور اس میں اس کی پیروی کی گئی تو اس کے لئے اپنا ثواب (بھی) ہے اور ان لوگوں کے ثواب کے برابر بھی ہے جو اس کی پیروی کریں گے بغیر اس کے کہ گھٹایا جائے ان کے ثوابوں میں سے کچھ..... اور جس نے کوئی بُرا (غلط) طریقہ نکالا پس اس کی اس طریقہ میں تابعداری کی گئی تو اس پر اپنے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جو اس کے تابع ہوئے بغیر اس کے کہ گھٹایا جائے ان کے بارِ گناہ سے کچھ۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"فی السندعن ابن جریر الخ" ابن جریر سے مراد منذر بن عبداللہ ہیں۔قولہ: "من دعاالی ھُدیً" ہدایت کی تعریف میں معتزلہ اور اہل السنۃ والجماعت کے مابین مشہور اختلاف ہے جو عام طور پر نصابی کتب کے اوائل میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہاں مراد کسی بھی نیکی کے عمل کی رہنمائی ہے جس کا ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دِہ چیز کا ہٹانا ہے۔

قولہ:"من سَنَّ سنة خیر" مراد وہ پسندیدہ عمل ہے جو دین کے اصول وضوابط کے موافق ہو۔قولہ: "من سنَّ سنة شر" یہ سنۃ خیر کے مقابل ہے یعنی وہ ناپسندیدہ عمل جو دین کے اصول وضوابط اور مزاج یا صریح نصوص کے منافی ہو یعنی دین اسلام میں اس کے جواز کی کوئی ٹھوس دلیل نہ ہو، اس کی مزید وضاحت اگلے باب میں آرہی ہے۔

قولہ:"فاتبع" مجہول کا صیغہ ہے۔قولہ:"غیر منقوص" چونکہ نیکی یا بدی کے عمل کی بنیاد ڈالنے والا اس عمل کا محرک اور سبب بنتا ہے تو جس طرح فعل کی نسبت سبب کی طرف ہوتی ہے اسی طرح اس باعثِ عمل شخص کو بھی اجر یا وزر ملتا رہے گا اور اس حدیث کا "اَلا تزرُ وازرةٌ وِزرَ اُخریٰ وان لیس للا نسان اِلّا ما سعیٰ"۔ (نجم: آیت:۳۸،۳۹) سے کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ آیت ایمان اور غیر متعدی عمل کے بارے میں ہے جبکہ متعدی گناہ کے بارے میں ارشاد ہے "وَلیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم ولیسئلن یوم القیٰمة عما کانو ایفترون"۔ (عنکبوت: آیت:۱۳)

غرض اچھائی وبرائی کی بنیاد رکھنے والا شخص اس وقت تک عمل میں شریک رہتا ہے جب تک وہ عمل جاری ہو خواہ سال دو سال تک جاری رہے یا قیامت تک باقی وساری رہے۔

باب الاخذبالسنة واجتناب البدعة

(سنت طریقہ پر چلنے اور بدعت سے بچنے کا بیان)

"عن العِرباض بن سارية قال وَعَظَنَارسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً بعدصلوةِ الغداة موعظةً بليغةً ذَرَفت منهاالعيونُ وَوَجِلت منهاالقلوبُ فقال رجل :ان هذه موعظةُ مُوَدِّع .....فماذاتعهَدُ الينايارسول الله؟قال:اُوصيكم بتقوىٰ الله والسمع والطاعة وَاِن عبدٌ حَبَشي ،فانه من يَعِيش منكم يَرىٰ اختلافاً كثيراً وايّاكم وَمُحدَثاتِ الامورفانهاضلالة فمن

Maktaba Tul Ishaat.com

ادرک ذالک منکم فعلیہ بسنتی وسنۃِ الخلفاء الراشدین المھدیّین عَضُّوا علیھا بالنواجذ". (حسن صحیح)

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد ہم کو بڑی کامل نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل کانپنے لگے (یعنی ہم خوف زدہ ہوگئے) پس ایک شخص نے کہا کہ یہ وعظ تو رخصت کرنے والے کا لگتا ہے (یا رخصت ہونے والے کی نصیحت کی طرح ہے) سوائے اللہ کے رسول! آپ ہم کو کیا وصیت فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرنے کی، اور بات سننے اور کہا ماننے کی تاکید کرتا ہوں اگرچہ وہ (حکمران) حبشی غلام کیوں نہ ہو، اس لئے کہ جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا، اور تم بدعات سے بچتے رہنا کیونکہ وہ گمراہی ہیں پس جو شخص تم میں سے وہ وقت پائے تو ضرور لازم پکڑے میری سنت کو اور حق پر قائم ہدایت یافتہ جانشینوں کے طریقہ کو! سنت کو ڈاڑھوں سے خوب مضبوطی سے پکڑو!

تشریح:۔قولہ:"بلیغۃً "یعنی بَلَغت الیناوَاثّرت فی قلوبناوَجِلاً وفی اعیناتذراباً ۔ غرض مؤثر انداز میں نصیحت فرمائی۔قولہ:"ذَرَفَت"ای سالت ودمعت آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

قولہ:"وجِلت" بکسرالجیم ای خافت یعنی ہمارے دل خوف کے مارے بہت نرم ہوگئے۔

قولہ:"مُوَدِّع" بکسرالدال الوداع کہنے والے، رخصت لینے والے مسافر کو کہتے ہیں چونکہ گھر کا سربراہ سفر پر جاتے وقت یا کسی کو سفر پر بھیجتے وقت خصوصی نصیحت اور وصیت وتاکید کرتا ہے تاکہ اس کے چھوٹے ان ہدایات پر عمل کرکے خطرات اور پریشانیوں سے بچیں اس لئے ان صحابی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز بیان سے یا دیگر قرائن سے محسوس کیا کہ آپؐ سفرِ آخرت پر تشریف لے جانے والے ہیں اس لئے انہوں نے آپؐ سے مزید نصیحت کی درخواست فرمائی، وہ قرائن کیا تھے؟ تو ممکن ہے کہ سورۂ نصر ہو یا جیسے باب فی ذھاب العلم میں جو احادیث گذری ہیں مثلاً ھذااَوَان یُختلس العلم من الناس الخ وغیرہ ہوں۔

قولہ:" وان عبدحبشی" یعنی ارباب اقتدار کی سمع وطاعت ضرور کرو اگرچہ وہ حکمران کوئی حبشی غلام کیوں نہ ہو، یعنی امام اگرچہ قریش میں سے ہونا چاہئے لیکن اگر کسی غیر کو بھی بنایا جائے یا کوئی زبردستی بن جائے تو بھی اس کی اطاعت کرتے رہو، یہ مسئلہ تشریحات کی جلد پنجم وششم میں مکرر گذرا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جب تک صریح کفر نہ ہو تو امام کے خلاف خروج واجب نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جائز نہیں کیونکہ اس سے عام اہل اسلام خصوصاً بچوں اور عورتوں کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے ہاں البتہ فاسق حکمرانوں کا فسق کے امور میں اتباع بھی جائز نہیں، اس لئے اگر وہ کوئی غیر شرعی حکم کریں تو آدمی کو اس سے بچنا لازم ہے خواہ اس کے لئے نوکری یا کرسی قربان کرنا پڑے یا ہجرت کرنے کی نوبت آئے تو بھی اس سے گریز نہ کرے۔ نیز ظالم حکمرانوں کی اطاعت عام امور میں صالح وعادل بادشاہ کی طرح واجب بھی نہیں کما مرّ۔

قولہ: "یَریٰ اختلافاً کثیراً" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے والے اختلافات ومنکرات کے غلبے کا اجمالی وتفصیلی علم تھا یعنی اللہ نے ان کو آنے والے فتنوں سے آگاہ فرمایا تھا مگر آپؐ نے ہر ایک کو اس کی تفصیل نہیں بتائی تھی البتہ ان فتنوں سے آپؐ امت وصحابہ کو ڈرایا کرتے تھے تاہم بعض صحابہ کرامؓ جیسے حضرت حذیفہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو ان کی (بعض) تفاصیل بھی بتلادی تھیں۔

قولہ: "وایّاکم ومحدثاتِ الامور" لفظِ مُحدَث اور بدعت کے معنی اگرچہ نئی چیز، نئے قول اور نئے فعل وعمل کے ہیں تاہم شرع کی اصطلاح میں اس کا اطلاق اس نئے نظریئے، یا قول وعمل پر ہوتا ہے جو قرآن وسنت سے کسی طرح ثابت نہ ہو یعنی نہ صراحۃً، نہ دلالۃً واشارۃً اور نہ استنباطاً مع ہذا اس کو امور شرع میں شمار بھی کیا جاتا ہو یعنی اسے باعث اجر وثواب سمجھا جاتا ہو اور یہ کام کسی دینی ضرورت کی بناء پر نہیں بلکہ کسی دوسری غرض کی وجہ سے کیا جاتا ہے خواہ وہ غرض دنیوی ہو یا اشتباہ فی الدلیل کی وجہ سے کیا جاتا ہو۔ لہٰذا جو کام اَدِلّہ اربعہ یعنی قرآن وسنت یا اجماع اور قیاس سے ثابت ہو تو وہ بدعت نہیں جیسا کہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحبؒ نے تحفۃ الاحوذی میں قاضی شوکانیؒ کی کتاب "الفتح الربانی" سے نقل کیا ہے:

"وکانوا اذا اَعوَزَهُم الدليل من كتاب الله وسنة رسوله (صلى الله عليه وسلم) عَمِلوا بما يظهر لهم من الرأى بعد الفحص والبحث والتشاور والتدبر وهذا الرأى عند عدم الدليل هو ايضاً من سنته لِمَادَلَّ عليه حديث معاذ: لَمَّا قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم بِمَ تقضى؟ قال بكتاب الله، قال فان لم تجد؟ قال فبسنة رسول الله قال: فان لم تجد؟ قال اجتَهِد رأيى اقالؐ: الحمد لله الذى وَفّقَ رسولَ رسوله او كما قال..... وهذا الحديث وان تكلم فيه بعض اهل العلم بما هو معروف فالحق انه قسم الحسن لغيره

Maktaba Tul Ishaat.com

وھو معمول بہ وقداوضحت ھذافی بحث مستقل الخ".

یعنی جب صحابہ کرامؓ اور خصوصاً خلفائے راشدین کو قرآن وسنت میں کوئی دلیل عندالضرورت نہ ملتی تو وہ غور وتدبر کر کے اپنی رائے قائم کرتے اور یہ رائے بھی سنت ہی کے موافق ہے (کیونکہ وہ ان اصول سے ماخوذ ہوتی ہے جو قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں) اس پر حدیث معاذ دلیل ہے اور اگر چہ اس حدیث پر بعض علماء کی طرف سے اعتراض ہے مگر سچی اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے جو قابل عمل ہے۔

اسی طرح جو کام صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں عدم ضرورت کی وجہ سے نہ ہوا اور بعد میں اس کی دینی ضرورت پیش آئی اور علماء نے بغیر افتراق کے وہ کام کیا جیسے علوم کی تدوین تو وہ بھی بدعت کے زمرے میں نہیں آتا جیسا کہ علامہ تفتازانیؒ نے شرح عقائد کے شروع میں بیان کیا ہے اور پیچھے تشریحات میں بھی گذرا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔

غرض جو کام بلا منشاء کے کیا جائے اور اسے کار خیر وشرعی امر تصور کیا جائے یا وہ امور شرع کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے تو وہ بدعت ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں اس کی مثال رسم سوئم اور چہلم کی دی ہے ہاں جس کام کو ثواب کی نیت سے نہ کیا جاتا ہو مگر اسے ترویج دی گئی ہو تو وہ رسم کہلائے گا جیسے شادیوں کی رسومات وغیرہ۔

پھر ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ محدث اور بدعت اپنے ناموں کی وجہ سے مذموم نہیں اور نہ ہی معنی کی وجہ سے ممنوع ہیں بلکہ محدث وبدعت خلاف سنت اور داعی الی الضلالت کی بناء پر مذموم ہیں۔

"ولیس المحدث والبدعۃ مذموماً للفظ محدث وبدعۃ ولالمعناھافقدقال اللہ تعالیٰ "مایأتیھم من ذکرمن ربھم محدث". (الانبیاء:آیت:۲)وقال عمر:نعمت البدعۃ ھذہ وانمایُذَمُّ من البدعۃ ماخالف السنۃ ویُذَمُّ من المحدثات مادعاالی ضلالۃ". (انتھیٰ)

یعنی نام سے فرق نہیں پڑتا.....علیٰ ہذا اگر کوئی مبتدع اپنی بدعات کا نام جو بھی رکھے یا کوئی کسی شرعی امر کا نام جو بھی رکھے اس سے حکم پر اثر نہیں پڑے گا مثلاً بریلوی حضرات نے ربیع الاول کے جلوس کا نام جشن عید رکھا ہے اور دعوی عشق رسول کا کرتے ہیں مگر یہ عمل چونکہ قرون مشہود لھا بالخیر میں نہ تھا حالانکہ صحابہ کرامؓ کو آپؐ سے ہم سے زیادہ محبت تھی اس لئے یہ بدعت ہے اس کے برعکس فقہاء کے قیاسی مسائل کو غیر مقلدین

Maktaba Tul Ishaat.com

واہل الظاہر بدعت کہتے ہیں مگر وہ سنت کے زمرہ میں شامل ہیں جیسا کہ مبارک پوریؒ کی شرح سے قاضی شوکانیؒ کی عبارت کے اقتباس میں آپ نے ابھی پڑھا۔

قولہ: "فعلیه بسنتی" لغت کے اعتبار سے مطلق طریقہ کو کہتے ہیں جو فرض کو بھی شامل ہے تاہم علماء نے فرض اور سنت اور واجب کی الگ الگ اصطلاحات مقرر کی ہیں تاکہ احکام کی درجہ بندی سمجھانے میں سہولت ہو۔

قولہ: "وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين" علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ خلفائے راشدین سے مراد خلفائے اربعہ ہیں یعنی ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم ابن العربیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے: "وهم اربعة باجماع".....اور یہ کہ اللہ نے ان کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

"وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنّهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیُمکِنّنّ لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم ولیبدلنّهم من بعد خوفهم أمنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً". (النور: آیت:۵۵)

پھر ان میں سے حضرات شیخین کی سنت زیادہ مؤکدہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں مرفوع حدیث ہے: "اِقتدوا بالذَیْنِ من بعدی ابی بکر وعمر" (ص:۷۰ ج:۱، قدیمی کتب خانہ) پھر ایک عورت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابوبکر کو پاؤ گی یہ تب فرمایا تھا جب اس عورت نے کہا تھا کہ اگر میں آپ کے پاس آجاؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ "وهو خصوص خصوص الخصوص"۔ (عارضۃ الاحوذی) یعنی صحابہ میں اگر اختلاف ہو جائے تو خلفائے اربعہ کو ترجیح ہوگی پھر اگر ان میں بالفرض اختلاف ہو جائے تو شیخین کا قول مقدم ہوگا اور شیخین میں حضرت ابوبکرؓ کا جیسا کہ پیچھے قاضی شوکانیؒ کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ ان حضرات کی رائے سنت سے مختلف نہ تھی اس لئے ان کی سنت کے اتباع کا حکم دیا اور یہ امر اتفاقی ہے پھر عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ خلفاء کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دو وجوہ کی بناء پر ہے ایک تقلید کے لئے کہ جو شخص اپنی رائے سے قاصر ہو (یعنی مجتہد نہ ہو) دوسرے ترجیح کے لئے کہ خلفاء اربعہ کا قول مقدم ہوگا کما مرّ۔

قولہ: "عَضّوا علیها بالنواجذ" نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں چونکہ ایک تو وہ مضبوط ہوتے ہیں دوسرے آخر میں ہونے کی وجہ ان کی گرفت سب دانتوں سے پکڑنے کو مستلزم ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ان کی سنت پوری طرح عمل میں لاؤ جزوی عمل کافی نہیں "فمعناه عضوا علیها بجمیع الفم ولایکون تناولها

Maktaba Tul Ishaat.com

نهساًالخ''۔(عارضۃ الاحوذی) غرض ان کی سنت ترک کرنا جائز نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لِبلال بن الحارث: اِعلم! قال: ما اعلَمُ یارسول اللّٰہ؟ قال اِنّہ من اَحییٰ سنۃً من سنتی قدمِیتت بعدی کان لہ من الاجر مثل من عمل بھامن غیراَن ینقُصَ من اجورھم شیئاً ومن ابتدع بدعۃَ ضلالۃٍ لایرضاھااللّٰہُ ورسولُہ کان علیہ مثل اٰثام من عمِل بھالاینقُصُ ذالک من اوزارالناس شیئاً''.(حسن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارثؓ سے فرمایا:''جان لو''! حضرت بلال بن حارثؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا جانوں! آپؐ نے فرمایا یہ کہ جس نے میری سنتوں میں سے کوئی ایسی سنت کو زندہ کیا (یعنی اسے دوبارہ شائع کیا) جسے مردہ بنادیا گیا ہو (یعنی اس پر عمل چھوڑ دیا گیا ہو) میرے بعد تو اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا ثواب اس پر عمل کرنے والوں کا ہے بغیر اس کے کہ وہ ان کے ثوابوں میں سے کچھ کم کردے۔اور جس نے کوئی بدعت گمراہی کی نکالی جسے اللہ اور اس کا رسول پسند نہیں کرتے تو اس پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں سے کچھ کم ہوجائے۔

قولہ:''اعلم'' یہ کلمہ تنبیہ کی طرح ہے جو مضمون کی اہمیت کے پیش نظر مخاطب کو جگانے اور توجہ سے سننے کے لئے استعمال ہوتا ہے پس حضرت بلالؓ کا مقصد''ماا علم یارسول اللّٰہ؟'' سے یہ ہے کہ میں اس مضمون کے سننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں آپ ارشاد فرمائیں۔قولہ:''من احیاسنتی الخ'' یعنی اس پر عمل کیا یا دوسروں کو عمل کرنے کا کہا جس سے لوگوں نے عمل شروع کیا۔قولہ:''لاینقص'' متعدی ولازمی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لئے اوپر ترجمہ میں پہلے لاینقص کے ترجمہ میں متعدی کا لحاظ رکھا گیا ہے جبکہ دوسرے میں لازمی کا۔

باقی تشریح پیچھے گذری ہے۔(دیکھئے''باب ماجاء ان الاسلام بَدَأَ غریباً الخ''من ابواب الایمان) گویا متروک سنت کو دوبارہ پروان چڑھانا''من سَنّ سُنّۃً حَسَنَۃً'' کی طرح ہے اس لئے محی السنۃ کو تمام عاملین کا جتنا ثواب ہوگا جبکہ مبتدع''من سنّ سنۃ سَیئَۃً'' کے زمرے میں آتا ہے اس کا حکم بھی گذرا ہے۔فلیحفظ۔

حدیث آخر:۔حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے! اگر تیرے بس میں ہو کہ صبح کرے تو اور شام کرے تو اور تیرے دل میں کسی کے لئے کھوٹ (میل وحسد) نہ ہو تو ایسا ضرور کرو پھر مجھ سے فرمایا اے پیارے بچے! اور یہ خصلت میری سنت ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور جس نے میری سنت زندہ کردی اس نے (گویا) مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ (خوش) کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (حسن غریب)

قولہ: "یابُنیّ" بصیغہ تصغیر معلوم ہوا کہ پیار کرنے کی غرض سے اجنبی بچے کو بیٹا کہا جاسکتا ہے۔

قولہ: "لیس فی قلبک غِشٌّ لِاَحَدٍ" بکسر الغین خیر خواہی کی ضد بمعنی بدخواہی کے ہے اور اَحَد میں عموم ہے حتیٰ کہ کافر کے ساتھ بھی خیر خواہی ضروری ہے کہ اس کو ایمان پر لانے کی تدبیر سوچی جائے اور اسے بلاوجہ تنگ نہ کیا جائے۔ قولہ: "فقد احیانی" مشکوٰۃ میں ترمذی کی یہ روایت احیانی کے بجائے اَحَبَّنی نقل کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں من احبّ سنتی فقد اَحَبّنی بھی ہے۔

قولہ: "وفی الحدیث قصة طویلة" چونکہ یہ روایت ترمذی کے تفردات میں سے ہے اور امام منذریؒ نے "الترغیب" میں اس کو ضعیف کہا ہے۔ اس لئے اس قصہ اور اس کی تفصیل بیان کرنے سے شارحین نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

باب فی الانتهاءِ عمّانهیٰ عنه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

(ان چیزوں سے دور رہنے کا بیان جن سے آپؐ نے منع فرمایا ہے)

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اُترُکونی ماترکتُکم! فاذا حَدَّثتُکم فخُذُوا عَنّی فانماهلک من کان قبلکم بکثرة سؤالهم واختلافهم علی انبیاء هم".

(حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑ دو تم مجھے جب تک کہ میں تمہیں چھوڑے رکھوں (یعنی تمہیں کوئی حکم نہ دوں) اور جب میں تمہیں کوئی شے (حکم) بیان کروں تو اس کو مجھ سے لیا کرو (یعنی سیکھو اور عمل کرو) بے شک تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوالات اور ان کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔

تشریح:۔ قولہ: "اترکونی" یعنی کثرت سے اور فضول سوالات مت پوچھو جیسے بنی اسرائیل کیا کرتے تھے جہاں تک ضرورت کا سوال ہے تو اس کی ممانعت مراد نہیں، چونکہ سوالات سے جواب میں احکام نازل ہوں گے جن پر عمل کرنا پڑتا ہے خواہ اوامر ہوں یا مناہی اور سارے لوگ عمل میں چُست تو ہوتے نہیں ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

اس لئے امت پر شفقت کی بناء پر آپؐ نے کثرتِ سوال سے ممانعت فرمائی، نیز بنی اسرائیل سوال پوچھتے مگر اس کے مطابق نازل ہونے والے حکم پر عمل سے کتراتے حالانکہ یہ موجب ہلاکت ہے اس لئے آپؐ نے منع فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نبی کی بات پر عمل نہ کرنا اس کی مخالفت کے زمرے میں آتا ہے ہاں البتہ اگر پوری طرح عمل کی استطاعت نہ ہو تو بقدر استطاعت جتنا عمل کرسکتا ہے اُتنا ضرور کرے بالکل ترک نہ کرے جیسے نماز کے درجات ہیں جبکہ مناہی سے مکمل اجتناب لازمی ہے اِلّا یہ کہ اضطرار اور بعض میں ضرورت ہو، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے: "فاذا امرتکم بشیٔ فأتوا منه ما استطعتم و اذا نهیتکم عن شیٔ فدعوه".

باب ماجاء فی عالم المدینة

(مدینہ کے بڑے عالم کی فضیلت)

"عن ابی هریرة روایةً یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلایجدون احداً اعلم من عالم المدینة". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے قریب ہے کہ لوگ اُونٹوں کے جگروں کو ماریں گے وہ علم طلب (تلاش) کررہے ہوں گے پس وہ نہیں پائیں گے کسی کو جو مدینہ کے عالم سے علم میں بڑھ کر ہو۔

تشریح:۔ قوله: "روایة" بناء برتمیز منصوب ہے اور کنایہ ہے روایت کے مرفوع بیان کرنے سے۔ قوله: "یوشک" بکسر الشین ای یقرب وہ زمانہ قریب ہے۔ قوله: "ان یضرب الناس اکباد الابل" حالت رفعی میں ہے کہ یوشک کا اسم ہے اکباد جمع کبد کی ہے جگر کو کہتے ہیں مراد جگر کے محاذی پہلو ہے اور یہ کنایہ ہے سرعتِ سفر سے کیونکہ طالب علم ہی وہ مسافر ہونا چاہئے جو اپنی طلب میں تڑپتا ہوا اور منزل کی طرف لپکتا ہو۔

عبدالفتاح ابوغدہ نے محدث کی تین علامات بلکہ شرائط ذکر کی ہیں: (۱) سریع المشی (۲) سریع الکتابت (۳) سریع القرأت اور اپنی طرف سے چوتھی کا اضافہ کیا ہے (۴) سریع الاکل تاکہ وقت کی بچت ہو۔ مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے لاأبالی پن کی وجہ سے دنیا والوں کو سب سے زیادہ فارغ عالم دین نظر آتا ہے کہ وہ ہمیں اور خصوصاً ان علماء کو جو عوام سے جُڑے ہوئے ہیں جیسے ائمہ مساجد، سکول ٹیچرز اور سیاسی اکثر علماء وہ ان کو اکثر اوقات گپ شپ میں مصروف دیکھتے ہیں اس سے ہمارے اسلاف کی بھی قدر یکسر ختم ہوگئی آہ افسوس۔

اس حدیث کے مصداق میں یقین سے کچھ کہنا تو ممکن نہیں البتہ اس کا مطلب ہم یوں بیان کرسکتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ یا تو جنس عالم مراد ہے کوئی شخص مراد نہیں اس بناء پر صحابہ کرامؓ کا اولین دور مراد ہے کہ علم ابھی دنیا میں پھیلا نہیں تھا اس لئے جب اسلام جزیرہ نما عرب سے باہر نکل گیا تو لوگوں نے علم کی تحصیل کے لئے مدینہ کا رُخ کیا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ مراد فرد معین ہے پھر اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اسلام کے آخری دور کی بات ہو رہی ہو یعنی اس کا مصداق ابھی تک رونما نہیں ہوا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ شخصیت گزر چکی ہو اس کو امام ترمذیؒ نے بیان کیا جمہور کے نزدیک یہ امام مالکؒ ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ عمری ہیں تاہم عمری حضرت عمر بن خطابؓ کے پڑپوتے عبدالعزیز نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرؓ کے پڑپوتے عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں گویا ترمذی کی عبارت میں سہو ہوا ہے حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ (کذا فی تحفۃ الاحوذی)

باب ماجاء فی فضل الفِقه علی العبادة

((نفلی) عبادت سے فقاہت کے افضل ہونے کا بیان)

"عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فقيهٌ اَشَدُّ على الشيطان من الفِ عابدٍ". (غريب)

ایک سمجھ دار (ماہر) عالم شیطان پر، ہزار عابدوں سے زیادہ سخت تر ہے۔

تشریح:۔ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ حدیث تو غریب ہے لیکن اس کے معنی ظاہر ہیں اس لئے فقہ فہم کو کہتے ہیں پس اگر ایک طرف عابد مسلسل عمل تو کر رہا ہے لیکن دوسری طرف وہ ابلیس کی تلبیس سے نہیں بچ سکتا جبکہ فہم دین رکھنے والا شخص تذکیر و تذکّر کرتا ہے اس لئے عابد کے مقابلے میں افضل ہے تاہم اگر اس کے ساتھ عمل بھی شریک ہو جائے تو پھر اس کا مصداق وہ عالم بن جائے گا جس کے بارے میں امام ترمذیؒ نے اسی باب میں آگے نقل کیا ہے "عالم عامل يُدعى كبيراً في ملكوت السمٰوات" ایک روایت میں کبیراً کے بجائے عظیماً آیا ہے۔ اور ایسا عالم وارث انبیاء بھی بن جاتا ہے۔

غرض شیطان فساد پھیلاتا ہے اور شر کا جال بچھاتا ہے جبکہ عالم نہ تو خود اس کے جال میں پھنستا ہے اور نہ ہی لوگوں کو پھنسنے دیتا ہے جبکہ جاہل عابد بسا اوقات عبادت میں لگا رہتا ہے حالانکہ وہ شیطان کے جال میں پھنس چکا ہوتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں ہوتا ہے اس موضوع پر ابن الجوزیؒ کی کتاب تلبیس ابلیس ایک جامع تصنیف ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

وہ لکھتے ہیں کہ عابد کی عبادت کا نفع اس کے گھر کے دروازے سے آگے نہیں جاتا جبکہ عالم دین خلق خدا کو گمراہی سے ہدایت کی طرف بُلاتا ہے یعنی عالم شیطان کی مکاریوں سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے بغیر علم کے عبادت کا شغل اپنایا تو انہوں نے امت کے خلاف تلواریں نکالیں:

"فقال ابن القاسم :سمعت مالکاً یقول:ان اقواماً ابتغوا العبادة وَاَضاعوا العلم فخرجوا علی امة محمد صلی اللہ علیه وسلم بِاَ سیافهم ولو ابتغوا العلم لَحَجَزَهم عن ذالک ". (مفتاح دارالسعادۃ:ص:۱۲۳)

ابن قیمؒ نے مفتاح دارالسعادۃ کے اسی صفحہ پر یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ ہمارے پاس اتنی تعداد میں طلبہ نے قرآن پڑھا تو حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ ان کے نام رجسٹر میں لکھ کر ان کے لئے وظائف مقرر کردیں پھر اگلے سال انہوں نے زیادہ تعداد لکھی اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کے نام مٹادیں ایسا نہ ہو کہ لوگ جلدی جلدی بغیر تفقہ کے قرآن پڑھنے لگیں:

"فکتب الیه عمر ان امحهم من الدیوان فانی اَخاف من ان یسرع الناس فی القرآن (قبل)ان یتفقّهوا فی الدین فیتأوّلوه علی غیر تاویله". (ایضاً)

حدیث آخر:۔ حضرت قیس بن کثیر (وا لصحیح کثیر بن قیس) فرماتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ سے حضرت ابودرداءؓ کے پاس آیا جبکہ وہ دمشق (شام) میں تھے، ابودرداءؓ نے پوچھا: میرے بھائی کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا ایک حدیث (سُننے) کی غرض سے مجھے خبر پہنچی ہے کہ آپ اس کو (براہ راست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا: کیا تم کسی اور کام سے نہیں آئے ہو؟ اُس نے کہا "نہیں" ابودرداءؓ نے پوچھا کیا تجارت کی غرض سے نہیں آئے ہو؟.....اُس نے کہا "نہیں" اس نے کہا بس میں صرف اس حدیث سننے کی نیت سے آیا ہوں!

حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا تو (خوش خبری سُن لو کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ جو کوئی ایسے راستہ پر چلے جس میں وہ علم ڈھونڈھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی طرف جانے والے راستہ پر چلاتا ہے، اور یہ کہ فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں طالب علم کی خوشنودی کے لئے، اور یہ کہ عالم جو ہوتا ہے اس کے لئے وہ سب مخلوقات دعائے مغفرت کرتی ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین پر ہیں یہاں تک کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

پانی میں مچھلیاں بھی۔اور یہ کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی باقی ستاروں پر ہے۔

بے شک علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں بے شک انبیاء نے دینار و درھم کی وراثت نہیں چھوڑی ہے بلکہ انہوں نے علم ہی میراث میں چھوڑا ہے، تو جس نے علم حاصل کیا بلاشبہہ اس نے بھرپور حصہ حاصل کیا" **ولا نعرف هذا الحديث الامن حديث عاصم بن رجاء بن حيوة وليس اسناده عندى بمتصل الخ** "یعنی اس حدیث کی سند میں بہت اختلاف ہے اگر چہ یہ متعدد کتب حدیث میں مروی ہے تاہم اس کے اجزاء مختلف صحیح اسانید سے مروی ہیں۔

قوله:"فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ" اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ وہی حدیث ہو جس کے لئے وہ شخص آئے تھے، دوم یہ کہ یہ اس کو بطور خوش خبری کے سُنائی کہ تیرا یہ سفر اتنی برکات پر مشتمل ہے۔**قوله:"من سَلَكَ طريقا .....سَلَكَ الله به الخ"** اس حدیث کا یہ جزء ابواب العلم کے شروع میں "باب فضل طلب العلم" میں گذرا ہے۔**سلك الله به** میں "بہ" کی ضمیر "من" کی طرف راجع ہے اور "باء" تعدی کے لئے ہے **اى جعله سالِكاً وَوَفّقه ان يسلك طريق الجنة** جیسا کہ حاشیہ پر مرقات سے نقل کیا ہے، اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر علم کی طرف راجع ہو اور باء **سببیت** کے لئے ہو اس صورت میں "من" موصولہ کی طرف عائد ضمیر کو مقدر ماننا پڑے گا تقدیر اس طرح ہوگی: "**سَهَّلَ الله له بسبب العلم طريقاً الى الجنة**۔

قوله:"وان الملائكة لتضع الخ" فرشتوں کے پر اور بازو بچھانے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس بارے میں متعدد اقوال ہیں: ایک یہ کہ اس کے قدموں کے نیچے بطور فرش بچھا دیتے ہیں یہ معنی حقیقی ہے اور اس کے ماننے میں استبعاد نہیں ہونا چاہئے۔دوسرا احتمال بمعنی تواضع کے ہے۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ سیاحین فرشتے جب طالب علم کو دیکھتے ہیں تو اپنا سفر اور طیران منقطع کر کے اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، یہ دونوں آخری معنی تاویلی ہیں۔**قوله:"وفضل العالم على العابد"** مراد بے عمل عالم اور محض جاہل عابد نہیں بلکہ فرض عبادت اور ضروری علم جن میں دونوں شریک ہوں اس کے بعد ایک شخص نفلی عبادت میں مصروف رہتا ہے جیسے نفلی نمازیں اور روزے جبکہ دوسرا تبحّر فی العلم اور اس کی نشر و اشاعت میں لگا رہتا ہے تو ان میں سے عالم کا درجہ بہت بلند ہے جس کی وجہ سابقہ حدیث میں گذری ہے۔یاد رہے کہ سنن بھی فرائض میں شامل ہیں بطور تابع کے۔

قوله:"كفضل القمر الخ" اس میں دو اہم نکتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک یہ کہ چونکہ چاند کا نور

Maktaba Tul Ishaat.com

سورج سے ماخوذ ہوتا ہے اس لئے محمود علم وہی ہے جو نور نبوت جو بمنزلہ شمس کے ہے سے مستفاد ہو۔ دوسرا: یہ کہ امت میں جو بھی جتنا بھی بڑا ہوگا مگر وہ مقام نبوت سے پھر بھی بہت نیچے ہوتا ہے کیونکہ سورج اور چاند کی روشنی میں جو تفاوت ہے وہ سب پر عیاں ہے جبکہ ستارے تو بہت پیچھے ہیں۔

حدیث آخر:۔ "قال یزید بن سلمة یارسول الله انی سمعتُ منک حدیثاً کثیراً اَخاف ان یُنسِیَ (یُنسِیَنی) اَوَّلَه آخِرُه فَحَدِّثنی بکلمة تکون جِمَاعاً قال: اِتَّقِ الله فیما تعلم!". (لیس اسنادہ بمتصل..... مرسل)

حضرت یزید بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول! میں نے آپ سے بہت سی احادیث سنی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ان کا آخر مجھ سے ان کا اول بھلا دے گا لہٰذا کوئی ایسی حدیث مجھ سے فرما دیجئے جو جامع ترین ہو آپؐ نے فرمایا: ڈرو تم اللہ سے ان چیزوں میں جن کو تم جانتے ہو (یعنی احکام)۔

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے مگر ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی صحیح ہیں "ولکن الحدیث صحیح المعنی الخ".

قولہ: "ان یُنسِیَ اولہ آخرہ" اِنساء سے بمعنی بھلا دینے کے ہے اولہ اس کا مفعول بہ اور آخرہ فاعل ہے یعنی کثرت کی وجہ سے وہ سب احادیث یاد رکھنا میرے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ **قولہ:** "جِمَاعاً" بروزن کتاب جو تمام خیر و بھلائی کو یکجا کرنے والی ہو۔ **قولہ:** "فیما تعلم" یعنی جو جو حرام ہیں اور تمہیں معلوم ہیں ان سے بچو اور جو اوامر ہیں اس پر عمل کرو، یعنی بقدر استطاعت، جیسا کہ پیچھے گذرا ہے۔

حدیث آخر:۔ "خصلتان لاتجتمعان فی منافق حُسنُ سمتٍ ولا فقهٌ فی الدین". (غریب)

دو خوبیاں ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہوتیں عمدہ اخلاق اور دین کی سمجھ داری۔

قولہ: "لاتجتمعان" یہ قضیہ سالبہ ہے دونوں کی عدم موجودگی کی صورت میں بھی صادق ہے اور ایک ہو دوسرا نہ ہو پھر بھی صادق ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں منافق میں یکجا نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ فضائل کے لئے محل کی عمدگی چاہئے جو منافق میں نہیں ہے۔ **قولہ:** "سمت" بروزن شمس اخلاق، سیرت اور اچھے طریقہ وسلیقہ کو کہتے ہیں۔ **قولہ:** "ولا فقہ فی الدین" لا تاکید کے لئے ہے جیسے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین۔

Maktaba Tul Ishaat.com

حدیث آخر:۔حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا تذکرہ کیا گیا، ایک ان میں سے عبادت گذار تھا دوسرا عالم تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم** '' عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری افضلیت تم میں سے معمولی آدمی پر ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید) فرمایا بے شک اللہ رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے اس کے اور زمین وآسمانوں والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور حتیٰ کہ مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے (عالم) کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ (حسن غریب صحیح)

قولہ: ''**رجلان احدھما عابد والآخر عالم**'' اس کا مطلب عرض کیا جا چکا ہے کہ مراد زائد علم وعمل ہے فرض عمل وعلم کا دونوں کے لئے یکساں ہونا ضروری ہے اس میں تفاوت یا تفاضل مراد نہیں ہے۔

اس حدیث سے عالم کی فضیلت نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے امام ترمذیؒ نے فُضیل بن عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ باعمل عالم جو لوگوں کو خیر وبھلائی کی تعلیم دیتا ہے عالَمِ بالا میں بڑا شخص پکارا جاتا ہے یعنی بڑی شان وشوکت سے یاد کیا جاتا ہے اور فرشتے اس کا تذکرہ ادب واحترام سے کرتے اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ وہ خلق خدا کو صرف گندے تالابوں سے صاف ستھرے تالاب کی طرف رہنمائی ہی نہیں کرتا بلکہ مخلوق کو صاف سُتھرا آب حیات ابدی مہیا کرتا ہے اس سے بڑی خدمتِ خلق وخیر خواہی کیا ہو سکتی ہے اس لئے اس کی یہ خدمت اس کے رفع درجات کا باعث بن جاتی ہے۔

قولہ: ''**فضل العالم علی العابد**'' ان دونوں میں الف لام جنس کے لئے ہے۔ **قولہ:** ''**کفضلی علیٰ ادناکم** '' اس میں زبردست مبالغہ فرمایا ورنہ یوں فرماتے کہ '' **کفضلی علی اعلیٰ کم** '' تب بھی مقصد پورا ہو جاتا اور وہ بھی مبالغہ ہی ہوتا مگر عالم باعمل کی شان کو خوب نمایاں کرنے کے لئے فرمایا علیٰ ادنا کم۔

حدیث آخر:۔**لن یشبع المؤمنُ من خیر یسمعه حتی یکون منتهاه الجنة**''. (حسن غریب)

مؤمن ہرگز سیر نہیں ہوتا ہے خیر سے جس کو وہ سنتا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء جنت پر ہو جاتی ہے۔

قولہ: ''**لن یشبع المؤمن من خیر یسمعه**'' المؤمن میں الف لام عہد کے لئے ہے مراد کامل مؤمن ہے اور خیر سے مراد علم ہے، خواہش چاہے محسوسات کی ہو یا معقولات کی یہ کبھی بھی دنیا میں پوری نہیں ہو سکتی اس کی تکمیل کی واحد جگہ جنت ہے کیونکہ وہاں سب کچھ ہے، یہاں حدیث میں اگرچہ جنت سے مراد موت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے کیونکہ موت پر تحصیل علم کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تاہم عالم کی قبر گویا اس کی جنت ہے اس لئے تعبیر جنت سے کردی بخلاف منہوم فی الدنیا کہ اس کی خواہش کے منتہاء کے لئے قبر کی مٹی ذکر فرمائی ہے "ولا یملأ فاہ الا التراب" جیسا کہ ابواب الزہد میں گزرا ہے۔

حدیث آخر:۔ "الکلمة الحکمة ضالة المؤمن فحیث وَجَدَهَافهو اَحَقّ بها". (غریب)

دانشمندی کی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے، پس وہ جہاں بھی اس کو پائے تو اس کا زیادہ مستحق ہے۔

قولہ: "الکلمة الحکمة" حکمت دانشمندی کو کہتے ہیں اس کا حمل واطلاق کلمہ پر مبالغۃً ہے جیسے زید عدل ایک روایت میں الکلمۃ الحکیمۃ آیا ہے وہاں اسناد مجازی ہے کیونکہ حکیم صاحب حکمت ہوتا ہے ایک روایت میں کلمۃ الحکمۃ اضافت موصوف الی الصفۃ کے ساتھ آیا ہے۔

بہرحال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز کی مانند ہے لہٰذا وہ جس کے پاس اسے پائے اس پر عمل کرے اس کو نہ دیکھے کہ یہ بات میں کس سے سُن رہا ہوں بلکہ بات کی قدر کو دیکھے یا مطلب یہ ہے کہ کبھی حکمت کی بات ایک شخص کے پاس ہوتی ہے مگر وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتا مگر جب حکیم کو ملتی ہے تو وہ گویا اس کا مستحق ہے اسے لاقط سے لے لے۔

اس میں ایک رمز یہ بھی ہے کہ جس کے پاس کچھ علم ہے تو وہ اسے ضائع نہ کرے اور بُخل بھی نہ کرے بلکہ دوسروں تک پہنچائے کیونکہ اگر وہ اس کا مطلب اور قدر نہیں جانتا تو اپنے سے زیادہ اَفقہ تک پہنچائے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے بعینہٖ اسی طرح جیسے کسی کو لُقطہ مل جائے تو وہ اس کی حفاظت کرے اور مالک تک پہنچائے خواہ وہ چیز خسیس ہو یا نفیس۔

فائدہ:۔ حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قائل کو نہ دیکھا جائے بلکہ قول کو دیکھا جائے اگر بات صحیح ہے تو مان لینی اور لے لینی یعنی قبول کر لینی چاہئے، مگر یاد رہے کہ یہ کام فقط ماہر ہی جانتا ہے کہ کون سی بات صحیح ہے؟ اور کتنی وزنی ہے؟ اور کون سی غلط ہے؟ جیسے جوہری، جواہرات کو جانتا ہے عام آدمی نہیں جانتا اسی طرح عام آدمی کو یہ لازم ہے کہ مستند عالم دین کی تقلید کرتا رہے وہ از خود یہ فیصلہ نہیں کر سکتا ہے کہ فلاں کی بات صحیح ہے اور فلاں کی غلط کیونکہ اس کے پاس باتوں کو پرکھنے کی کسوٹی نہیں ہوتی ہے۔

اس مقصد کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو بجائے ابواب الایمان کے ابواب العلم میں ذکر فرمایا کہ یہ کام علماء کا ہے۔ (تدبر)

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الاستیذان والآداب

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(اجازت چاہنے اور اچھی عادتوں کا بیان)

استیذان کے معنی اذن یعنی اجازت طلب کرنے کے ہیں جس کے مختلف مراتب ہیں جو ان ابواب میں بیان ہوں گے، اور آداب، ادب کی جمع ہے اصل میں بُلانے اور دعوت دینے کو کہتے ہیں چونکہ خِصالِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ بھی اچھے اچھے کاموں اور اچھی باتوں پر آمادہ کرتے ہیں گویا اچھی عادتوں کی دعوت دیتے ہیں اس لئے خِصالِ حمیدہ کو آداب کہا جاتا ہے عرف عام میں ایسی عادتوں کو سلیقہ مندی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

باب ماجاء فی افشاء السلام

(سلام کی ترویج اور عام کرنے کے بیان میں)

"عن ابی هريرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :والذی نفسی بیده لاتدخلوا الجنة حتی تؤمنوا، ولاتؤمنوا حتیٰ تحابوا اَلَا اَدُلُّکم امراً اذا انتم فعلتموه تحاببتم! اَفشوا السلام بینکم". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ! اور تم مؤمن (کامل) نہیں بن سکتے ہو جب تک آپس میں محبت نہ کرو! کیا میں تمہیں ایسا امر نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو ایک دوسرے سے محبت کرو گے؟ آپس میں سلام کو عام کرو!

تشریح:۔قولہ: "لاتدخلوا" نہی بمعنی نفی ہے یعنی لا تدخلون الجنة الخ۔قولہ: "ولاتؤمنوا" سابقہ جملہ تو بدیہی ہے کیونکہ بغیر ایمان کے جنت میں جانا محال ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ اس وقت ہے کہ اس حدیث میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہو اور اگر کامل ایمان ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

جب تک تم کامل مؤمن نہیں بنو گے اس وقت تک اکرام کے ساتھ جنت میں نہیں جاؤ گے یا دخول اولی نصیب نہیں ہوگا علی ہذا دوسرے جملے کا مطلب یہ ہوا کہ جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتے۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تو شرط ایمان ہے ہی اور چونکہ اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ لوگ (مسلمان) آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں اس لئے حدیث باب میں اسے مدار ایمان قرار دیا۔ پھر اللہ سے محبت یہ ہے کہ دل میں اس کے برابر کوئی دوسری محبت نہ ہو اور اس کے حکم کے مساوی کسی بات کو نہ سمجھے (چہ جائیکہ اس سے اعلیٰ تصور کرے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں ان کے مقام کے برابر کسی کا مقام نہ سمجھا جائے۔ اسی طرح ان سے محبت سب لوگوں سے بڑھ کر ہو۔ مؤمن کی محبت یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسرے مومن کے لئے بھی پسند کرے یعنی آدمی جتنا اپنا خیر خواہ ہے اتنا ہی دوسرے کا بھی ہمدرد بنے۔ پھر آپؐ نے اس محبت کے حصول کا طریقہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں سلام کو فروغ دیں کیونکہ ایک تو یہ باہمی تعلق کا پختہ ذریعہ ہے، دوم اس سے دین کے شعائر اُجاگر کرنے میں غیر معمولی مدد ملتی ہے، اس سے اہل ایمان میں وحدت و یکجہتی پیدا ہوتی ہے جس سے ان کو اور ایمان کو تقویت اور کفار کو ذلت ہوتی ہے۔ اس حدیث میں سلام کو رواج دینے کا حکم ہے تاہم تقریباً کیس مقامات سلام کرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی: ص:۲۸۸ ج:۱)

باب ماذکر فی فضل السلام

(سلام کی فضیلت کا بیان)

"عن عمران بن حُصين ان رجلاً جاء الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: السلام عليكم! فقال النبى صلى الله عليه وسلم "عشر" ثم جاء آخر فقال السلام عليكم ورحمة الله! فقال النبى صلى الله عليه وسلم "عشرون" ثم جاء اخر فقال: السلام عليكم ورحمة الله وبركاته! فقال النبى صلى الله عليه وسلم "ثلاثون". (حسن غريب)

حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا السلام علیکم! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس (نیکیاں) ہوگئیں (یعنی جواب دینے کے بعد فرمایا کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اس کو دس نیکیاں مل گئیں) پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیس (نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا شخص آیا اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیس (ہوگئیں)۔

تشریح:۔ چونکہ قرآن حمید میں ضابطہ بیان ہوا ہے "من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" کہ ایک نیکی کے بدلے دس گنا اجر وثواب ملے گا اس لئے پہلے شخص کے لئے دس نیکیوں کی خوش خبری ارشاد فرمائی کہ اس نے ایک ہی جملہ میں سلام ادا کیا جبکہ دوسرے نے دو جملوں میں لہٰذا وہ بیس کا مستحق ہوا اور تیسرا تین جملوں کی وجہ سے تیس نیکیاں کمانے میں کامیاب ہوا۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ سلام پر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ مستحسن ہے اور چونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "واذا حُيِّيتُم بتحيّة فَحَيُّوا باحسنَ منها اورُدّوها"۔ (النساء: آیت: ۸۶) یعنی اگر تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر الفاظ میں جواب دو یا اسی طرح کا جواب دو! یعنی سلام پر اضافہ کرو یا کم از کم وہ کلماتِ سلام لوٹا دو۔ علی ہذا اگر کوئی سلام میں کہے السلام علیکم تو جواب میں وعلیکم پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام ورحمة الله یا کم از کم وعلیکم السلام ضرور کہہ دے، اس آیت میں تحیہ سے مراد سلام ہی نہیں بلکہ عام ہدایا کو بھی یہ لفظ شامل ہے۔

تاہم ان دو کلموں کے اضافہ کے علاوہ کسی تیسرے کلمہ کا اضافہ بھی مستحسن ہے؟ تو تحفۃ الاحوذی میں فتح الباری کے حوالے سے کچھ ضعیف احادیث نقل کر کے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ وبرکاتہ کے بعد کچھ کلمات کا اضافہ فرماتے نیز باب کی حدیث کے بعض طرق میں یہ اضافہ ہے کہ ایک چوتھے شخص نے آکر سلام کیا اور ومغفرتہ کا اضافہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "اربعون" یعنی چالیس نیکیاں ہوگئیں، پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ احادیث ضعیف ہیں مگر ان کے مجموعہ سے کم از کم جواز ثابت ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء فی اَنَّ الاِستیذان ثلاث

(اجازت تین مرتبہ تک طلب کرنی چاہئے)

"عن ابی سعید قال اِستأذن ابو موسیٰ علی عمر فقال: السلام علیکم! اَاَدخُلُ؟؟ فقال عمر: "واحدة" ثم سَكَتَ ساعةً ثم قال: السلام علیکم! اَاَدخلُ؟ فقال عمر: "ثنتان" ثم

Maktaba Tul Ishaat.com

سَكَتَ ساعةً فقال السلام عليكم ااَدخلُ؟فقال عمر: "ثلاث" ثم رجع فقال عمر لِلبوّابِ ماصَنَعَ؟ قال رَجَعَ قال عَلَيَّ به فلماجاءَ ه قال ماهذاالذی صنعتَ؟ قال :"السنةَ" قال السنةَ؟ واللہ لَتَأتِيَنّی علی هذابرهان وبَيِّنَةٍ اولَأفعَلَنّ بک اقال فَاَتَانا ونحن رُفقَةٌ من الانصار فقال: يامعشر الانصار اَلَستم اعلم الناس بحديث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ؟اَلَم يقل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :الاستيذان ثلاث فإن اُذِنَ لَکَ والاّ فارجع؟فجعل القوم يُمازحونه قال ابوسعيدثم رفعت رأسی اليه فقلت ماأصابک فی هذامن العقوبة فَاَنَاشريکُکَ قال فَاَتیٰ عمرَ فاخبره بذالک فقال عمر :ماكنتُ علمتُ بِهذا". (حسن صحيح)

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ابوموسیٰ (اشعری رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے اجازت مانگی (بایں صورت کہ) کہا "السلام علیکم" کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ تو عمرؓ نے فرمایا ایک بار (اجازت مانگی) پھر وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر کہا "السلام علیکم" کیا میں اندر آجاؤں؟ تو عمرؓ نے فرمایا دو ہوئیں، چنانچہ وہ پھر کچھ دیر چُپ کھڑے رہے پھر کہنے لگے "السلام علیکم" کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: تین بار ہوئیں، پھر ابوموسیٰؓ واپس چلے گئے، پس عمرؓ نے اپنے دربان سے کہا: انہوں نے کیا کیا؟ دربان نے کہا وہ لوٹ گئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جاان کو میرے پاس لاؤ! چنانچہ جب وہ آئے ان کے پاس تو حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟ (یعنی کیوں واپس چلے گئے؟) انہوں نے جواب دیا کہ سنت کی رُو سے واپس گیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ سنت ہے؟ بخدا ضروری ہے کہ یا تو تم اس پر گواہ (دلیل) لاؤ گے یا پھر میں تمہیں نمونہ عبرت بنادوں گا! حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس آئے جبکہ ہم انصار ایک گروہ کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے (یعنی کچھ لوگ مل کر بیٹھے تھے) پس انہوں نے کہا اے گروہ انصار کے! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہو؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ اجازت تین مرتبہ طلب کی جائے۔ پس اگر اجازت مل جائے تمہیں (تو داخل ہو) ورنہ واپس چلے جاؤ! پس لوگوں نے (ان کو پریشان دیکھ کر) ان پر ہنسنا شروع کیا ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنا سر اٹھا کر ان کی طرف (دیکھا) اور کہا آپ کو اس مسئلہ میں جو سزا ہوگی میں اس میں آپ کے ساتھ برابر شریک رہوں گا، راوی کہتا ہے کہ ابوسعیدؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور انہیں یہ حدیث سنائی، پس حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی (یعنی کہ تیسری مرتبہ اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس جانا چاہئے اور مزید اصرار نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنا چاہئے)۔

تشریح:۔قولہ:"فقال عمر واحدة"ای استیذانة واحدة یعنی حضرت عمرؓ نے حاضرین سے کہا کہ ابھی صرف ایک دفعہ اجازت ہوگئی ہے اس لئے ہمارے پاس اجازت دینے میں تاخیر کی گنجائش ہے، حضرت عمرؓ یا تو مصروف تھے جیسا کہ مسلم کی روایت میں اس کی تصریح ہے:"**ونحن حینئذٍ علی شغل الخ**"۔ (مسلم:ص:۲۱۱ج:۲) یا پھر وہ ایک سنت پر عمل کرنا چاہتے تھے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس باب میں ذکر کیا ہے کہ:"**وقد کان عمر استأذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا فاذن لہ**" تو ذہن میں یہ تھا کہ تیسری بار استیذان کے بعد اجازت دے دوں گا تاہم ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیسری مرتبہ کے بعد تو واپسی ہونی چاہئے۔امام بخاریؒ کی "الادب المفرد" کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کوفہ میں اپنے ملنے والوں کو انتظار کرواتے تو حضرت عمرؓ نے ان کی تادیب کے لئے ان سے بھی انتظار کروانا چاہا تاکہ ان کو معلوم ہو کہ لوگوں پر ملاقات کا انتظار کتنا بھاری گذرتا ہے۔**قولہ:"السنة" بالنصب** یعنی **اتبعتُ السنةَ**۔**قولہ:"لَتَأتِیَنّی علی ھذا ببرھان الخ** یعنی اپنی بات پر گواہ پیش کرنا ہوگا ورنہ"**لافعلن بک**" یہ جملہ مختلف تعبیرات میں مروی ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تجھے سزا دوں گا۔

جو لوگ حدیث پر عمل کرنے سے جان چھڑاتے ہیں ان کو بہانہ مل گیا اور کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحقیق پیش کرنے کا پابند اس لئے بنایا کہ ان کی حدیث خبر واحد تھی جو حجت نہ تھی...مگر یہ تأثر قطعاً غلط ہے۔چونکہ بے شمار واقعات ودلائل اس پر صریح ناطق ہیں اور ثبوت کے لحاظ سے وہ دلائل صحیح بھی ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ بشمول حضرت عمرؓ خبر واحد کو حجت ودلیل تسلیم کرتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ کے اس جملے کی تاویل صحیح ضروری ہے۔ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں اس کی سات وجوہات بیان کی ہیں، جن میں سے ایک توجیہ یہ ہے جس کو امام نوویؒ نے شرح مسلم میں بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ کہیں لوگ اپنے ذاتی مفادات کے لئے احادیث بنانے یا بیان کرنے کی جسارت نہ کریں۔یہ خوف ان کو منافقین ومبتدعین کی طرف سے محسوس ہونے لگا تھا حضرت ابوموسیٰ یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے متعلق ہرگز نہ تھا کلاّ وحاشا وہ صحابہ کرام کے بارے میں غلط تصور کبھی بھی نہیں کرسکتے تھے لیکن ان کی وساطت سے دوسروں کو سبق پڑھانا چاہتے تھے یعنی انہوں نے یہ کام سدذرائع اور سدباب کے لئے کیا:

"**فَاَرَادسد الباب خوفاً من غیر ابی موسیٰ لاشکاً فی روایة ابی موسیٰ فانه**

Maktaba Tul Ishaat.com

عند عمر اجل من ان يظن به ان يُحَدِّث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم يقل بل ارادزجر غيره بطريقه الخ". (نووی بر مسلم: ص:۲۱۱ ج:۲)

بالفرض اگر مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ کا مقصود تحقیق ہی کروانا تھا تو پھر کہا جائے گا کہ یہ تحقیق خبر واحد کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ جب ابوموسیٰ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور حضرت ابوسعیدؓ نے روایت بیان کی تو یقیناً وہ خبرِ واحد کے درجہ سے نہیں بڑھی کیونکہ خبر متواتر سے کم بہرحال خبر واحد ہے بلکہ وہ مزید اطمینان کے لئے ایسا کرنا چاہتے تھے اور اطمینان بالائے اطمینان تو ہوسکتا ہے جیسا کہ یقین بالائے یقین ہوسکتا "قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی"۔ (الایۃ)

قولہ: "فجعل القوم يمازحونه" مسلم کی روایت میں ہے: "فجعلوا يضحكون" اس سے ابن العربیؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کسی پریشان حال آدمی کی پریشانی دور کرنے کا طریقہ کسی کے پاس موجود ہو تو (کچھ دیر کے لئے) اس کے ساتھ مذاق کرنا جائز ہے (یعنی حدود شرعی کے اندر) کیونکہ اس مذاق سے بھی اس کی پریشانی میں کمی آتی ہے کہ اس پریشان آدمی کو بھی احساس ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ اتنا سنگین نہیں ہے۔

قولہ: "فقال عمر ما كنت علمت بهذا" یعنی مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تیسری مرتبہ اجازت نہ ملنے کی صورت میں واپس لوٹنا چاہئے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: "خفي عَلَيَّ هذا من امر رسول الله صلى الله عليه وسلم الهانی عنه الصفق بالاسواق" یعنی تجارت کے شغل کی وجہ سے یہ مسئلہ مجھ پر مخفی رہا۔ امام ترمذیؒ نے اس کی وجہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چونکہ حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار اجازت طلب کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تھی۔ تدبر

اس حدیث سے استیذان کی اہمیت معلوم ہوئی کہ بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں یا خاص طور پر رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ میں نہیں جانا چاہئے بلکہ اجازت طلب کر لی جائے اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ داخل ہونے کی ضد نہ کی جائے۔ استیذان کی مشروعیت پر اجماع ہے اور قرآن وسنت سے بھی صراحتاً ثابت ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ کا یہ باب اسی مقصد کے لئے ہے اور قرآن پاک کی سورۂ نور کی آیات میں بھی استیذان کا حکم ہے:

"يا ايها الذين امنوا لا تدخلوا بيوتاً غير بيوتكم حتىٰ تستانسوا وتسلّموا على اهلها ذالكم خير لكم لعلكم تذكرون.... الى .... وان قيل لكم

Maktaba Tul Ishaat.com

ارجعوا فارجعوا.... الی.... لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیر مسکونة فیھا متاع لکم". (سورۂ نور: آیت: ۲۷، ۲۸، ۲۹)

اس کی تفسیر میں ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اجازت لینے کا رواج نہیں تھا بلکہ لوگ یوں ہی خاموشی سے گھر میں داخل ہو جاتے اور کہتے میں آ گیا وغیرہ، جس کی وجہ سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رسم کو ختم کیا اور استیذان کا حکم دیا۔ چونکہ استیذان کا مقصد دوسروں کے عیوب سے نظر بچانا ہے اس لئے ملاقاتی شخص کو دروازے کے سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہئے بلکہ وہ دائیں یا بائیں ایسی جگہ کھڑا رہے کہ نہ تو سامنے سے گھر کا اندرونی حصہ نظر آئے اور نہ ہی دروازہ کھلنے کی صورت میں نظر اندر پڑے۔

پھر اجازت پہلے لے یا سلام پہلے کرے تو اس میں تین اقوال ہیں: ایک اختیار کا دوسرا پہلے استیذان کا تیسرا جو اصح ہے پہلے سلام کرے پھر استیذان۔ مندرجہ بالا آیت میں حتیٰ تستأنسوا کا یہی مطلب ہے کہ حتیٰ تستأذنوا یعنی بغیر اجازت کے داخل مت ہو، لہٰذا اگر تین بار اجازت طلب کرنے کے باوجود اجازت نہیں ملی حالانکہ صاحب خانہ کو استیذان کا علم ہوا یا اس نے صریح الفاظ میں ملنے سے معذرت کر لی تو پھر اصح قول کے مطابق واپس لوٹ جانا چاہئے جیسا کہ باب کی حدیث میں ہے۔

تاہم استیذان ایسے مواقع پر مستحب ہے جہاں آدمی بغیر اجازت کے ملنا پسند نہیں کرتا مثلاً گھر میں یا کسی ادارے یا خانقاہ کے مخصوص کمرہ میں جہاں آدمی اپنے ذاتی معمولات میں مصروف ہو مثلاً ذاتی کام یا کوئی ایسا کام ہو جس کے لئے تنہائی و یکسوئی درکار ہو جیسے تصنیف کا وقت ہو یا دیگر وظائف ہوں یا کمپنی کا حسابی کام وغیرہ ہو اگر وہ عام ملنے کی جگہ ہو تو پھر اجازت لینے کی ضرورت نہیں اسی طرح اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اجازت کی ضرورت نہیں البتہ اپنی آمد کی اطلاع کے لئے کوئی عمل ہونا چاہئے جیسے دروازے کو ذرا زور سے کھولنا یا کھانسنا وغیرہ تاکہ گھر والوں کو آگاہی ہو کیونکہ جیسے مرد اچانک داخل ہونے والے سے نفرت کرتے ہیں تو عورتیں بھی غیروں کی اپنی حالت پر آگاہی کو بُرا مانتی ہیں۔ غرض حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اجازت یا کوئی اطلاع آمد کی ہونی چاہئے تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو، اگرچہ گھر میں اس کی بیوی ہی ہو اور وہ تنہا ہی ہو یا دیگر کوئی محرمہ ہو۔ اگر کسی کا مہمان خانہ ہے جو گھر سے الگ ہے یا اس کا دروازہ الگ ہے اور راستہ گھر سے نہیں گذرتا تو مہمان کو ایک دفعہ داخل ہونے کی اجازت سے ٹھہرنے کے باقی اوقات میں ہر بار داخل ہونے کی اجازت طلب کرنا لازمی نہیں۔ کذا فی تفسیر ابن کثیر

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر اگر گھر بڑا ہو یا جس کی اجازت درکار ہے اور وہ دروازے سے اتنا دور ہو کہ اس تک نہ سلام پہنچے اور نہ ہی اجازت مانگنے کی آواز پہنچائی جاسکتی ہے تو بجائے لفظی استیذان کے جو رائج طریقہ ہو وہ بھی بروئے کار لانا جائز ہے مثلاً گھنٹی لگی ہو تو اس کو بجا کر اپنی آمد کی اطلاع دے اور جب کوئی نکلے تو سلام کر کے اجازت مانگے۔

باب کیف ردالسلام

(جوابِ سلام کا بیان)

"عن ابی هريرة قال دخل رجل المسجدورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس فی ناحية المسجد فصلّیٰ ثم جاء فسلّم عليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وعَلَيکَ... اِرجِع فَصَلِّ فانک لم تُصَلِّ...فذكر الحديث بطوله". (حسن)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے پس اس نے نماز پڑھی پھر آ کر آپؐ کو سلام کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وعلیک" واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تم نے (کامل) نماز نہیں پڑھی۔

تشریح:۔قوله: "دخل رجل" یہ حضرت خلّاد بن رافع رضی اللہ عنہ تھے۔قوله: "وعلیک" امام ترمذیؒ نے اس باب میں یہ حدیث ذکر فرما کے یہ کوشش فرمائی ہے کہ سلام کے جواب میں "وعلیک" بھی کافی ہے یعنی اگرچہ افضل پورا سلام ہے اور اس سے زیادہ افضل اس پر رحمت و برکت کی دعاء کا اضافہ ہے جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے لیکن اکتفاء علی الاقل بھی جائز ہے گویا مذکورہ حدیث میں سلام کا یہ جواب بیانِ جواز کے لئے ہے۔لیکن یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی آئی ہے جس میں ہے: "وعلیک السلام" لہٰذا ترمذی کی روایت میں اختصار کا امکان پایا جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ ابن العربیؒ نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ آپؐ نے اس طرح "وعلیک" کہہ کر جواب اس لئے دیا ہو کہ اس شخص نے نماز کامل نہیں پڑھی تھی "ویحتمل انه لم يكمل عليه السلام لانه لم يكمل صلاته"۔(عارضۃ الاحوذی)

غرض امام ترمذیؒ کا استدلال محل نظر ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ابتداء لفظ "علیک السلام" سے ممانعت فرمائی ہے کہ یہ سلام تحیۃ المیت ہے یعنی لوگوں کی عادت زمانہ جاہلیت میں یہ تھی کہ صاحب قبر کو اس طرح سلام کرتے تھے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تحیۃ المیت سے مراد جاہلیت کا سلام ہو اگرچہ وہ آپس

Maktaba Tul Ishaat.com

کا سلام کرنا ہو کیونکہ جاہل بھی میت کی طرح ہوتا ہے اس لئے ''علیک السلام'' سے بچنا چاہئے۔

شرح مسلم ص:۲۱۲ ج:۲ میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء بالسلام بالاتفاق سنت ہے جبکہ اس کا جواب فرض (واجب) ہے پھر اگر کسی نے جواب میں ''علیکم'' یعنی بغیر واؤ کے کہہ دیا تو بالاتفاق یہ ناکافی ہے اور اگر ''وعلیکم'' واؤ کے ساتھ کہہ دیا تو یہ جائز ہے، یعنی جیسا کہ اوپر گزرا ہے (کہ خلاف اولیٰ ہے) اور جواب میں ''وعلیکم السلام'' جمع کا صیغہ لائے تاکہ دونوں فرشتوں کو بھی شامل ہو جائے۔

پھر سلام کرتے وقت ''السلام علیکم'' الف لام کے ساتھ کہنا چاہئے اور اس میں دو باتوں کا خیال ہونا چاہئے: (۱) ایک یہ کہ سلام میں دوسرے کا اکرام ملحوظ ہو۔ (۲) دوم یہ کہ اس میں تواضع کا حصول ہو لہٰذا چھوٹے بڑوں کو سلام کریں اور راکب پیدل پر اور قلیل کثیر پر۔ راقم نے سلام کے مسائل نسبۃً تفصیل سے ''نقشِ اخلاق'' میں ذکر کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو بھی سلام کرنے میں پہل کرے گا تو اس کا ثواب زیادہ ہوگا تاہم داخل ہونے والا بہرحال سلام میں پہل کرے۔

قولہ: "فذکر الحدیث بطولہ" یہ تفصیلی حدیث مع الشرح ''باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ'' من ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ترمذی ص:۱۱۴ ج:۲)

باب ماجاء فی تبلیغ السلام

(کسی کا سلام پہنچانا)

"عن عامر قال ثنی ابوسلمة ان عائشة حَدَّثته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لها: ان جبرئیل یُقرِئُکِ السلامَ اقالت وعلیه السلام ورحمة الله وبرکاته". (حسن صحیح)

حضرت عامر روایت کرتے ہیں ابوسلمہ سے کہ حضرت عائشہؓ نے ان سے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جبرئیلؑ تم کو سلام کہتے ہیں سو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''وعلیہ السلام ورحمة الله وبرکاته'' یعنی جبرئیل پر سلام ہے اور اللہ کی رحمت اور برکتیں اس کی۔

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح بالمشافہ سلام کرنا چاہئے اسی طرح بالواسطہ بھی سلام کہلوایا جاسکتا ہے۔ پھر حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ جس کی وساطت سے سلام کہلوایا جارہا ہے اگر وہ پہنچانے کا التزام کرے تو وہ اس کے ذمہ امانت ہے لہٰذا پہنچانا لازمی ہوگا اور اگر وہ التزام نہ کرے تو وہ ودیعت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے جس کا قبول کرنا اور پھر ادا کرنا لازم نہیں۔

پھر جب وہ ذریعہ سلام پہنچائے تو مبلّغ الیہ اسی وقت جواب دے دے اور بہتر یہ ہے کہ جواب میں پہنچانے والے کو بھی شامل کرے جیسا کہ نسائی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد کا سلام کہا تو آپؐ نے جواب میں فرمایا: ''وعلیک وعلی ابیک السلام'' اسی طرح جب حضرت خدیجہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کا ''سلام اللہ علیھا'' پہنچایا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ''ان اللّٰہ ھو السلام ومنہ السلام وعلیک وعلی جبرئیلَ السلام''۔ تاہم حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مبلّغ کو شامل کرنا واجب نہیں ورنہ حضرت عائشہؓ ضرور ''وعلیک وعلیہ السلام الخ'' فرماتیں۔ باب کی روایت بخاری مناقب عائشہ میں بھی ہے۔

باب ماجاء فی فضل الذی یبدأبالسلام

(سلام کرنے میں پہل کرنے والے کی فضیلت)

''عن ابی اُمامة قال قیل یارسول اللّٰہ! الرجلان یلتقیان اَیُّھُما یبدأ بالسلامِ؟ فقال: اولاھمابااللّٰہ''. (حسن)

حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب دو شخص آپس میں ملیں تو ان میں کون پہلے سلام کرے؟ آپؐ نے فرمایا جو ان میں سے اللہ (کی رحمت) کے زیادہ قریب تر ہو۔

تشریح:۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ متواضع شخص سلام میں پہل کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک سے کمتر تصور کرتا ہے اس لئے وہ انتظار نہیں کرتا کہ دوسرا مجھے سلام کرے اور متواضع اللہ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے اس لئے اس کو ''اولاھُمابااللّٰہ'' قرار دیا۔

باب ماجاء فی کراھیة اشارة الیدفی السلا م

(سلام میں ہاتھ کے اشارہ پر اکتفاء مکروہ ہے)

'' عن عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لیس

Maktaba Tul Ishaat.com

مِنّا من تَشَبَّهَ بغيرنا، لاتَشَبَّهُوا باليهود ولابالنصاریٰ فان تسليم اليهود الاشارة بالاصابع وتسليم النصاریٰ الاشارة بِالأكُفِّ". (اسناده ضعيف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے سوا (کسی اور) کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔ تم مشابہت مت کرو یہود کے ساتھ اور نہ ہی نصاریٰ کے ساتھ کیونکہ یہود کا سلام کرنا انگلیوں کا اشارہ ہوتا ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرتے وقت صرف ہاتھ کا اشارہ کافی نہیں ہے اس سے سلام کا مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے، البتہ اگر سلام زبان سے کرے اور درمیان میں فاصلہ دور ہو یا شور ہو اور سلام سنائی نہ دے تو اشارہ کرسکتا ہے تاکہ مسلم الیہ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص نے سلام کیا پھر اس کے جواب کا بھی یہی حکم ہے۔

عارضۃ الاحوذی میں ابن العربی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ موقوف ہے لہٰذا عند الضرورت اشارہ سے سلام کرنا جائز ہے یعنی زبانی سلام کے ساتھ اشارہ ملایا جاسکتا ہے۔ اگلے سے پیوستہ باب میں اس کی تصریح ہے۔

باب ماجاء فی التسليم على الصبيان

(چھوٹے بچوں کو سلام کرنے کا بیان)

"عن سَيَّار قال كنت امشي مع ثابت البُناني فَمَرَّ على صِبيان فَسَلَّمَ عليهم فقال ثابت: كنتُ مَعَ انس فَمَرَّ علىٰ صِبيان فَسَلَّمَ عليهم فقال: انس كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فَمَرَّ علىٰ صِبيان فسلم عليهم". (صحيح)

حضرت سیّار سے روایت ہے کہ میں ثابت بُنانی کے ساتھ چل رہا تھا کہ ان کا گذر چند لڑکوں پر ہوا تو انہوں نے ان کو سلام کیا، پھر ثابت نے کہا کہ میں انسؓ کے ہمراہ چل رہا تھا کہ وہ چند لڑکوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا پھر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہا تھا، جب آپؐ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا۔

تشریح:۔ اس حدیث سے بچوں کو سلام کرنے کا استحباب معلوم ہوا تاہم سلام کے مخاطب بچوں کی عمر

Maktaba Tul Ishaat.com

کم از کم اتنی ہونی چاہئے کہ وہ سلام کی عام کلام سے تمیز کرسکیں۔ پھر نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپؐ کا معمول شریف تھا کہ انصار کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر ہاتھ مبارک پھیرتے اور ان کے لئے دعا فرماتے۔ بچوں کو سلام کرنے میں تواضع کا حصول ہوتا ہے، اس سے بچوں کی تعلیم بھی ہوجاتی ہے، اور ان کے بڑوں سمیت پورے خاندان کی محبت حاصل کی جاتی ہے، خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کرنے سے تبریک اور ازالہ ہیبت بھی اہم مقصد تھا۔

باب ماجاء فی التسلیم علی النساء

(عورتوں کو سلام کرنے کا بیان)

"عن اسماء بنت یزید تُحَدِّثُ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :مَرَّ فی المسجد یوماً وعُصبةٌ من النساء قعودٌ فَاَلوىٰ بیدہ بالتسلیم واشار عبد الحمید بیدہ ".(حسن)

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں گذرے جبکہ عورتوں کا ایک گروہ وہاں بیٹھا ہوا تھا پس آپؐ نے اپنے ہاتھ سے سلام کا اشارہ کیا۔ راوی حدیث عبدالحمید نے (سمجھانے کے لئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

تشریح:۔قولہ:"وعُصبةٌ" واؤ حالیت کے لئے ہے اور عصبہ جماعت کو کہتے ہیں۔قولہ: "فَاَلوىٰ" اصل میں مائل کرنے اور موڑنے کو کہتے ہیں لیکن یہاں مراد اس سے اشارہ کرنا ہے یعنی زبانی سلام کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی فرمایا۔ چنانچہ امام ترمذیؒ یہی بات کہنا چاہتے ہیں اسی بناء پر انہوں نے باب الاشارۃ علی النساء کے بجائے التسلیم علی النساء قائم کیا ہے۔

اس حدیث سے جواز سلام علی النساء معلوم ہوا اس کی سند میں اگرچہ شہر بن حوشب ہیں مگر ایک تو یہ قابل استدلال راوی ہیں دوم اس کی تائید بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے جو "باب تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال "میں حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے مروی ہے:"قال کُنّانفرح بیوم الجمعة قلت ولِمَ؟...وفیه...فاذاصلینا الجمعة اِنصَرَفنَانُسَلِّم علیها الخ "(بخاری ص:۹۲۳ ج:۲) اس باب میں حضرت جبرئیلؑ کا سلام علی عائشہؓ بھی مذکور ہے جیسا کہ پیچھے حدیث گزری ہے۔

ہاں البتہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان تمام صورتوں میں عورتوں کو سلام کرنا مکروہ یا ممنوع ہوگا، اسی طرح

Maktaba Tul Ishaat.com

عورتوں سے مصافحہ بھی حرام ہے الا یہ کہ کوئی عورت محرمہ ہو یا بہت زیادہ بوڑھی ہو۔ چنانچہ ہدایہ جلد چہارم کتاب الکراھیۃ میں ہے:

" اَمّااذا کانت عجوزاً لاتُشتھیٰ فلابأس بمصافحتھاومس یدھا لِانعدام خوف الفتنة وقدرُوِیَ ان ابابکرؓ کان یدخل بعض القبائل التی کان مسترضعاً فیھم و کان یصافح العجائز الخ. (ہدایہ: ص:۳۸۹ ج:۴)

قولہ: "ان شھراً ترکوہ" یہ لفظ ترک سے یعنی بالتاء والراء بھی آیا ہے جس کے معنی ظاہر ہیں یعنی چھوڑا ہے، مگر یہ نون اور زاء سے بھی آیا ہے ای نزکوہ پھر بمعنی نیزہ زنی کے ہوگا مراد وہی طعن کرنا اور چھوڑ دینا ہے لیکن ترمذی نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ شہر حسن الحدیث ہیں۔

باب ماجاء فی التسلیم اذادخل بیته

(گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرے)

"عن سعیدبن المسیب قال قال انس قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یابُنَیَّ! اذا دخلتَ علی اھلک فسلِّم تکون برکة علیک وعلیٰ اھل بیتک ". (حسن صحیح غریب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا: میرے پیارے بچے! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرلیا کرو اس میں تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔

تشریح:۔ چونکہ اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے سلام استیذان کی ضرورت نہیں اس لئے برکت کے حصول کی غرض سے سلام کو مشروع کیا گیا چنانچہ سورۂ نور کی آیت:۶۱ میں ہے: "فاذادخلتم بیوتاً فسلِمُوا علیٰ انفسکم تحیّةً من عنداللہ مبارکةً طیبة" پھر اس سلام کی آواز کی حد باب کیف السلام میں بیان ہوئی ہے: "فیجئُ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من اللیل فَیُسَلِمُ تسلیماً لایوقظ النائم ویسمع الیقظان الخ" یعنی اتنی مقدار میں سلام کرے کہ جاگتے ہوئے سنیں اور سوئے ہوئے کی نیند خراب نہ ہو۔

باب کی حدیث میں اگرچہ علی بن زید بن جدعان ہیں لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک تو یہ مسلم کے راوی ہیں دوم یہ شہر بن حوشب سے زیادہ اعلیٰ ہیں باب سابق میں امام بخاریؒ کی توثیقِ شہر کی تصریح ہے پس علی بن زید کی روایت صحیح ہوئی نیز باب کیف السلام میں آنے والی روایت سے بھی باب کا مضمون ثابت ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

۔جو شخص اپنی بیوی کو سلام کرنا عیب سمجھتا ہے اگر وہ بجائے حمیۃ الجاہلیت کے شریعت کی پیروی کرے تو اچھا ہوگا۔

باب السلام قبل الکلام

(سلام، بات چیت پر مقدم ہونا چاہئے)

"عن جابربن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :السلام قبل الکلام".

(منکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلام گفتگو سے پہلے ہونا چاہئے۔

تشریح:۔ابن العربیؒ عارضۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں:"رَوَی الترمذی منکراً ضعیفاً عن جابر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :"السلام قبل الکلام" وھو معنی صحیح الخ یعنی یہ روایت سند کے اعتبار سے نہایت ضعیف ہے لیکن معناً صحیح ہے کیونکہ سلام بہرحال کلام پر مقدم ہے، مرقات میں ہے کہ سلام کا موقع ابتداء ملاقات ہی ہے پس اگر سلام سے پہلے کوئی اور بات ہوجائے تو سلام کا وقت اور موقع فوت ہوجائے گا جیسے تحیۃ المسجد، مسجد میں داخل ہوتے ہی پڑھنی چاہئے۔

قولہ:"لاتدعوا احداً الی الطعام حتیٰ یُسَلِّمَ" کسی کو کھانے پر مدعو نہ کرو جب تک کہ وہ سلام نہ کرے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ابواب الزہد میں ابوسعیدؓ کی حدیث میں ہے:"ولایاکل طعامک اِلّا تقی" باب ماجاء فی صحبۃ المؤمن یعنی اکرام اور دعوت والے کھانے پر پاک باز لوگوں کو مدعو کرنا چاہئے یا مطلب یہ ہے کہ تعلق اور دوستی متقی اور شرع کے پابند لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ صحبت، حرکات وسکنات حتیٰ کہ باتوں کا بھی اچھا اور بُرا اثر ہوتا ہے لہٰذا جو شرع پر کاربند ہوگا اس کی معیت سے فائدہ ہوگا اور جو شریعت سے جتنا باغی ہوگا وہ خیر سے اتنا ہی دور ہوگا لہٰذا ایسے شخص کی صحبت سے دور رہنا چاہئے کہ اسی میں سلامتی ہے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ التسلیم علی الذمی

ذِمّی کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تبدَأوُا الیھودَ والنصاریٰ بالسلام فاذا لقیتم احدھم فی طریق فَاضطَرُّوہ الی اَضْیَقِہ".(حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی ایک سے راستہ میں ملو تو ان کو راستہ کی تنگ جگہ (کنارے) کی طرف (جانے پر) مجبور کرو!۔

تشریح:۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کو ابتداءً سلام کرنا مکروہ ہے ہاں البتہ کسی ضرورت کی صورت میں سلام کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے العرف الشذی میں فرمایا ہے اسی طرح اگر وہ لوگ مسلمان کو سلام کریں تو جواب دینا چاہئے جو باب کی اگلی حدیث میں بیان ہوگا، پھر سلام کے الفاظ ''سلام علی من اتبع الھدیٰ'' ہونے چاہئے اس حدیث کی شرح تشریحات ترمذی: ص:۴۶۲ جلد:۵ میں گزری ہے۔دیکھئے ''باب ماجاء فی التسلیم علی اھل الکتاب من ابواب السیر''۔

حدیث آخر:۔''عن عائشة قالت ان رھطاً من الیھود دخلوا علی النبی صلی اللہ علیه وسلم فقالوا السّامُ علیکَ فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم :علیکم فقالت عائشة:فقلت علیکم السام واللعنة افقال النبی صلی اللہ علیه وسلم یاعائشة! ان اللّٰه یُحبُّ الرفق فی الامر کله قالت عائشة اَلم تسمع ماقالوا؟قال قد قلتُ "علیکم".(حسن صحیح)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک گروہ یہود کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا انہوں نے ''السّامُ علیکم''یعنی تجھ پر موت ہو! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''علیکم''یعنی تم پر ہو! پس حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: تم پر موت ہو اور لعنت ہو! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! بے شک اللہ ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا آپ نے نہیں سنا جو انہوں نے کہا؟ آپؐ نے فرمایا بلاشبہ میں کہہ چکا ہوں کہ تم پر ہو!۔

قولہ:''السام'' موت کے معنی میں ہے چونکہ یہود کی عادت ہے کہ وہ مشتبہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جیسے آج کل مغربی میڈیا کا حال ہے اس سے وہ دوسروں کو غیر محسوس طور پر دھوکہ دے کر اپنا کام نکالتے ہیں لیکن اللہ کے نبی نے ان کے مذموم مقصد اور بدمعنی تلفظ کا ادراک کرلیا تھا اور جواب ایسا دیا کہ جو ان کو شرمندگی اور ندامت پر مجبور کررہا تھا جبکہ اس سے آپؐ کے حُسن اخلاق پر کچھ آنچ بھی نہیں آئی، اس لئے حضرت عائشہؓ کو آپؐ نے سخت لہجہ اور انتقام میں لعنت کے اضافہ سے منع فرمایا، اور یہ کہ چونکہ ان کا یہ قول شتم رسول اور گالم گلوچ کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ کینہ اور حسد کے زمرے میں شامل ہے اس لئے اس پر صبر کیا جانا چاہئے گو کہ سبُّ النبی پر خاموشی گناہ اور خوشی کفر ہے امام بخاریؒ کی رائے میں یہ تعریضاً سب وشتم تھا قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ آپؐ

Maktaba Tul Ishaat.com

کی نرمی تالیف قلب کے پیش نظر تھی جو شروع کا حکم ہے۔

پھر علیکم واؤ کے ساتھ بھی آیا ہے اور بغیر واؤ کے بھی۔ اس میں علماء کے دونوں قول ہیں بہر حال اگر غیر مسلم سلام کرے تو جواب دے دینا چاہئے مگر علیکم کے ساتھ۔ جہاں تک ابتداء بالسلام کی بات ہے جس کے لئے امام ترمذیؒ نے باب قائم کیا ہے تو اگر چہ بعض علماء کے نزدیک یہ حرام ہے مگر عند الحاجۃ یہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود دفع شر وضرر یا جلب منفعت اصلیہ ہو، اکرام مقصود نہ ہو چنانچہ الکوکب الدری کے حاشیہ پر ہے:

"ومسلک الحنفیة فی مسئلة الباب مافی الدر المختار ویسلّم علی اهل الذمة لَولَه حاجة ،والّا کره وهو الصحیح کما کره للمسلم مصافحة الذمی ولو سلموا علی مسلم فلاباس بالرّد لکن لایزید علی قوله وعلیک کمافی الخانیة ولو سلّم علی الذمی تجلیلاً (تعظیماً) یکفر لان تجلیل الکافر کفر الخ".

باب ماجاء فی السلام علی مجلس فیه المسلون وغیرهم

(مسلم وغیر مسلموں کی مخلوط مجلس پر سلام کا حکم)

"عن عروة ان اسامة بن زید اخبره ان النبی صلی الله علیه وسلم مر بمجلس فیه اخلاط من المسلمین والیهود فسلّم علیهم". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں مسلمان اور یہود (ملے جلے) بیٹھے تھے تو آپؐ نے ان پر سلام کیا۔

تشریح:۔ قولہ: "اخلاط" بفتح الہمزۃ خِلط کی جمع ہے اردو میں خلط ملط اور ملے جُلے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث سے مشترکہ مجلس پر سلام کرنے کی سُنیت معلوم ہوئی خواہ وہ مجمع اہل اسلام وکفار کا ہو یا اتقیاء وفُسّاق کا ہوتا ہم ایسے میں نیت مسلمانوں پر سلام کرنے کی ہونی چاہئے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اگر اہل السنۃ واہل بدعت ایک ساتھ بیٹھے ہوں تو بھی سلام کرے اور نیت اہل السنۃ کی کرے، ابن العربیؒ فرماتے ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

کہ اگر سب لوگ ظالم ہوں (یعنی خواہ کافر ہوں یا دیگر فساق جو علانیہ فسق کرتے ہوں) تو اگر ضرورت ان سے متعلق ہو تو سلام کرے لیکن نیت یہ کرے کہ میری طرف سے تم محفوظ ہو تو تمہاری طرف سے بھی مجھے حفاظت ملنی چاہئے (یعنی لغوی معنی کا ارادہ کرے)۔

باب ماجاء فی تسلیم الراکب علی الماشی

(سوار پیادے کو سلام کرے)

(۱) "عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یُسَلِّم الراکب علی الماشی، والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر... وزاد ابن المثنّیٰ فی حدیثه... ویسلم الصغیر علی الکبیر... وروی بطریق آخر" (۲) وعن فضالة بن عبید مرفوعاً... وفیه یسلم الفارس علی الماشی والماشی علی القائم والقلیل علی الکثیر". (حسن صحیح) (۳) وفی روایة اخریٰ والمارّ علی القاعد والقلیل علی الکثیر". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار آدمی پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیادہ بیٹھے ہوئے پر سلام کرے اور تھوڑے زیادہ تعداد والوں پر سلام کریں..... اور ابن مثنی کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ گھڑسوار پیدل چلنے والے پر سلام کرے اور پیادہ کھڑے ہوئے شخص پر جبکہ آخری روایت میں ماشی کے بجائے مارّ کا لفظ ہے یعنی گذرنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے۔

تشریح:۔ "باب کیف ردّ السلام" میں ضابطہ عرض کیا جاچکا ہے کہ سلام کے بنیادی اصول دو ہیں: اکرام اور تواضع، اس لئے جہاں اپنی بڑائی کا اندیشہ لاحق ہو وہاں سلام میں پہل کرے تاکہ تواضع حاصل ہو اور تکبر کا سدّ باب کیا جاسکے لہٰذا سوار پیادہ کو سلام کرے اور کبھی بڑا چھوٹے کو سلام کرے مگر جہاں دوسروں کی تو قیر ملحوظ ہو تو پھر چھوٹوں کو چاہئے کہ بڑوں کو سلام کریں اور قلیل کثیر کو سلام کریں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضابطہ راستہ میں ملاقات کا ہے جہاں تک آنے والے کا تعلق ہے جبکہ دوسرا فریق بیٹھا ہو تو آنے والا ہر صورت میں سلام میں پہل کرے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، قلیل ہوں یا کثیر۔

پھر جماعتی شکل میں سلام کا جواب بھی جماعتی صورت میں دینا چاہئے تاہم بعض علماء فرماتے ہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر کچھ نے یہ ذمہ داری نباہ دی تو باقی کا ذمہ فارغ ہو جائے گا خواہ وہ بعض آنے والے ہوں یا جواب دینے والے۔

باب کی پہلی روایت سند کے اعتبار سے منقطع ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح کی ہے کہ حسن بصریؒ نے ابو ہریرہؓ سے نہیں سُنا ہے مگر اس کے باقی طرق صحیح ہیں اور صحیحین میں مروی ہیں باب کی اگلی دونوں روایتیں بھی صحیح ہیں۔

باب التسليم عندالقيام والقعود

(اُٹھتے بیٹھتے سلام کرنا)

"عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اذاانتهىٰ احدكم اِلىٰ مجلس فليُسَلِّم ،فان بَدَا له ان يجلس فليجلس ،ثم اذاقام فليسلّم فليست الاولىٰ باحق من الأخرة". (حسن)

جب تم میں سے کوئی ایک مجلس میں پہنچے تو اس کو چاہئے کہ سلام کرے پھر اگر وہ بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، پھر جب کھڑا ہو (یعنی جانے لگے) تو اس کو چاہئے کہ سلام کرے کیونکہ آمد کا سلام دوسرے (جانے کے) سلام سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔

تشریح:۔قوله: "فليست الاولىٰ الخ حاشیہ ترمذی پر طیبی کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح پہلے سلام میں یہ پیغام ہے کہ میری موجودگی میں تم لوگ میرے شر سے محفوظ رہو گے تو جاتے وقت سلام کرنے میں یہ باور کرانا مقصود ہے کہ میری غیر موجودگی میں بھی تم لوگ میرے شر و ضرر سے مطمئن رہو اس لئے پہلا سلام بنسبت دوم کے زیادہ ضروری نہیں کیونکہ موجودگی میں شر کا اندیشہ کم ہوتا ہے۔ نیز جس طرح خاموشی سے آکر مجلس میں داخل ہونا سلیقہ مندی کے خلاف ہے تو اسی طرح چپکے سے اُٹھ کر چلا جانا بھی آداب و شائستگی کے منافی ہے۔ پھر آمد و رفت کے لئے دور سے آنا یا دور تک جانا ضروری نہیں بلکہ جب نظروں سے اوجھل ہو اور مجلس پر نمودار ہو جائے تو سلام کرے اسی طرح اسی مقدار کی غیبوبت کے بقدر جانے کے لئے بھی سلام کرے، پھر دوسرے سلام کا جواب بھی دینا لازمی ہے۔ گویا رخصتی کا اسلامی طریقہ آخری عمل سلام کرنا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب الاستیذان قُبالة البیت

(گھر کے سامنے اجازت طلب کرنے کا طریقہ)

"عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :من کشف سِتراً فادخَلَ بَصَرَہ فی البیت قبل ای یؤذن له فرای عورة اهله فقداَتیٰ حدّاً لایحل له ان یأتیه لوانه حین ادخل بصره استقبله رجل فَفَقَأ عینیه ماغَیَّرتُ علیه، وان مَرّ رجل علی با بٍ لاسترله غیرمُغلَق فنظر فلاخطِیئَة علیه انماالخطیئة علی اهل البیت ".(غریب)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کھولا پردہ (یعنی کسی کے گھر کے دروازے کا پردہ اُٹھایا) اور اپنی نگاہ اندر گھر میں داخل کی قبل اس کے کہ اسے (داخل ہونے کی) اجازت ملے اور دیکھ لیں اس نے گھر والوں کی پوشیدہ چیزیں، تو بلاشُبہہ اس نے وہ کام کیا جو اس کے لئے جائز نہ تھا۔

اگر اس کے اندر دیکھتے وقت کسی شخص نے اس کے سامنے آکر اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو میں اس کے اس عمل کو تبدیل نہیں کروں گا (یا معیوب نہیں مانوں گا) اور اگر کوئی شخص ایسے دروازے کے پاس سے گذرا جس کا پردہ نہ ہو اور (دروازہ بھی) بند نہ ہو پس اس کی نظر (بے اختیار) اندر گئی تو اس پر کچھ گناہ نہیں، گناہ صرف گھر والوں کا ہے۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ چونکہ اجازت لینے کا طریقہ بتانا چاہتے ہیں اس لئے ترجمۃ الباب میں مضاف مقدر ماننا پڑے گا یعنی باب کیفیة الاستیذان الخ یا لفظ کیف مقدر ہے یعنی باب کیف الاستیذان الخ۔

قولہ: "قُبالة" بضم القاف آگے اور سامنے کے معنی میں ہے جیسے قِبلہ۔ قولہ: "عورة اهله" عورۃ یعنی پردے کی چیز، جسے آدمی چھپاتا ہے اور اس کا اظہار یا ظہور شرم وحیاء کے منافی سمجھتا ہے۔ قولہ: "فَفَقَأَ" پھوڑ دیں الخ۔

قولہ: "ماغَیَّرتُ علیه" الکوب الدری میں حضرت گنگوہیؒ نے اس کو بمعنی تغیر کے لیا ہے "ای لم اُغیّر فعله ولم اَمنعه عن اِرتکاب ذالک لانه لم یفعل باساً" تاہم اس میں دیگر احتمالات بھی ہیں تحفۃ الاحوذی میں اس کو عار سے لیا ہے اور روایت غَیَرتُ بالعین المهملة نقل کی ہے ای ماَنسَبتُہ الی العیب۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صاحب خانہ کو اپنے گھر کا دروازہ بند رکھنا چاہئے یا کم از کم اس پر پردہ

Maktaba Tul Ishaat.com

آویزاں ہونا چاہئے تاکہ گزرنے والوں کو اندر دیکھنے کا موقع نہ ملے خصوصاً ایسے گھر کا دروازہ بہرحال بند ہونا چاہئے جس کے سامنے سے عام راستہ گذرتا ہو۔ اگر وہ کوتاہی کرتا ہے تو اس غلطی کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

جہاں تک ملاقات کرنے والے کا تعلق ہے تو وہ اجازت طلب کرتے وقت ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں سے گھر کا اندرونی حصہ نظر آتا ہو بلکہ گھنٹی بجانے یا آواز دینے اور دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد ایک جانب کھڑا ہو جائے اور نظر اندر دوڑانے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس سے پرہیز کرے اگر کسی نے کوشش کی مثلاً پردہ اٹھا کر دیکھا یا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو اس نے گناہ کیا اور اجازت طلبی کا مقصد ہی نظر انداز کیا، پھر جب اندر جانے کی اجازت مل جائے تو اگرچہ اندر داخل ہوتے ہوئے گھر کے اندر دیکھنا جائز ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ محرمات کو دیکھے بلکہ اجازت کا مطلب بقدر ضرورت دیکھنا ہوتا ہے لہٰذا پورے گھر میں گھومنے اور دیکھنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی عرف میں رائج ہے بلکہ ملاقاتی کو بیٹھک میں بٹھانے کا رواج ہے۔ (تدبر)

اگر کسی نے ان اصول کی پرواہ کئے بغیر اور اجازت ملنے سے قبل گھر کے اندر دیکھا اور گھر والے نے اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو امام شافعیؒ کے نزدیک وہ معاف ہے اس پر کوئی قصاص یا دیت نہیں اکثر حنفیہ کے نزدیک اس پر قصاص تو نہیں کیونکہ اس حدیث کی وجہ سے شبہہ اباحت پیدا ہوا تاہم اس پر دیت ہوگی، کیونکہ دیگر روایات کو سامنے رکھتے ہوئے نظر کرنے سے آنکھ پھوڑنے کی اجازت مترشح نہیں ہوتی لہٰذا باب کی حدیث تغلیظ پر محمول ہے، ہاں البتہ اگر کسی نے باہر سے دیکھنے کے بجائے سر اندر داخل کر کے دیکھنے کی کوشش کی اور صاحب خانہ نے پتھر وغیرہ پھینک کر اس کی آنکھ ضائع کر دی تو اس پر بالاجماع تاوان وقصاص نہیں۔ تاہم قنیہ میں پہلی صورت میں بھی عدم دیت کا قول ہے۔

باب من اطلع فی دار قوم بغیر اذنهم

(بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا)

"عن انس ان النبی صلی الله علیه وسلم : کان فی بیته فاطّلَعَ علیه رجل فَاهوىٰ الیه بِمِشقَصٍ فتأخّر الرجل". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے کہ اتنے میں ایک آدمی نے جھانک کر آپؐ کو دیکھا تو آپؐ نے اس کی طرف بڑھا دیا نیزے کا لمبا پھل (یعنی نیزے کی لمبی نوک) تو وہ شخص

Maktaba Tul Ishaat.com

پیچھے ہٹ گیا۔

حدیث آخر:۔ "ان رجلاً اِطّلع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جُحُرٍ فی حجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومع النبی صلی اللہ علیہ وسلم مِدراۃ یَحُکُّ بھا رأسہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :لوعلمتُ انک تنظر لَطَعَنتُ بھا فی عینک انما جُعِل الاستیذان من اَجَل البصر". (حسن صحیح)

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک دَرز سے جھانکا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پُشت خار (کنگھا) تھا جس سے آپؐ اپنا سر کھجا رہے تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعد میں) فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوجاتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں اسے تیری آنکھ میں کوچ دیتا (یعنی چبھو دیتا) بے شک اجازت طلب کرنا آنکھ (سے بچنے) ہی کی خاطر تو مشروع کی گئی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "فَاَھوٰی" یعنی آپؐ اس کی طرف مائل ہوئے اور جھک گئے۔ قولہ: "بِمشقص" بکسر المیم بروزن منبر نیزے کا لمبا پھل یعنی نوک۔ قولہ: "جُحُر" دراڑ وسوراخ کو کہتے ہیں۔ قولہ: "مِدراۃ" بکسر المیم کنگھا یا کنگھے کی طرح ایک آلہ ہے جو سر کے بالوں کو کھولنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ یا کمر کے کھجانے کے لئے استعمال ہوا کرتا تھا۔ قولہ: "لَطَعَنتُ" طعن نیزہ مارنے کو کہتے ہیں۔ مسئلہ کی نوعیت وحکم سابقہ باب میں گزرا ہے۔

باب التسلیم قبل الاستیذان

(سلام کرنا اجازت طلبی پر مقدم ہے)

"ان کَلَدَۃ بن حنبل اخبرہ ان صفوان بن اُمَیَّۃ بَعَثَہ بِلَبَنٍ وَلَبَأٍ وضغابیسَ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بِاعلیَ الوادی ،قال فدخلت علیہ ولم أستأذن ولم أُسلّم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :اِرجِع فقل السلام علیکم أادخل؟ وذالک بعدما اسلم صفوان". (حسن غریب)

کلدہ بن حنبلؓ نے عمرو بن عبداللہ کو خبر دی ہے کہ صفوان بن امیہؓ نے ان کو (کلدہ کو) دودھ، کھیس اور چھوٹے کھیروں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے بالائی

Maktaba Tul Ishaat.com

حصہ میں تھے، فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پاس داخل ہوا مگر نہ اجازت طلب کی اور نہ ہی سلام کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ (اور دوبارہ آؤ) اور کہو "السلام علیکم" کیا میں اندر آجاؤں؟؟؟ یہ واقعہ صفوان بن امیہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد کا ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "لَبَأ" بمعنی کھیس کے ہے یعنی وہ گاڑھا دودھ جو جانور کے بچہ دینے کے بعد دوھا جاتا ہے اس کو پیوسی اور بوہلی کہتے ہیں چونکہ یہ دودھ بہت طاقت ور ہوتا ہے اس لئے لوگ بطور تحفہ ایک دوسرے کو ہدیہ کرتے ہیں اس کو جب پکایا جاتا ہے تو یہ پھٹ کر کھویا کی طرح بن جاتا ہے بہت لذیذ بھی ہوتا ہے اس کی جمع اَلباء آتی ہے یعنی بروزن لبن وزناً ومعناً فرداً وجمعاً۔ اس کے لئے ابوداؤد میں "جدایۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

قولہ: "ضغابیس" ضغبوس کی جمع ہے چھوٹے اور کچے کھیرے اور ککڑی کو کہتے ہیں۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ کوئی اور طرح کا پودا ہوتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنے والے کو چاہئے کہ پہلے سلام کرے پھر اندر جانے کی اجازت طلب کرے تاہم استیذان کے لئے کوئی بھی رائج ومہذب طریقہ اپنانا جائز ہے مسئلہ کی تفصیل ونوعیت پہلے عرض کی جاچکی ہے۔ دیکھئے "باب ماجاء فی ان الاستیذان ثلاث" عارضہ میں ہے "انہ یجوز الاستیذان بضرب الباب والحجر الخ"۔

حدیث آخر:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی (یعنی اندر داخل ہونے کی) ایک دین کے بارے میں جو میرے والد پر تھا تو آپؐ نے پوچھا "من ھذا؟" یہ کون ہے؟ تو میں نے کہا "انا" "میں ہوں! تو آپؐ نے فرمایا "اَنَا اَنَا" "یعنی میں... میں... گویا آپؐ نے میرے جواب کو ناپسند کیا۔ (حسن صحیح)

عارضۃ الاحوذی میں اس ناگواری کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اپنا تعارف کراؤ! جبکہ انا سے یعنی اس جواب سے کہ "میں" ہوں ابہام مزید بڑھ جاتا ہے یا کم از کم ابہام باقی رہ جاتا ہے اس لئے کلام لغو سا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی پوچھے کہ کون ہو؟ تو جواب میں ایسے تعارفی الفاظ یا نام ذکر کرنا چاہئے جن سے ابہام دور ہو اور تعارف ہو جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی کراھیة طروق الرجل اھلہ لیلاً

(گھر میں سفر سے رات کو اچانک آنا مکروہ ہے)

"عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نَھاھم ان یطرُقوا النساءَ لیلاً". (حسن صحیح)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو رات میں (سفر سے اپنی) عورتوں کے پاس داخل ہونے سے منع فرمایا تھا۔

تشریح:۔ قولہ: "ان یطرقوا" باب نصر سے طارق رات کو آنے والی چیز کو بھی کہتے ہیں اور کھٹکھٹانے کو بھی کہتے ہیں بہر حال رات کو آنے والے کو طارق کہا جاتا ہے خواہ وہ دروازے پر دستک دے یا نہ دے۔

چونکہ عورتیں بہت حساس ہوتی ہیں اگر ان کے شوہر کسی لمبے سفر پر گئے ہوں اور وہ ان کی جلد واپسی کی امید نہ رکھتی ہوں تو عموماً وہ زیادہ صفائی ستھرائی کا اہتمام نہیں کرتی ہیں پس اگر کوئی شخص اچانک رات کو گھر پہنچے گا تو ایک تو بیوی کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور دوم بیوی کی خستہ حالت دیکھ کر شوہر کا دل بھی ٹوٹ سکتا ہے اس لئے حسن معاشرت کو پروان چڑھانے کی خاطر اچانک اور خصوصاً رات کو بغیر اطلاع کے آنے سے منع فرمایا۔

یہ علت مسلم وغیرہ کی روایات سے معلوم ہوتی ہے: "حتیٰ تستحِدَّ المُغیبة وتمتشط الشعثة"

ایک روایت میں ہے: "اِذا اَطال الرجل الغیبة" یعنی اگر لمبے سفر سے واپسی ہو جائے تو اچانک گھر میں مت داخل ہو بلکہ بیوی کو صفائی اور بناؤ سنگھار کا موقعہ دے کر بعد میں جاؤ! علی ہذا اگر کوئی شخص غیر شادی شدہ ہو یا سفر قریب کا ہو یا آنا متوقع ہو کہہ کر گیا ہو کہ فلاں تاریخ کو واپس آؤں گا یا آج کل کی سہولت کے پیش نظر فون پر آنے کی اطلاع دے چکا ہو تو پھر کسی بھی وقت گھر میں آنا مکروہ نہ ہوگا۔

باب کی اگلی روایت میں جو یہ ہے کہ اس نہی کے بعد دو آدمی گھروں میں رات ہی کو داخل ہوئے تو ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے ساتھ آدمی کو پایا تو اس کو حدیث باب کی علت نہیں سمجھنا چاہئے، اس کی علت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی یہ دوسری روایت یا تو سند کے اعتبار سے ثابت نہیں یا پھر یہ محض ایک اتفاق ہو سکتا ہے، ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں اس تاثر کو سختی سے منع فرمایا ہے:

"وھذا الذی رُوی لم یصح بحال، لو صح لَمَا کان دلیلا علی ان النبی صلی

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ علیہ وسلم قصدہ فلایصح لِاَحدٍ ان یجیزہ الخ".
انہوں نے اس تعلیل کو جہل سے تعبیر کیا ہے۔

باب ماجاء فی تتریب الکتاب

(خط کو خاک آلود کرنا)

"عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا کتب احدکم کِتاباً فَلیُتَرِّ بہ فانہ اَنجحُ لِلحاجۃ". (حدیث منکر)

جب تم میں سے کوئی خط لکھے تو اس پر مٹی چھڑک لے کیونکہ یہ اس کے مطلب کو پورا کرنے میں بہت مفید ہے۔

تشریح:۔ اولاً تو اس حدیث پر حاشیہ قوت المغتذی علی الترمذی میں تفصیل سے بحث کر کے اس کے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا جا چکا ہے، اگر بالفرض اس کو صحیح مانیں تو پھر مکتوب پر مٹی ڈالنے کا ظاہری مطلب بھی لیا جا سکتا ہے تا کہ حروف کی سیاہی خشک ہو جائے اور خط لپیٹنے سے حروف مٹنے نہ پائیں ہم سکول کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے حالانکہ ہمیں اس حدیث کا علم نہیں تھا البتہ آج کل روشنائی پکی ہوتی ہے اس لئے تحریر جلد خشک ہو جاتی ہے لہٰذا اب مٹی ڈالنے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ یا اس کو زمین اور مٹی پر رکھ دے تا کہ اپنے مکتوب پر بھروسہ نہ رہے یا یہ کنایہ ہے الفاظِ خطاب میں تواضع اختیار کرنے سے، تاہم ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آخری توجیہ اگرچہ آج کل اہلِ دنیا کے مابین متعارف ہے اور خصوصاً بڑے مناصب پر فائز لوگوں کو درخواست لکھنے میں یہ طریقہ معروف ہے مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط میں یہ رنگ نہیں پایا جاتا تھا۔

بابٌ

قلم کان پر رکھنا

"عن زید بن ثابت قال دخلتُ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یَدیہ کاتب فَسَمعتہ یقول: ضَعِ القلم علی اُذُنِک فانہ اَذکَرُ لِلمُملِی". (وھو اسنادضعیف)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس داخل ہوا جبکہ آپؐ کے

Maktaba Tul Ishaat.com

سامنے لکھنے والا بیٹھا تھا، پس میں نے آپؐ سے یہ فرماتے سُنا کہ قلم اپنے کان پر رکھ دو کہ ایسا کرنے سے لکھنے والے کو مضمون جلد یاد آجاتا ہے (یعنی اِلقاء ہوتا ہے)۔

تشریح:۔ اس حدیث کو ابن جوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے لیکن حاشیہ قوت میں اور مرقات میں ابن جوزیؒ کے تأثر کو رد کر دیا گیا ہے کہ ابن عساکرؒ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے ہاں البتہ حدیث ضعف سے خالی نہیں ہے۔

بصورت صحت حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب قلم ہاتھ میں ہو تو معمولی اشارہ ملنے پر وہ لکھنا شروع کر دے گا جبکہ کان پر ہونے کی صورت میں ہاتھ خالی ہوگا تو سوچنے کی فرصت زیادہ مل جائے گی، نیز خط سُنا جاتا ہے تو قلم کان پر ہونے سے گویا لکھنے اور سُننے میں مطابقت کی طرف اشارہ ہے قال الطیبیؒ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ قلم کے لئے جب کان بطور ظرف ومحل مقرر ہوگا تو دورانِ تحریر قلم تلاش کرنے کی پریشانی سے بچا جاسکے گا جیسا کہ تجربہ ہے کہ ہم لوگ لکھتے وقت بسا اوقات صفحات پلٹنے کے لئے قلم جلدی میں کہیں رکھ دیتے ہیں پھر وہ ادھر اُدھر غائب ہوجاتا ہے، علی ہذا یہ سلیقہ مندی کے آداب میں سے ہوا۔ تاہم آج کل کے اکثر قلم بھاری ہوتے ہیں ان کا، کان پر تھمنا مشکل ہے۔ قولہ: "لِلمُملِی" املاء سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی تو لکھوانے والے کے ہیں مگر مجازاً یہاں لازم باب سے ہے یعنی لکھنے والا۔

باب فی تعلیم السُّریانِیَّةِ

(سُریانی زبان سیکھنے کا بیان)

"عن زید بن ثابت قال امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم :ان اَتَعَلَّمَ له کلمات من کتاب یهود، وقال انی ماوالله مااٰمَنُ یهودَعلی کتابی، قال فمامَرَّبی نصف شهر حتیٰ تَعَلَّمتُه له قال: فلماتعلمتُه کان اذاکَتَبَ الی یهود کتبتُ الیهم واذاکتبوا الیه قرأت له کتابهم". (حسن صحیح)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپؐ کے لئے یہود کے طرز تحریر کے چند (معتدبہ) الفاظ سیکھ لوں اور آپؐ نے فرمایا بخدا! میں یہود کی تحریر پر بالکل اطمینان نہیں کرتا جو وہ میرے لئے کرتے ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ابھی آدھا مہینہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ میں نے

Maktaba Tul Ishaat.com

آپؐ کے واسطے سریانی زبان سیکھ لی، فرماتے ہیں کہ جب میں نے وہ زبان سیکھ لی تو پھر جب بھی آپؐ یہود کو خط لکھنا چاہتے تو میں ان کو لکھتا اور جب وہ لوگ آپؐ کو خط لکھ کر بھیجتے تو میں آپؐ کو ان کا خط پڑھ کر سناتا۔

تشریح:۔ زمانہ ہجرت کے ابتدائی دور میں آپؐ یہود سے خط وکتابت میں عموماً یہود پر انحصار فرماتے مگر ان کی موروثی خیانت کی وجہ سے آپؐ کو ان پر اعتماد نہ تھا خصوصاً جب ان کی مخالفت کھل کر واضح ہوگئی اس لئے آپؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو ان کی زبان سُریانی کے سیکھنے کا حکم دیا جو انہوں نے پندرہ دن سے کم مدت میں مکمل کیا۔

اس حدیث سے ایک طرف صحابہ کرامؓ کی فطانت وذہانت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف دشمن قوم کی زبان سیکھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسے آج کل انگریزی ہے، تاہم اس عمل میں دو باتوں کو بطورِ خاص ملحوظ رکھنا چاہئے ایک یہ کہ یہ کام ضرورت کے تحت ہو کہ کوئی ایسا داعیہ پیش آیا ہو جس کی وجہ سے ان کی زبان سیکھنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہو محض شوقیہ طور پر یا افتخار کے لئے یا اصلی مقصد کو چھوڑ کر محض زبان سیکھنے میں زندگی بسر کرنا نہ صرف کارِ عبث ہے بلکہ باعث ندامت بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ زبانوں میں بھی تاثیرات ہوتی ہیں، انگریزی زبان کی یہ تاثیر عام مشاہدہ ہے کہ اس سے آدمی میں غرور اور تکبر آتا ہے لہٰذا اس میں جتنا انہماک ہوگا اسی تناسب سے تکبر میں اضافہ ہوگا۔ الّا ماشاء اللہ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"وسنذکر ان شاء اللہ بعض ماقالہ العلماء من الامر بالخطاب العربی وکراھۃ مداومۃ غیرہ لغیر حاجۃ.....واللسان تقارنہ امور اُخریٰ: من العلوم والاخلاق فان العادات لھا تأثیر عظیم فیما یُحِبُّہُ اللہ وفیما یکرھہ الخ". (اِقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم: ص:۱۶۳)

حضرت تھانویؒ نے المسک الذکی میں اس حدیث سے جوازِ تعلیم انگریزی پر استدلال کو رد کرنے میں بہت زور لگایا ہے، اگرچہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب انگریزوں سے لڑائی چل رہی تھی اور نفرت اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی اس لئے اس تفصیل کو یہاں نقل نہیں کیا گیا لیکن ایک اقتباس آپ بھی پڑھئے:

"اس زمانہ میں اُلٹا معاملہ ہو رہا ہے کہ لوگ عربی خوانوں سے کہتے ہیں کہ تم انگریزی پڑھو تاکہ جامعیت حاصل ہو جائے اور لوگوں کو انگریزی میں دین سمجھا سکو اور یہ نہیں کہتے کہ انگریزی دان

Maktaba Tul Ishaat.com

عربی پڑھیں اور اشاعت دین کریں الخ"۔(ص:۵۷۵)

باب ماجاء فی مکاتبة المشرکین

(مشرکین سے خط وکتابت کا بیان)

"عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب قبل موته الی کِسریٰ والیٰ قیصر وآلی النجاشی والی کل جَبّاریدعوهم الی اللہ ولیس بالنجاشی الذی صلّیٰ علیه". (حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے کسریٰ کو خط لکھا اور قیصر اور نجاشی اور ہر مغرور وسرکش بادشاہ کو خطوط لکھے، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف بُلایا اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جن کی نماز جنازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے۔

تشریح:۔کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا۔قیصر شاہ روم کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا لقب تھا، علاوہ ازیں ترکی بادشاہ کو خاقان، قبطی کو فرعون، مصری کو عزیز اور حمیر (یمن) کے بادشاہ کو تُبّع کہا جاتا تھا۔جبکہ مقوقس وغیرہ کے نام بھی خطوط بھجوادیئے تھے۔

یہ خطوط آپؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد ارسال فرمائے تھے، اور اس کے ساتھ دنیا والوں کو دعوت کا عمل مکمل ہوگیا تھا کیونکہ باقی لوگ یا تو ان سلاطین وملوک کے زیر فرمان تھے یا پھر ان کے پیچھے دور اُفتادہ علاقوں میں تھے جیسے منگولیا، چین اور مشرق بعید کے ممالک جن کے راستہ میں یہ ملوک حائل تھے اس لئے ان کی ذمہ داری بھی ان ملوک پر عائد ہوتی تھی، ہاں البتہ ان کو بھی دعوت پہنچی مگر آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی فتوحات کے زمانہ میں کیونکہ جب پرامن طریقہ سے دعوت قبول نہیں کی گئی تو سوائے جہاد کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا تھا کیونکہ دعوت کا عمل پھیلانا بہرحال لازمی تھا کہ اللہ کا حکم تھا اس لئے پہلے پُرامن مشن کو آزمایا گیا مگر جب یہ ملوک اس میں رُکاوٹ بنے تو پھر جہاد کا راستہ اختیار کرنا، ناگزیر ہوا۔

قولہ: "ولیس بالنجاشی الخ" یعنی آپؐ نے جس نجاشی کے نام خط ارسال فرمایا تھا یہ وہ والا نہیں تھا جس کا نام اصحمہ بروزن اربعہ ہے اور جنہوں نے مہاجرین اولین کو جگہ وحمایت دی تھی کیونکہ وہ اس خط سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے اور آپؐ نے مدینہ میں ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی تھی جس کی تفصیل "ابواب الجنائز"

Maktaba Tul Ishaat.com

میں گذری ہے۔(دیکھئے "باب ماجاء فی صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی")

باب کیف یُکتب الی اھل الشرک

(غیر مسلموں کو خط لکھنے کا طریقہ)

"عن ابن عباس انه اخبره ان اباسفیان بن حرب اخبره ان هرقل اَرسَلَ الیه فی نفر من قریش وکانوا تُجّاراً بالشام فَاَتوه .....فَذَکَرَ الحدیث .....قال:ثم دَعَابکتاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فَقُرِئَ فاذافیه بسم الله الرحمن الرحیم ،من محمدعبدالله ورسوله الی هرقل عظیم الروم ...السلام علی من اتبع الهُدی.....امابعد!....."۔(حسن صحیح)

حضرت عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو خبر دی ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے ان (ابن عباس) سے بیان کیا ہے کہ ہرقل نے پیغام بھیجا ان (ابوسفیان) کو جبکہ ابوسفیان قریش کی ایک جماعت کے ساتھ تھے یہ لوگ شام میں تاجروں کی حیثیت سے موجود تھے، چنانچہ یہ سب (۳۰ آدمی) ہرقل کے پاس گئے .....پھر پوری تفصیلی روایت بیان کی (جو صحیحین میں ہے اور بخاری نے بدء الوحی میں پوری تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے) پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی منگوایا اور وہ پڑھ کر سنایا گیا چنانچہ (سرفہرست) اس میں یہ مضمون تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ محمد کی طرف سے ہے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ہرقل کی طرف جو روم کے بڑے (آدمی) ہیں۔اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو کار ہو۔امّابعدُ!

تشریح:۔قولہ: "هِرَقل" اس میں اصح قول یہ ہے کہ ھاء مکسور اور راء وقاف دونوں مفتوح ہیں۔اس حدیث کی پوری شرح بخاری ومسلم کے شارحین نے کی ہے کیونکہ اس خط کا پورا متن اور تفصیلی پس منظر وہیں مروی ہیں، یہاں پر امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کر کے غیر مسلموں کو خط لکھنے کے طریقہ پر روشنی ڈالی ہے کہ ان کو خط لکھا جائے تو پوری بسم اللہ لکھے، اور سب سے پہلے لکھے پھر اپنا نام اور جس کو لکھ رہا ہے اس مکتوب الیہ کا نام لکھے تاہم بعض حضرات سے اپنا نام مکتوب الیہ کے بعد لکھنے کی اجازت منقول ہے جیسے الی زید من عمرو۔اور یہ کہ مشرکین کو سلام کیسے کیا جائے، اور یہ کہ خط اور خصوصاً دعوت میں مکتوب الیہ کی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر اس کا اقرار ہونا چاہئے تاکہ دعوت میں نرمی رہے جو مؤثر ثابت ہوتی ہے اور یہ کہ سرنامہ کے بعد خطاب فصل یعنی امابعد بھی ہونا چاہئے اور یہ کہ خط میں اختصار وجامعیت ہونی چاہئے اور یہ کہ مکتوب الیہ کو اس کی ذمہ داری

Maktaba Tul Ishaat.com

کا احساس بہتر طریقہ سے یاد دلایا جائے اور یہ کہ خط کے ذریعہ سے بھی دعوت کا فریضہ ادا ہوتا ہے اور یہ کہ سربراہ کو دعوت دینے سے داعی کی ذمہ داری جو باقی تک دعوت رسائی کی ہے پوری ہو جاتی ہے۔ مزید فوائد و مسائل کے لئے بخاری کی شروحات ملاحظہ ہوں۔

باب ماجاء فی ختم الکتاب

(خط پر مُہر لگانے کا بیان)

"عن انس بن مالک قال لَمَّا ارادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکتب الی العجم قیل لہ ان العجم لایقبلون اِلّا کتاباً علیہ خاتم فاصطنع خاتماً قال فکأنّی انظر الی بیاضہ فی کَفِّہ". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عجمی بادشاہوں کے نام خطوط ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ سے کہا گیا کہ شاہانِ عجم مہر شدہ خط کے سوا کوئی خط قبول (وصول) نہیں کرتے ہیں چنانچہ آپؐ نے ایک مہر بنوائی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں گویا (ابھی بھی) اس مہر (انگوٹھی) کی سفیدی آپؐ کی ہتھیلی میں دیکھ رہا ہوں۔

تشریح:۔ قولہ: "علیہ خاتم" ای نقش خاتم جس پر انگوٹھی سے مہر لگائی گئی ہو کیونکہ انگوٹھی کی مہر میں تبدیلی اور غیر متعلقہ شخص کی طرف سے آنے کا امکان کم از کم رہ جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دیتے وقت ان کی جائز شرائط کو ماننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے دعوت مفید تر بن جاتی ہے عارضۃ الاحوذی میں ہے: "جَرَی علی العادۃ معھم اذکان ذالک ادعیٰ الی قبولھم" چنانچہ سریانی سیکھنے کی وجہ بھی یہی ضرورت و مصلحت تھی۔ حضورؐ کی انگوٹھی کی تفصیل ابواب اللباس جلد پنجم تشریحات میں گذری ہے۔ فلانعیدہ

باب کیف السلام

(سلام کیسے کیا جائے)

"عن المقداد بن الاسود قال: اقبلتُ اَنَا وصاحبان لی قدذھبت اسماعُنا وابصارُنا من

Maktaba Tul Ishaat.com

الجهد فجعلنا نعرض انفسنا على اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فليس احد يقبلنا فاتينا النبي صلى الله عليه وسلم فاتى بنا اهله فاذا ثلاثة اعنز... فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتلبوا هذا اللبن فكنا نحتلبه فيشرب كل انسان نصيبه ونرفع لرسول الله صلى الله عليه وسلم نصيبه فيجئ رسول الله صلى الله عليه وسلم من الليل فيسلم تسليماً لا يوقظ النائم ويسمع اليقظان ثم يأتي المسجد فيصلي ثم يأتي شرابه فيشربه". (حسن صحيح)

حضرت مقداد بن اسود ؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے دو رفیق (مدینہ) آئے، اس وقت بھوک وافلاس کی وجہ سے ہماری سماعتیں اور ہماری بصارتیں بہت کمزور ہو چکی تھیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سامنے خود کو پیش کرنا شروع کیا مگر (غربت کی وجہ سے) کوئی ہمیں (مہمان کے طور پر) قبول نہیں کرتا تھا، چنانچہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپؐ ہمیں اپنے گھر لے آئے، پس (خوش قسمتی سے) وہاں تین بکریاں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا دودھ دوہو! پس ہم دودھ دوہتے تھے اور ہر شخص اپنا حصہ پیتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا دودھ ہم اوپر رکھتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تشریف لاتے اور ایسا سلام کرتے جو سونے والے کو جگاتا نہیں تھا اور سُنائی دیتا جاگنے والے کو، پھر آپؐ مسجد میں تشریف لے جاتے اور (تہجد کی) نماز پڑھتے پھر اپنے حصے کے دودھ کے پاس آتے تھے اور اس کو پی لیتے تھے۔

تشریح:۔ قولہ: "الجهد" بفتح الجیم بھوک اور مشقت وتھکن کو کہتے ہیں۔ قولہ: "فليس احد يقبلنا" انہوں نے ایسے صحابہ کرامؓ سے تعرض کیا ہوگا جو خود بھی محتاج تھے، کیونکہ یہ شروع ہجرت کی بات ہے۔ قولہ: "ونرفع الخ" مراد الگ کرنا اور محفوظ رکھنا ہے مگر ایسی نازک چیزیں عموماً اونچی جگہ پر رکھتے ہیں تاکہ محفوظ بھی ہوں اور تلاش کرنے میں دقت بھی نہ ہو اس لئے نرفع کہا۔

اس حدیث سے سلام کی کیفیت معلوم ہوئی کہ نہ تو ایسی پست آواز سے ہو کہ مخاطب سُن نہ سکے اور نہ ہی اتنی بلند آواز سے ہو کہ سونے والوں کی نیند میں خلل ڈالے اور نمازیوں کی نماز میں بھی خلل ڈالے۔

یہ روایت مسلم میں تفصیل سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو شیطان نے مجھے آپؐ کے حصہ کا دودھ پینے پر اُکسایا لیکن جیسے ہی دودھ پیٹ میں پہنچا تو مجھے سخت ندامت ہوئی میں نے چادر اوڑھ لی مگر نیند کہاں آرہی تھی کہ آپؐ کی بددعاء کا خطرہ لاحق تھا چنانچہ آپؐ آئے جب پیالہ کو

Maktaba Tul Ishaat.com

خالی پایا تو آپؐ نے یہ دعاء پڑھ لی: ''اللھم اطعم من اطعمنی واسق من سقانی'' تو میں نے چھرا لے لیا تاکہ آپؐ کے لئے ایک بکری ذبح کرلوں مگر جب بکریوں کے پاس گیا تو ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے میں نے دودھ نکالا اور آپؐ کے پاس آیا، آپؐ کو پلایا اور پھر آپؐ کو ساری صورت حال بتلادی۔ (مسلم ص:۱۸۴ج:۲)

باب ماجاء فی کراھیة التسلیم علی من یبول

(پیشاب کرنے والے پر سلام مکروہ ہے)

''عن ابن عمران رجلاً سَلَّمَ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھویبول فلم یَرُدَّ علیہ النبیُ صلی اللہ علیہ وسلم ''السلام''. (حسن صحیح)

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اس حال میں کہ آپ پیشاب کررہے تھے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جواب نہیں دیا۔

تشریح:۔ معلوم ہوا کہ پیشاب میں مشغول کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی کرے تو اس کا جواب نہیں دیا جائے، مسئلہ کی تفصیل ''کراھیة ردالسلام غیرمتوضی'' کے باب میں گزری ہے۔ (دیکھئے: تشریحات ص:۲۸۶ج:۱)

باب ماجاء فی کراھیة ان یقول علیک السلام مبتدئاً

(پہل کرنے والے کے لئے علیک السلام کہنا مکروہ ہے)

''عن ابی تمیمة الھُجیمی عن رجل من قومہ قال طلبتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم اقدرعلیہ فجلستُ ،فاذانفرٌھوفیھم ولااعرفہ وھویُصلِح بینھم فلمافَرَغَ قام معہ بعضھم فقالوا یارسول اللہ !فلمارأیتُ ذانک قلت''علیک السلام یارسول اللہ!'' ''علیک السلام یا رسول اللّٰہ'' ''علیک السلام یا رسول اللّٰہ'' قال''علیک السلام تحیّةُ المیّت''ثم اَقبَلَ عَلیَّ فقال اذالَقِیَ الرجل اخاہ المسلم فلیقل السلام علیک ورحمة اللہ وبرکاتہ ثم رَدَّ عَلیَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:وعلیک ورحمة اللہ وعلیک ورحمة اللہ!(وعلیک ورحمة

Maktaba Tul Ishaat.com

اللہ). (حسن صحیح)

حضرت ابوتمیمہؓ اپنی قوم کے ایک شخص (ابوجُری جابر بن سُلیم الھُجیمی) سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈھتا رہا لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہوسکا تو میں بیٹھ گیا پھر اچانک ایک جماعت (نظر) آئی آپؐ بھی ان لوگوں میں تھے مگر میں آپؐ کو پہچانتا نہیں تھا جبکہ آپؐ ان کے درمیان میں مصالحت کرارہے تھے، چنانچہ جب آپؐ فارغ ہوچکے تو آپؐ کے ساتھ کچھ لوگ بھی کھڑے ہوئے (یعنی جانے لگے) تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! پس جب مجھے یہ معلوم ہوا (کہ آپؐ یہی ہیں) تو میں نے کہا تجھ پر سلامتی ہو اے اللہ کے رسول! (تین بار کہا) آپؐ نے فرمایا ''علیک السلام'' مُردوں کا سلام ہے! پھر آپؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو (یوں) کہنا چاہئے ''السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے سلام کا جواب دے کر فرمایا ''وعلیک ورحمۃ اللہ''! (تین مرتبہ کہا)۔

تشریح:۔ قولہ: ''عن رجل'' اگلی روایت میں ان کے نام کی تصریح ہے یعنی جابر بن سُلیم ہُجیمیؓ چونکہ یہ مدینہ میں نو وارد تھے اور آپؐ کے ہاتھ بیعت اسلام کرنا چاہتے تھے مگر آپؐ کو پہچان نہیں رہے تھے اس لئے تھک گئے اور بیٹھ گئے پھر ان کا تین مرتبہ سلام کرنا لاعلمی کی وجہ سے تھا اور آپؐ کا جواب میں تاخیر کرنا عدم وجوبِ جواب کی وجہ سے تھا کیونکہ غیر مسنون سلام کا جواب ضروری نہیں مگر آپؐ کا تین بار جواب دینا ان صحابی کی دلداری کے لئے تھا ورنہ عام معمول شریف ایک بار ہی جواب دینے کا تھا، چونکہ علیک کی تقدیم سے اختصاص کا شائبہ ہوتا ہے اس لئے آپؐ نے منع کرکے فرمایا ''اِن علیک السلام تحیۃ المیت'' میت سے مراد جاہل بھی ہوسکتا ہے یعنی اسلام سے قبل جاہل لوگوں کا سلام علیک السلام ہوتا تھا جس میں علیک مقدم ہوتا تھا چونکہ جُہلاء کی مشابہت اچھی بات نہیں اس لئے اسلام نے اس لفظ کو تبدیل کیا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میت اپنے معنی پر ہو پھر اضافۃ الی المفعول بھی ہوسکتی ہے اور الی الفاعل بھی، یعنی اس طرح سلام تو مُردوں کو کیا جاتا تھا جیسے عربی اشعار ومراثی میں ہوتا ہے تاہم یہاں کوئی تشریع مقصود نہیں ہے کہ مردوں کو ایسا سلام کیا جائے اور نہ ہی آپؐ کا اہل قبور پر سلام اس طرح ہوتا تھا بلکہ اس میں بھی السلام علیکم ہی کے الفاظ ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت میں لوگ مردوں کو علیک السلام سے سلام کرتے لہٰذا تمہیں بحیثیت مسلمان ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت تھانویؒ المسک الذکی میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اضافت الی الفاعل ہے یعنی

Maktaba Tul Ishaat.com

مردے کسی زندہ کو سلام تو کر نہیں سکتے ہیں مگر جب زندہ اسے سلام کرتا ہے تو مردہ جواب میں علیک السلام کہتا ہے اور تم تو زندہ ہو لہٰذا مُردوں جیسا سلام نہ کرو!

پھر پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ السلام علیک کے بجائے جمع کا صیغہ علیکم کہنا زیادہ افضل ہے تاکہ کراماً کاتبین بھی اس میں شامل ہوں۔ امام نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

"والافضل ان یقول السلام علیکم لیتناوله ومَلَکیه واکمل منه ان یزید ورحمة الله وایضاً وبرکاته ولوقال سلامٌ علیکم اَجزأه". (نووی: ص:۲۱۲ ج:۲)

یعنی اگر مخاطب ایک ہو تو السلام علیک بھی کافی ہے مگر علیکم افضل ہے۔ اسی طرح جواب کا حال بھی ہے۔ غرض جو پہلے سلام کرے وہ علیکم کو مؤخر کر کے کہے السلام علیکم۔

قولہ: "وذکر قصة طویلة" امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو مختصر نقل کیا ہے تفصیلی روایت ابوداؤد "باب ماجاء فی اسبال الإزار" میں ہے۔ (ص:۵۶۴ ج:۲، لباس، میر محمد کتب خانہ)

حدیث آخر:۔ عن انس بن مالک ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: کان اذاسلّم، سَلّمَ ثلاثاً واذاتکلم بکلمة اَعَادها ثلاثاً". (حسن غریب صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام کرتے تو تین بار سلام کرتے اور جب کوئی بات فرماتے تو اس کو تین بار لوٹاتے تھے۔

تشریح:۔ آنحضورؐ کی عادت شریفہ سلام مکرر کرنے اور عام بات دُہرانے کی نہ تھی اس لئے کہا جائے گا کہ اس حدیث کا خاص محمل مراد ہے مثلاً پہلا سلام استیذان کے لئے ہوتا تھا دوم تحیہ کے لئے اور سوم واپسی پر الوداع کے لئے۔

یا جب مجمع بڑا ہوتا تھا تو ایک سلام آگے یعنی سامنے والوں کو دوسرا دائیں جانب والوں کو اور تیسرا بائیں طرف والوں کو، یا پہلا مجمع کے شروع میں یعنی داخل ہوتے ہی، دوسرا درمیان میں اور تیسرا اخیر میں بیٹھنے والوں کو۔ اسی طرح جب کوئی بات اہم ہوتی تو اسے تین مرتبہ ارشاد فرماتے یا کوئی مضمون مشکل سا ہوتا تو اسے مکرر فرماتے تاکہ سب لوگ سمجھ جائیں، یا مجمع بڑا ہوتا تو آگے اور دائیں بائیں تین بار ارشاد فرماتے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بابٌ

"عن ابی واقدالليثی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم بینماهو جالس فی المسجد والناس معه إذاَقبل ثلاثة نفرٍ فاقبل اثنان الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وذهب واحد، فلما وقفاعلی رسول الله صلی الله علیه وسلم سَلّمَا،فاماا حدهمافَرَأی فُرجة فی الحلقة فجلس فیهاواماالاخرفجلس خلفهم ،واماالآخرفَاَدبَرَ ذاهباً ،فلمافَرَغ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: اَلَااُخبرکم عن النفرالثلاثة اماا حدهم فَاٰوی الی اللهفاٰواه الله واما الأخر فاستحییٰ فاستحییٰ الله منه واماالأخرفاعرض فاعرض اللهعنه". (حسن صحیح)

حضرت ابوواقد لیثیؓ سے روایت ہے کہ دریں اثناجبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں جلوہ افروز تھے اور آپؐ کے ساتھ لوگ بھی تھے، اتنے میں تین شخص سامنے سے آئے پس دوتو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی (مجلس کی) طرف آگے بڑھے اور ایک چلا گیا، چنانچہ یہ دونوں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کر کھڑے ہوئے تو انہوں نے سلام کیا، پھر ایک نے حلقہ میں خالی جگہ دیکھ لی تو اسی میں (جا کر) بیٹھ گیا اور رہا سرا تو وہ (بتقاضائے حیاء) لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا جبکہ تیسرا پیٹھ پھیر کر چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو سے) فارغ ہوئے تو فرمایا کیا میں تمہیں تین اشخاص کی خبر نہ دوں؟ کہ ان میں سے ایک نے اللہ سے جگہ ہی تو اللہ نے اُسے جگہ دی (یعنی حلقہ میں) اور دوسرے کو شرم آئی (حلقہ کے اندر بیٹھنے سے یا واپس جانے سے) تو اللہ نے اس کو محروم نہیں کیا، اور تیسرا جو تھا تو اس نے گریز کیا (بیٹھنے سے) تو اللہ نے اس سے بھی گریز رمایا (یعنی اس کو نہیں بُلایا)۔

تشریح:۔قوله: "فاوی الی الله فاٰواه" پہلا بغیر مد کے ہے کیونکہ لازمی ہے جبکہ دوسرا ممدود ہے کہ متعدی ہے، یہ تینوں یا تو مسجد کے پاس سے گذر رہے تھے جن میں دو اندر آ گئے اور ایک وہیں سے چلا گیا یا پھر تینوں اندر آئے مگر ایک نے آپؐ کے قریب جانے کی کوشش کی تو اللہ نے اس کی مراد پوری کر لی جبکہ دوسرے نے بتقاضائے حیاء مجلس میں داخل ہونے کو مناسب نہیں سمجھا تو حلقہ کے کنارے بیٹھ گیا جبکہ تیسرا واپس چلا گیا اس نے ضرورت بیٹھنے کی محسوس نہیں کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اس کی پراوہ نہیں کی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے نے بھی جانے کی نیت کی ہو مگر چند قدم واپس پلٹنے کے بعد اس کو شرم آئی اور مجلس کی جانب لوٹ

Maktaba Tul Ishaat.com

گیا لہٰذا "فاستحیی" میں یہ دونوں احتمال ہیں۔ قولہ: "فاستحیی اللہ منہ" اگر حیاء وغیرہ صفات المخلوق کا اطلاق اللہ پر ہو جائے تو اس سے مراد غایات ہوتی ہیں یعنی ذکر سبب اور مراد مسبب، مسئلہ کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے علی ہذا اگر مراد یہ ہو کہ وہ مجلس کے اندر بیٹھنے سے شرما گیا تو فاستحیٰ اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے اس کی حیاء پر جزاء عطا فرمائی علی ہذا اس کا ثواب پہلے والے سے زیادہ ہوا، اور اگر مطلب یہ ہو کہ وہ واپس جانے سے رُک گیا بتقاضائے حیاء تو فاستحیٰ اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے بھی اس کو مجلس سے محروم نہیں فرمایا اور اس کا ثواب ترک نہیں کیا۔ بناء بر ہر تقدیر حیاء کا اطلاق اللہ پر مشاکلۃً ہوا ہے جیسے "ان المنافقین یخٰدعون اللہ وھو خادعھم"۔ (النساء آیت:۱۴۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص دینی حلقہ اور اللہ کے رسول کے جتنے قریب جانے کی نیت اور کوشش کرتا ہے تو وہ اسی تناسب سے اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے قال اللہ "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا" (الایۃ) اس کے برعکس جو شخص بے اعتنائی ولاپرواہی کرتا ہے تو وہ محروم ہو جاتا ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن جابر بن سَمُرَۃَ قال کُنّا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس احدُنا حیث ینتھی". (حسن غریب)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو ہم میں سے ہر شخص حلقے کے آخر میں بیٹھ جاتا۔

یعنی گردنیں پھلانگنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جہاں ہجوم ختم ہوتا اس کے پیچھے بیٹھ جاتے کیونکہ اس سے نہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے اور نہ ہی بات چیت اور وعظ ونصیحت میں خلل پڑتا ہے، ہاں اگر آگے جگہ خالی ہو یا کوئی معزز شخص ہو اور اس کے آگے جانے سے کسی کو تکلیف نہ ہو یا کوئی اس کو آگے مجمع میں جگہ دے یا صف میں جگہ دے تو اس کی طرف جانا جائز ہے جیسا کہ تشریحات: ص:۳۸۶ ج:۲ "باب ماجاء فی کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ" میں گذرا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء (ما)على الجالس فى الطريق

(راستے پر بیٹھنے والے کی ذمہ داری)

"عن ابى اسحاق عن البراء ولم يسمعه منه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مَرَّ بناس من الانصاروهم جلوس فى الطريق فقال: ان كنتم لابُدَّ فاعلين فرُدُّوا السلام واعينوا المظلوم واهدوا السبيل". (حسن)

حضرت ابواسحاق یہ روایت حضرت براء بن عازبؓ سے نقل کرتے ہیں مگر ان سے یہ روایت سنی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے چند لوگوں کے پاس سے گذرے جو راستہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا اگر تمہارے لئے راستہ پر بیٹھنا ناگزیر ہو تو سلام کا جواب دیا کرو! اور مظلوم کی مدد کرو! اور (بھٹکے ہوئے کو) راستہ بتایا کرو!۔

تشریح:۔ قوله: "ولم يسمعه" یعنی ابواسحاق نے یہ روایت حضرت براءؓ سے نہیں سنی ہے تاہم امام ترمذیؒ نے اس انقطاع کے باوجود اس کو حسن قرار دیا ہے کیونکہ اس کے دیگر شواہد موجود ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اولاً تو کوشش یہ ہونی چاہئے کہ راستوں پر نہ بیٹھا جائے کیونکہ وہاں سے عورتوں کے گذرنے کا بھی احتمال ہے جس سے ایک طرف بدنظری ممکن ہے تو دوسری طرف گذرنے والی عورت کو راستہ میں رکاوٹ محسوس ہوگی البتہ اگر کوئی بیٹھنا چاہے تو اس کی اجازت دی گئی مگر اس کو مشروط کیا گیا چند آداب کے ساتھ کہ سلام کا جواب دوگے، مظلوم کی مدد کروگے، اور بھولے ہوئے کو راستہ بتاؤ گے علاوہ ازیں بھی کچھ آداب ہیں مثلاً بوجھ میں مدد کرنا آج کل جیسے گاڑی کو دھکا دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اس میں تعاون کرنا وغیرہ۔

دراصل شریعت ہر موقعہ پر مسلمان کو یہ احساس دلاتی ہے کہ اس کی زندگی کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت ذمہ داریوں سے خالی نہیں ہے وہ جہاں بھی ہو اس کی فلاں فلاں ذمہ داری ہوگی ازاں جملہ راستہ کی ذمہ داریاں بتلادی گئیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی المصافحة

(مصافحہ (ہاتھ ملانے) کا بیان)

"عن انس بن مالک قال قال رجل یارسول اللہ الرجل مِنّا یُلقی اخاہ او صدیقه اَینحَنِی لہ؟ قال "لا" قال اَفیلتزمُهٗ ویُقَبِّلُه ؟قال "لا" قال فیأخذبیده ویصافحه؟ قال "نعم". (حسن)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! جب ہم میں سے ایک آدمی اپنے (مسلمان) بھائی سے ملے یا اپنے دوست سے ملے تو کیا وہ اس کے لئے جھکے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" اس نے عرض کیا تو کیا اس سے لپٹ جائے اور بوسہ دے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں" اس نے عرض کیا تو کیا (اس کی اجازت ہے کہ) اس کا ہاتھ پکڑے (یعنی) اس سے ہاتھ ملائے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں"!

تشریح:۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوالات پوچھے گئے ہیں جن میں سے دو کی آپؐ نے نفی میں جواب دیا ہے اور ایک کا اثبات میں۔ مگر دراصل یہاں چار سوالات ہیں: (۱) جھکنا (۲) معانقہ کرنا (۳) بوسہ دینا اور (۴) مصافحہ کرنا۔ (۱) ان میں پہلا یعنی جھکنا مکروہ بلکہ حرام ہے جس کا ضابطہ اگلے باب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ العرف الشذی میں فرماتے ہیں: "اما الانحناء عند الملاقات فمکروہ تحریماً کمافی فتاویٰ الحنفیة (۳،۲) معانقہ یعنی گلے ملنا اور بوسہ دینا طرفین کے نزدیک مکروہ ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے چنانچہ ہدایہ جلد چہارم کتاب الکراھیۃ میں الجامع الصغیر مع الہدایہ کی عبارت ہے:

"ویکرہ ان یقبّل الرجل فَمَ الرجل اویدہ اوشیئاً منه اویعانقه وذکر الطحاوی ان هذاقول ابی حنیفةومحمد وقال ابویوسف رحمهم الله لابأس بالتقبیل والمعانقة الخ".

مگر متاخرین حنفیہ کی اکثریت کا میلان جواز کی طرف ہے۔ چونکہ دونوں طرف روایات پائی جاتی ہیں اس لئے تطبیق یوں دی گئی ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو یا کوئی اور مفسدہ ہو جیسے مالداری کی وجہ سے ہاتھ چومنا تو پھر مکروہ ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں بلا کراہیت جائز ہے العرف الشذی میں ہے:

Maktaba Tul Ishaat.com

"وَاَمَّا التقبيل فَمُتَحَمَّلٌ والمعانقة جائزة بشرط الامن عن الوقوع فی الفتنة".

بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ سفر سے آنے والے سے معانقہ کرنا جائز ہے جبکہ عام ملاقات میں مکروہ ہے اس کے لئے امام ترمذیؒ نے اس کے بعد مستقل باب قائم کیا ہے (۴) چوتھا امر یعنی مصافحہ کرنا بالاتفاق جائز ہے۔ مصافحہ صفحہ سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے یعنی ہاتھ کی سطح اور خصوصاً ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانے کو کہتے ہیں تاہم شریعت کی اصطلاح میں اس کا اطلاق پورے ہاتھ یعنی ہتھیلی انگلیوں سمیت ملانے پر ہوتا ہے۔

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دونوں سے؟ کسی صریح وصحیح روایت سے مصافحہ کی ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کی قید ثابت نہیں ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ جائز ہے جیسا کہ دونوں ہاتھوں سے بھی جائز ہے تاہم افضل کون سی صورت ہے؟ تو صاحب تحفۃ الاحوذی نے ایک ہاتھ والی صورت پر بہت زیادہ زور لگایا ہے مگر میرے خیال میں انہوں نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے مثلاً وہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث "علّمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشهد وكَفِّي بين كفيه" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ نہیں تھا بلکہ تعلیم کا ایک طریقہ تھا حالانکہ یہ بے جا تکلف ہے کیونکہ اگر ان کی توجیہ صحیح ہوتی تو پھر امام بخاریؒ اس کو کتاب العلم میں ہی ذکر کرتے حالانکہ انہوں نے اس کو کتاب الاستیذان میں ذکر کیا ہے اور اس پر باقاعدہ دو باب قائم کئے ہیں پہلے کا ترجمۃ الباب ہے "باب المصافحة" اور دوسرا ہے "باب الاخذ باليدين وصافحَ حمادُ بنُ زيدابنَ المبارک بيديه"۔ (بخاری: ص:۹۲۶ ج:۲)

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ امام بخاریؒ کے تراجم کو بہت اہمیت دیتے ہیں مگر یہاں نہ معلوم ان کو کیا ہوا؟ شاید ان کے کوئی خاص اصول مقرر نہ ہوں۔ نیز وہ مصافحہ کو بیعت پر قیاس کر کے استدلال فرماتے ہیں کہ چونکہ بیعت ایک ہاتھ سے ہوتی ہے لہٰذا مصافحہ بھی ایک ہاتھ سے ہونا چاہئے حالانکہ یہ بھی بے جا ضد ہے کیونکہ اگر مصافحہ کا طریقہ قیاس سے ثابت کرنے کی گنجائش ہے (حالانکہ آپ تو قیاس کو اہمیت نہیں دیتے ہیں) تو پھر مصافحہ کو استلام حجر اسود پر قیاس کرنا چاہئے کہ دونوں میں مشابہت پائی جاتی ہے بیعت پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ بیعت تو ایک وعدہ ہوتا ہے اور عرب ایسے موقعوں پر ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتے تھے چنانچہ بیع کو اسی لئے صفقہ کہتے ہیں۔

بہرحال اس مسئلہ میں دونوں جانبین سے افراط وتفریط ہوتی ہے بعض علماء ایک ہاتھ سے ملانے کو غیر مسنون کہتے ہیں یہ بھی درست نہیں جبکہ غیر مقلدین ایک ہی ہاتھ ملانے پر اصرار کرتے ہیں یہ بھی زیادتی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہے۔حضرت گنگوہیؒ الکوکب میں فرماتے ہیں:

"والحق فیه ان مصافحته صلی الله علیه وسلم ثابتة بالیدوبالیدین اِلّاان المصافحة بیدواحدة لماکانت شِعار اهل الافرنج وجب ترکه لذالک".

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ کی نوعیت کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی طرح ہوگئی ہے کہ اصل شریعت میں بول قائما کی گنجائش اور ثبوت تو ہے مگر بوجوہ اس کی علماء ممانعت کرتے ہیں جس کی تفصیل "باب النہی عن البول قائما" میں گزری ہے۔(دیکھئے تشریحات: ج:۱ص:۱۰۷)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بول قائما غیر مسلموں اور خصوصاً انگریزوں کا شعار ہونے کی وجہ سے علماء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اسی طرح مصافحہ ایک ہاتھ سے بھی غیر مسلموں کے شعار ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار پایا خصوصاً جب ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف تحریکِ آزادی زوروں پر تھی۔

اگر غیر مسلموں کی مشابہت کی شناعت کی تفصیل درکار ہو تو امام ابن تیمیہؒ کی کتاب "اِقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم" کا مطالعہ کیا جائے کہ کس طرح علماء وقت شعارِ غیر ہونے کی وجہ سے مستحب کے ترک کے فتاوی دے چکے ہیں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: "کل سنة تکون شِعار اهل بدعة فترکها اولیٰ"۔

ابن تیمیہؒ نے اپنی مندرجہ بالا کتاب میں اس کی کئی مثالیں دی ہیں کہ بہت سے شافعیہ روافض کی مشابہت سے بچنے کے لئے قبر کی تسنیم مسنون کو ترک کرنے کا فتوی دیتے ہیں اور حنفیہ نے کفار کی عید کے موقع پر ان کے مشابہ لباس پہنے کو کفر قرار دیا ہے اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جس نے کفار کی عید کے موقع پر بطخ ذبح کردی گویا اس نے خنزیر ذبح کیا (ص:۱۳۵) اور امام احمدؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مہینوں اور بچوں کے نام فارسی میں رکھنا مکروہ ہیں "واما کلام احمدواصحابه فی ذالک فکثیر جداًاکثرمن ان یُحصر الخ"۔(ص:۱۳۷)

حدیث آخر:۔حضرت قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا صحابہ کرام میں مصافحہ پر تعامل تھا؟ انہوں نے فرمایا "ہاں" (حسن صحیح)۔**حدیث آخر:**۔ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام (ملاقات) کی تکمیل میں سے ہے ہاتھ پکڑنا (یعنی ہاتھ ملانا)۔

ان کی یہ دوسری حدیث ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے یعنی نماز عشاء کے بعد گفتگو کی اجازت فقط نمازی (تہجد پڑھنے والے) اور مسافر کے لئے ہے۔(دیکھئے تشریحات: ص:۴۱۶ ج:۱ "باب ماجاء فی رخصة السمر بعد

Maktaba Tul Ishaat.com

العشاء") اور اس سے قبل والے باب میں ص:۴۱۵ پر۔

حدیث آخر:۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مریض کی پوری طرح عیادت (بیمار پرسی) یہ ہے کہ تم میں سے کوئی ایک (یعنی عیادت کرنے والا) اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھ کر یا فرمایا اس کے ہاتھ پر رکھ کر اس سے پوچھے "کیف ھو" یعنی آپ کیسے ہیں؟ اور آپس کی دعا وسلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

اس حدیث کی سند علی بن یزید کی وجہ سے بتصریح امام بخاریؒ کمزور ہے تاہم اس میں جو مضمون ہے وہ اعتدال کی تلقین ہے کہ عیادت اور ملاقات کے وقت اتنی سی بات بھی کافی ہے مزید تکلف کی ضرورت نہیں، ہاں اگر کسی امر عارض کی وجہ سے اس میں کمی بیشی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ ممنوع نہیں ہے۔

حدیث آخر:۔ "مامن مسلمین یلتقیا ن فیصافحان اِلاّ غُفِرَ لھما قبل ان یتفرقا". (حسن غریب).....ویُروٰی ھذا الحدیث من غیر وجہ عن البراء".

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دو مسلمان ایسے نہیں ہیں کہ وہ آپس میں ملیں اور مصافحہ کریں مگر یہ کہ بخشے جاتے ہیں وہ دونوں قبل اس کے کہ وہ جُدا ہوں۔

اس حدیث میں نہ صرف مصافحہ کے جواز کا بیان ہے بلکہ اسے باعث مغفرت بھی قرار دیا گیا ہے تاہم اس بارے میں دوسری احادیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ صرف خاموشی سے مصافحہ گناہوں کی مغفرت کا باعث نہیں بلکہ جس سے پہلے سلام ہو اور اپنے گناہوں کی مغفرت کی طلب ہو یعنی زبانی استغفار ہو بعض روایات میں درود شریف پڑھنے کا ذکر ہے بعض میں حمد کا بھی ذکر ہے ایسی ملاقات اور مصافحہ باعث مغفرت ہے۔

بہرحال مصافحہ بالاتفاق مستحب عمل ہے امام مالکؒ اپنے مرجوع عنہ قول کے مطابق اس کو آپؐ کی خصوصیت سمجھتے تھے جیسا کہ عارضۃ الاحوذی میں ہے مگر بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرمایا ہے، البتہ فتنے کے مواضع میں مصافحہ جائز نہیں جیسے اجنبی عورتوں اور بے ریش امرد لڑکوں کے ساتھ البتہ لحیہ عورت کے ساتھ ہاتھ ملانا بہرحال ممنوع ہے جبکہ لڑکوں میں خوف فتنہ ملحوظ ہے کیونکہ بعض لوگ اخلاقی مریض اور ہم جنس پرست ہوتے ہیں۔ پھر شافعیہ نماز فجر وعصر کے بعد مصافحہ کو جائز مانتے ہیں جیسا کہ نوویؒ نے "الاذکار" میں لکھا ہے کہ باوجود غیر مشروع وغیر ثابت ہونے کے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصافحہ اصلاً یعنی فی نفسہ سنت ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کو سنت کہنا غلط ہے کیونکہ مصافحہ ملاقات کی ابتداء میں

Maktaba Tul Ishaat.com

مسنون ہے جبکہ نمازی جب ایک ساتھ کھڑے ہوجاتے ہیں تو ہاتھ نہیں ملاتے ہیں مگر جب فجر وعصر کی نماز سے فارغ ہوجائے تو پھر ہاتھ ملاتے ہیں اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے: ''ولهذا صرّح بعض علمائنا بانها مكروهة حينئذٍ وانها من البدعة المذمومة'' جناب علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے دونوں حضرات کے اقوال نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری کے قول کو ترجیح دی ہے۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ ملا علی قاریؒ کا قول واقعتاً صحیح اور راجح ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انہوں نے جو وجہ کراہیت کی بیان فرمائی ہے آیا یہ معقول اور صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر عیدین کی نمازوں کے بعد معانقہ کو کیوں مکروہ نہ کہا جائے؟ جبکہ مصافحہ کے استحباب پر اجماع اور معانقہ طرفین کے نزدیک عام حالات میں اور عند الملاقات بھی مکروہ ہے پس عید کی نماز کے بعد کیسے مستحسن ہوسکتا ہے؟؟؟

باب ماجاء فی المعانقة والقُبلة

(گلے ملنے اور بوسہ دینے کا بیان)

''عن عائشة قالت قدم زيد بن حارثة المدينةَ ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي فَأَتَاه فقرع الباب فقام اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عُرياناً يَجُرُّ ثوبه والله ما رأيته عُريانا قبله ولا بعده فاعتنقه وقَبَّلَه''. (حسن غريب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہؓ مدینہ پہنچ گئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے چنانچہ حضرت زیدؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بے ساختہ) ان کی طرف اُٹھے برہنہ حالت میں اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے، بخدا! میں نے آپؐ کو اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی برہنہ نہیں دیکھا، چنانچہ آپؐ نے ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔

تشریح:۔ قولہ: ''قدم زيد بن حارثه'' مشہور صحابی ہیں جن کو آپؐ نے مُتَبَنّیٰ بنایا تھا پھر قرآن نے اس اصطلاح اور طرز کو منسوخ کردیا جیسا کہ سورۂ احزاب میں بیان ہوا ہے تاہم آپؐ کی ان سے محبت قائم ودائم رہی السابقون الاولون میں ہیں، یہ واقعہ کس سفر سے واپسی پر پیش آیا ہے تو کسی روایت میں نظر سے نہیں گذرا ہے ممکن ہے کہ کسی غزوہ سے واپسی مراد ہو یا کسی سفر سے۔ قولہ: ''عُرياناً'' اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ آپؐ کا پورا بدن مبارک منکشف ہوا ہو اور یہ شان نبوت کے خلاف نہیں ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں

Maktaba Tul Ishaat.com

بخاری کی روایت ہے، تاہم یہاں صحیح محمل پر حدیث کو بلا تکلف حمل کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ کے کندھوں سے بالائی چادر گرگئی جہاں تک ازار کا تعلق ہے تو وہ بدستور باقی تھا۔

قولہ: "یَجُرُّ ثوبہ" چونکہ آپؐ شدت مسرت کی وجہ سے فوراً اٹھے تھے اس لئے کندھوں سے چادر کھسک گئی جسے آپؐ سنبھال رہے تھے تو گھسیٹنے کی صورت پیدا ہوگئی۔ قولہ: "والله مارأیته عُریاناً قبله ولا بعده" یعنی میں نے آپؐ کو کسی سے ملتے ہوئے یا کمرے سے باہر اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا ہے، کیونکہ آپؐ عام حالات میں گھر کے اندر بھی پورا لباس زیب تن فرماتے۔ (تدبر)

قولہ: "فاعتنقه وقبله" اس بارے میں "باب ماجاء فی المصافحة" میں ہم نے العرف الشذی اور ہدایہ کی عبارات نقل کی ہیں فلیتذکر۔ خلاصہ یہ ہے کہ معانقہ اور قُبلہ کی اباحت وکراہیت کا دارومدار خوف فتنہ سے محفوظ ہونے اور اس میں پڑنے پر ہے۔

بوسہ دینے کی اقسام:۔ الکوکب الدری کے مصنف نے الدرالمختار سے نقل کیا ہے کہ چومنے کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) پیار کرنے کی غرض سے جیسے چھوٹے بچے کو چومنا (۲) رحمت کے لئے جیسے والدین کے سر کو بوسہ دینا (۳) شفقت کے لئے جیسے بھائی کے ماتھے کو بوسہ دینا (۴) شہوت کے طور پر جیسے بیوی کا بوسہ لینا (۵) قبلہ تحیہ (دعا وسلام) جیسے اہل علم وعادل بادشاہ کے ہاتھ کو چومنا جبکہ ماھوالمختار قول کے مطابق غیر عالم اور غیر عادل یعنی عام آدمی کے ہاتھ کو بوسہ دینا مباح نہیں بعض حضرات نے قبلہ دیانت کا بھی اضافہ کیا ہے جیسے حجر اسود کا بوسہ لینا جبکہ علماء اور عظماء کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ چھوٹے بچوں، ماں باپ اور بھائی کے سر، بیوی اور حجر اسود کا بوسہ لینا جائز ہے جبکہ پانچویں قسم میں تفصیل ہے کہ اگر کسی کے علم وعدل یا زہد یا کسی اور دینی شرافت کی وجہ سے ہاتھ کو چومے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو اور بوسہ دینے والے کی نیت بھی تعظیم دینی ہو اور جس کا بوسہ لیا جارہا ہے وہ بھی بدباطنی تکبر اور عجب میں مبتلا نہ ہو اس کے علاوہ تمام صورتیں ممنوع ہیں اگرچہ بعض بعض سے زیادہ شنیع ہیں۔

کیا سجدۂ تعظیمی کفر وشرک ہے؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ قُبلہ بعض صورتوں میں جائز اور بعض میں ممنوع ہے لیکن ملاقات کے دوران جھکنا یا تعظیمی سجدہ کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں گو کہ بغیر جھکے ہاتھ پاؤں چومنے کی بعض علماء نے اجازت دی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا جھکنے کے ارتکاب سے کفر وشرک تو لازم نہیں آتا؟ یہ سوال سجدۂ تعظیمی کے بارے میں زیادہ زور سے اُٹھتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس مسئلہ پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فضل الباری شرح (تقریر) بخاری میں تفصیل سے بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگ اس کو شرکِ جلی قرار دیتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک یہ شرک نہیں ہے جس کی موٹی سی دلیل یہ ہے کہ شرک کو کبھی بھی ایک لمحہ کے لئے جائز نہیں کیا گیا ہے جبکہ سجدۂ تعظیمی کا قرآن میں دو جگہ ذکر ہے، ایک حضرت یوسفؑ کے لئے اور دوم حضرت آدمؑ کے لئے لہٰذا کہا جائے گا کہ سجدۂ تعظیمی شریعت محمدیہ میں بالکل حرام و شرک کا شعبہ اور گناہ کبیرہ ہے اس کا مرتکب مبتدع و فاسق ہے مستحق تعزیر و عذاب جہنم ہے مگر مع ہذا یہ سجدہ بت پرستی شرک جلی اور سجدۂ تعبدی کی طرح نہیں ہاں البتہ شعارِ کفر کے زمرے میں آنے والا سجدہ خواہ کسی بھی نیت سے ہو وہ کفر ہے جیسے بُت کے سامنے سجدہ کرنا چاہے نیت عبادت کی ہو یا تعظیم کی ہر صورت میں کفر و شرک جلی ہے۔ (ص:۲۱۶ تا ۲۲۳ ج:۱)

باب ماجاء فی قبلة الیدو الرجل

(ہاتھ پاؤں چومنے کا بیان)

"عن صفوان بن عَسَّال قال قال یهودی لِصاحبه اِذهب بنا الی هذا النبی فقال صاحبه لاتقل نبی انه لوسَمِعَک کان له اربعة اعیُن فَاَتَیا رسولَ الله صلی الله علیه وسلم فَسَأَلاه عن تسع اٰیات بیِّنَات فقال لهم لاتُشرکوا بالله شیئاً ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا النفس التی حَرّم الله اِلّا بالحق ولا تمشوا ببریئ الی ذی سلطان لیقتله ولاتسحروا ولاتأکلوا الربوا ولاتقذفوا محصنة ولاتولّوا الفرارَ یوم الزحف وعلیکم خاصّةً الیهودَ اَن لّاتعتدوا فی السبت فقبّلوا یَدیه ورجلیه وقالوا نشهد اَنّک نبیٌّ، قال: فمایمنعکم ان تتّبِعُونی؟ قال قالوا ان داؤدَ عَارَبَّه ان لایزال من ذُرِّیَّته نبیٌّ واِنّا نَخاف ان تبعناک ان تقتُلَنا الیهودُ". (حسن صحیح)

حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو (یعنی ہمارے ساتھ چلو) تو اس کے ساتھی (یہودی) نے کہا: نبی مت کہو کیونکہ اگر وہ تجھ سے یہ سن لیں گے تو (خوشی سے) ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی یہود کی تصدیق سے) چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے نو ۹ کھلی نشانیوں کے متعلق پوچھا، پس آپؐ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو! (۲) چوری مت کرو (۳) زنا نہ کرنا (۴) اس شخص کو قتل مت کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

سوائے جائز (شرعی) طریقہ کے (۵) کسی بے گناہ کو (یعنی بے قصور کو) کسی حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ وہ اس کو قتل کرے (یعنی کسی بے قصور کو مجرم ثابت کرنے اور قتل کروانے کی شرارت مت کرو!) (۶) جادو مت کرو (۷) سود نہ کھاؤ (یعنی سودی لین دین مت کرو) (۸) اور کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت مت لگاؤ (۹) اور بھاگنے کے لئے پیٹھ نہ پھیرو کافروں سے مقابلہ کے وقت! اور (۱۰) بطور خاص تمہارے یعنی یہود پر لازم ہے کہ ہفتہ کے دن حد سے تجاوز نہ کرو (یعنی سبت کی تعظیم میں اور امور شرع میں حد سے آگے نہ بڑھو!)

راوی نے کہا پس انہوں نے آپؐ کے ہاتھوں اور پیروں کو چوما، اور ساتھ ہی کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (اللہ کے) نبی ہیں! آپؐ نے فرمایا پھر تمہیں میری پیروی سے کیا چیز روکتی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ یہود کہتے ہیں کہ داؤدؑ نے اپنے رب سے دعا مانگی ہے کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کریں! اور یہ کہ ہم ڈرتے ہیں اگر ہم آپ کا اتباع کریں تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

تشریح:۔ قولہ: "انہ لو سمعک کان لہ اربعة اعین" یہ ایک محاورہ ہے جو خوشی اور سرور سے کنایہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی اگر وہ یہود کی زبانی اپنی تصدیق کے الفاظ سنیں تو بہت خوش ہوں گے اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، چونکہ خوشی کے وقت حواس تیز ہو جاتے ہیں اس لئے کنایہ صحیح ہے۔

قولہ: "فَسَألاہ عن تسع آیات بینات" یعنی واضحاتٍ یہ سوال نو معجزات کے بارے میں تھا یا نو احکامات؟ تو اس میں دونوں احتمال ہیں: اگر نو معجزات مراد ہوں تو پھر سوال یہ ہے کہ جواب میں تو معجزات کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نو معجزات مشہور تھے اس لئے راوی نے ان کا ذکر ضروری نہیں سمجھا اور صرف احکام پر اکتفاء کیا علی ہذا "فقال لھم لاتشرکوا الخ" میں لاتشرکوا الخ کلام مستانف ہے اور معجزات کے متعلق جواب محذوف ہے وہ معجزات یہ ہیں: (۱) ید بیضاء (۲) عصا (۳) طوفان (۴) جراد (۵) قمل (۶) ضفادع (۷) دم (۸) سنون (۹) نقص ثمرات۔ بعض نے ید اور عصا کی جگہ طمسہ اور انفلاق البحر کو شامل کیا ہے۔ ان معجزات کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اس لئے راوی نے حذف کر دیئے۔ اور اگر مراد احکام ہوں تو حاشیہ قوت المغتذی میں بحوالہ طیبی کے نقل کیا ہے کہ احکام دراصل دس تھے جن میں ایک یہود کے ساتھ مختص تھا یعنی سبت کی تعظیم والا جبکہ باقی نو/۹ عام تھے جو سب کو شامل تھے یہود نے آپؐ سے امتحان کی غرض سے نو (۹) کے بارے میں پوچھا مگر آپؐ نے وہ سارے نو احکام بھی بتلا دیئے جو عام تھے اور یہود کے خاص حکم کو بھی ظاہر فرمایا جس سے ان کو یقین آ گیا اور آپؐ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگے، احکام کو آیات اس لئے کہا کہ یہ مکلف کی شقاوت اور سعادت

Maktaba Tul Ishaat.com

پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ آیت نشانی کو کہتے ہیں۔

قولہ: "فقبّلوا یدیہ ورجلیہ" اس سے ہاتھ پاؤں کے چومنے کا جواز ثابت ہوا جس کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ طرفین مکروہ مانتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے تاہم ہاتھ چومنے کی جائز صورتوں میں یہ احتیاط لازمی ہے کہ جھکنے کے بغیر ہاتھ کو اٹھا کر چوما جائے جبکہ پاؤں کا بوسہ شعار ہندوؤں کی وجہ سے مکروہ ہے۔

قولہ: "قالوا ان داؤد دعا ربّہ الخ" انہوں نے اسلام قبول نہ کرنے کے لئے دو دلیلیں پیش کیں یا یوں کہنا چاہئے کہ دو عذر پیش کر دیئے: ایک یہ کہ یہود میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت داؤدؑ نے دعا کی ہے کہ ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے۔ دوم یہ کہ اگر ہم آپ پر ایمان لائیں تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔ گویا پہلی دلیل نقلی ہے اور دوسری عقلی مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ دوسری بات پہلی پر مرتب و متفرع ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں ایک ہی بات ہے بایں طور کہ داؤدؑ کی اولاد میں نبی آئیں گے جن پر یہود ایمان لائیں گے جس سے ان کی طاقت بڑھے گی اگر ہم آپ کی پیروی کریں تو وہ مضبوط ہو کر ہم کو قتل کر دیں گے، لیکن یہ لوگ اپنی بات و استدلال میں جھوٹے تھے کیونکہ زبور میں حضرت داؤدؑ کو بتلایا گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے اور وہ آخری نبی ہوں گے پھر حضرت داؤدؑ وحی کے خلاف کیسے دعا کر سکتے ہیں۔ اور آج تو ان کا جھوٹ بالکل صاف و بے غبار ہے۔ اگر بالفرض مانا جائے کہ حضرت داؤدؑ نے دعا فرمائی تھی تو پھر اس کا مصداق حضرت عیسیٰؑ ہیں حالانکہ یہود ان پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نزول کے بعد یہود کو قتل کر دیں گے یہاں تک کہ کوئی درخت و پتھر بھی ان کو پناہ نہیں دے گا۔

یہ حدیث ابواب التفسیر میں سورۂ بنی اسرائیل میں بھی امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے: "فسالاہ عن قول اللہ تعالیٰ: "ولقد اٰتینا موسیٰ تسع اٰیات بینات" باقی حدیث اسی طرح ہے۔

باب ماجاء فی مرحَباً

(مرحبا (خوش آمدید) کہنے کا بیان)

"عن ابی النضر ان ابامُرَّة مولیٰ اُمّ ھانئ بنت ابی طالب اخبرہ انہ سمع اُمّ ھانئ تقول ذھبت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح فوجدتُہ یغتسل وفاطمة تسترہ

Maktaba Tul Ishaat.com

بثوب، قالت: فَسَلَّمتُ، فقال: من هذه؟ قُلتُ انا اُم هانئ، اقال مرحباً بِاُمِّ هانئ فذكر قصةً فی الحديث". (صحيح)

ابوالنضر اُم ہانیؓ کے مولیٰ ابومُرّہ سے روایت کرتے ہیں، ابومرہ نے ابوالنضر کو خبر دی ہے کہ انہوں (ابومرہ) نے ام ہانی سے سُنا ہے فرماتی تھیں کہ میں فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے آپؐ کو نہاتے ہوئے پایا، اور حضرت فاطمہؓ آپؐ کے کپڑے سے آڑ کئے ہوئے تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے سلام کیا، تو آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ام ہانی ہوں، آپؐ نے فرمایا: ام ہانی! مرحبا یعنی خوش آمدید ہو!۔

تشریح:۔ قولہ: "مرحبا" رحب کشادگی کو کہتے ہیں لہٰذا مرحبا وسیع اور فراخ جگہ کو کہتے ہیں یہ الفاظ عرب مہمان کو آمد کے وقت کہتے ہیں تا کہ مہمان خوش ہو کہ اہلِ خانہ میری وجہ سے تنگ دل نہیں ہو رہے اور میری وجہ سے ان کی جگہ تنگ نہیں ہوگی گویا میزبان مہمان کو تسلی دیتا ہے کہ ہمارے ہاں آپ کے لئے بہت جگہ ہے آپ بے فکر رہے اسی طرح اہلاً وسہلاً کے الفاظ بھی ہیں یعنی یہ آپ کا اپنا گھر ہے آپ اپنے ہی گھر پہنچ گئے، اور یہاں کی جگہ بہت نرم ہے اور لوگ نرم خو ہیں ای صَادَفتَ اهلاً وسهلاً ۔ بعض کہتے ہیں کہ تقدیر اس طرح ہے کہ اتیتَ اهلاً وَوَطِيتَ سهلاً۔

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ سلام کے بعد خوش آمدیدی الفاظ کہنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر مرحبا کے مخصوص الفاظ کہے جائیں تو سنت کا ثواب ملے گا جبکہ باقی زبانوں کے الفاظ بھی جائز ہیں جیسے خوش آمدید اور پخیر راغلے وغیرہ۔

اس حدیث میں جس قصہ کی طرف اشارہ ہے وہ صحیحین میں تفصیل سے مروی ہے جو حضرت ام ہانیؓ کے شوہر کے خاندان کے دو شخصوں کی امان سے متعلق ہے۔

حدیث آخر:۔ حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ فرماتے ہیں کہ جس روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا: "مرحبا بالراكب المهاجر" دونوں حدیثوں میں مرحبا کے بعد "با" زائد بنانا بھی جائز ہے یعنی اَتَيتَ موضعاً رحباً ای واسعاً لاضيقاً" اور تعدیت کے لئے بھی مان سکتے ہیں ای اَتی اللہ بک مرحباً۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس ہجرت فتح مکہ کے بعد بھی باقی ہے کیونکہ حضرت عکرمہ فتح مکہ کے دن بھاگ

Maktaba Tul Ishaat.com

کر یمن چلے گئے تھے مگر ان کی بیوی ام حکیم بنت الحارث یمن جا کر ان کو واپس لے آئیں اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا، اس سلسلہ میں کشتی کا واقعہ بھی مشہور ہے ہوسکتا ہے کہ دونوں اسباب رونما ہوئے ہوں، حضرت عکرمہ مخلص صحابی بن گئے تھے اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے، کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ لوگ واہل مدینہ ان کو عدو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا: ''الناس معادن، خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذافقھوا''۔ باب کی دوسری حدیث سند کے اعتبار سے کمزور ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح کی ہے۔

باب ماجاء فی تشمیت العاطس

(چھینکنے والے کے لئے دعائی کلمات)

عارضۃ الاحوذی میں اس باب کو ماقبل سے الگ کر کے ''کتاب الادب'' کا عنوان قائم کیا ہے۔

''عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :للمسلم علی المسلم سِتٌّ بالمعروف یُسَلِّم علیه اذالَقِیَه ویجیبُه اذادعاه ویُشَمِّتُه اذاعَطَسَ ویعودُه اذامَرِضَ ویَتَّبِعُ جنازته اذامات ویُحِبُّ له ما یحب لِنفسه''.(حسن)

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ پسندیدہ حقوق ہیں:(۱) اس کو سلام کرے جب اس سے ملے۔(۲) جب وہ اس کو دعوت دے تو اسے قبول کرے۔(۳) اور اس کے لئے دعائے خیر کرے جب وہ چھینکے (یعنی جواب میں یرحمک اللہ کہے)۔(۴) اور اس کی بیمار پرسی کرے جب وہ بیمار ہوجائے۔(۵) اور اس کے جنازے کے پیچھے جائے جب وہ انتقال کرے۔(۷) اور اس کے لئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح:۔قولہ:''ست بالمعروف'' کلام میں تقدیر ہے اور سِتٌّ صفت اول اور بالمعروف صفت دوم ہے یعنی للمسلم علی المسلم خصال ست مُتَلَبِّسَةٌ بالمعروف ۔معروف اس بات اور کام کو کہتے ہیں کہ جس پر اللہ راضی ہوتا ہے، اور عقلاً بھی وہ خوبی ہو۔قولہ:''اذدعاہ'' دعوت عام ہے چاہے کھانے کی ہو یا کسی کام وحاجت کے لئے۔قولہ:''ویشمّتُه'' باب تفعیل کا صیغہ مضارع ہے شماتت سے ماخوذ ہے تکلیف پر دشمن کے اظہار مسرت کو کہتے ہیں علی ہذا تفعیل سلب ماٰخذ کے لئے ہے یعنی اللہ آپ کی تکلیف پر دشمن کو خوشی

Maktaba Tul Ishaat.com

منانے کا موقع نہ دے، تاہم یہاں معنی "یرحمک اللہ" کہنا ہے۔ اگلے تین جملوں کی تشریح پہلے گذری ہے۔

پھر یہ حقوق واجب علی الکفایہ ہیں یعنی اگر بعض نے ادا کیا تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ اس حدیث کے مقابلہ میں باب کی اگلی حدیث زیادہ صحیح ہے اور مسلم میں بھی ہے، دونوں کا مضمون ایک ہی ہے البتہ اُس میں یتبع جنازتہ کے بجائے "یشھدہ" کے الفاظ ہیں جس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ جنازہ میں حاضر ہو جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب اس کی موت قریب ہو جائے یعنی عندالنزع تو یہ اس کے پاس حاضر ہو جائے، نیز اُس میں بجائے ویحب لہ مایحب لنفسہ کے "ولینصح لہ اذاغاب اوشھد" کے الفاظ ہیں یعنی اس کی غیر موجودگی اور موجودگی دونوں حالتوں میں اس کی خیر خواہی کا خیال رکھے۔ (صحیح)

باب مایقول العاطس اذاعَطَسَ

(چھینک آنے پر کیا کہنا چاہئے)

"عن نافع ان رجلاً عَطَسَ الی جنب ابن عمر فقال الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ فقال ابن عمر: وانا اقول: الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھٰکذا عَلَّمَنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عَلَّمَنَا ان نقول الحمدللہ علی کل حال". (غریب)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کے پہلو میں ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے (چھینکنے کے بعد) کہا الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ، پس ابن عمرؓ نے فرمایا میں بھی کہتا ہوں کہ الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ (لیکن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا (بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم کہیں الحمدللہ علی کل حال۔

تشریح:۔ ابن عمرؓ کی نکیر و تردید کا مقصد یہ ہے کہ چھینکنے والے نے جو کلمات پڑھے ہیں ان کی اچھائی میں کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ مقام ان کلمات کا نہیں ایسے موقع پر ذکر مسنون وماثور فقط الحمدللہ علی کل حال ہے، درود پڑھنے کا یہ موقع نہیں لہٰذا اذکار ماثورہ میں ردوبدل نہیں کرنا چاہئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ بظاہر ایسی زیادتی مفید معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ نقصان ہوتا ہے جیسے اذان کے جواب میں لاالہ الااللہ پر محمد رسول اللہ کا اضافہ نہیں ہونا چاہئے اسی طرح دیگر امثال میں بھی اضافہ سے بچنا چاہئے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ چھینک پر صرف الحمدللہ کہنا چاہئے جیسا کہ بخاری میں ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے: ''فلیقل الحمد للّٰہ'' مگر دوسرے حضرات اس اضافہ کو اسی طرح الحمدللہ رب العالمین کہنے کو جائز بلکہ افضل سمجھتے ہیں اور حدیث باب میں ابن عمرؓ کے قول کا مطلب ظاہر پر حمل کر کے کہتے ہیں کہ حمد پر اضافہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ اضافہ حمد کے متعلقات میں سے ہو، دوسرے اذکار کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا اگلے باب کی احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

باب ماجاء کیف یُشمّتُ العاطس؟

(چھینکنے والے کو جواب دینے کا بیان)

''عن ابی موسیٰ قال کان الیھود یتعاطسون عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یرجون ان یقولَ لھم یرحمکم اللہ، فیقول یھدیکم اللہ ویصلح بالکم''. (حسن صحیح)

یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکا کرتے تھے (یعنی تکلف کر کے) ان کی خواہش ہوتی کہ آپؐ ان کو ''یرحمکم اللہ'' کہیں، مگر آپؐ فرماتے اللہ تمہیں ہدایت دیں اور تمہاری حالت درست فرمائیں۔

قولہ: ''بالکم'' بال قلب کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد حال ہے چونکہ رحمت تو مؤمنین کے ساتھ مختص ہے اس لئے آپؐ ان کے لئے ہدایت اور توفیق وقلبی حالت کی اصلاح کی دعاء فرماتے تاکہ جو رحمت ایمان پر موقوف ہے اس کا موقوف علیہ پہلے حاصل ہو تب ہی موقوف کا ترتب ہوگا۔

حدیث آخر:۔ حضرت سالم بن عبید (الاشجعیؓ اصحاب صفہ میں سے تھے) سے مروی ہے کہ وہ ایک سفر میں لوگوں کے ہمراہ تھے تو لوگوں میں سے ایک شخص کو چھینک آئی پس اس نے کہا: ''السلام علیکم'' تو حضرت سالم بن عبیدؓ نے فرمایا ''علیک وعلیٰ امک'' (یعنی تجھ پر سلام ہو اور تیری ماں پر) تو اس آدمی نے اس بات کو محسوس کیا (یعنی تنگ دل ہوا) پس حضرت سالمؓ نے فرمایا ارے! میں نے تو وہی بات کہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک لی اور کہا: ''السلام علیکم'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علیک وعلی اُمّک'' (آپؐ نے اس کے بعد فرمایا) جب تم میں سے کوئی ایک چھینک لے تو کہے: ''الحمدللہ رب العالمین'' اور جو شخص اس کو جواب دے تو کہے ''یرحمک اللّٰہ'' اور چاہئے کہ وہ (چھینکنے والا) کہے ''یغفر اللہ لی ولکم''۔ ھذا حدیث اختلفوا فی

Maktaba Tul Ishaat.com

روایۃ الخ یعنی یہ روایت متعدد کتب میں مروی ہے مگر اس کی سند اختلافی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے۔

قولہ: "علیک وعلیٰ امک" اس جواب میں دو نکتے ہیں: ایک یہ کہ جس طرح علی امک یعنی مخاطب کے بجائے اس کی ماں غائبہ کو سلام کرنا بے محل ہے تو اسی طرح چھینک کے بعد سلام بھی بے موقع ہے۔ دوسرا یہ کہ تجھے ماں نے تعلیم دی ہے اس لئے تیری ترتیبات غیر مرتب ہیں اگر تم مردوں سے تعلیم حاصل کرتے تو یہ کمی باقی نہ رہتی! کیونکہ عورتیں تو صرف ابتدائی تعلیم ہی دے سکتی ہیں جبکہ کامل تعلیم مردوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی ایوب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذاعطس احدکم فلیقل الحمدللہ علی کل حال ولیقل الذی یَرُدُّ علیہ "یرحمک اللہ" ولیقل ھو "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم".

جب تم میں سے کوئی ایک چھینک لے تو چاہئے کہ وہ "الحمدللہ علی کل حال" کہے اور جو شخص اس کو جواب دے تو اسے چاہئے کہ وہ "یرحمک اللہ" کہے اور اُسے (چھینکنے والے کو) "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہنا چاہئے۔

اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے جسے بخاری نے صحیح میں مرفوعاً روایت کیا ہے:

"اذاعطس احدکم فلیقل الحمدللہ، ولیقل لہ اخوہ اوصاحبہ یرحمک اللہ فاذاقال لہ یرحمک اللہ فلیقل یھدیکم اللہ ویصلح بالکم".

ان روایات سے معلوم ہوا کہ چھینکنے والے کو جواب دینا الفاظ مذکورہ کے ساتھ یعنی "یرحمک اللہ" کہنا ضروری ہے حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ قول کے مطابق یہ جواب واجب علی الکفایہ ہے۔ ایک روایت استحباب کی بھی ہے اسی طرح فرض علی الکفایہ کا بھی قول ہے جبکہ شافعیہ کے نزدیک سنت علی الکفایہ ہے۔ بنابر ہر تقدیر جواب اس وقت دیا جائے گا جب چھینکنے والا الحمدللہ کہے اور ساتھ والا سنے۔ اس لئے چاہئے کہ چھینکنے والا الحمدللہ اتنے زور سے کہہ دے کہ حاضرین سن سکیں۔ اس بارے میں امام ابوداؤدؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے ساحل پر چھینکنے والے سے الحمدللہ سُنا، کشتی تو گزر گئی لیکن جواب دینے کے لئے آپ نے کرایہ پر کشتی لی اور قریب جاکر یرحمک اللہ کہہ دیا۔

پھر چھینکنے والا یغفر اللہ لنا ولکم کہہ دے جیسا کہ امام طبرانیؒ نے ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہما سے نقل کیا ہے اور حنفیہ نے اسے اختیار کیا ہے یا پھر حدیث باب کے مطابق "یھدیکم اللہ و

Maktaba Tul Ishaat.com

یصلح بالکم'' کہے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں میں اختیار ہے جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کو جمع کردے۔ (کذا فی تحفۃ الاحوذی)

باب ماجاء فی ایجاب التشمیت بحمد العاطس

(چھینکنے والے کی تحمید کرنے پر یرحمک اللہ کہنا واجب ہے)

''عن انس بن مالک ان رجلین عَطَسَا عندالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فَشَمَّتَ اَحَدَھُما ولم یُشَمِّتِ الآخرَ فقال الذی لم یُشَمِّتہ یارسول اللہ شَمَّتَّ ھذاوَلَم تُشَمِّتنی ؟فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ حمداللہ وانک لم تحمدہ!'' (حسن صحیح)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ دو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکے آپؐ نے ان میں سے ایک کو دعائے رحمت دی (یعنی یرحمک اللہ کہا) اور دوسرے کو دعائے خیر نہیں دی تو وہ شخص جس کو آپؐ نے دعاء نہیں دی تھی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کو دعا دی اور مجھے نہیں دی؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ اس نے اللہ کی حمد بیان کی تھی اور تم نے نہیں کی تھی۔

تشریح: سابقہ باب میں عرض کیا جاچکا ہے کہ جواب دینا حمد سننے سے مشروط ہے۔ اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یہ مسئلہ بعینہ سلام اور جواب سلام کی طرح ہے۔ (فتذکر)

چونکہ چھینک آنا اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے کیونکہ ایک تو اس کے ذریعہ وہ گرد وغبار خارج ہوجاتا ہے جو سانس کی نالی میں پھیپھڑوں میں جانے کی کوشش کرتا ہے۔ دوم اس سے چستی جنم لیتی ہے، اس لئے اس پر اللہ کی ستائش ہونی چاہئے جس نے ہمارے جسم میں ایسا اعلیٰ نظام قائم کیا جو خودکار مشین کی طرح چلتا رہتا ہے اور خود بخود اپنا دفاع کرتا ہے، پس جو شخص چھینکنے کے بعد تحمید نہ کرے اس نے گویا اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اس لئے وہ دعا کا مستحق نہیں تو حاضرین میں سے کوئی اس کو دعا دینے کا پابند نہیں بلکہ بعض روایات میں جواب کی نفی ہے۔

باب ما جاء کم یشمّت العاطس

(چھینکنے والے کو کتنی بار دعا دی جائے)

''عن ایاس بن سلمۃ عن ابیہ قال عَطَسَ رجل عندرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Maktaba Tul Ishaat.com

وانا شاهد فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يرحمك الله ثم عَطَسَ الثانية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هذا رجل مزكوم".(حسن صحيح)

حضرت ایاس اپنے والد سلمہ بن اکوعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینک آئی اور میں (بھی) وہاں موجود تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یرحمک اللہ" پھر اس نے دوبارہ چھینک لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ زکام زدہ شخص ہے۔

تشریح:۔ باب کی اگلی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے تیسری مرتبہ چھینکنے پر یہ جواب دیا کہ تجھے زکام ہوا ہے، جبکہ تیسری حدیث میں ہے کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ جواب دے دو (یعنی یرحمک اللہ کہو) اگر اس سے زیادہ چھینکے تو تیری مرضی ہے جواب دو یا نہ دو!۔ (مگر اس کی سند مجہول ہے)

بظاہر ان تینوں روایات میں تعارض ہے جس کو دُور کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں: (۱) ایک ترجیح کی (۲) دوم تطبیق کی، پس امام ترمذیؒ نے دوسری حدیث کو ترجیح دی ہے اور تیسری کو ضعیف قرار دیا ہے جبکہ ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں تیسری حدیث کو ترجیح دی ہے یہ ترجیح باعتبار سند کے نہیں ہے کیونکہ سند تو بتصریح ترمذی مجہول ہے بلکہ از روئے احتیاط ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"العاشرة: اذا زاد على الثالثة روى ابو عيسىٰ حديثاً مجهولاً فَان شِئتَ فشمّته وان شئت فلا وهو وان كان مجهولاً فانه يستحبُّ العمل به لانه دعاء بخير وصلة لِلجليس وتوددله".

الکوکب الدری میں ہے کہ پہلا جواب واجب ہے دوسرا مستحب ہے اور تیسرا قریب الی المستحب ہے اور اس کے بعد مباح ہے، اور جب زکام کا علم ہو جائے تو پھر جواب دینا واجب نہیں خواہ چھینک آنے سے پہلے معلوم ہو یا چھینکنے کے ایک یا دو یا تین دفعہ بعد معلوم ہو جائے۔ پھر اگر کسی نے مکرر چھینکوں کا آخر میں ایک ہی جواب دیا تو حاشیہ الکوکب الدری میں بحوالہ طحطاوی علی المراقی من شرح المؤطا للقاریؒ لکھا ہے کہ یہ بھی کافی ہے جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔

پھر حدیث باب کا یہ مطلب نہیں کہ زکام والا شخص دعا کا مستحق نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ یرحمک اللہ جو چھینکنے والے کو دعائے خیر ہے کا مستحق نہیں مرض کی شفایابی کی دعا کا تو مستحق ہے ہی۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی خفض الصوت وتخمیر الوجه عندالعُطاس

(چھینکنے کے وقت آواز پست کرنے اور مُنہ ڈھانکنے کا بیان)

"عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم کان اذاعَطَسَ غَطّی وجهَه بیده اوبثوبه وغَضّ بهاصوتَه". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب چھینک آتی تو آپؐ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھ یا اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور چھینک کی آواز کو آہستہ فرماتے تھے۔

تشریح:۔قولہ: "وَغَضّ بها" ای خفض بالعطسة صوتَه یعنی چھینک کی آواز کو پست فرماتے ویسے تو عام حالات میں بھی آواز کو پست رکھنا محمود بلکہ مامور بہ ہے قال الله حکایةً عن لقمٰن "وَاغضُض مِن صوتِکَ اِنَّ اَنکرالاصَواتِ لَصوتُ الحمیر "۔(سورۂ لقمٰن: آیت:۱۹) تاہم چھینکنے کی آواز چونکہ محض صوت ہی ہے کوئی کلام نہیں ہے جو بظاہر ایک بے مقصد آواز ہے البتہ ہے تو غیر اختیاری جس سے مقصود فضلہ اور غیر ضروری بلکہ مضر مواد کا اخراج ہے اور "والضروری یقدربقدرالضرورة" اس لئے اس کو پست رکھنا محمود ہوا۔

جہاں تک منہ ڈھانپنے کا تعلق ہے تو عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اگر وہ مُنہ نہ ڈھانکے تو شاید اس کے سامنے کوئی بیٹھا ہو پھر اس کو دائیں یا بائیں جانب مُنہ موڑنا پڑے اور اس میں ایسا ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ منہ موڑ دیا اور چھینک کے ساتھ گردن کی ہڈی یا رگ اپنی جگہ سے اُتر گئی اور منہ ٹیڑھا رہ گیا اور اگر سامنے کی طرف چھینکتا ہے تو آگے والے پر رطوبت کے ذرات لگیں گے (خاص کر جب کوئی کھانا کھا رہا ہو، یا کوئی دوسری نازک چیز موجود ہو جیسے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر وہ خراب ہوگی)۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ یہ علت کھانسنے میں بھی موجود ہے اس لئے آدمی کو چاہئے کہ کھانستے وقت یا تو منہ پر کپڑا یا ہاتھ رکھے یا پھر منہ دوسری جانب موڑ دے خصوصاً زکام اور ٹی بی (T B) کی صورت میں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء ان اللہ یُحِبُّ العُطاسَ ویکرہ التثاؤُبَ

(چھینک کی مدح اور جمائی کے ذم کا بیان)

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: العُطاسُ من اللہ والتثاؤُبُ من الشیطان فاذاتثاءَ ب احدُکم فلیضع یدہ علی فِیہ واذاقال: "آہ آہ" فان الشیطان یضحک من جوفہ وان اللہ یحب العُطاس ویکرہ التثاؤب فاذاقال الرجل "آہ آہ" فان الشیطان یضحک من جوفہ". (حسن)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھینک آنا اللہ کی طرف سے (نعمت) ہے اور جمائی لینا شیطان کی طرف سے (کاہلی کا اثر) ہے، پس تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے اور جب وہ (جمائی لینے والا) آہ، آہ کرتا ہے تو شیطان اس کے (کھلے) منہ پر ہنستا ہے (یعنی مذاق اُڑاتا ہے) اور بے شک اللہ (بندے کی) چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے، اور جب کوئی شخص (منہ کھول کر) آہ، آہ کرتا ہے جب جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے اس کے اندر (کے دیکھنے یا داخل ہونے) سے۔

تشریح:۔ بعض نسخوں میں حدیث کا آخری حصہ جو مکرر معلوم ہوتا ہے موجود نہیں ہے ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صرف حسن کہا ہے مگر ابن عجلان کی اور احادیث کی انہوں نے تصحیح کی ہے لہٰذا باب کی حدیث بھی صحیح ہے اور اس مضمون کی حدیث بخاری میں بھی ہے البتہ اس میں آہ، آہ کے الفاظ نہیں بلکہ "فلیردہ ما استطاع" کے الفاظ ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ص:۴۶۴ ج:۲ "باب صفۃ ابلیس وجنودہ، کتاب بدأ الخلق")

جمائی کے بارے میں قدرے تفصیل پہلے گذری ہے فلیراجع تشریحات ترمذی: ص:۲۱۵ ج:۲ "باب ماجاء فی کراھیۃ التثاؤب فی الصلوٰۃ")۔

چونکہ جمائی زیادہ کھانے اور بدن کے ثقل کا اثر ہے اس لئے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ناپسند ہے جبکہ چھینکنا بدن کی تخفیف کا اثر بھی ہے اور خفت کو مقتضی بھی ہے اس لئے اللہ کو پسند ہے، اور ضابطہ یہ ہے کہ اچھی چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف ہونی چاہئے اور بُری اشیاء کی نسبت شیطان کی طرف کیونکہ شیطان بُرائی پر خوش ہوتا ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

اس پر اُکساتا ہے، اگرچہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔

آج کل سائنسی تحقیق کے مطابق انسانی دماغ اور کمپیوٹر میں یہ بات بھی قدرے مشترک ہے کہ کمپیوٹر گرم ہونے کی صورت میں کام کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے اس کی رفتار بتدریج کم ہوتے ہوتے تقریباً ختم ہو جاتی ہے تو جس طرح کمپیوٹر کو ٹھنڈک کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح دماغ بھی جمائی کے ذریعہ اپنی زائد حرارت خارج کرتا ہے۔ تاہم یہ ایک نظریہ ہے۔ اگر اس وجہ کو صحیح مانیں بھی تو اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کے مزاج انتہائی معتدل ہوا کرتے تھے اس لئے ان کے دماغ کا حد سے زیادہ گرم ہونے اور کام میں سُستی و کاہلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے ان کو جمائی لینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

بہر حال چھینک کو روکنا طبی لحاظ سے صحت کے لئے نقصان دِہ ہے جبکہ جمائی کے روکنے سے کچھ بھی نقصان نہیں ہوتا ہے اس لئے جمائی کو روکنے کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے جمائی کو روک لیا جائے جبکہ چھینک کو روکنا تو نہیں چاہئے مگر آواز پست کرنے کی بھرپور کوشش کی جانی چاہئے۔

قولہ: "فان الشیطان یضحک مِن جوفه" یضحک ظاہری معنی یعنی ہنسنے پر محمول کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اس سے مراد خوش ہونا بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ انسان کا دشمن ہے اور جمائی کے وقت آدمی کی شکل بہت بُری محسوس ہوتی ہے اس لئے شیطان خوش ہو جاتا ہے اس سے بچنے کی اچھی تدبیر جمائی کو روکنا ہے مگر آنے کی صورت میں منہ پر ہاتھ رکھنا ہے تاکہ منہ کھلا ہوا نظر نہ آئے۔ بعض روایات میں ہے کہ شیطان داخل ہوتا ہے بنابر ہر تقدیر جمائی سے اور خصوصاً منہ کھولنے سے بچنا چاہئے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ان الله یحب العُطاسَ ویکره التثاؤبَ فاذاعطس احدکم فقال الحمدلله فحقٌ علی کل من سمعه ان یقول یرحمک الله واما التثاؤب ،فاذاتثاء ب احدکم فَلیرُدَّه ماستطاع ولایقول هاه،هاه فانما ذالک من الشیطان یضحک منه". (صحیح)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ (بندے کی) چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند فرماتا ہے پس جب تم میں سے کوئی ایک چھینکے اور اس پر الحمدللہ کہے تو لازم ہے ہر اس شخص پر جو اس تحمید کو سُنے کہ یرحمک اللہ کہے اور جمائی جو ہے تو (اس کا حکم یہ ہے کہ) جس کو بھی تم میں سے جمائی آئے تو اس کو جہاں تک ہو سکے روکے اور ہاہ، ہاہ نہ کرے کیونکہ یہ شیطان کی

Maktaba Tul Ishaat.com

طرف سے ہے وہ اس سے ہنستا ہے۔ یعنی کسی طرح شیطان کو خوش ہونے، مذاق کرنے اور داخل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔

باب ماجاء ان العُطاس فی الصلوٰۃ من الشیطان

(نماز میں چھینک آنا شیطان کا اثر ہے)

"عن عدی.....عن جدہ(دینار)رفعہ قال العُطاس والنعاسُ والتثاؤُبُ فی الصلوٰۃ والحیض والقیٔ والرعاف من الشیطان". (ھذاحدیث غریب)

حضرت عدی ابن ثابت اپنے والد ثابت الانصاری سے، اپنے جد سے (جن کا نام بقول یحییٰ بن مَعین، دینار ہے) روایت کرتے ہیں وہ اس کو مرفوع نقل کرتے ہیں کہ نماز میں چھینک آنا، اُونگھنا، جمائی لینا اور حیض، قے اور نکسیر شیطان کی طرف سے ہیں۔

تشریح:۔ یہ روایت ضعیف ہے لیکن بصورت صحت مراد شدت سے چھینکیں آنا اور اونگھنا ہے جیسا کہ ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں یہی توجیہ کی ہے: "ویبیّن ان ماخفّ منہ لایعدمنہ"۔

پھر ان چھ میں سے تین کو الگ ذکر کیا اور بیچ میں "فی الصلوٰۃ" کے لفظ سے باقی تین کو الگ کر دیا کیونکہ آخری تینوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے بخلاف اوائل کے۔ اور شیطان کی طرف نسبت کرنے کی وجہ وہی ہے جو پہلے عرض کی جا چکی ہے یعنی شیطان کو ان امور سے خوشی ہوتی ہے کہ عبادت متأثر یا ختم ہو جاتی ہے۔ پھر چھینک اگرچہ ایک رحمت ہے مگر نماز میں روکنا چاہئے جس کا ضابطہ یہ ہے کہ جب چھینک آئے تو اس کے روکنے کے لئے کسی عضو کو اور خصوصاً اوپر والے ہونٹ کا وہ حصہ جو ناک سے ملا ہوا ہے دبانا مجرب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دماغ کسی اور جانب متوجہ ہو جاتے ہیں تو چھینک یکسر ختم ہو جاتی ہے علی ہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب نماز میں انہماک رہے تو نہ چھینک آسکتی ہے، اور نہ ہی اُونگھ اور جمائی آسکتی ہے پس ان تینوں کا آنا نماز میں عدم خشوع کی علامت ہے اس لئے ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا اور یہ دوسری وجہ ہو جائے گی ان تینوں کو الگ ذکر کرنے کی کیونکہ آخری تین انسانی بس کی بات نہیں اور نہ ہی ان کا خشوع سے کوئی تعلق ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی کراهیة ان یُقامَ الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه

(کسی کو اس کی نشست سے اٹھا کر، اس کی جگہ خود بیٹھنا مکروہ ہے)

"عن ابن عمران رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لایقیم احدُکم اَخَاه من مجلسه ثم یجلس فیه". (حسن صحیح)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنے (اسلامی) بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے (تاکہ) پھر خود اس میں بیٹھ جائے۔

تشریح:۔ قولہ: "من مجلسه" یعنی ایسی جگہ جہاں اس کے لئے بیٹھنا کسی طرح ممنوع نہیں تھا جیسے مباح مواضع مثلاً مسجد کی عام جگہ یا دوسری کوئی جگہ جیسے لوکل بسوں میں جو بھی پہلے سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اُس کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے اٹھا کر خود اس کی سیٹ پر قبضہ کر لے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہی تحریم کے لئے ہے، کیونکہ ایسا کرنا دوسرے کی حق تلفی بھی ہے اور تکبر بھی ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ شخص اٹھنے سے انکار کر دے اور جھگڑے کی صورت پیدا ہو جائے اس لئے اس کوشش کو ناجائز قرار دیا۔

اس کے برعکس اگر کوئی جگہ دوسرے کے لئے متعین ہے جیسے بک شدہ سیٹ یا استاذ کے لئے بنی ہوئی نشست اور غیر متعلقہ آدمی آ کر اس پر بیٹھ جاتا ہے تو اس کو اٹھانا جائز ہے کیونکہ قصور سارا اس کا ہے جو دوسرے کا حق مارتا ہے۔

باب کی اگلی حدیث پر یہ اضافہ ہے کہ: "وکان الرجل یقوم لابن عمر فما یجلس فیه" آدمی ابن عمرؓ کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ جاتا مگر آپؓ اس جگہ میں نہیں بیٹھتے۔ ابن عمرؓ یا تو سد ذرائع کے لئے نہ بیٹھتے یا وہ آدمی بتقاضائے حیاء کھڑا ہو جاتا دل سے اپنی جگہ چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتا جو قرائن سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر قربات میں ایثار میں اختلاف ہے شافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ باقی اشیاء یعنی ذاتی حقوق میں محبوب ہے۔ کتاب الصلوٰۃ میں گذرا ہے کہ کسی افضل شخص کے لئے صف میں جگہ دینے کے لئے اپنی جگہ سے پچھلی صف میں منتقل ہونا جائز ہے بلکہ امید ہے کہ اس پر اجر و ثواب بھی مل جائے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء اذاقام الرجل من مجلسه ثم رجع فهو احق به

(جو شخص اپنی جگہ سے اُٹھے، اور پھر اس میں بیٹھنا چاہے تو اس کا حق بنتا ہے)

"عن وهب بن حُذيفة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الرجل احق بمجلسه، وان خرج لِحاجته ثم عاد فهو احق بمجلسه". (صحيح غريب)

حضرت وہب بن حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی نشست کا زیادہ مستحق ہے، اور اگر وہ کسی غرض سے نکلے (یعنی مسجد وغیرہ سے) اور پھر واپس آجائے تو وہ اپنی جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح:۔ جیسا کہ سابقہ باب میں عرض کیا جاچکا ہے کہ جس جگہ کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو جائے اس پر بیٹھنا درست نہیں اور بیٹھنے کی صورت میں اس کو اٹھایا جاسکتا ہے، لیکن جو جگہ خالی ہے اور کسی کے ساتھ مختص نہیں تو اس پر جو شخص پہلے بیٹھ گیا وہ اسی کا حق ہے، پھر اگر وہ کسی امر عارض سے وہ جگہ چھوڑ کر کہیں چلا جائے اور واپس آنے کا ارادہ ہو اور خاص کر جب وہ کہہ دے یا کوئی نشانی چھوڑ دے یا علامات سے واپس آنا معلوم ہو تو وہ جگہ اسی کی رہے گی جب وہ واپس آجائے تو وہی اس پر بیٹھنے کا حق رکھتا ہے مثلاً مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا تھا مگر وضو کی تجدید کے لئے نکلا یا لمبا سفر ہے مگر راستہ میں بس یا دوسری گاڑی رک گئی اور لوگ اتر گئے تو گاڑی روانہ ہونے کی صورت میں ہر شخص اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھے گا۔

پھر جیسے تعلیمی اداروں میں یہ عرف ہے کہ سال کے شروع میں جو طالب علم درس گاہ میں جس جگہ بیٹھ جاتا ہے سال کے آخر تک وہ جگہ اسی کے لئے مختص ہو جاتی ہے تو وہ بھی اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے، ہاں دوسری نماز یا اگلے سال کے لئے یہ حق نہیں رہتا۔

باب ماجاء فی کراهية الجلوس بين الرجلين بغير اذنهما

(بلا اجازت دو آدمیوں کے درمیان بیٹھنا مکروہ ہے)

"عن عبدالله بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايحل لرجل ان يفرق بين اثنين إلّا باذنهما". (حسن)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لئے روا نہیں کہ وہ دو شخصوں کے درمیان جُدائی کرے مگر ان کی اجازت سے۔

تشریح:۔قولہ: "ان یفرق بین اثنین" دو آدمیوں کے درمیان تفریق کی صورت اور ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دو شخص مل کر ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ساتھ بیٹھنا ان کا ایک گونہ مقصد ہو خواہ کوئی خفیہ بات کرنا چاہتے ہوں یا ویسے اُنس ومحبت کی وجہ سے، جیسے دو ساتھی ایک ساتھ درس گاہ میں بیٹھتے ہیں یا سفر کے دوران ایک سیٹ پر بیٹھتے ہیں تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ آ کر ان کے درمیان گھس جائے کیونکہ یہ بھی حق تلفی اور ایذاء وایحاش ہے۔ہاں اگر ان کی اجازت اور خوشی سے ہو تو وہ الگ بات ہے اس کی ممانعت نہیں ہے۔اسی طرح اگر وہ قریب قریب نہ بیٹھے ہوں اور بیچ میں تیسرے کے لئے جگہ خالی ہو تو بھی اس میں بیٹھنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس جگہ اجتماع ہوتا ہو۔

باب ماجاء فی کراھیة القعود وسط الحلقة

(حلقہ کے درمیان بیٹھنا مکروہ ہے)

"عن ابی مِجلَزٍ ان رجلاً قعد وسط الحلقة فقال حُذیفة: ملعون علی لسان محمد ولعن اللہ علی لسان محمد من قعد وسط الحلقة". (حسن صحیح)

حضرت ابومجلزؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص حلقہ کے درمیان میں بیٹھ گیا تو حضرت حذیفہؓ کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہ شخص ملعون ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھتا ہے۔

تشریح:۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جیسے مداری حلقہ لگاتا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں پھر وہ لوگوں کو ہنساتا ہے، اس میں لعنت کی وجہ ظاہر ہے۔

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص علمی حلقہ کے درمیان میں آ کر بیٹھ جائے خواہ وہ حلقہ دائرہ کی شکل میں ہو اس صورت میں وہ لوگوں کی توجہ اور مخاطبہ کو متاثر کرے گا یا حلقہ بمعنی مجمع ہو کیونکہ اس میں وہ لوگوں کے درمیان بیٹھنے کے لئے گردنوں کو پھلانگتا ہوا گذرے گا اور بیچ میں بیٹھ کر جگہ تنگ کرے گا دونوں صورتوں میں تکلیف کا باعث بنے گا، تاہم یہ وعید عدم ضرورت کی صورت میں ہے اگر حلقہ کے درمیان بیٹھنا ضروری یا مقصد

Maktaba Tul Ishaat.com

میں مفید ہو تو پھر کوئی قباحت نہیں جیسے واعظ کا بیچ میں بیٹھنا جائز ہے۔

باب ماجاء فی کراهية قيام الرجل للرجل

(ایک شخص کا دوسرے کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے)

"عن انس قال لم يكن شخص احب اليهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانوا اذا رأوهُ لم يقوموا، لِمَا يعلمون من كراهيته لذالک". (حسن صحيح غريب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی پسند نہیں تھا، اور (مع ہذا) وہ جب آپؐ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔

تشریح:۔ "باب ماجاء اذا صلى الامام قعوداً فصلوا قعوداً "اور اس کے بعد "باب منه "

(تشریحات جلد: دوم ص: ۲۰۷) پر یہ مسئلہ گذرا ہے کہ شروع میں یہ حکم تھا کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو لوگ بھی بیٹھ جائیں اور مقصد اعاجم کی رسم کی مخالفت تھی کیونکہ اہل فارس میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے اعاظم وسلاطین کے لئے کھڑے ہو جاتے اور پھر اس کے گرد یا سامنے کھڑے ہی رہتے مگر جب عقائد اسلام اور اسلامی احکام واعمال میں مکمل تمایز عن الغیر آیا تو پھر آپؐ نے مرض الوفات میں نماز بیٹھ کر پڑھائی جبکہ صحابہ کرامؓ کھڑے تھے لہٰذا پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔

لہٰذا کہا جائے گا کہ اب نفس قیام میں کوئی حرج نہیں تاہم بوجوہ اس میں بعض صورتیں اب بھی ممنوع یا مکروہ ہیں گویا اس میں جواز لذاتہ ہے مگر کبھی کبھار یا بسا اوقات اس میں قبح داخل ہو جاتا ہے۔ علی ہذا اس قباحت غیری کے تناسب سے اس کی قباحت کم وبیش ہوتی رہتی ہے اور جہاں کوئی قباحتِ غیری نہ ہوگی تو بذات خود قیام جائز ہوگا۔

لہٰذا جن روایات سے قیام ثابت ہے وہ عدم قبح پر محمول ہیں اور جہاں نفی ثابت ہے وہ قباحت غیری کی وجہ سے گویا قیام جائز لذاتہ، ممنوع لغیرہ ہے۔

اس ضابطے کو سامنے رکھتے ہوئے اب متعدد صورتیں بن جاتی ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص اس کا خواہشمند ہو کہ اس کی تعظیم کے لئے لوگ کھڑے ہوں تو قیام کی یہ صورت سب

Maktaba Tul Ishaat.com

سے زیادہ شنیع اور اس کے تکبر میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔

(۲) اگر بغیر تکبر اور بغیر خواہش کے ہو مگر ایسا کرنے سے اس آدمی میں عجب اور تکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ صرف مکروہ ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اسی طرح جہاں تشبہ بالاعاجم آتا ہو یا ملحوظ ہو وہاں بھی کراہیت ہوگی جیسے عورت کا اپنے شوہر کے لئے اس وقت تک کھڑی رہنا جب تک وہ بیٹھ نہیں جاتا۔

(۳) تعظیم کے طور پر نہ ہو بلکہ اکرام اور قدردانی کی وجہ سے ہو اور مندرجہ بالا دونوں علتیں یعنی پہلی دونوں صورتیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے جیسے اپنے والد اپنے دوسرے بزرگوں یا استاذ کے لئے کھڑا ہونا اگرچہ اس کا ترک اولیٰ ہے، عارضۃ الاحوذی میں اس صورت کو محظور ومکروہ سے مستثنیٰ کیا ہے:

"قال ابن العربیؒ: الاان یکون الولد للوالد والتلمیذ مع الاستاذ او الولی الملاطف الذی صفا قلبه و امن غیبه فتزول العلة فیزول الحکم الخ".

یعنی اس شرط پر کہ قیام اس کے لئے مضر نہ ہو۔

(۴) اگر کوئی سفر سے واپس آئے تو اس کے استقبال کے لئے، یا کسی کو مبارک باد پیش کرنے کے لئے یا جگہ دینے کے لئے اٹھنا پڑے تو یہ مستحب ہے یا کم از کم جائز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

تاہم آج کل ہم پر حُب جاہ کا غلبہ ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ کسی بھی شخص کو اپنے حق میں قیام سے روکیں کیونکہ اگر بالفرض ہمارے دلوں پر اس کا بُرا اثر نہ بھی ہوتا ہو تو کم از کم دوسروں کے لئے ایک رہنما اصول بنانا تو پھر بھی قابل تحسین عمل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر قیام سے منع کرتے اور شاید حدیث باب میں اس کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

باب کی اگلی حدیث ابو مجلزؒ سے مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ (گھر سے) نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہما دونوں ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، پس حضرت معاویہؓ نے فرمایا: بیٹھ جایئے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سُنا ہے کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (حسن)

قولہ: "اَن یَتَمَثَّلَ لَه" تمثل کے معنی نقشہ اور مثال پیش کرنے کے ہیں مگر صلہ میں "لام" آجائے تو بمعنی سامنے آنے اور سامنے کھڑے ہونے کے آتا ہے قال اللہ تعالیٰ: "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَراً سَوِیّاً"۔

حضرت معاویہؓ کی اگرچہ یہ خواہش نہ تھی کہ لوگ ان کے سامنے کھڑے رہیں یا کھڑے ہو جائیں مگر

Maktaba Tul Ishaat.com

پھر بھی انہوں نے روکا شاید یہ سدذرائع کے لئے تھا جیسے سابقہ تین باب سے پہلے باب میں گذرا ہے کہ ابن عمرؓ کے لئے کوئی جگہ خالی چھوڑنے کے لئے اٹھتا تو وہ اس جگہ پر نہیں بیٹھتے تھے۔

بہرحال سب سے اچھی اور بے غبار بات یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی بھی کھڑا ہو جائے تو اسے سمجھا کر روکنا چاہئے تاکہ تعظیم کی شکل پیدا نہ ہو۔ تاہم اگر کبھی کبھار جائز صورتوں پر عمل ہو جائے تو اس میں زیادہ قباحت محسوس نہیں کرنا چاہئے لیکن معمول بنانے سے بچنا اور منع کرنا چاہئے اس لئے مقتدی اور پیشوا شخص کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو روکے۔

باب ماجاء فی تقلیم الاظفار

(ناخن تراشنے کا بیان)

"عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :خمس من الفطرة الاِستِحداد، والخِتان، وقَصُّ الشارب ونتف الإِبط وتقلیم الاظفار". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزیں فطرت (یعنی انبیاء کی سنت) میں سے ہیں: (۱) زیرناف بالوں کو صاف کرنا (۲) ختنہ کرانا (۳) مونچھیں کترنا (۴) بغلوں کے بال نوچنا (اکھاڑنا) (۵) ناخنوں کو تراشنا۔

حدیث آخر:۔ "عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال:عشرمن الفطرة قص الشارب واِعفاء اللحیة والسواک والاستنشاق وقص الاظفاروغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاصُ الماء قال زکریاقال مُصعب ونسیتُ العاشرة الاان تکون المضمضة". (حسن)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس باتیں فطری ہیں: (۱) مونچھیں کاٹنا (۲) ڈاڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی چڑھانا (۵) ناخن تراشنا (۶) انگلیوں کے جوڑ دھونا (۷) بغل کے بال اکھاڑنا (۸) زیرناف بال مونڈنا (۹) پانی سے استنجاء کرنا (۱۰) راوی مصعب کہتے ہیں کہ دسویں چیز میں بھول گیا ہوں شاید وہ کلی کرنا ہی ہے۔

تشریح:۔ باب کی پہلی حدیث تو بالاتفاق صحیح ہے اور صحیحین کے علاوہ متعدد کتب میں بھی مروی ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

جبکہ دوسری حدیث اگرچہ مسلم میں بھی ہے مگر اس میں مصعب بن شیبہ ہیں، عارضۃ الاحوذی میں ہے: ''وَغَمَزَہ الناس''، العرف الشذی میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ ابن معین اور عجلی نے توثیق کی ہے جبکہ امام احمدؒ اور ابو حاتمؒ وغیرہ نے لین بیان کی ہے گویا یہ حسان کے راوی ہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے۔

قولہ: ''من الفطرة'' مراد سنن مرسلین ہیں کیونکہ ایک تو ان کی عادات فطرت کے مطابق ہوتی ہیں، دوم ان باتوں پر شرائع متفق ہیں اس لئے ان کو فطرت سے تعبیر کیا۔ قولہ: ''اِستحداد'' لوہے کا استعمال یعنی استرے وغیرہ سے زیر ناف بال کو صاف کرنا کیونکہ جب تک یہ بال صاف نہ کئے جائیں اس وقت تک صحیح استنجاء اور مکمل صفائی ممکن نہیں اور یہی مطلب دوسری حدیث میں ''وحلق العانة'' کا ہے عانہ قُبل اور دُبر دونوں مواضع کے بالوں کو کہتے ہیں پھر ان موضعین کے بال کسی طرح بھی صاف کرنا جائز ہے خواہ ادویات سے کیوں نہ ہو تاہم مرد کے لئے اُسترہ یا لوہے کا کوئی دوسرا آلہ استعمال کرنا زیادہ افضل ہے جبکہ عورتوں کے لئے اکھاڑنا بہتر ہے کیونکہ کاٹنے سے موضع میں خشونت سی پیدا ہوتی ہے۔

قولہ: ''والختان'' یہ سنت ابراہیمی ہے ایک روایت کے مطابق ان کا ختنہ اسی/۸۰ سال کی عمر میں ہوا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے، ختنہ موضع حشفہ کے اوپر کھال کے غلاف کاٹنے کو کہتے ہیں۔ ختنہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا فرض ہے یا واجب یا کم از کم سنت؟ ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی بڑی عمر میں ختنہ کرانا اس کی فرضیت کی دلیل ہے کیونکہ بالغ کے لئے سترِ عورت فرض ہے جو واجب یا سنت کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ جمہور شافعیہ، امام احمدؒ، بعض مالکیہ اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کے مطابق یہ واجب ہے، امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کے سنت ہونے کی بھی ہے، بعض شافعیہ اور عام علماء بھی اس کو سنت کہتے ہیں علی ہذا اگر کوئی غیر مسلم بلوغت کے بعد اسلام قبول کرے تو اس پر ختنہ لازمی نہیں کیونکہ اس کے لئے کشفِ عورت کی ضرورت پڑے گی حالانکہ ستر فرض ہے۔ اور آج کل باندیاں بھی نہیں ہیں تاکہ وہ خرید کر اس سے کروائے، ہاں البتہ اگر وہ شادی شدہ ہے اور اس کی بیوی بآسانی کر سکے تو وہ الگ بات ہے۔

ختنہ عورتوں کے لئے واجب یا مسنون نہیں ہاں اگر کوئی بچی ایسی ہو جیسا کہ بعض قوموں میں ہوتا ہے کہ زائد ٹکڑا اجماع میں حائل ہوتا ہو تو پھر اس کا بھی ختنہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا ام عطیہؓ وغیرہ کی احادیث اگر صحیح مانی جائیں تو وہ اسی مذکورہ صورت پر محمول ہوں گی۔ ختنہ کے لئے کوئی عمر اور وقت مقرر نہیں تاہم بلوغت سے پہلے ہونا

Maktaba Tul Ishaat.com

چاہئے تاکہ بعد میں ستر کا مسئلہ پیدا نہ ہو۔ابن العربیؒ نے جلدی ختنہ کرانے سے منع کیا ہے کہ اس سے یہود کی مشابہت لازم آئے گی اس لئے دس سال کے بعد ہونا چاہئے لیکن حضرات حسنینؓ کا ساتویں دن ختنہ ثابت ہے۔عارضہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے:"وقد ولد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختیناً دھیناً"۔

قولہ:"وقص الشارب" مونچھوں کو پست کرنا یعنی کترنا۔اس کے لئے آگے مستقل باب آرہا ہے۔

قولہ: "ونتف الابط" بکسر الہمزۃ جبکہ باء کا کسرہ اور سکون دونوں جائز ہیں چونکہ بغلوں میں پسینہ جمع ہوتا ہے اور عموماً ہوا نہ لگنے کی وجہ سے بغل اکثر تر رہتے ہیں اس لئے بالوں میں بدبو ہوجاتی ہے دوسری طرف بغلوں کی کھال نرم ہوتی ہے اس کے بال اکھاڑنا زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتا جبکہ کاٹنے سے دوبارہ جلد ہی بال نکل جاتے ہیں اس لئے اکھاڑنے کی ترغیب ہے تاہم کاٹنا بھی جائز ہے اور ادویات سے ازالہ بھی مباح ہے۔پہلے دائیں بغل کو صاف کرنا مستحب ہے۔قولہ:"وتقلیم الاظفار" ای قطعھما ناخن کاٹنے کا کوئی مخصوص طریقہ ماثور ومسنون تو نہیں بلکہ جیسے بھی کاٹے جائیں مقصود حاصل ہوجائے گا تاہم اصولی طور پر چونکہ ابتداء دائیں سے ہونا چاہئے اور ہوسکے تو انتہاء بھی دائیں پر ہونا چاہئے علی ہذا جیسا کہ نوویؒ نے شرح مسلم میں ذکر کیا ہے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے پھر درمیانی پھر بنصر پھر خنصر آخر میں انگوٹھا، پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کرکے انگوٹھے پر ختم کرے، تاہم مرقات میں ہے کہ دائیں کا انگوٹھا سب سے آخر میں ہوگا۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ ناخن کاٹتے وقت جب دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں آپ کی طرف ہوں گی تو مذکورہ ترتیب دائیں سے بن سکے گی۔(تدبر) پاؤں کے ناخن میں دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور بائیں کی چھوٹی انگلی پر ختم کرے جیسا کہ خلال اصابع میں گذرا ہے۔فلیتنبہ۔

قولہ:"وغسل البراجم" بفتح الباء وکسر الجیم بُرجۃ کی جمع ہے ہاتھ کی انگلیوں کی پشتوں پر جوڑ مراد ہیں کیونکہ ان پر میل جمع ہوجاتا ہے تو دھونا اگرچہ ہاتھ یعنی انگلیوں کا مسنون یا مستحب ہے مگر براجم کا ذکر بطور خاص تاکید کے لئے ہے تاکہ ہاتھ مکمل صاف ہوجائیں اور اسی علت کے پیش نظر جہاں بھی میل کچیل جمع ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوگا اس میں مبالغہ فی الغسل مطلوب ہوگا جیسے کانوں، بغلوں، ناک، دانتوں اور ناف وغیرہ میں۔

قولہ:"وانتقاص الماء" امام ترمذیؒ نے اس کی تفسیر استنجاء سے کی ہے کیونکہ استنجاء سے پیشاب کے قطرے کم بلکہ ختم ہوجاتے ہیں اس لئے اس کو انتقاص الماء سے تعبیر کیا، استنجاء بالماء سے پیشاب کیسے رُکتا ہے اس

Maktaba Tul Ishaat.com

کی حکمت ''باب ماجاء فی النضح بعدالوضوء من ابواب الطهارت ''میں گذری ہے۔(دیکھئے تشریحات ص:۱۹۹ ج:۱) ابوداؤد میں بجائے انتقاص کے انتضاح کا لفظ بھی ہے اس سے نضح کا مطلب مزید واضح ہوجاتا ہے۔

باب ماجاء فی توقیت تقلیم الاظفار واخذالشارب

(ناخن کاٹنے اور مونچھ پست کرنے کی مدت کا بیان)

''عن انس بن مالک عن النبی صلی الله علیه وسلم انه وَقَّتَ لهم فی کل اربعین لیلة تقلیم الاظفار واخذالشارب وحلق العانة.وعنه:وُقِّتَ لنافی قصّ الشارب وتقلیم الاظفار وحلق العانة ونتف الابط ان لانترک اکثرمن اربعین یوماً''.(هذااصح من الحدیث الاول)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (صحابہ) کے لئے ناخن تراشنے، مونچھ کاٹنے اور زیرناف بال مونڈنے کی مدت چالیس دنوں کے اندر اندر کی مقرر فرمائی تھی۔ باب کی دوسری روایت بھی انہی سے ہے کہ ہمارے لئے مونچھ کاٹنے، ناخن تراشنے، زیرناف بال مونڈنے، اور بغل (کے بال) نوچنے کی مدت مقرر کی گئی تھی کہ ہم چالیس دن سے زیادہ تک نہ چھوڑیں۔ یہ حدیث اول سے اصح ہے۔

تشریح:۔ دوسری حدیث بتصریح ترمذی پہلی کی بنسبت اصح ہے کیونکہ پہلی کی سند میں صدقہ بن موسیٰ ہیں جو صدوق ہیں اگرچہ دوسری میں بھی جعفر بن سلیمان کی وجہ سے لین پائی جاتی ہے تاہم جعفر سوء حفظ کے باوجود مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ پھر دوسری حدیث گویا پہلی حدیث کی تفسیر ہے یعنی چالیس دن آخری وانتہائی مدت ہے کہ اس سے زیادہ مؤخر نہیں کرنا چاہئے اس سے کم بہرحال مطلوب وپسندیدہ ہے، بہرحال اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جب ناخن اور بال اتنے بڑھ جائیں کہ بدنما محسوس ہوں اور میل ان میں جمع ہوتا ہو تو کاٹنا چاہئے بہتر یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں کاٹے جائیں تاہم جمعرات یا جمعہ کے دن کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں مگر پھر بھی بہت سے علماء جمعہ کے دن زوال سے پہلے اور بعض علماء جمعرات کے دن کاٹنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ ایک تو کچھ نہ کچھ روایات بھی ان دونوں کے بارے میں مروی ہیں دوم استقبال جمعہ کی وجہ سے یہ اوقات زیادہ موزوں ہیں۔ امام احمدؒ سے دونوں دِنوں میں اختیار اور ہر ایک میں سنیت کا قول ہے۔ پھر ناخن اور سر وڈاڑھی کے بال

Maktaba Tul Ishaat.com

گندی جگہ پر نہیں پھینکنے چاہئے کہ جزء آدمی محترم ہوتا ہے۔ پھر ناخن اور مونچھ کے بڑھنے سے چونکہ آدمی غیر مہذب سا محسوس ہوتا ہے اس لئے ان دونوں کی تہذیب بہر حال ہفتہ وار ہونا چاہئے جبکہ بغل اور دیگر غیر ضروری بال مونڈنے کی چالیس دن تک مؤخر کرنے کی اجازت ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ تحریمی ہے۔

باب ماجاء فی قص الشارب

(مونچھیں کترنے کا بیان)

"عن ابن عباس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم :یَقُصّ اویأخذمن شاربه قال وکان خلیل الرحمن ابراهیم یفعله".(حسن غریب)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھیں کترتے تھے یا (فرمایا کہ) لیتے تھے اور آپؐ نے فرمایا: رحمٰن کے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) بھی ایسا ہی کرتے تھے، اور اسی باب میں حضرت زید بن ارقمؓ کی مرفوع حدیث ہے: "من لم یأخذمن شاربه فلیس منا"۔ (حسن صحیح)

جو شخص اپنی مونچھوں میں سے نہ لے (یعنی نہ کاٹے) وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "الشارب" چونکہ عربوں میں عام دستور مونچھیں بڑھانے کا تھا اور پھر مونچھوں کے بال کھانے پینے کی چیز میں لگ جاتے گویا پینے لگتے اس لئے ان کو شارب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قولہ: "یقص اویأخذ" قص کے معنی تراشنے اور کترنے کے آتے ہیں اگلے سے اگلے باب میں إحفاء کا لفظ آیا ہے بعض دیگر روایات میں دوسرے الفاظ بھی آئے ہیں جیسے اَنهِکُوا الشوارب ،جَزُّوا الشوارب' وغیرہ۔

چونکہ ان الفاظ کے معانی میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ مونچھیں کاٹنے کی مقدار و معیار کیا ہے؟ تو کم از کم اتنی مقدار میں کاٹنے کی ادنیٰ سنیت پر تو اتفاق ہے کہ اوپر والے ہونٹ کا سرخ کنارہ ظاہر ہو جائے، لیکن افضل کیا ہے؟ تو حنفیہ کی ایک روایت مونڈنے کی ہے بلکہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ سے ایک روایت حلق کی سنیت کی ہے کیونکہ لفظ احفاء اسی پر دلالت کرتا ہے، امام شافعیؒ کا مذہب بھی اسی کے مطابق ہے کما نقلہ البعض، عارضۃ الاحوذی میں حدیث باب کے ذیل میں لکھا ہے: "وهذانَصٌّ فی انه لایحلق خلافاً للشافعیؒ فی قوله انه یحلق ،واحتج بقوله احفوا الشوارب الخ "امام احمدؒ نے اس کے لئے "لاباس" کا لفظ استعمال کیا ہے تحفۃ الاحوذی میں ہے: "وروی

Maktaba Tul Ishaat.com

الاثرم عن الامام احمدؒ انه كان يحفى شارِبَه اِحفاءً شديداً"۔

لیکن اس کے برعکس بہت سے علماء حلق سے منع کرتے ہیں بلکہ امام مالکؒ تو اس کو بدعت اور مثلہ کہتے ہیں، عارضۃ الاحوذیؒ میں اشارہ ہے کہ حلق جمال علی الکمال کے منافی ہے احناف کے ایک قول کے مطابق بھی مونڈنا بدعت ہے جیسا کہ درمختار میں حظر والاباحت کی بحث میں حلق والی روایت کو قیل سے ذکر کیا ہے جو ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ الکوکب الدری میں ہے کہ مبالغہ کے ساتھ تراشنا اور کترنا دونوں قسم کی روایات کو شامل ہوسکتا ہے اس لئے یہی طریقہ اصح لگتا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: "المختار انه يقص حتىٰ يبدو طرف الشفة ولا يحفيه من اصله"۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کم از کم ہونٹ کا بالائی کنارہ ظاہر کرنا بہرحال لازم ہے مزید مبالغہ افضل ہے مگر حلق نہ کرے پھر سبالتین یعنی بالائی ہونٹ کے دونوں جانب کے کنارے بھی لینے چاہئے تاہم حضرت عمرؓ دونوں کناروں کے بال چھوڑے رکھتے تھے۔

باب ماجاء فی الاخذمن اللحية

(ڈاڑھی کم کرنے کی حد کا بیان)

"عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى صلى الله عليه وسلم : كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها". (غريب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کی چوڑائی اور لمبائی (دونوں طرف) سے لیا کرتے تھے۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے عُمر بن ہارون پر بحث کرتے ہوئے اگلی روایت ذکر کی ہے جس میں وکیع بن الجراح نے عن رجل کہہ کر ثور بن یزید کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے خلاف منجنیق نصب کی تھی۔ قتیبہ نے وکیع سے اس رجل کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا "عُمر بن هارون"! یہ درمیانہ راوی ہیں، مسئلہ کی تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ ہو۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی اِعفاء اللحیة

(ڈاڑھی بڑھانے کا بیان)

"عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اَحفُوا الشوارب واعفوا اللُّحیٰ". (صحیح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مونچھوں کو صاف کرواور ڈاڑھی کو بڑھاؤ!۔

تشریح:۔باب کی اگلی روایت میں یہی مضمون بطور خبر کے منقول ہے کہ آپؐ نے مونچھیں صاف کرنے اور ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے۔قولہ:"وَاعفوا اللحیٰ" اِعفاء کے معنی ترک کرنے کے ہیں "عفا" بمعنی آزاد کے آتا ہے چنانچہ اس بارے میں "اوفوا، وارخوا، وارجوا اور وَفِّرُوا" کے بھی الفاظ آئے ہیں سب بمعنی آزاد چھوڑنے اور ترکِ قطع کے ہیں گو کہ یہ ترک محدود ہے جیسا کہ عنقریب آجائے گا۔ "لُحیٰ" لحیۃ کی جمع ہے لِحیٰ بھی صحیح ہے یعنی بکسر اللام وضمھا جبکہ مفرد یعنی لحیہ بکسر اللام ڈاڑھی کو کہتے ہیں اور بفتح اللام جبڑے کو کہتے ہیں تاہم شرعی ڈاڑھی میں صرف نچلے جبڑے کا اعتبار ہے لہٰذا اگر گالوں یعنی رخساروں پر بال اُگیں تو ان کا کاٹنا جائز ہے کیونکہ وہ اوپر والے جبڑے پر ہوتے ہیں اسی طرح گلے کے بال کا ٹنا بھی جائز ہے۔

اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ ڈاڑھی رکھنا مردوں کے لئے واجب یا کم از کم سنت مؤکدہ ہے اس سلسلہ میں "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں جو بات امام نوویؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ شوافع کے نزدیک ڈاڑھی کا ٹنا مکروہ تنزیہی ہے تو یہ انتساب محض غلط ہے کیونکہ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں صرف یہ بات لکھی ہے کہ علماء نے ڈاڑھی کے بارے میں بارہ (۱۲) مکروہات بیان کئے ہیں جن میں بعض، بعض سے زیادہ اور سخت قبیح ہیں اس میں کراہت تنزیہی کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی ولفظہ:

"وقد ذکر العلماء فی اللحیة اثنتی عشرة خصلة مکروهة بعضُها اشدقبحاً من بعض، اِحداها خضابها بالسواد لالِغرض الجهاد... الرابعة نتفها او حلقها اول طلوعها الخامسة نتف الشیب... الحادیة عشر عقدها وضفرها الثانیة عشر حلقها اِلّا اذا نبتت للمرأة لحیة فیستحب لها حلقها...".

Maktaba Tul Ishaat.com

اسی طرح پیلا رنگنا یا کبریت سے سفید کرنا اور پراگندہ چھوڑنا یا کرنالاپرواہی کی وجہ سے یا زاہد ہونے کا تاثر دینے کے لئے بھی مکروہ ہے۔(مسلم:ص:۱۲۹ج:۱''باب خصال الفطرۃ'')

تاہم اس میں اختلاف ہے کہ آیا بڑھانے کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟ تو عام طور پر اہل ظاہر اور بعض دیگر علماء سَلَف اور خَلَف فرماتے ہیں کہ کوئی حد نہیں بلکہ اسے آزاد چھوڑنا ہی سنت اور لازم ہے البتہ حج وعمرہ کے احرام کھولتے وقت اس سے ایک مشت سے زائد کاٹنا جائز ہے جیسا کہ ابن عمرؓ وغیرہ بعض صحابہ کرتے تھے مگر عام حالات میں کاٹنے کی کسی طرح اجازت نہیں ہونی چاہئے، نیز ان کا عمل مرفوع حدیث سے معارض ہے لہٰذا ترجیح مرفوع یعنی اعفاء کو ہونا چاہئے۔

اس کے برعکس جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ایک مٹھی سے زائد کو کاٹنا جائز ہے اور یہ کہ ہر جانب سے زائد بَر مُشت کاٹا جائے گا جیسا کہ سابقہ باب کی حدیث میں ہے، تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ حسن بصریؒ طول وعرض دونوں سے لینے کا فرماتے:

''وعن الحسن البصریؒ: انه یؤخذ من طُولها وعرضها مالم یفحش وعن عطاء نحوه...وقال عیاض :یکره حلق اللحیة وقصها وتحذیفها واما الاخذ من طولها وعرضها واذا عظمت فحسن بل تکره الشهر ة فی تعظیمها کما یکره فی تقصریها''.

اور بخاری وابوداؤد اور موطا میں ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ حج وعمرے سے حلال ہوتے وقت اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے جو زائد ہوتی تو اس کو کاٹتے۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ ڈاڑھی کو آزاد چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں البتہ اگر زیادتی قبیح لگے تو پھر زائد کو کاٹنا مستحب ہے:

''ان تَرَکَ لحیته فلاحرج علیه اِلّاان یقبح طولها فیستحب ان یأخذ منها ولیس فی القدر المأخوذ منها حدالاماروی قتادة الخ...وروی ابوداؤد قال قال مروان بن المقفع رأیت عبدالله بن عمر یقبض علی لحیته فیقص مازاد علی الکفّ''.(عارضة)

ابن عمرؓ کی یہ روایت بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الاظفار میں ہے۔(بخاری:ص:۸۷۵ج:۲)

حضرت گنگوہیؒ الکوکب الدری میں فرماتے ہیں کہ اتنی لمبی ڈاڑھی مسنون ہے کہ جس کی وجہ سے آدمی

Maktaba Tul Ishaat.com

مجوس اور ہندوؤں کی تشبیہ سے نکل جائے:

"واما اعفاء اللحية فالظاهر من فعله صلى الله عليه وسلم ان الاعفاء مسنون بحيث يخرج من التشبيه بالهنود والمجوس فحسبُ".

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کا شعار ایسا ہونا مقصود و ممدوح اور مطلوب ہے کہ جس سے اغیار کی رسومات سے خواہ وہ مذہبی ہوں یا قومی امتیاز تام ہو جائے چونکہ اہل فارس ڈاڑھیاں کترتے تھے اور رومیوں میں اس کے مونڈنے کا رواج تھا اور یہود سفید رکھنے کو شعار بنائے ہوئے تھے تو آپؐ نے ان سب کے مقابلے میں ڈاڑھی بڑھانے اور سفید کو مہندی لگانے کا حکم دیا تا کہ ان سے مشابہت نہ رہے دوسری طرف یہ سنن انبیاء میں سے بھی ہے اور مردانگی کی علامت اور وقار کی نشانی ہے اور یہ مقصد ایک مُشت ڈاڑھی رکھنے سے پورا ہو جاتا ہے جبکہ زائد بعض لوگوں کے ساتھ اچھی نہیں لگتی چنانچہ مراسیل ابی داؤد میں حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی ڈاڑھی والے کو دیکھا تو فرمایا کہ تم میں سے ایک اپنی شکل کیوں بدنما بناتا ہے: "عن مجاهد رأى النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً طويل اللحية فقال لِمَ يُشَوِّه احدكم بنفسه"۔

جب بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے خون میں "ہارمون" پیدا ہوتے ہیں جس کی بناء پر اس کے چہرے اور بعض دیگر مواضع پر بال اُگنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس میں تولیدی صلاحیت یعنی مردانہ قوت جنم لیتی ہے لہٰذا ڈاڑھی کا نہ نکلنا بھی عیب ہوا اور نامردی کی علامت ہوئی اور اسے کاٹنا بھی گویا اس صلاحیت کی شاخ کو توڑنے کے مترادف ہے جبکہ لمبی ڈاڑھی تشویش کا باعث ہے "فخير الامور اوسطها" جیسا کہ ابن عمرؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

رہا یہ احتمال کہ ابن عمرؓ کا یہ عمل حج و عمرہ کے ساتھ خاص ہے تو یہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے کیونکہ اول تو ڈاڑھی کا حلق و قصر حل میں شامل نہیں دوم اگر زائد کا کاٹنا جائز نہیں تو پھر ہر وقت ناجائز ہونا چاہئے، اور یہ کہنا کہ یہ مرفوع حدیث کے معارض ہے تو اس کا جواب طیبیؒ نے دیا ہے جیسا کہ حاشیہ قوت المغتذی پر ہے کہ مرفوع کا مطلب یہ ہے کہ اعاجم سے زیادہ بڑھاؤ اور یہ زائد کے کاٹنے کے منافی نہیں:

"قال الطيبيؒ هذا لاينافي قوله "اعفوا اللحىٰ لان المنهى عنه قصها كفعل الاعاجم واخذ قليل اطراف وطول ليس من القص فى شئ".

Maktaba Tul Ishaat.com

یہ دراصل دونوں بابوں کی حدیثوں میں تطبیق ہے جس سے ابن عمرؓ کی حدیث کی تطبیق بھی معلوم ہوئی۔
قدیم تاریخ اور انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ اہلِ فارس کے بڑے پوری ڈاڑھی رکھتے اور جو نیچ ذات کے لوگ پوری ڈاڑھی رکھتے تو وہ ان کی ڈاڑھیاں بطور سزا کاٹتے گویا ڈاڑھی وقار کی شناخت تھی اسی طرح ہندوستان اور مغربی یورپ میں ڈاڑھی وقار کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

باب ماجاء فی وضع احدی الرجلین علی الاُخری مستلقیاً

(چت لیٹنے کی حالت ایک پاؤں دوسرے پر رکھنا جائز ہے)

"عن عَبّادبن تمیم عن عَمِّه انه رأی النبی صلی اللہ علیه وسلم :مُستلقیاً فی المسجد واضعاً اِحدیٰ رجلیه علی الاُخریٰ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا جبکہ اس وقت آپؐ ایک پیر دوسرے پر رکھے ہوئے تھے۔

تشریح:۔قولہ:"مُستلقیاً" اِستلقاء چت لیٹنے یعنی منہ آسمان کی طرف کرکے پیٹھ پر چت لیٹنے کو کہتے ہیں اگر دونوں پیر لمبے کئے ہوئے لیٹا ہو تو پھر ایک پاؤں دوسرے پر رکھنے کی کوئی ممانعت نہیں خواہ ازار پہنے ہوئے ہو یا شلوار کیونکہ اس سے کشفِ عورت کا اندیشہ نہیں ہوتا جو نہی کی علت ہے باب کی حدیث میں یہی صورت مراد ہے البتہ اگر ایک ٹانگ کھڑی ہو اور آدمی تہبند پہنے ہوئے ہو تو پھر ایک پاؤں گھٹنے پر رکھنا کشفِ عورت کے اندیشہ کے پیش نظر منع ہے جیسا کہ اگلے باب میں مراد ہے ہاں البتہ اگر پاجامہ یا شلوار اور پتلون کے پہننے کی حالت میں ایسا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ علت مفقود ومعدوم ہے۔

باب ماجاء فی کراھیةٍ فی ذالک

(چت لیٹنے کی مکروہ صورت کا بیان)

"عن جابران رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :نھیٰ عن اشتمال الصَمّاء والاحتباء فی ثوب واحدوان یرفع الرجل اِحدیٰ رجلیه علی الاخری وھومُستلقٍ علیٰ ظھره". (حسن صحیح)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر میں پیک ہونے اور ایک ہی کپڑے میں حبوہ (سُرین کے بل بیٹھنے) سے منع فرمایا ہے اور یہ کہ کوئی شخص اپنا ایک پیر دوسرے پر رکھ دے جبکہ وہ اپنی پیٹھ پر چت لیٹا ہو۔

تشریح:۔ ترمذی کے ہندی نسخہ میں حضرت جابرؓ کی دونوں حدیثوں کا متن مکرر ہو گیا ہے جبکہ عارضۃ الاحوذی اور تحفۃ الاحوذی کے متون پر پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اذا استلقیٰ احدکم علی ظهره فلایضع احدی رجلیه علی الأخری'' جب تم میں سے کوئی ایک اپنی پُشت پر چت لیٹے تو وہ اپنا ایک پاؤں دوسرے پر نہ رکھے، امام ترمذیؒ نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے مگر باب کی دوسری حدیث صحیح ہے اور نہی کی صورت سابقہ باب میں بیان ہوئی ہے۔

اشتمال الصماء اور احتباء کی صورتیں ابواب اللباس میں گذری ہیں۔ دیکھئے: تشریحات ص: ۵۶۷ ج: ۵ ''باب ماجاء فی النهی عن اشتمال الصماء والاحتباء بالثوب الواحد'') جس کی اجمالی صورت یہ ہے کہ چادر اس طرح اُوڑھ لینا کہ ہاتھ اندر ہی اندر بندھ رہ جائیں اور آدمی مکمل پیک ہو جائے چونکہ اس میں گرنے کا خطرہ ہے اس لئے منع کیا جبکہ احتباء سرین پر بیٹھ کر دونوں ٹانگیں کھڑی کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر بدن پر ایک ہی کپڑا ہو تو اگر وہ اوپر والے حصے پر ڈالے گا تو ستر کھلے گا اس لئے منع کیا۔ البتہ اگر ستر کھلنے کا خطرہ نہ ہو تو پھر حبوہ میں خارج صلوٰۃ کوئی حرج نہیں بلکہ ثابت ہے چاہے ٹانگوں اور کمر پر چادر باندھے یا ہاتھوں سے حبوہ باندھے ہر دو جائز ہیں۔

باماجاء فی کراهیة الاِضطجاع علی البطن

(اُلٹا لیٹنے کی ممانعت)

''عن ابی هریرة قال رأی رسول الله صلی الله علیه وسلم رجلاً مضطجعاً علی بطنه فقال ان هذه ضِجعة لایحبها الله''.

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو مُنہ کے بل اوندھا لیٹا ہوا تھا، پس آپؐ نے فرمایا لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ اس کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح:۔ قولہ: ''ضجعة'' بکسر الضاد بمعنی ہیئت وطریقہ کے جبکہ بالفتح بمعنی مرۃ آتا ہے یہاں طریقہ مراد ہے، لہٰذا اس کو بروزن سِدرۃ پڑھنا چاہئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ طریقہ اس لئے پسند نہیں کہ یہ

Maktaba Tul Ishaat.com

طریقہ اہل جہنم کا ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے، نیز یہ وقار اور ادب کے خلاف ہے، کسی جگہ نظر سے گزرا ہے غالباً کہ شیطان اس طرح لیٹتا ہے مگر حوالہ یاد نہیں۔ فلینظر

باب ماجاء فی حِفظ العورة

(ستر کی احتیاط کا بیان)

"عن معاوية بن حَيْدَةَ القُشَيْرِيِّ قال قلت يارسول الله اعوراتنا مانأتي منها ومانذر؟ قال احفظ عورتک اِلّامن زوجتک اوماملکت يمينکَ فقال: "الرجل يكون مع الرجل"؟ قال إن استطعت ان لايراها احدفَافعَل قلت فالرجل يكون خاليا؟ قال فالله احق ان يُستحيىٰ منه!". (حسن)

بہز بن حکیم اپنے دادا حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ستر کس پر ظاہر کر سکتے ہیں اور کس پر نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اپنے ستر کی حفاظت کرو (یعنی چھپائے رکھو) سوائے اپنی بیوی کے اور جس باندی کا تو مالک ہوا نہوں نے پوچھا کبھی ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی اگر کسی آدمی کے سامنے ستر کھول دے؟) آپؐ نے فرمایا اگر تیرا بس چلے کہ کوئی بھی اسے نہ دیکھ سکے تو ایسا ہی کرو! میں نے عرض کیا کہ آدمی کبھی تنہا ہوتا ہے (تو کیا پھر بھی ستر چھپانا ہے؟) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ اس بات کے زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ستر چھپایا جائے!

تشریح:۔ قولہ: "مانأتي منها وما نذر"؟ ای مانُری منها ونترک؟ یہ روایت چند ابواب کے بعد دوبارہ آرہی ہے وہاں بھی امام ترمذیؒ نے اس پر یہی باب مع ھذا الترجمہ قائم کیا ہے وہاں روایت کے آخر میں یہ اضافہ ہے "منه الناسُ... يعني فالله احق ان يستحيىَ منه الناس" "فعل معروف کے ساتھ ہے جبکہ یہاں یُستحیٰ مجہول کا صیغہ ہے۔

ستر انسان کے بدن میں وہ جگہ کہلاتی ہے جس کا کُھل جانا انسان طبعی وجبلی طور پر عار سمجھتا ہے جو مرد کے گھٹنوں سے ناف تک ہے اور عورت سرتاپا عورت ہی عورت ہے چنانچہ اس تعبیر کے لئے اردو کا لفظ "عورت" بہترین ترجمان ہے۔ البتہ ضرورت کی بناء پر دفع حرج کے پیش نظر عورت کا چہرہ اور یدین وقدمین مستثنیٰ ہیں مگر فتنہ کے احتمال کی صورت میں اس کا حجاب بھی ضروری ہے کیونکہ مرد کے دل کو عورت کے چہرے سے دائرس

Maktaba Tul Ishaat.com

منتقل ہوجاتا ہے، اگر دل میں اینٹی وائرس یعنی تقویٰ ہوگا تو وہ کچھ دیر کے لئے وائرس کا مقابلہ کرلے گا مگر جب وائرس کے حملے لگاتار ہوں گے تو تقویٰ مزاحمت سے قاصر ہوجاتا ہے۔

اس حدیث میں حضرت معاویہ بن حیدہؓ نے تین سوال پوچھے ہیں:

(۱).....یہ کہ ہم عورت یعنی ستر کس کس کے سامنے کھول سکتے ہیں اور کس کے سامنے نہیں؟ یا "ماانذر" کا مطلب یہ ہے کہ مانترک سترھا یعنی کس سے چھپانا لازمی ہے اور کس سے نہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا سوائے بیوی اور باندی (غیر منکوحہ) کے کسی کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں ہے؟ اگرچہ بیوی کے سامنے برہنہ ہونا پسندیدہ نہیں مگر اس حدیث کی رُو سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے پردہ کرنا واجب نہیں کیونکہ جب اس سے بڑھ کر چھونا جائز ہے تو نظر بطریق اولیٰ جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ پردے میں رہیں چنانچہ متن ہدایہ مع الشرح میں ہے:

"وینظر الرجل من امته التی تحل له وزوجته الی فرجها...اِلّاَنَّ الاولیٰ ان لاینظر کل واحد الی عورة صاحبه لقوله علیه السلام: اذاتیٰ احدکم اهله فلیستتِر مااستطاع ولایتجردان تجردالعیرولان ذالک یورث النسیان الخ".

یعنی گورخر کی طرح مت ملو اور یہ کہ اس سے حافظہ بھی کمزور ہوجاتا ہے، نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر کبھی نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی انہوں نے مجھے اس طرح دیکھا ہے۔

(۲).....دوسرے سوال کا مطلب یہ ہے کہ کبھی لوگ آپس میں کسی جگہ جمع رہتے ہیں جیسے حمام وغیرہ میں جہاں ستر کی حفاظت ضروری نہیں سمجھی جاتی کیونکہ اکثر ایسے مواقع پر دوست اور ساتھی ایک ساتھ نہاتے یا کھیلتے ہیں تو آپؐ نے اس کی ممانعت فرمادی، ہاں البتہ ضرورت کے مواضع مستثنیٰ ہیں جیسے ڈاکٹر کا معائنہ ہو یا آپریشن کی ضرورت داعیہ ہو۔

(۳).....خلوت میں ستر کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے جواب دیا کہ اگر وہاں کوئی بھی نہیں تو کم از کم اللہ سے تو شرم کی جانی چاہئے یعنی اگرچہ آدمی اللہ سے چُھپ تو نہیں سکتا لیکن جو آدمی خلوت میں، اندھیرے میں اور خالی کمرے میں ننگا ہوتا ہے تو وہ آداب سے بھی عاری ہوتا ہے اللہ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جبکہ ہر جگہ باپردہ رہنے والا متادب ہوتا ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے لہٰذا بے ادبی کرکے اللہ کو ناراض نہیں کرنا چاہئے اور چونکہ

Maktaba Tul Ishaat.com

ضرورت کی صورت میں جیسے قضائے حاجت اور غسل کرنے میں ننگا ہونا بے ادبی نہیں بلکہ حاجت ہے اس لئے وہ صورت ناپسندیدہ نہیں۔ اور حیاء کے منافی بھی نہیں ہے۔

باب ماجاء فی الاِتکاء

(ٹیک لگانے کا بیان)

"عن جابر بن سمرة قال رأیتُ النبی صلی الله علیه وسلم مُتکِئاً علی وِسادة علی یساره". (حسن غریب)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ پر اپنی بائیں جانب ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے۔

تشریح:۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے علاوہ عام حالات میں کسی چیز پر ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے خواہ دائیں جانب ہو یا بائیں جانب کیونکہ دونوں کی علت ایک ہی ہے یعنی سہارا لینا اور اس حدیث میں علی یسارہ قید اتفاقی ہے۔

بابٌ

"عن ابی مسعود ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لایَؤُمَّ الرجلُ فی سلطانه ولایُجلَسُ علی تکرِمَتِه فی بیته الابأذنه". (حسن)

کسی آدمی کو مامور (مقتدی) نہ بنایا جائے اس کی اختیار والی جگہ میں اور نہ اس کے گھر میں اس کی (خاص) نشست پر بیٹھا جائے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح:۔ یعنی کوئی اجنبی آدمی کسی کے معاملات میں اور بالخصوص نماز کی امامت اور نشست کے استحقاق میں مداخلت نہ کرے کیونکہ جہاں کسی کی عمل داری ہو تو وہاں دوسروں کا عمل دخل بدنظمی اور ایذاء رسانی کا موجب بنتا ہے حدیث کی تفصیل تشریحات ابواب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص:۵۱۲ ج:۱ "باب من احق بالامامة")

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء ان الرجل اَحَقُّ بصدر دابته

(آدمی اپنی سواری کی اگلی نشست کا زیادہ حقدار ہے)

"عن عبدالله بن بُريدة قال: سمعتُ ابی، بريدة يقول بينماالنبی صلی الله عليه وسلم يمشي اذجاء ه رجل ومعه حمارفقال: يارسول اللّٰه اِرکب اوتأخّرَ الرجلُ فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم "لا" انت احق بصدر دابتک اِلّاان تجعله لی قال: قدجعلتُه لک قال: فَرَکِبَ". (حسن غريب)

حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ دریں اثنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس کے ساتھ دراز گوش تھا وہ شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! سوار ہو جائیں! اور خود وہ شخص پیچھے ہٹ گیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں" تم اپنی سواری کی اگلی نشست کا زیادہ حقدار ہو، ہاں البتہ اگر تم مجھے یہ حق دو تو! وہ کہنے لگا کہ میں نے یہ آپ کے لئے کر دیا! فرماتے ہیں کہ آپؐ سوار ہوئے۔

تشریح:۔قولہ: "سمعت ابی، بريدة" بریدہ "ابی" سے بدل ہے یعنی میں نے اپنے والد بُریدہ سے سنا ہے۔قولہ: "ومعه حمار" اور گدھے کے لفظ کے بجائے دراز گوش سے ترجمہ کیا ہے یعنی لمبے کانوں والا جانور، کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فارسی میں سیرت پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ جب آپؐ کی نسبت سے گدھے کا تذکرہ ہو تو سوء ادب سے بچنے کے لئے دراز گوش کہا جائے گا گو کہ آپؐ کمال تواضع کی بناء پر گدھے کی سواری معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص گدھے کی سواری عار سمجھتا ہے وہ گدھے سے بھی زیادہ بدتر و حقیر ہے کیونکہ وہ متکبر ہوتا ہے۔چونکہ یہ صاحب یہ سمجھ رہے تھے کہ آپؐ کے ہوتے ہوئے مجھے آگے بیٹھنے کا حق نہیں پہنچتا اس لئے پیچھے ہٹ گیا تو آپؐ نے اس کو مسئلہ سمجھایا جیسا کہ واضح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ گاڑی چلانے اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کا حق مالک کو ہے ہاں اگر وہ کسی کو یہ حق دے تو اس کے لئے قبول کرنا جائز ہے۔عارضہ اور تحفہ دونوں کے متن میں "لا" انت کے بجائے لَاَنْتَ اَحَقّ بصدر الخ ہے یعنی ضمیر مخاطب مؤکد بالام تاکید ہے مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے البتہ ہمارے نسخہ کے مطابق معناً دو جملے بن جاتے ہیں ایک "لا" نافیہ مستقل ہے یعنی لا ارکب ...اور انت الخ دوسرا جملہ پہلے کی دلیل ہے جبکہ لانت ایک ہی جملہ ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی الرخصة فی اِتخاذالانماط

(بستر پر بچھانے والے کپڑے (چادر وغیرہ) کے استعمال کا بیان)

"عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :هل لكم اَنماط؟قلتُ وَاَنّیٰ تكون لنا انماط؟قال:اَمَاانهاستكون لكم انماط؟قال فاناقول لِامرأتی :اَخِّری عنّی انماطک فتقول اَلَم يقل رسول الله صلى الله عليه وسلم :انهاستكون لكم انماط؟قال فَاَدَعُها". (حسن صحيح)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہارے پاس انماط (غالیچے) ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس انماط کہاں سے آئے؟ آپؐ نے فرمایا: آگاہ ہو! کہ عنقریب تمہارے پاس انماط ہوں گے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں چنانچہ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ اپنے انماط کو مجھ سے ودور رکھ تو وہ کہتی ہے: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تھا کہ قریب ہے کہ تمہارے پاس انماط ہوں گے! حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں چھوڑ دیتا ہوں۔

تشریح:۔قولہ:"انماط" اسباب کے وزن پر نمط کی جمع ہے بستر کے اوپر بچھائے جانے والا کپڑا، بعض کہتے ہیں کہ وہ کپڑا جس کا جھالر بھی بنا ہوا ہو یا باریک نازک ولطیف کپڑا جو پلنگ وغیرہ پر بھی بچھاتے ہیں اور اس کا پردہ بھی بناتے ہیں۔بعض نے قالین کی ایک قسم کو کہا ہے جس پر روئیں ہوتے ہیں۔تاہم حدیث میں بستر کے اوپر والی چادر مراد ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اگرچہ وسعت اور فراوانی مال کی آئینہ دار ہے مگر آپؐ نے چونکہ اس کے استعمال سے منع نہیں فرمایا اس لئے حضرت جابرؓ کی اہلیہ نے اس کو مباح سمجھ کر استعمال کیا اور حضرت جابرؓ نے بھی نکیر نہیں کی اس لئے امام ترمذیؒ اور امام نوویؒ نے اس کی رخصت کے لئے باب قائم کیا ہے۔قال:"وفيه جواز اتخاذالانماط اذالم تكن من حرير"۔(مسلم:ص:۱۹۴ج:۲)

باب ماجاء فی رکوب ثلاثة علی دابة

(سواری کے ایک جانور پر تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں؟)

"عن اياس بن سلمة عن ابيه قال لقد قُدتُ بنبی الله صلى الله عليه وسلم والحَسَن

Maktaba Tul Ishaat.com

والحسین علی بغلته الشهباء حتیٰ ادخلته حُجرة النبی صلی الله علیه وسلم، هذاقُدامه وهذا خلفه". (حسن صحیح غریب)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں کہ بلاشبہہ میں نے آپؐ کے سفید خچر کو کھینچا ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حسنؓ و حسینؓ بیٹھے تھے یہاں تک کہ میں اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آنگن میں لے آیا، یہ آپؐ کے آگے تھے اور یہ آپؐ کے پیچھے تھے۔

تشریح:۔قولہ:"قُدتُ" سَوق کی ضد ہے سائق پیچھے سے ہانکنے والے اور قائد آگے سے کھینچنے والے کو کہتے ہیں۔قولہ:"الشهباء" وہ سفید رنگ جو سیاہی مائل ہو پھر ان حضرات میں سے کون آپؐ کے آگے تھا؟ تو روایت میں ہر ایک احتمال ہے۔اس روایت سے تین شخصوں کا ایک جانور پر سوار ہونا ثابت ہوا اور جن روایات میں منع آیا ہے وہ زیادہ وزن کی علت کے پیش نظر ہے جبکہ یہاں تو حضرات حَسَنین ؓ کا وزن زیادہ نہ تھا کہ دونوں کم عمر تھے نیز خچر انتہائی طاقت ور جانور ہے بخلاف گھوڑے کے، لہٰذا کوئی تعارض نہ رہا۔

باب ماجاء فی نظرة الفُجاءة

(ناگہاں نظر پڑ جانے کا بیان)

"عن جریربن عبدالله قال سألتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم :عن نظرة الفُجاءةِ فَاَمَرَنی ان اصرف بصری". (حسن صحیح)

حضرت جریر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناگہانی (اچانک) نظر پڑنے کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لوں۔

تشریح:۔قولہ:"فُجاءة" بضم الفاء کی صورت میں مد کے ساتھ ہے اور بفتح الفاء کی صورت میں بَغتَةً کے وزن اور معنی کے ہے مراد غیر ارادی نظر ہے، لہٰذا ارادی نظر بہر حال ممنوع ہوئی خواہ وہ پہلی ہو یا غیر ارادی نظر کا تسلسل ہو کیونکہ غیر ارادی اچانک پڑنے والی نظر اگرچہ معاف ہے مگر جب اس نظر کو جاری رکھے گا تو مزید دیکھنا ارادی بن جائے گا اور یہی مطلب ہے باب کی اگلی حدیث کا:"یاعلی لاتُتبِع النظرةَ النظرةَ فان لک الاولیٰ ولیست لَکَ الآخرة"۔(حسن غریب) پہلی نظر کے بعد دوسری مت ڈالو کیونکہ تیرے لئے پہلی نظر جائز (معاف) ہے مگر دوسری معاف نہیں ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس میں پہلی سے مراد غیر ارادی اور غیر اختیاری ہے جبکہ دوسری سے مراد ارادی واختیاری ہے اور چونکہ اچانک نگاہ پڑنے کے بعد نظر لوٹانا حلاوۃ ایمانی نصیب ہونے کا ذریعہ ہے اس لئے اُسے "لَکَ" سے تعبیر فرمایا یعنی ایسا کرنے سے تجھے نفع ہوگا جبکہ دوسری یعنی ارادی نظر نفع کے بجائے مضر ثابت ہوگی گویا پہلی نظر کی متوقع نفع بھی ضائع کردے گی۔ (تدبر)

باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال

(عورتیں بھی مردوں کو نہ دیکھیں)

"عن نبهَان مولی ام سلمة انه حدثه ان ام سلمة حَدَّثته انها كانت عندرسول الله صلى الله عليه وسلم وميمونةُ قالت فبينمانحن عنده اَقبَلَ ابنُ ام مكتوم فدخل عليه و ذالك بعد ماأُمِرنابالحِجاب فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اِحتجِبامنه!فقلتُ يارسول اللّٰه! اَليس هواعمىٰ؟لايبصرناولايعرفنا؟فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اَفعمياوان انتما؟ اَلستماتُبصِرانه؟" (حسن صحيح)

حضرت ام سلمہؓ کے آزاد کردہ غلام نبہان فرماتے ہیں کہ ام سلمہؓ نے ان (نبہان) کو بتایا ہے کہ وہ اور میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں، ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ دریں اثناء کہ ہم آپؐ کے پاس تھیں (عبداللہ) بن ام مکتومؓ آئے اور آپؐ کے پاس داخل ہوئے یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمیں پردہ کرنے کا حکم کیا گیا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں ان سے پردہ کرو! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ تو نابینا نہیں ہیں؟ نہ تو وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پہچان سکتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم اسے نہیں دیکھتیں؟

تشریح:۔ قولہ: "وميمونةُ" اس کا رفع ونصب دونوں جائز ہیں اگر کانت کی ضمیر مستتر پر عطف مانیں تو مرفوع پڑھا جائے گا جبکہ اسم اَنَّ (ھا) پر عطف کی صورت میں منصوب ہوگا نصب اولی ہے۔ قولہ: "اَفَعمیَاوان" عمیاوان تثنیہ ہے عمیاء کا جو اَعمیٰ کی تانیث ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت بھی مرد کو نہیں دیکھ سکتی جیسا کہ مرد کے لئے کسی اجنبی مُشتہات عورت کو دیکھنا جائز نہیں، تاہم اس نہی کی کیا حیثیت ہے؟ تو بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ روایت ورع پر مبنی ہے جہاں

Maktaba Tul Ishaat.com

تک نفس دیکھنے کا تعلق ہے تو فتوی کی رُو سے عورت مرد کی ناف کے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے والے حصے کو دیکھ سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کا حبشیوں کو دیکھنا ثابت ہے، اس کے برعکس امام نوویؒ شرح مسلم: ص:۴۸۳ ج:۱ میں لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک نظر جانبین سے حرام ہے:

"بل الصحیح الذی علیه جمهور العلماء واکثر اصحابنا انه یحرم علی المرأة النظر الی الاجنبی کما یحرم علیه النظر الیها".

اسی طرح ابن العربیؒ نے بھی عارضہ میں لکھا ہے کہ عورت کے لئے بھی مرد کو دیکھنا حرام ہے لیکن لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں: "کذالک یحرم نظر المرأة الی الرجل هو امر جهله الناس الخ" جہاں تک حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیثوں کا تعلق ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کو نبی علیہ السلام نے حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی اجازت دی اور فاطمہ بنت قیس ؓ کو عبداللہ بن ام مکتومؓ کے گھر عدت گزارنے کو کہا تھا تو ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ عدت گذارنے کے لئے دیکھنا کسی طرح ضروری نہیں اس کے بغیر بھی کسی نابینا کے گھر میں پردے کے ساتھ عدت گذاری جاسکتی ہے لہٰذا اجازتِ عدت نظر کے اذن کو مستلزم نہیں ہوئی۔

حضرت عائشہ ؓ کی حدیث کا جواب علامہ عینیؒ نے یہ دیا ہے کہ انہوں نے کھیل یعنی فعل دیکھا تھا اس سے حبشیوں کے چہروں کو دیکھنا لازم نہیں آتا:

"وفیه جواز نظر النساء الی فعل الاجانب وَاَمّا نظرهن الی وجه الاجنبی فان کان بشهوة فحرام اتفاقاً وان کان بغیرها فالاصح التحریم وقیل هذا کان قبل نزول "قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن".

(حاشیہ نمبر ۷ بخاری: ص:۱۳۰ ج:۱ "کتاب العیدین)

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ دیکھنا تو دونوں کے لئے ممنوع ہے تاہم مرد کا نظر کرنا زیادہ شنیع ہے کیونکہ اگر عورت کے دیکھنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اگرچہ فساد تو ہے مگر جب مرد کی طرف سے فساد کا صدور و آغاز ہوگا تو چونکہ مرد کی حیثیت انسانیت کے ڈھانچے میں ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے تو پھر اس نظام کی اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی کیونکہ عورتوں کی حیثیت ثانوی ہونے کے ساتھ ان کو روکا بھی جاسکتا ہے مگر مرد کو روکنے والا پھر کون ہوگا؟ اس لئے مرد کو زیادہ پابند بنا دیا گیا اگرچہ غضِ بصر دونوں کے لئے ہے۔ غرض مرد کا مقام بلند ہے اس لئے اس کی ذمہ داری بھی زیادہ بنتی ہے تاکہ معاشرہ بگڑنے نہ پائے۔ یہ ذمہ داری اگر مرد اور عورت دونوں پوری

Maktaba Tul Ishaat.com

کریں تو نور علی نور مگر مرد بہر حال اسے نباہتا رہے اگر عورت بگڑ بھی گئی تو انسانیت کے بنیادی عنصر یعنی مرد کی اصلاح کی صورت میں دنیا باقی رہے گی ورنہ سب نیست و نابود ہو جائے گا جس کا نام قیامت ہے جو اشرار و زنا کاروں پر ہی قائم ہوگی۔

با ب ماجاء فی النهی عن الدخول علی النساء اِلّاباذن ازواجهن

(شوہر کی اجازت کے بغیر کسی عورت کے پاس جانا منع ہے)

"عن مولیٰ عمروبن العاص ان عمروبن العاص ارسله الی عَلیّ یستأذنه عَلَیٰ اسماء ابنة عمیس فاذن له حتیٰ اذا فرغ من حاجته ،سأل المولیٰ عمروبن العاص عن ذالک فقال: ان النبی صلی الله علیه وسلم نَهَانَااونهیٰ ان ندخل علی النساء بغیراذن ازواجهن".

(حسن صحیح)

حضرت عمرو بن العاصؓ کے آزاد کردہ غلام (عبدالرحمٰن بن ثابت) سے روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے ان کو (یعنی عبدالرحمٰن کو) حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تا کہ وہ ان سے اسماء بنت عمیسؓ کے پاس جانے کی اجازت مانگے چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی چنانچہ جب وہ (عمروؓ) اسماءؓ سے (بات چیت کر کے) فارغ ہوئے تو مولیٰ نے عمرو بن العاصؓ سے اس کی وجہ پوچھی (کہ رشتہ داری کے باوجود آپ نے اجازت کیوں طلب کی؟) حضرت عمروؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا ہے یا فرمایا کہ آپؐ نے ممانعت فرمائی ہے کہ ہم عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جائیں۔

تشریح:۔ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارثؓ کی ماں شریک بہن یعنی نبی علیہ السلام کی سالی ہیں یہ اپنے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہمراہ حبشہ کی ہجرت بھی کر چکی ہیں وہاں ان کی اولاد بھی پیدا ہوئی تھی، حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ان سے نکاح ہوا تھا اور آپؓ کے بعد حضرت علیؓ کے عقد ازدواج میں منسلک ہوئی تھیں۔ باب کی حدیث انہی دنوں کی بات ہے جب وہ حضرت علیؓ کے نکاح میں تھیں۔

Maktaba Tul Ishaat.com

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے رشتہ دار بھی ان کے گھر میں آنا چاہیں تو ان کو شوہروں سے صراحتاً یا دلالتاً اجازت لینی چاہئے ہاں عورت کے ماں باپ یا بہن بھائی ہوں تو چونکہ وہ عرفاً آتے جاتے ہیں لہٰذا اگر شوہر نے ان کو اپنے گھر آنے سے منع نہیں کیا ہے وہ بغیر اجازت کے جاسکتے ہیں مگر دوسرے رشتہ داروں کے لئے اجازت لازمی ہے، پھر اگر شوہر نے عورت کے ماں باپ کو گھر میں آنے سے روک دیا تو وہ اپنی بیوی کو اپنے ماں باپ سے ملاقات کی ممانعت نہیں کرسکتا۔

باب ماجاء فی تحذیر فتنة النساء

(عورتوں کے فتنہ سے خبردار کرنے کا بیان)

"عن اسامة بن زيدوسعيدبن زيدبن عمروبن نفيل عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ماتركتُ بعدی فی الناس فتنةً اَضَرَّ علی الرجال من النساء". (حسن صحيح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے پیچھے مردوں کے حق میں عورتوں سے بڑھ کر کوئی ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا ہے۔

تشریح:۔قولہ: "ماترکت بعدی" ماضی کا صیغہ اس لئے استعمال فرمایا کہ وصال یقینی امر تھا جس کو عندالبلغاء ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔**قولہ:** "فتنةً" یعنی امتحان اور آزمائش پھر "بعدی" میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضورؐ کے وجودِ میمون کی وجہ سے یہ فتنہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا مگر آپ کے بعد میں ایسا ہوا۔

پھر عورت کا فتنہ ضرر رساں ہونے کا مطلب دین وتقویٰ کے لئے تباہ کن ہونا ہے چونکہ عورت ایک بنیادی ضرورت بھی ہے اور ہر دلعزیز مخلوق بھی ہے دوسری طرف عورت میں عقل ودین کی کمی کا تقاضا ہے کہ دنیوی امور کی جانب میلان ہو اور آخرت کی فکر سے بے نیازی ہو اسی بناء پر وہ اپنے شوہر اور عاشق وغیرہ کو خسیس امور پر اُکساتی ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق اسے گندے اور بیہودہ مشورے دیتی ہے، مرد اس کی محبت کی وجہ سے اس کے جال میں پھنس کر ہلاک ہوجاتا ہے اگر یہ صورت حال کہیں کہیں نظر آجائے تو اس سے خاندانی نظام ودین تو متاثر ہوجاتا ہے مگر پورا معاشرہ اس وقت بگڑے گا جب من حیث الامت پوری مسلم آبادی اس فتنہ میں مبتلا ہوگی حدیث میں اسی ہولناک منظر کی طرف اشارہ بلکہ تصریح ہے اور مرد کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنی عقل کو مستحکم رکھنے کی کوشش کرے، کہیں بے وقوفی کا مرتکب نہ ہوجائے کہ اس کی حیثیت معاشرہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے اگر

Maktaba Tul Ishaat.com

اسے بیماری لاحق ہو جائے تو پھر معاشرہ کے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

باب ماجاء فی کراھیۃ اتخاذالقُصَّۃ

(بالوں میں بالوں کا گچھا شامل کرنا مکروہ ہے)

"حمیدبن عبدالرحمن انه سمع معاویة خطب بالمدینة یقول: این عُلماءُ کم؟یااھل المدینة! سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینھیٰ عن ھذہ القُصّة ویقول: انماھَلکت بنو اسرائیل حین اِتخذھانساءُھم". (حسن صحیح)

حُمید بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے سُنا ہے وہ (معاویہؓ) مدینہ میں خطاب فرمارہے تھے آپؓ نے فرمایا اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟ (تاکہ تمہیں روکیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گچھے (کے استعمال) سے منع کرتے ہوئے سُنا ہے اور یہ کہ آپؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کی اس وقت تباہی آگئی جب ان کی عورتوں نے ان گچھوں کا استعمال کرنا شروع کیا۔

تشریح:۔قولہ: "قُصہ" بضم القاف وتشدید الصاد بالوں کا گچھا، یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضرت امیر معاویہؓ ۵۱ھ میں حج کر کے واپس شام جارہے تھے اور مدینہ میں قیام کیا تھا یہ آپؓ کا آخری حج تھا، انہوں نے یہ تقریر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر منور پر کی تھی اور اس میں بالوں کے ملانے کے متعلق مذکورہ مرفوع حدیث بیان فرمائی۔اس میں این علماء کم؟ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ علماء اپنی ذمہ داری (نہی عن المنکر) کو کیوں ادا نہیں کررہے ہیں؟ تاہم علماء کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ یا تو ان کے علم میں یہ بات آئی نہیں ہوگی کہ مسلمان عورتیں اس طرح کی حرکت کرتی ہیں چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ گچھا اپنے خاندان کی ایک عورت کے پاس دیکھا اور اس نے مجھے بتایا کہ دوسری عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں جیسا کہ حاشیہ کوکب میں بحوالہ طبرانی منقول ہے: "قال وجدتُ ھذہ عندا ھلی وزعموا ان النساء یَزِدنَہ فی شعورھن" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ابھی تک فروغ نہیں پاچکا تھا یا پھر اگر یہ مشہور ومعروف تھا تو علماء نے بنوامیہ کے بعض حکمرانوں کے خوف سے خود کو معذور سمجھا ہوگا کہ بنوامیہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں ہم پر حکومت وخلافت میں مداخلت کا الزام لگا کر ظلم وجبر نہ کریں، اور سب سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس وقت اسلامی حکومت اور خلافت موجود تھی اس لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی

Maktaba Tul Ishaat.com

ذمہ داری حکومت کی تھی، ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ ارکان خلافت نے اپنی ذمہ داری کو نظر انداز کیا ہو اس لئے علماء کے آگے آنے کی چنداں ضرورت نہ تھی حضرت معاویہ ؓ کا یہ خطاب علماء کو آگاہ کرنے کے لئے ہے کہ اب آپ کے آگے آنے کا وقت قریب ہے کہ حکمرانوں کی اکثریت اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگی ہے چونکہ شام میں تو حضرت امیر معاویہ ؓ براہ راست دیکھ بھال کرتے تھے اس لئے وہاں کے بازاروں اور معاشرے میں یہ چیز نہیں تھی جبکہ مدینہ کی شام (دار الخلافہ) سے دوری کی وجہ سے صورت حال بدلی ہوئی نظر آئی تھی اس لئے تنبیہ کی ضرورت پیش آئی اس میں ارباب اختیار کے لئے بھی انتباہ ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علماء نے عورتوں کو منع کرنے کی کوشش کی ہوگی مگر شہر کی آبادی بڑھ گئی تھی۔ ایسے میں مختلف النوع لوگوں کا ہونا غیر معمولی بات نہیں تو ممکن ہے کہ یہ کام باہر سے آنے والی عورتیں کرتی ہوں۔

پھر آپ ؐ نے اس کی علت بتائی کہ بنی اسرائیل کی ہلاکت اس عمل میں لگنے کے بعد آئی کہ ان کی عورتیں بالوں میں بال ملایا کرتی تھیں، چونکہ اس سے عورت کے بالوں کا حسن بڑھ جاتا ہے اس لئے عورت کا ایسا کرنے سے اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور فتنہ شدید تر ہو جاتا ہے۔

غرض اس حدیث کی وجہ سے بالوں میں انسانی بال ملانا مکروہ ہے اگر غیر انسانی بال یا پلاسٹکی بال ہوں تو اگرچہ بذات خود یہ عمل جائز ہے مگر تزئین کر کے اگر عورت باہر نکلتی ہے تو یہ بعلتِ معاشرہ بگاڑنے کے ناجائز ہوگا گھر کے اندر شوہر کی رضامندی سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

"ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع بہ لان الآدمی مُکرَّم لا مبتذل..... وقد قال علیہ السلام لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ الحدیث وانما یُرَخَّصُ فیما یُتَّخَذُ من الوبر (اونٹ وغیرہ کی پشم اور بال) فیزید فی قرون النساء وذوائبھن". (ہدایہ: ص: ۳۳ جلد: سوم "باب البیع الفاسد")

واصلہ اور مستوصلہ کے بارے میں اگلا باب آرہا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی الواصلة والمستوصلة والواشمة والمُستوشمة

(بالوں میں بال پیوست کرنے والی اور کروانے والی، گودنے والی اور گدوانے والی کا بیان)

"عن عبداللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواشمات والمستوشمات والمُتَنَمِّصات مُبتغیاتِ لِلحُسن مُغَیِّراتِ خَلقَ اللّٰہ". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے گودنے والی عورتوں پر اور بدن گدوانے والیوں پر اور بناؤ سنگھار کی غرض سے چہرے کے بال صاف کرنے والی عورتوں پر جو اللہ کے طرز پیدائش کو تبدیل کرنے والی ہیں۔

تشریح:۔ باب کی اگلی روایت جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے اس میں الواصلۃ والمستوصلۃ کا اضافہ ہے پس واشمہ وہ عورت ہے جو بدن کے کسی حصہ کو سوئی سے گود کر اس پر نیل چھڑک دے۔ مستوشمہ: جو کسی سے یہ کام کروائے۔ "وشم" بدن کے کسی بھی حصہ میں گودنے کا نام ہے مگر حضرت نافع فرماتے ہیں کہ الوشم فی اللِّثَةِ یعنی وشم مسوڑے میں ہوتا ہے شاید یہ اس زمانے کی عورتوں کا دستور تھا آج کل عورتیں چہرے میں اور مرد ہاتھ پر کرتے ہیں۔ واصلہ: بال شامل کرنے والی اور مستوصلہ کروانے والی، وصل سے ہے بمعنی پیوست کرنے اور جوڑنے کے ہے، جبکہ مُتَنَمِّصَہ دھاگے سے پیشانی اور چہرے کے بال اُکھاڑنے والی کو کہتے ہیں۔ آج کل بیوٹی پالر والے اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے متنمصہ اس عورت کو کہا ہے جو دانتوں کو سوہن کر کے باریک بناتی ہے۔ بہرحال یہ تمام حرکتیں حرام ہیں کہ ایک تو ان میں فریب اور دھوکا ہے دوم ان میں تغییر لخلق اللہ ہے البتہ کوئی زائد بدنما چیز بدن پر رونما ہو جائے جیسے عورت کی ڈاڑھی نکلے یا مونچھیں یا کوئی زائد دانت جس سے تکلیف محسوس ہوتی ہو تو اس کا ازالہ جائز ہے۔ پھر ان امور میں مستقل وغیر مستقل کا بھی تھوڑا سا فرق ہے جو ابواب اللباس میں گذرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص:۵۶۸ ج:۵ "باب ماجاء فی مواصلۃ الشعر")

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی المُتَشَبِّهات بالرجال من النساء

(مردوزن کا ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے)

"عن ابن عباس قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم :المُتَشَبِّهَات بالرجال من النساء والمُتَشَبِّهِينَ بالنساء من الرجال". (حسن صحيح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت بھیجی ہے۔

حدیث آخر:۔"لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المُخَنِّثِينَ من الرجال والمُتَرَجِّلات من النساء". (حسن صحيح)

یہ روایت بھی ابن عباسؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے زنانہ پن اختیار کرنے والے مردوں پر اور مردانہ پن اپنانے والی عورتوں پر۔

تشریح:۔ چونکہ باب تَفَعُّل کی خاصیت تکلف کرنا ہے اس لئے تَشَبُّہ، تَخَنُّث اور تَرَجُّل کے معنی بتکلف اپنی صنف وصورت میں تبدیلی لانا ہوئے پھر مُخَنَّث اگر بفتح النون ہو تو اس سے مراد وہ مرد ہوتا ہے جس سے عورتوں کی طرح مجامعت یعنی لواطت کی جاتی ہو، یہ بھی اگرچہ گناہ کبیرہ ہے مگر یہاں روایت بکسر النون مُخِنَّث ہے یعنی جو شخص عورتوں کی طرح حرکات وسکنات اختیار کرے اگر یہ وصف خلقی اور پیدائشی ہو تو اگرچہ عرفاً یہ عیب میں شمار ہوتا ہے مگر غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا جیسے آدمی مرد ہو لیکن اس کی باتوں میں نزاکت ہو یا اعضاء میں نرمی ہو یا اس کی چھاتیاں ہوں وغیرہ ایسے شخص کو خُنثیٰ یعنی ہیجڑا کہا جاتا ہے، مذموم صورت یہ ہے کہ آدمی جان بُوجھ کر خود کو ہیجڑا بنالے یعنی بتکلف عورتوں کی مشابہت اختیار کرے اور یہاں یہی مراد ہے ایسا آدمی بموجب حدیث ملعون ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عورت مردانہ جسمانی صفات اختیار کرے خواہ لباس میں ہو یا بول چال میں ہو ہر صورت میں معیوب اور موجب لعن ہے اس سے توبہ کرنا لازم ہے کیونکہ صِنف اور صِفت کو تبدیل کرنا بھی ایک گونہ تغییر لخلق اللہ ہے البتہ مَلَکاتِ فاضلہ حاصل کرنا معیوب اور مذموم نہیں جیسے کوئی عورت علم اور رائے میں مردوں کے ہمسر ہونے کی کوشش کرے تو یہ ہرگز مذموم نہیں کیونکہ ملکات فاضلہ کسی ایک صِنف کے ساتھ مختص نہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

اگر چہ رائے کی پختگی مردوں میں عام ہیں لیکن عورتوں کے لئے ممنوع نہیں۔

بہر حال اگر کسی شخص میں دوسری صِنف کی صفات خلقی اور پیدائشی پائی جاتی ہوں تو اسے بتکلف ختم کرنا چاہئے لیکن اپنے اختیار سے دوسری صِنف کی صفاتِ مُختصہ کسی طرح اپنانا جائز نہیں۔

باب ماجاء فی کراهية خروج المرأة مُتَعَطِّرةً

(عورت کے لئے خوشبو لگا کر گھر سے نکلنا جائز نہیں)

"عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: کل عین زانية والمرأة اذا استعطرت فَمَرّت بالمجلس فهی کذاو کذایعنی زانية". (حسن صحیح)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ہر آنکھ (جو عورتوں کو دیکھے) زنا کرنے والی ہے اور جب عورت خوشبو لگا کر (گھر سے نکلے اور) کسی مجلس سے گذرے تو وہ ایسی ایسی ہے یعنی زنا کار ہے۔

تشریح:۔ جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے کہ عورتوں کی خوشبو میں مہک ونکہت نہیں ہونی چاہئے صرف رنگ کی حد تک اسے زینت کے استعمال کی اجازت ہے ہاں گھر میں شوہر کے لئے کوئی بھی خوشبو استعمال کر سکتی ہے لیکن خوشبودار اور مُعَطَّرہ ہو کر جب عورت گھر سے نکلے گی اور کسی ایسی مجلس پر سے گذرے گی جہاں مرد بیٹھے ہوں تو وہ زانیہ ہے کیونکہ زنا کا مطلب نامحرم عورت سے لطف اندوز ہونا ہے اور چونکہ خوشبو سے دماغ میں شادمانی اور نفس میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اس لئے ایسی عورت سے لوگ محظوظ ہوتے رہتے ہیں اس لئے وہ زانیہ ٹھہری اسی بناء پر آنکھ کو بھی زانیہ کہا کیونکہ جب آنکھ عورت کو دیکھتی ہے تو اسے لطف حاصل ہوتا ہے اور لذت محسوس ہوتی ہے تو یہ بھی زنا ہوا گو چھوٹے پیمانے پر ہی سہی۔

نیز جو عورت باہر جانے کے لئے مردوں کی رغبت کا سامان کرتی ہے تو یہ اس کی بد باطنی اور شوق زنا کا آئینہ دار ہے اس لئے یہ اس کے زنا کار ہونے کی نشانی ہے ہاں شوق اور خواہش میں تفاوت درجات ضرور ہوتا ہے۔ (تدبر)

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی طِیب الرجال والنساء

(مردوں اور عورتوں کی خوشبوؤں کا بیان)

"عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :طِیب الرجال ماظَهَرَرِیحُه وخفی لونه وطیب النساء ماظهرلونه وخفی ریحه". (حسن)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بُو ظاہر ہو اور اس کا رنگ چُھپا ہوا ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی بُو پوشیدہ ہو۔

حدیث آخر:۔"اِنَّ خیر طِیب الرجال ماظهرریحه وخفی لونه وخیرطِیب النساء ماظهرلونه وخفی ریحه ونَهیٰ عن المِیثرةالاُرجُوان". (حسن غریب)

مردوں کی اچھی خوشبو وہ ہے جس کی مہک ظاہر ہو اور رنگ خفیہ ہو اور عورتوں کی بہتر خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی بُو چھپی ہوئی ہو اور آپؐ نے سُرخ زین پوش سے منع فرمایا ہے۔

تشریح:۔باب کی دونوں حدیثوں سے مرد اور عورت کی خوشبوؤں میں فرق معلوم ہوا اور یہ فرق وتقسیم ان کے مناسب حال کے اعتبار سے ہے کہ عورت کے ساتھ زینت مناسب ہے لیکن شہرت حجاب کے منافی ہے۔ اس لئے وہ زینت ضرور اختیار کرسکتی ہے لیکن گھر کے اندر۔ باہر جانے کے لئے حجاب لازمی ہے اور خوشبو حجاب کے فائدہ اور غرض کا ازالہ کرتی ہے جبکہ مرد مسجد اور جماعات ومجالس میں شرکت کرتے ہیں تو ان کے لئے خوشبو مناسب ہے اور رنگین زینت نسوانی وصف ہے جو مردانہ وصف سے مختلف ہے۔

قولہ:"عن المیثرة الاُرجُوَان" بکسرالمیم اس کے متعلق بحث ابواب اللباس تشریحات ج:۵ ص:۵۷۰ پر گذری ہے، وہ سرخ کپڑا جو زین کے اوپر بچھایا جاتا تھا جبکہ "اُرجُوان" بضم الہمزہ والجیم گہرے سُرخ کو کہتے ہیں علی ہذا اس کا ذکر بعد المیثرہ مبالغہ کے لئے ہے جیسے "وغَرَابِیبُ سُود" (سورۂ فاطر آیت:۲۷) جو لوگ سرخ رنگ کے استعمال کو مکروہ کہتے ہیں ان کے نزدیک تو کسی دوسری علت کی ضرورت نہیں لیکن جن کے نزدیک سرخ رنگ کا استعمال جائز ہے وہ یہاں دوسری علتوں کی بناء پر کراہیت کا قول بیان کرتے ہیں مثلاً یہ ریشمی کپڑا ہوتا تھا یا تَنَعُّم کی وجہ سے یا تشبہ بالاعاجم یا اسراف کی وجہ سے یا چونکہ یہ زین پوش درندوں کی کھالوں سے بنائے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ مگر آسان بات یہ ہے کہ آپؐ نے اس قسم کے تکلفات کی عادت ومعمول بنانے

Maktaba Tul Ishaat.com

سے منع کیا ہے۔

باب ماجاء فی کراھیة ردّالطیب

(خوشبو قبول نہ کرنا مکروہ ہے)

"عن ثُمامة بن عبدالله قال كان انس لَايَرُدُّ الطِيبَ وقال انسؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم كان لايردالطيب". (حسن صحيح)

حضرت ثُمامہ بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ خوشبو مسترد نہیں کرتے تھے اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بھی) خوشبو لینے سے انکار نہیں تھے۔

حدیث آخر:۔ "عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ثلاث لَاتُرَدُّ(۱)الوَسَائِد(۲)والدهن(۳)واللبن". (غريب)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن کو لینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے: (۱) تکیہ (۲) تیل (خوشبو) (۳) دودھ۔

حدیث آخر:۔ "اذااُعطِيَ احدُكم الرَيحَانَ فلايَرُدُّه فانه خرج من الجنة". (غريب حسن)

جب تم میں سے کسی کو خوشبو دی جائے تو وہ اسے لینے سے انکار نہ کرے کیونکہ وہ جنت سے نکلی ہے۔

تشریح:۔ باب کی آخری یعنی تیسری روایت ابوعثمان نہدی سے مروی ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن مُلٍ ہے۔ یہ آپؐ کے زمانہ میں تھے مگر آپؐ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، ایسے شخص کو مُخضرَم کہا جاتا ہے لہٰذا روایت مرسل ہے علی ہذا امام ترمذیؒ کا اس کو حسن کہنا محل نظر ہے، یا تسامح پر محمول ہے۔ ان احادیث میں خوشبو، تکیہ اور دودھ قبول کرنے کی ترغیب بیان ہوئی ہے، پہلی حدیث میں خوشبو کے لئے طیب کا لفظ استعمال ہوا ہے دوسری میں دُھن کا اور تیسری میں ریحان کا جو دراصل پودا ہوتا ہے جیسے گلاب اور چنبیلی وغیرہ کا پھول۔ جہاں تک دھن کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق اگرچہ عام تیل پر ہوتا ہے مگر یہاں مراد عطر ہے یعنی ذکر عام والمراد منہ الخاص اس کو عموم پر حمل کرنا بھی صحیح ہے۔

بہرحال ان اشیاء کو قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دوسرے کا اکرام کیا جاتا ہے اور اکرام

Maktaba Tul Ishaat.com

کرنے والے یعنی ہدیہ دینے والے پر کوئی خاص بوجھ بھی نہیں پڑتا، کیونکہ خوشبو کا استعمال عربوں میں زیادہ ہوتا تھا اور دودھ بھی عام ہوا کرتا تھا جبکہ تکیہ تو وقتی طور پر استعمال کے لئے دیا جاتا ہے لہٰذا اسے رد کرنے سے، دینے والے کے دل میں تکدّر پیدا ہونے کا اندیشہ ہوسکتا ہے، کیونکہ عربوں پر سخاوت اور اکرام کا غلبہ ہے وہ ہدیہ رد کرنے کو بُرا مانتے ہیں، ہاں کوئی قیمتی ہدیہ ہو تو چونکہ اس کا بدلہ دینا مشکل محسوس ہوتا ہے اس لئے اس کے نہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

قولہ: "فانہ خَرَجَ من الجنة" چونکہ تمام عمدہ اور نفیس اشیاء کی اصل تو جنت میں ہے دنیا میں ان اشیاء کے نمونے موجود ہیں اس لئے کسی بھی عمدہ چیز کو جنت کی طرف منسوب کرنے سے اس کی عمدگی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ (تدبر)

باب ماجاء فی کراهية مباشرة الرجلِ الرجلَ والمرأةِ المرأةَ

(بے حجابانہ اختلاط کی کراہیت کا بیان)

"عن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتباشر المرأةُ المرأةَ حتىٰ تَصِفَهَا لزوجها كانه ينظر اليها". (حسن صحيح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت دوسری عورت سے بے حجاب بدن نہ لگائے یہاں تک کہ پھر اس کا خاوند اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

تشریح:۔ مباشرت بَشَرة سے مشتق ہے ننگے بدن اور جسم کو ننگے جسم سے ملانے کو کہتے ہیں۔ نسائی میں ہے کہ ایک کپڑے میں دونوں مباشرت نہ کریں یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک ننگی عورت دوسری ننگی عورت کے ساتھ ایک چادر وغیرہ میں لیٹ جائے اور بالخصوص اس کا تذکرہ بھی اپنے شوہر کے سامنے نہ کرے کیونکہ شوہر کے ذہن میں وہ خیالی منظر آجائے گا جس سے فتنہ کا اندیشہ ہے بلکہ اس خیالی منظر کا تصور بذاتِ خود ایک فتنہ ہے چونکہ جسم کی حرارت سے شہوت وخواہش میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حضرت لوطؑ کی قوم کی عورتیں

Maktaba Tul Ishaat.com

ایک دوسرے سے چمٹی بازی کیا کرتی تھیں اس لئے بھی ایک عورت دوسری کے ساتھ بلا حائل نہ ملے تا کہ بدن کی حرارت محسوس نہ ہو پھر یہ علت مردوں میں بوجہ اتم پائی جاتی ہے اس لئے دو مردوں کا ایک ساتھ برہنہ ہو کر لیٹنا یا ملنا بطریق اولیٰ حرام ہوا جیسا کہ اگلی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

حدیث آخر:۔ "لاینظر الرجل الی عورة الرجل ولاتنظر المرأة الی عورة المرأة ولایُفضِی الرجل الی الرجل فی الثوب الواحد ولاتفضی المرأة الی المرأة فی الثوب الواحد". (حسن غریب)

ایک آدمی دوسرے آدمی کے ستر کو نہ دیکھے اور کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کو نہ دیکھے اور ایک آدمی دوسرے آدمی سے ایک ہی کپڑے کے اندر نہ لگے (یعنی نہ ملے) اور کوئی عورت دوسری عورت سے ایک ہی کپڑے میں نہ ملے۔

قولہ: "لایُفضِی" بضم الیاء الاولیٰ ای لایصل، یعنی نہ تو کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھے خواہ ایک ہی جنس سے ہوں یا الگ الگ جنس سے ہوں اور نہ کسی کے لئے یہ روا ہے کہ وہ ایک ہی کپڑے میں برہنہ حالت میں دوسرے سے جسم ملائے البتہ اگرچہ یہ کام کسی طرح جائز نہیں تاہم دو مردوں اور دو عورتوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا نسبۃً کم درجہ کا حرام ہے کیونکہ جنس ایک ہے جبکہ مخالف جنس والے کو دیکھنا سخت حرام ہے اور عقلی قباحت بھی شدید تر ہے اور چونکہ بات جسموں کی ہو رہی ہے اس لئے مرد کا مرد سے مصافحہ اور عورت کا عورت سے مصافحہ کرنا اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں کسی ممنوع کا ارتکاب نہیں ہوتا، اسی طرح اگر ضرورت ہو جائے جیسے ڈاکٹر کا آپریشن کی غرض سے دیکھنا تو وہ بھی بقدر ضرورت جائز ہے، نیز زوجین بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ متن ہدایہ میں ہے:

"ویجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منها (المرأة) للضرورة وینبغی ان یُعَلِّمَ اِمرأة مُداواتَهَا... وکذا یجوز للرجال النظر الی موضع الاحتقان من الرجال ... وینظر الرجل من الرجل الی جمیع بدنه اِلّا مابین سُرّته الی رکبتیه ... ومایباح النظر الیه للرجال من الرجل یُباح المس ... ویجوز للمرأة ان تنظر من الرجل الی ماینظر الرجل الیه منه اذا امنت الشهوة... وتنظر المرأة من المرأة الی مایجوز للرجل ان ینظر الیه من

Maktaba Tul Ishaat.com

الرجل ". (کتاب الکراھیۃ: ص:۳۹۰، ۳۹۱ ج:۴)

باب ماجاء فی حفظ العورة

اس باب کی حدیث مع ترجمہ حدیث اور ترجمۃ الباب پندرہ باب پہلے گذرا ہے فلیراجع باب ماجاء فی حفظ العورة قولہ: فَلَا تُرِيَنَّهَا اپنا ستر کسی کو مت دکھا۔

باب ماجاء ان الفخذعورة

(ران ستر میں داخل ہے)

"عن جَرهدٍ قال مرّالنبی صلی اللہ علیه وسلم بِجرهدفی المسجدوقدانکشف فخذه فقال:"ان الفخذعورة". (حسن)

حضرت جرہدؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) میں جرہد (راوی جو اصحاب صفہ میں سے ہیں) کے پاس سے گذرے جبکہ ان کی ران کھلی ہوئی تھی پس آپؐ نے فرمایا ران (بھی) ستر (میں سے) ہے۔

تشریح:۔ اگلی حدیث کے الفاظ ذرا مختلف ہیں اس میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا: "غَطِّ فَخِذَکَ فانهامن العورة "اپنی ران چھپاؤ کہ یہ ستر میں سے ہے، اس باب میں آخری روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: " الفخذ عورة"۔ ران اور اسی طرح گھٹنے کے بارے میں متعدد روایات ان کے ستر کا حصہ ہونے پر ناطق ہیں تاہم ان روایات میں ضعف بھی پایا جاتا ہے، جمہور حنفیہ کے نزدیک ناف سے گھٹنوں تک کا پورا حصہ ستر ہے البتہ ناف اس میں شامل نہیں تاہم روایات کے درجات کو اور بنیادی اصول کو دیکھتے ہوئے ان کی حد بندی اس طرح کی گئی ہے کہ شرمگاہ یعنی قُبُل ودُبُر تو عورت غلیظہ ہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں جبکہ ران ہمارے حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی ستر میں شمار ہوتی ہے مگر اس کا درجہ قُبُل ودُبُر سے نسبۃً ہلکا ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ ستر میں شامل نہیں البتہ اس کا ڈھانکنا مستحب ہے جیسا کہ عارضۃ الاحوذی میں ہے۔ امام احمدؒ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے اور اہل ظاہر بھی ران کو عورت نہیں مانتے، جبکہ گھٹنے کے ستر ہونے کا ائمہ ثلاثہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بھی ستر کا حصہ ہے کیونکہ ایک تو یہ ران کا حصہ ہے لہٰذا اس پر ران کا حکم جاری ہوگا دوسرے اس کے بارے میں بھی روایات آئی

Maktaba Tul Ishaat.com

ہیں لہٰذا احتیاط کی بناء پر اس کو بھی ستر کا حصہ شمار کیا جانا چاہئے البتہ اس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وینظر الرجل من الرجل الی جمیع بدنه اِلّا اِلیٰ مابین سُرّته الی رُکبتیه ....وفیه....وحکم العورة فی الرکبة اخف منه فی الفخذ،وفی الفخذ اَخفُّ منه فی السوءَةِ حتیٰ ان کاشف الرکبة ینکر علیه بِرِفق و کاشف الفخذیُعَنَفُ علیه و کاشف السوءة یُؤدّب اِن لَجّ".

(کتاب الکراھیۃ:ص:۳۹۰ج:۴)

یعنی گھٹنے کھولنے والے کو نرمی سے سمجھایا جائے گا کہ ڈھانک لو جبکہ ران کھولنے والے کو سختی سے ڈانٹا جائے گا یعنی سرزنش کی جائے گی مگر مارا نہیں جائے گا مگر شرمگاہ ظاہر کرنے والے کی تادیب ضرب وغیرہ سے کی جائے گی اگر وہ ضد و اصرار کرے کھلا رکھنے پر۔

ہمارا استدلال باب کی احادیث اور ان احادیث سے ہے جن کی طرف امام ترمذیؒ نے وفی الباب عن علیؓ الخ کہہ کر اشارہ کیا ہے، امام قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں اور امام نوویؒ و حافظ ابن حجرؒ نے اِن احادیث کے مجموعہ کو قابل حجت قرار دیا ہے، امام بخاریؒ نے دونوں قسم کی احادیث پر مختصر مگر جامع تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سند کے لحاظ سے حضرت انسؓ کی حدیث قوی ہے مگر احتیاط کی رُو سے حضرت جرہدؓ کی حدیث (باب) وزنی ہے ولفظہ:

"وَیُروی عن ابن عباس وجرهدومحمدبن جحش عن النبی صلی الله علیه وسلم :الفخذ عورة وقال انس حَسَرَ النبی صلی الله علیه وسلم عن فخذه قال ابوعبد الله وحدیث انس اَسنَدُ وحدیث جرهداَحوَطُ حتیٰ نخرج من اختلافهم". (ص:۵۳ج:۱"باب مایذکر فی الفخذ")

خلاصہ یہ ہے کہ باب کی روایات محرم و قولی ہیں جبکہ حضرت انسؓ کی حدیث کہ میں نے خیبر کی گلی، کوچے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کا بیاض دیکھا تھا واقعہ حال اور فعلی حدیث ہے قاعدہ باب کی حدیث میں بیان ہوا ہے لہٰذا یہ راجح ہوگئی، اسی طرح ایک روایت حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے کہ آپؐ کی ران کھلی ہوئی تھی اس کے باوجود آپؐ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اندر آنے کی اجازت دے دی تھی، یہ بھی واقعہ حال ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی النظافة

(صفائی ستھرائی کا بیان)

"عن صالح بن ابی حسّان قال سمعتُ سعیدبن المسیّب یقول: ان اللہ طیّب یُحِبُّ الطِّیبَ، نظیف یُحِبُّ النظافة، کریم یُحِبُّ الکرم، جَوّادٌیُحب الجُودَ، فَنَظِّفُوا اُراہ قال اَفنِیَتکم ولاتشبّھُوا بالیھود قال فذکرتُ ذالک الخ". (غریب وخالدبن الیاس یُضَعَّفُ)

صالح بن ابی حسان کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیّب کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، نظیف (ستھرا) ہے نظافت (ستھرائی) کو دوست رکھتا ہے، کریم (فیاض) ہے کرم (فیاضی) کو محبوب رکھتا ہے جواد ہے، سخاوت کو پسند کرتا ہے، پس تم صاف ستھرا رکھو! (راوی صالح کہتے ہیں) میرا گمان ہے کہ فرمایا (سعید بن المسیب نے) اپنے آنگنوں (صحنوں) کو اور یہود کی مشابہت نہ کرو!

تشریح:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حُسنیٰ سب توقیفی ہیں شریعت میں جو نام منصوص ہو، صرف اسی کے اطلاق کی اجازت ہے یا دوسری زبانوں میں اس کے ہم معنی الفاظ کی، مگر چونکہ عام لغات میں وہ جامعیت نہیں پائی جاتی جو عربی میں ہے اس لئے اوپر ترجمہ میں وہی الفاظ نقل کرنا ہی مناسب سمجھا گیا ورنہ تو بعض لوگ جواد کا ترجمہ "سخی" سے کرتے ہیں مگر یہ غلطی ہے کیونکہ سخاوت کا مفہوم بہت محدود ہے۔ قولہ: "یُحِبُّ الطِّیبَ" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو اچھی حالت پسند ہے، جو بندہ صفائی ستھرائی کا خیال رکھتا ہے اور اہتمام کرتا ہے تو وہ اللہ کو پسند ہے کیونکہ انسان کا ظاہر اس کے باطن پر اثر انداز ہوتا ہے وبالعکس، یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کو خوشبو سونگھنا پسند ہے کیونکہ یہ تو صفات جسمانی میں سے ہے جبکہ اللہ اس سے پاک ہے۔ اسماء حُسنیٰ کے لئے امام ترمذیؒ نے ابواب الدعوات میں مستقل باب ذکر کیا ہے، یہاں صرف اتنی سی بات عرض ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے عیوب سے پاک اور منزہ ہے یہ مضمون نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اور اس پر انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمم کا اجماع ہے۔ حدیث باب میں خالد بن الیاس اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے حدیث کے شروع حصہ کے اوپر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ متواتر ہے۔ قولہ: "افنیتکم" فِناء کی جمع ہے گھر کے سامنے والی جگہ کو کہتے ہیں چونکہ یہود جانور پالتے اور ان کو گھروں کے باہر باندھتے اور گھروں کا کوڑا کرکٹ بھی وہیں پھینکتے تھے جو ایک طرف ان کے خبث باطن کا آئینہ دار ہے دوسری طرف بخل کا عکاس ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

لہٰذا تم اپنے گھروں اور ہر چیز کو صاف رکھو تا کہ مہمانوں کی آمد جاری رہے۔

باب ماجاء فی الاِستِتار عند الجماع

(ہم بستری کے وقت پردے کا اہتمام)

"عن ابن عمران رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: اِیّاکم والتّعَرِّی فان معکم من لایفارقکم اِلّاعندالغائط وحین یُفضی الرجل الی اهله فاستحیوهم واکرموهم". (غریب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچو تم برہنگی سے اس لئے کہ تمہارے ساتھ وہ لوگ (فرشتے) ہیں جو تم سے جُدا نہیں ہوتے مگر بڑے استنجے کے وقت اور جب آدمی اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے پس تم ان سے حیاء کرو اور ان کی تعظیم کرو!

تشریح:۔ اس حدیث میں ضرورت کے علاوہ کسی بھی موقع پر ستر کھولنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے کیونکہ اگر کہیں پر آدمی نہ ہوں تو فرشتے تو ہوتے ہیں جن کو برہنہ آدمی سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور یہ کام ان کی تعظیم اور شان کے بھی منافی ہے اس لئے ان کا خیال رکھنا اور اکرام کرنا ضروری ہے اور ان سے شرمانا بھی چاہئے۔ ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ فرشتوں کے علاوہ اہل ایمان جنات بھی خوراک کی تلاش میں گھروں میں آتے رہتے ہیں: "فان الملائکة تکتب وتحفظ والمؤمنون من الجن یطلبون الزادالخ" غرض حفظہ اور کرام کاتبین ہر دو قسم کے فرشتے مراد ہیں وہ مزید لکھتے ہیں کہ ابن عمرؓ بلّی کی گھر میں موجودگی کے وقت بھی بیوی سے جماع نہ کرتے۔ جہاں تک ضرورت کے مواقع کا تعلق ہے تو ان صورتوں میں اگرچہ برہنہ ہونا جائز ہے مگر اس میں بقدر ضرورت برہنہ ہونے پر اکتفاء کرنا چاہئے چنانچہ ایک روایت میں اونٹوں کی طرح ملنے سے ممانعت آئی ہے۔

باب ماجاء فی دخول الحمام

(حمام میں جانے (اور نہانے) کا بیان)

"عن جابرؓ ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلایُدخِل حلیلته الحَمّام ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلایدخُلِ الحمام بغیرازارومن

Maktaba Tul Ishaat.com

كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلايجلس على مائدة يُدار عليهم الخمر". (حسن غريب)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنی بیوی کو حمام میں نہ لے جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیا پر ایمان رکھتا ہو تو وہ حمام میں بغیر تہ بند (لنگی) کے نہ جائے، اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ا ہو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس (کے شرکاء) میں شراب کا دور چل رہا ہو۔

حدیث آخر:۔"عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم نهیٰ الرجال والنساء عن الحمامات ثم رَخّصَ للرجال فی المیازر". (هذاحديث ...واسناده ليس بذالک القائم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے) مردوں اور عورتوں کو حماموں میں جانے سے منع کیا تھا، پھر مردوں کو تہ تہبند باندھ کر جانے کی اجازت دی۔

حدیث آخر:۔"عن ابی المليح الهذلی ان نِساءً من اهل حمص اومن اهل الشام دخلن علی عائشة فقالت: انتُنّ اللاتی یدخلن نساء کن الحمامات؟ سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: مامن اِمرأة تضع ثیابها فی غیر بیت زوجها اِلّاهتکتِ الستر بینها وبین ربها". (حسن)

ابوالملیح ہذلیؒ فرماتے ہیں کہ حمص یا شام کی کچھ عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا تم وہی ہو کہ تمہاری عورتیں حماموں میں (نہانے) جاتی ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو بھی عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اپنے کپڑے اتار دے تو وہ پھاڑ دیتی ہے وہ پردہ جو اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔

تشریح:۔باب کی تمام احادیث سے حمام کی مذمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہاں لوگ پردے کے اہتمام کے بغیر اجتماعی غسل کرتے تھے ایسے میں تو مردوں کے لئے بھی وہاں جانا جائز نہیں چہ جائے کہ وہاں عورتیں جائیں خصوصاً جب عورت بذات خود بھی پردے کا التزام نہ کرے، یہ ممانعت ان حماموں کے بارے میں ہے جہاں تالاب اور حوض بنے ہوتے ہیں جیسے آج کل بڑے ہوٹلوں اور بعض تفریحی پارکوں میں ہوتے ہیں، جہاں تک عام رائج حماموں کا تعلق ہے جن میں الگ الگ غسل خانے بنے ہوتے ہیں اور پردے کا بھی بھرپور خیال رکھا جاتا ہے وہ اس وعید و نہی میں شامل نہیں ہیں ایسے حماموں میں اگر کوئی دیگر قباحت نہ ہو تو مذکورہ

Maktaba Tul Ishaat.com

احادیث میں نہی کی علت ان کو شامل نہیں پھران میں نہانا مباح ہوگا گو کہ عورتوں کا حکم پھر بھی وہی رہے گا کہ وہ اپنے گھروں میں غسل کا التزام کریں تاہم اگر کوئی ایسی ناگزیر ضرورت پیش آئے مثلاً سفر کی حالت میں شدید سردی کی وجہ سے کوئی متبادل انتظام نہ ہو اور غسل ضرورت کی نوبت آئے تو پردے کے ساتھ حمام میں جانے کی اجازت ہے جبکہ محرم ساتھ ہو اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

قولہ: "اِلّاھتکت الستر بینھا وبین ربھا" یہاں پردے سے مراد حیاء ہے یعنی جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ کپڑے اتارے گی تو وہ حیا کا جنازہ نکالے گی کیونکہ اس کے لئے شوہر کے سوا کسی کے سامنے کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں۔ یہ کام فقط وہی عورت کرسکتی ہے جس نے اپنی خداداد شرم وحیا بالائے طاق رکھ کر حیا سے عاری ہونے کا فیصلہ کیا ہو ایسی بے حیا عورت کے لئے کہیں بھی کپڑے اتار کر عاری ہونا آسان ہوجاتا ہے۔ باحیا خاتون ایسا نہیں کرسکتی ہے۔

باب ماجاء ان الملائکة لاتدخل بیتاً فیه صورة ولا کلب

(فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو)

"عن ابن عباس یقول سمعت اباطلحة یقول سمعتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا تدخل الملائکة بیتاً فیه کلب ولاصورةُ تماثیلَ". (حسن صحیح)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوطلحہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں اس گھر میں جس میں کتا ہو یا کسی جاندار کی تصویر ہو۔

حدیث آخر:۔ عن اسحاق بن عبدالله بن ابی طلحة ان رافع بن اِسحاق اخبره قال دخلتُ اناوعبدالله بن ابی طلحة علی ابی سعیدالخدری نعوده فقال ابوسعید: اَخبَرَنارسول الله صلی الله علیه وسلم ان الملائکة لاتدخل بیتاً فیه تماثیل اوصورة شَکّ اسحاق لایدری ایهماقال". (حسن صحیح)

اسحاق بن عبداللہ سے روایت ہے رافع بن اسحاق نے ان کو خبر دی ہے کہ حضرت رافع بن اسحاق نے فرمایا کہ میں اور عبداللہ بن ابی طلحہ ابوسعید خدریؓ کی عیادت کے لئے گئے تو ابوسعیدؓ نے فرمایا: اخبرنا رسول اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

صلی اللہ علیہ وسلم ... باقی حدیث ابن عباسؓ کی سابقہ حدیث کی طرح ہے۔

حدیث ابی ہریرۃ:۔ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اَتَانی جبرئیل فقال انی کنت اَتیتُکَ البارحة فلم یمنعنی ان اکون دخلتُ علیک البیت الذی کنت فیه اِلّانه کان فی باب البیت تمثال الرجال وکانَ فی البیت قِرام سِترفیه تماثیل وکان فی البیت کلب،فَمُربرأس التمثال الذی بالباب فَلیُقلع فیصیر کهیئة الشجرة وَمُربالسِّترفَلیُقطَع ویُجعل منه وِسادتین مُنتبذتین توطأن ومُربالکلب فیخرج ففعل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وکان ذالک الکلب جِرواً لِلحُسین اوللحَسَن تحت نَضَدٍ له فامربه فاخرج". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کے پاس گذشتہ رات آیا تھا تو مجھے آپ کے پاس اس گھر میں جس میں آپ تھے داخل ہونے سے نہیں روکا مگر یہی کہ گھر کے دروازے پر مردوں کی تصویر تھی، اور گھر میں ایک باریک (یا رنگین) پردہ تھا جس میں جاندار کی تصویریں تھیں اور (یہ کہ) گھر میں ایک کتا (بھی) تھا (اس لئے میں اندر نہ آیا) پس آپ حکم فرمادیجئے کہ سر اس تصویر کا جو دروازے پر ہے کاٹ دیا جائے تا کہ وہ درخت کی شکل کی مانند ہو جائے اور پردے کے بارے میں حکم کیجئے کہ اسے پھاڑ دیا جائے اور اس سے دو تکیے بنائے جائیں جو زمین پر پڑے رہیں جن کو پامال کیا جاتا رہے (یعنی روندے جائیں) اور کتے کے متعلق حکم دیجئے کہ اسے نکال باہر کیا جائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، وہ کتا حضرت حسینؓ یا حضرت حسنؓ کا پلا تھا (یعنی کھیلنے کے لئے) جو چھوٹی میز (یا چارپائی) کے نیچے تھا، چنانچہ آپؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اسے نکال دیا گیا۔

تشریح:۔ قولہ: "تماثیل" تمثال بکسر التاء کی جمع ہے لغوی اعتبار سے تصویر اور تمثال دونوں مترادف یا قریب المعنی الفاظ ہیں کہ ہر ایک میں انتقال کے معنی پائے جاتے ہیں خواہ پتھر کا تراشا ہوا مجسمہ اور مورتی ہو یا کاغذ اور کپڑے وغیرہ پر بنا ہوا فوٹو ہو دونوں پر صورت اور تمثال کا اطلاق ہوتا ہے اگر چہ اصطلاح میں عموماً تمثال کا اطلاق جاندار کی شکل وصورت اور مورت پر ہوتا ہے لہٰذا پہلی حدیث میں "صورت کے بعد تمثال" کا ذکر جاندار کی تخصیص کے لئے ہوا۔ قولہ: "قِرام ستر" ستر تو پردے کو کہتے ہیں جبکہ قرام بروزن کتاب باریک پردہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور اونی رنگین ومنقش کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قولہ: "منتبذتین" نبذ سے بمعنی پھینکنے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور ڈالنے کے ہے یعنی وہ تکیے زمین پر، پڑے رہیں تا کہ اُن تصاویر کی توہین ہوتی رہے، اور شکل بھی مِٹ جائے۔

قولہ: "جِرواً" بکسر الجیم پلّے یعنی کتے کے چھوٹے بچے کو کہتے ہیں۔ قولہ: "نَضَد" بروزن قمر اصل میں تہ بہ تہ چیزوں کے رکھنے کو کہتے ہیں میز کی طرح تپائی اور چارپائی پر بھی اطلاق ہوتا ہے کہ ان پر بھی کپڑے یا بستر وغیرہ سامان تہ بہ تہ رکھا جاتا ہے، پہلے زمانہ میں ایک معمول تھا کہ زمین پر بیٹھنے کے لئے چھوٹی چارپائی نما نشست بنائی جاتی تھی جو کبھی کرسی کی طرح بھی ہوتی تھی اس کے پائے بہت چھوٹے ہوتے تھے ممکن ہے کہ یہاں وہی مراد ہو۔ واللہ اعلم

باب کی احادیث سے تصویر بنانے اور استعمال کرنے کی حرمت اور کُتے پالنے کی ممانعت معلوم ہوئی البتہ ضرورت کے مواضع مستثنیٰ ہیں کتے کے متعلق تفصیل کے لئے دیکھئے تشریحات جلد پنجم ص: ۲۰۶ "باب ماجاء فی ثمن الکلب" اور تصویر کے لئے جلد چہارم ص: ۳۵۵ تا ص ۳۵۹ "باب ماجاء فی تسویۃ القبر اور جلد پنجم "باب ماجاء فی الصورۃ" ص: ۵۵۶ ملاحظہ ہو۔

علاوہ ازیں آج کل ڈیجیٹل تصویر کے متعلق بھی راقم نے جدید سائنسی اصول کے مطابق مستقل کتاب لکھی ہے "شعاعی تصویر کی حقیقت اور شرعی حیثیت" اس پر ماہرین کی آراء بھی آئی ہیں۔ اس میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جدید شعاعی تصویر اور کاغذ کے فوٹو اور مجسمہ سب حرمت میں برابر ہیں، ان سے بچنا چاہئے صرف شدید ضرورت کے وقت استعمال کی جائے جبکہ بنانا تو کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ لُبس المُعصفَر للرجال

(مردوں کے لئے عُصفر (سرخ یا زرد رنگ) سے رنگا ہوا کپڑا مکروہ ہے)

"عن عبداللہ بن عمرو قال مَرَّ رجل وعلیہ ثوبان احمران فَسَلَّمَ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یَرُدّ علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم السلامَ". (حسن غریب)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص گذرا اور اس پر دو سُرخ کپڑے تھے (یعنی پہنے ہوئے تھے) اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

تشریح:۔ قولہ: "المُعصفَر" عُصفُر (بضم الاول والثالث) "کُسُم" ایک بوٹی ہے جس سے رنگائی

Maktaba Tul Ishaat.com

کی جاتی ہے تاہم اس کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟ تو کسی نے زرد قرار دیا ہے اور کسی نے سرخ، دوسرے مطلب اور باب کی حدیث کے لفظ "احمران" کے مطابق سُرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال مردوں کے لئے مکروہ ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ اس مسئلہ کے لئے امام ترمذیؒ نے ابواب اللباس میں ایسا ہی باب ذکر کیا ہے جس کی تفصیل وہاں گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص: ۵۳۷ ج: ۵)

البتہ اِس باب میں یہاں امام ترمذیؒ نے ایک تاویل کی ہے کہ "انه كره لبس المعصفور أوا ان ماصبغ بالحمرة بالمَدَرِ اوغير ذالك فلابأس به"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سُرخ رنگ مکروہ ہے جو کسی پودے اور بوٹی کا ہو جسے عصفر کہتے ہیں لیکن اگر مَدَر یعنی مٹی کا سرخ رنگ ہو تو اس میں کوئی حرج و کراہیت نہیں۔ یہاں مَدَر سے مراد گیرو ہے جو ایک لال قسم کی مٹی ہوتی ہے۔

المستر شد: عرض کرتا ہے کہ کراہیت کی علت جب تیز سرخی ہے تو پھر اس قسم کا فرق سمجھ سے بالاتر ہے۔ لہٰذا ہر گہرا سرخ رنگ مکروہ ہے البتہ ہلکا سرخ جائز ہے۔

حدیث آخر:۔ "قال علی بن ابی طالب نهیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم عن خاتم الذهب وعن القَسِّيّ وعن المِيثرة وعن الجَعَةِ قال ابو الاحوص وهوشراب يتخذ بمصرمن الشعير". (حسن صحيح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی (پہننے) سے منع فرمایا ہے اور قسی (ریشمی ملاوٹ والے) کپڑے سے اور سرخ زین پوش سے اور جو کی شراب سے..... ابوالاحوص کہتے ہیں کہ جَعَہ شراب تھی جو مصر میں جو سے بنائی جاتی تھی۔

سونے کی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز نہیں امام ترمذیؒ نے ابواب اللباس میں اس پر باب قائم کیا ہے۔ قوله: "وعن القسی" وہ کپڑا جس میں ریشم کی آمیزش ہو، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس میں سین زاء کا متبادل ہے اصل میں یہ قزی تھا قز خام ریشم کو کہتے ہیں یہ مسئلہ بھی ابواب اللباس میں گذرا ہے۔ قوله: "وعن الميثرة" بکسر المیم، یہ بھی چند ابواب پہلے باب ماجاء فی طیب الرجال والنساء میں گذرا ہے، نیز ابواب اللباس میں اس کے لئے مستقل باب آیا ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ص: ۵۷۰ ج: ۵) جو وغیرہ کی شرابوں کی تفصیل ابواب الاشربہ میں گذری ہے۔ فلانعیدہ۔

حدیث آخر:۔ "عن البراء بن عازب قال اَمَرَنا رسول الله صلی الله علیه وسلم بسبع

Maktaba Tul Ishaat.com

ونهانا عن سبع، امرنا باتباع الجنائز وعيادة المريض وتشميت العاطس واجابة الداعي ونصر المظلوم وابرار المقسم ورد السلام ونهانا عن سبع عن خاتم الذهب او حلقة الذهب وانية الفضة ولبس الحرير والديباج والاستبرق والقسيّ". (حسن صحيح)

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے ہمیں منع کیا ہے: (۱) ہمیں جنازوں کے ہمراہ (پیچھے) جانے کا حکم دیا ہے (بیمار کی عیادت کا) (۳) اور چھینکنے والے کو جواب دینے (یعنی دعاء) کا (۴) اور دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا (۵) اور ستم رسیدہ کی مدد کرنے کا (۶) اور قسم کھانے والے کی قسم سچا کرنے کا (۷) اور سلام کا جواب دینے کا حکم دیا ہے۔ اور آپؐ نے ہمیں سات باتوں سے منع فرمایا ہے: سونے کی انگوٹھی سے یا فرمایا (شک الراوی) سونے کے چھلے سے (یعنی مردوں کے لئے منع فرمایا ہے) اور چاندی کے برتن کے استعمال سے اور (ہر قسم کے) ریشم سے دیباج یعنی نرم اور استبرق یعنی موٹے ریشم سے اور قسی سے یعنی جس کپڑے میں ریشم کی آمیزش ہو سب سے منع فرمایا ہے کہ مرد اس قسم کے کپڑے نہ پہنیں۔

بخاری کی روایت میں "میاثر حُمر" کا بھی ذکر ہے یعنی سُرخ زین پوش سے ممانعت فرمائی ہے اس سے ترجمہ سے مناسبت بھی معلوم ہوئی، ان تمام جزئیات پر بحث گذری ہے جو مختلف ابواب میں مذکور ہے۔

باب ماجاء فی لُبس البیاض

(سفید کپڑے پہننے (کی افضلیت) کا بیان)

"عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اِلْبَسُوا البياض فانها اطهر واطيب وكَفِّنُوا فيها موتاكم". (حسن صحيح)

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: سفید کپڑے پہنا کریں اس لئے کہ یہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ عمدہ (وخوب صورت) ہیں اور اسی (سفید) میں اپنے مردیں کفناؤ۔

تشریح:۔ اس باب میں سفید کپڑوں کے استعمال حیاً ومیتاً کی ترغیب اور افضلیت کا بیان ہے اگرچہ مَردوں کے لئے تیز سُرخ اور زرد کے علاوہ باقی سب رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے بشرطیکہ کوئی دوسرا مانع نہ ہو، سرخ میں حنفیہ کے آٹھ اقوال ہیں حرمت کا بھی ہے اور استحباب کا بھی مکروہ تحریمی اور تنزیہی کے اقوال بھی ہیں

Maktaba Tul Ishaat.com

جبکہ باقی ائمہ کے نزدیک وہ سرخ مکروہ ہے جو معصفر ہو باقی جائز ہے، یہ مسئلہ سابقہ باب میں اور اس سے پہلے بھی بیان ہوا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب کے بعد بھی متعدد ابواب قائم کئے ہیں۔ بہر حال ان تمام رنگوں میں سب سے افضل سفید ہے خصوصاً علماء وطلبہ کے لئے کیونکہ ایک تو یہ علم کے ساتھ مناسب ہے کہ نورانی لگتا ہے دوم اس میں صفائی وستھرائی نمایاں نظر آتی ہے، سوم ظاہر کا اثر باطن پر ہوتا ہے اس لئے سفید استعمال کئے جائیں تاکہ باطن بھی صاف ہو۔ نیز قیمت کے لحاظ سے بھی سفید کپڑے مناسب اور درمیانہ ہوتے ہیں: ''وخیر الامور اوسطها'' نیز یہ جلدی دھونے پڑتے ہیں جس سے وہ پاک رہتے ہیں اور نماز کی ادائیگی کے لئے موزوں ترین بن جاتے ہیں۔ تاہم آپؐ سے دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہیں لہٰذا کہا جائے گا کہ اصل سفید ہے اور باقی کا استعمال بیان جواز کے لئے ہے، پھر یہ حکم عمامہ وغیرہ سب کے لئے یکساں ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے دن کالا عمامہ پہننا بیان جواز کے لئے تھا وہ لکھتے ہیں:

''فیه جواز لباس الثیاب السُود وفی الروایة الأُخری ''خطب الناس وعلیه عمامة سوداء'' فیه جواز لباس الاسود فی الخطبة وان کان الابیض افضل منه کما ثبت فی الحدیث الصحیح ''خیر ثیابکم البیاض'' واما لِباس الخطباء السِوادَ فی حالة الخطبة فجائز ولکن الافضل البیاض کما ذکرنا، وانما لَبِسَ العمامة السوداء فی هذا الحدیث (ای ان النبی صلی الله علیه وسلم دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء) بیاناً لِلجواز''. والله اعلم

(شرح مسلم للنوویؒ: ص: ۴۳۹ ج: ۱ ''باب جواز دخول مکة بغیر احرام'')

باب ماجاء فی الرخصة فی لُبس الحُمرة للرجال

{(ہلکے) سُرخ رنگ کے کپڑوں کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے}

''عن جابر بن سمرة قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم فی لیلة اِضحیان فَجَعلتُ انظر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم والی القمر وعلیه حُلّة حمراء فاذا هو عندی احسن من القمر''. (حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھویں شب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا پس میں (نے موازنہ کیا) کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا اور کبھی چاند پر نظر ڈالتا، آپؐ سُرخ جوڑا پہنے ہوئے تھے تو اس وقت میرے نزدیک آپؐ چاند سے زیادہ حسین تھے۔

تشریح:۔قولہ: "فی لیلة اِضحِیَان" عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ ترکیب اضافی ہے اور اِضحیان مہینہ کی آٹھویں رات کو کہتے ہیں انتہیٰ یا مطلق چاندنی رات مراد ہے چونکہ چاند، بذات خود کوئی نورانی جسم نہیں ہے بلکہ ہماری زمین کی طرح مختلف النوع کرہ ہے جب سورج کی شعاعیں اس پر پڑ جاتی ہیں تو وہ حصہ انعکاس اَشِعَّہ کی بناء پر چمکدار نظر آتا ہے، جبکہ آنحضورؐ چاند کی روشنی کے علاوہ دوسرے انوار وتجلیات اور ظاہری وباطنی محسّنات وخوبیوں اور خداداد محبوبیت کا مرکز تھے، اس لئے چاند کہاں آپؐ کا حسن میں مقابلہ کرسکتا ہے، باقی کمالات کی تو بات ہی اور ہے۔

رہا سُرخ کپڑوں کا مردوں کے لئے استعمال کا مسئلہ تو سابقہ باب میں عرض کیا جاچکا ہے کہ اس بارے میں حنفیہ کے آٹھ قول ہیں جن اقوال کے مطابق ممنوع ہے ان کی طرف سے حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ یہ جوڑا خالص سُرخ نہیں تھا بلکہ ہلکا سرخ تھا یا اس میں سرخ دھاریاں تھیں سارا سرخ نہ تھا۔ (تفصیل تشریحات جلد:۵ ص:۵۳۵ پر گذری ہے "باب ماجاء فی الرخصة فی الثوب الاحمر"، من ابواب اللباس)

قولہ: "وفی الحدیث کلام اکثر من هذا الخ" شاید یہ سند پر کلام کے بارے میں فرمایا ہو کہ مختصراً بحث تو فرمادی اور اس کے لئے امام بخاریؒ کا قول بھی نقل کیا کہ یہ حدیث جو بواسطہ اشعث عن ابی اسحاق عن جابر بن سمرہؓ مروی ہے اور وہ حدیث جو بواسطہ شُعبہ عن ابی اسحاق عن البراءؓ مروی ہے دونوں صحیح ہیں اور باقی تفصیل حذف فرمادی ورنہ اگر متنِ حدیث کی بات کی جائے تو شمائل ترمذی میں بھی یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

باب ماجاء فی الثوب الاخضر

(سبز کپڑوں کا استعمال)

"عن ابی رِمثة قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم وعلیه بُردان اخضران".

(حسن غریب)

Maktaba Tul Ishaat.com

حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جبکہ آپؐ دو سبز چادر زیب تن کئے ہوئے تھے۔

تشریح:۔دو باب قبل "باب ماجاء فی لُبس البیاض" میں عرض کیا جاچکا ہے کہ سب سے بہتر لباس سفید ہے جبکہ باقی رنگوں کا استعمال آپؐ نے بیان جواز کے لئے فرمایا، لہٰذا اگر باب کی حدیث میں "اخضران" کو خالص سبز مان بھی لیا جائے تو اس سے سُنّیت پھر بھی ثابت نہیں ہوتی زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں بھی اہل جنت کے سبز لباس کا بار ہا ذکر آیا ہے لیکن آپؐ نے اس کو معمول کے طور پر کبھی بھی استعمال نہیں فرمایا ہے۔

یہ تو نفس مسئلہ کی نوعیت تھی، لیکن آج کل یہ مسئلہ دو پیش ہے کہ سبز رنگ کو بعض لوگوں نے اپنا شعار بنایا ہے وہ اس رنگ کو بطور مارکہ اور مونوگرام کے استعمال کرتے ہیں اس لئے آج کل اس کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ اگر سنت بھی اہل بدع کا شعار بن جائے تو اسے ترک کرنا اولی ہے جبکہ سبز رنگ تو سنت بھی نہیں ہے ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کے کتاب الجنائز میں یہ ضابطہ بیان کیا ہے:

"وفیه اشارة الی ان کل سنة تکون شِعار اهل البدعة ترکها اولی".

(مرقات: ص:۱۴۶ ج:۴ "باب المشی بالجنازۃ والصلوٰۃ علیھا"، فصل ثالث کی دوسری حدیث، مکتبہ رشیدیہ)

باب ماجاء فی الثوب الاسود

(کالے لباس کا بیان)

"عن عائشة قالت خرج النبی صلی الله علیه وسلم ذات غداةٍ وعلیه مِرطٌ من شعر اسود". (حسن صحیح غریب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو (گھر سے) نکلے جبکہ آپؐ پر بالوں کی کالی چادر تھی۔

تشریح:۔قولہ: "مِرط" بکسر المیم بروزنِ سِدر چادر کو کہتے ہیں خواہ اُونی ہو یا کاٹن اور بالوں سے بنی ہوئی ہے پھر مسلم کی روایت میں ہے کہ اس چادر پر کجاوے کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

اس حدیث کو بھی سابقہ باب کے ضابطہ کے تناظر میں دیکھنا چاہئے کہ کالا، اونی اور بالوں کا بنا ہوا

Maktaba Tul Ishaat.com

لباس جائز ہے لیکن مسنون نہیں ہے، گوکہ ہندوستان میں کسی وقت یہ مسلمانوں کا شعار شمار ہوتا تھا جیسا کہ عالمگیری میں اس مُردے کے بارے میں لکھا ہے جو کسی نامعلوم جگہ پایا جائے تو یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہندو ہے یا مسلمان؟ تو اس کی تین علامات بیان کی ہیں: (۱) ختنہ (۲) خضاب (۳) اور کالا لباس، ان میں کوئی ایک ملے تو اسے مسلمان قرار دیا جائے گا، مگر اب چونکہ کالے کو روافض نے اور خصوصاً محرم کے مہینہ میں اپنا شعار بنایا ہے اس لئے کالے لباس سے اور خصوصاً محرم کے مہینہ میں اس سے بچنا چاہئے۔

باب ماجاء فی الثوب الاصفر

(زرد رنگ کے لباس کا بیان)

"عن قیلة بنت مخرمة وکانتا ربیبتیها، وقیلة جدة ابیهما اُمُّ اُمِّه انها قالت قَدِمنا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرت الحدیث بطوله ... حتیٰ جاء رجل وقد ارتفعت الشمس فقال السلام علیک یارسول الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وعلیک السلام ورحمة الله او علیه تعنی النبی صلی الله علیه وسلم اَسمَالُ مُلَیّتینِ کانتا بزعفران وقد نفضتا ومعه عُسیبُ نخلة".

حضرت صفیہ اور حضرت دُحیبہ دونوں اپنے والد کی نانی حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (ہجرت کر کے) آئے..... پھر انہوں نے پوری طویل حدیث بیان کی..... یہاں تک کہ ایک شخص آیا جبکہ سورج بلند ہو چکا تھا تو اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا وعلیک السلام ورحمة الله .....اور آپؐ پر، ان کی مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں پر دو پُرانے کپڑے بغیر سلائی والے تھے جو زعفران سے رنگے ہوئے تھے جن کا رنگ جھڑ (اُڑ) گیا تھا (یعنی ہلکا ہلکا باقی تھا) اور آپؐ کے پاس کھجور کی ٹہنی تھی۔

تشریح:۔قولہ: "وکانتا ربیبتیها" یعنی صفیہ اور دُحیبہ دونوں حضرت قیلہؓ کی پروردہ ہیں، ان دونوں بہنوں میں سے دحیبہ راوی حسان کی حقیقی دادی ہیں۔قولہ: "فذکرت الحدیث بطوله" یعنی یہاں اس طویل حدیث کا صرف ایک جزء نقل کیا گیا ہے جو ترجمۃ الباب سے متعلق ہے باقی حدیث نقل نہیں کی ہے، اس طویل حدیث کا ایک حصہ امام ابوداؤدؒ نے کتاب الخراج کے باب فی اِقطاع الارضین جلد دوم ص ۴۳۷ پر نقل کیا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

قولہ: "اسمال" سَمَل بروزن قمر کی جمع ہے پُرانے کپڑے کو کہتے ہیں جمع کا صیغہ مافوق الواحد کے اعتبار سے ہے۔ قولہ: "مُلیتین" مُلاءۃ کی تصغیر ہے چادر کے معنی میں ہے یعنی وہ کپڑا جو ازار کے طور پر استعمال ہوتا ہے یا جو بغیر سلائی کے ہو جیسے احرام کی موجودہ تولیے ہوتے ہیں۔ الکوکب الدری میں ہے کہ جب تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف ہو جائے تو مضاف کو جمع ذکر کرنا بھی جائز ہے، علیٰ ہذا یہاں مراد دو کپڑے ہوں گے جیسا کہ اوپر ترجمہ میں ذکر ہے مگر ترمذی کے حاشیہ پر اضافت بیانی کو ظاہر کیا ہے پھر مطلب یہ ہوگا کہ صرف ازار والی چادر مراد ہے (جو ممکن ہے کندھوں سے پیروں تک ہو) اور اَسمال اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر یہ باعتبار اجزاء کے ہے نہ کہ باعتبار تعداد کے۔ قولہ: "نفضتا" یعنی رنگ کی شدت اور تیزی اڑ گئی تھی اور صرف تھوڑا بہت اثر باقی تھا کیونکہ کپڑا پُرانا تھا اس لئے بار بار دھونے سے اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ قولہ: "عُسیب" بصیغہ تصغیر یعنی آپؐ کے ہاتھ مبارک میں کھجور کی چھوٹی شاخ تھی اس کا مکبر عَسِیب بفتح العین وکسر السین آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب زعفرانی رنگ کا کپڑا دھو، دھو کر اس کے رنگ کا اثر کم کر دیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، لہٰذا آئندہ باب میں "مُزَعفر" کی جو ممانعت آئی ہے وہ تیز رنگ کی صورت میں ہے۔ یہی ضابطہ باقی تیز سُرخ اور زرد کے لئے بھی ہے، غرض مردوں کو ہر تیز رنگ سے بچنا اولیٰ ہے۔ پھر طیبیؒ نے سفید لباس کی افضلیت کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے لہٰذا اس سے یہ علت بھی نکالی جا سکتی ہے کہ تیز رنگ سے آدمی کے اندر رعونت وتکبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جبکہ سفید اور کالے اور ہلکے رنگ میں یہ علت نہیں ہے ان تمام ابواب کی احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ لباس میں تکلف کو پسند نہیں فرماتے بس جو مُیسّر ہوا اسی کو زیب تن فرمایا، اگرچہ آپؐ کو سب سے زیادہ پسند سفید لباس تھا۔ اسی طرح کھانے کی چیزوں میں بھی تکلف نہ فرماتے۔

باب ماجاء فی کراھیۃ التزعفر والخَلُوق للرجال

(مردوں کے لئے زعفرانی رنگ اور رنگین خوشبو مکروہ ہے)

"عن انس بن مالک قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم :عن التزعفر للرجال". (حسن صحیح)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے زعفران سے رنگین ہونے

Maktaba Tul Ishaat.com

کی ممانعت فرمائی ہے۔

حدیث آخر:۔ "عن یعلیٰ بن مُرَّةَ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلاً مُتخلِّقاً قال اذھب فاغسلہ ثم اغسلہ ثم لاتَعُدْ!". (حسن)

حضرت یعلی بن مرّہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو خلوق (رنگین مکس خوشبو) لگائے ہوئے تھا، آپؐ نے فرمایا: جاتو! اس کو دھو! اور پھر (دوبارہ) دھوڈال! اور پھر دوبارہ ایسا نہ کرو (یعنی پھر نہ لگاؤ!)۔

تشریح:۔ امام ترمذیؒ نے پہلی حدیث میں تزعفُر اور دوسری حدیث میں لفظ خَلُوق کو ہم معنی بتایا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں "ومعنی کراھیة التزعفر للرجل ان یتزعفر الرجل یعنی ان یتطیب بہ" یعنی مطلب یہ ہے کہ مرد کو زعفران کا رنگ خوشبو کے طور پر یا دوسری خوشبو میں شامل کر کے نہیں لگانا چاہئے، لیکن سابقہ باب میں عرض کیا جاچکا ہے کہ زعفران کے رنگ سے کپڑے رنگنے کے بعد اگر معمولی اور ہلکا اثر رہ جائے تو وہ استعمال کئے جاسکتے ہیں جبکہ تیز رنگین مردوں کے لئے مکروہ ہے لہٰذا پھر باب کی دونوں حدیثوں کا الگ الگ محمل ہوجائے گا کہ زعفران کا تعلق کپڑوں کے رنگ سے ہے اور خَلوق بفتح الخاء جو دراصل چند خوشبوؤں کو ملا کر بناتے تھے اور عموماً اس پر زعفران کا رنگ غالب رہتا تھا کا تعلق جسم اور کپڑوں دونوں سے ہے یعنی مرد ہر قسم کے رنگ والی خوشبو سے گریز کریں خواہ چہرے پر لگانے کی ہو یا کپڑوں پر، کیونکہ یہ عورتوں کی خوشبو ہوتی ہے جیسا کہ پیچھے گذرا ہے، اس لئے اس حدیث میں بار بار دھونے کا حکم دیا تاکہ رنگ ختم ہوجائے۔ مُحبّی نے نہایہ سے نقل کیا ہے کہ خلوق کے بارے میں جوازِ استعمال کی بھی روایات ہیں لیکن بظاہر وہ منسوخ ہیں نہی کی روایات سے۔

باب ماجاء فی کراھیة الحریر والدیباج

(ریشمی لباس کی ممانعت)

"عن ابن عمر قال سمعتُ عمر یذکر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من لَبِسَ الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرة". (حسن صحیح)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (حضرت) عمرؓ سے اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے سُنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ملحوظہ:۔ ریشمی لباس پر ابواب اللباس کے شروع ابواب میں بحث گزری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص:۵۳۱ ج:۵)

بابٌ

(کوٹ وغیرہ پہننا جائز ہے)

"عن المسوربن مخرمَةَ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قَسَمَ اَقبِيَةً ولم يُعطِ مخرمة شيئاً فقال مخرمةُ يابُنَيَّ اِنطلَق بنا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فانطلقتُ معه ،قال:اُدخل فادعُه لي اِفدعوته له فخرج النبي صلى الله عليه وسلم وعليه قباء منها فقال: خَبَأتُ لَكَ هذا قال فنظر اليه فقال رَضِيَ مخرمةُ؟". (حسن صحيح)

حضرت مسوربن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائیں تقسیم فرمادیں اور (میرے والد) مخرمہ کو کچھ نہیں دیا تو مخرمہ نے کہا میرے پیارے بیٹے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو حضرت مسورؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ گیا (جب آپؐ کے گھر پر پہنچے تو) اُنؤ نے کہا جا اندر! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لئے بلا لے! (تاکہ میں ان کی خدمت میں درخواست کروں) چنانچہ میں نے آپؐ کو ان کے لئے بلایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپؐ پر (یعنی آپؐ کے پاس) ان قباؤں میں سے ایک قبا تھی، پس آپؐ نے فرمایا کہ یہ میں نے آپ کے لئے بچا رکھی تھی حضرت مسورؓ کہتے ہیں کہ مخرمہ نے اسے (قبا کو) دیکھا تو آپؐ نے فرمایا مخرمہ خوش ہو گئے؟

تشریح:۔ قولہ: "اقبية" قباء کی جمع ہے جُبہ اور چوغے کو کہتے ہیں عام طور پر ایسے چغے باہر سے آتے تھے جو ریشمی ہوتے تھے یہ تقسیم ریشم کی ممانعت سے پہلے کی ہے اگرچہ ممانعت کے بعد بھی دینا ثابت ہے لیکن اس کا مطلب استعمال کی اجازت نہیں ہے بلکہ تملیک ہے استعمال الگ چیز ہے اور تملیک الگ شے ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے وقت حضرت مخرمہؓ کے لئے ایک جُبہ الگ کرلیا تھا اس لئے یہاں "ولم يعط مخرمة شيئاً" سے مراد اسی مجلس میں دینے کی نفی ہے، چونکہ حضرت مخرمہؓ عمر رسیدہ تھے اس لئے اپنے بیٹے سے کہا کہ مجھے لے چلو اور چونکہ حضرت مسورؓ نابالغ تھے اس لئے کہا اندر جاؤ الخ۔ قولہ: "خبأت لك هذا" چونکہ حضرت مخرمہؓ جلالی مزاج کے تھے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتضائے حال کے مطابق ارشاد فرمایا جو

Maktaba Tul Ishaat.com

بلاغت کا مقام ہے۔ قولہ: "فنظر الیه فقال" فنظر کی ضمیر مخرمہ کی طرف اور فقال کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جیسا کہ ترجمہ میں اسی کو ملحوظ رکھا ہے اور "رضی مخرمه" استفہام ہے یعنی تم راضی ہو گئے؟؟؟

دوسرا احتمال یہ ہے کہ فنظر کی ضمیر نبیؐ کی طرف اور الیہ کی ضمیر مخرمہ کی طرف راجع ہے اور فقال مخرمہ کی طرف علی ھذا رضی مخرمہ حضرت مخرمہ کا مقولہ ہوگا۔

اس حدیث سے شیروانی، کوٹ اور عباء وغیرہ کا جواز ثابت ہوا، بخاری ج:۲ ص:۸۷۱ باب بالذھب کتاب اللباس میں ہے کہ اس چغے میں سونے کے بٹن بھی لگے ہوئے تھے۔

باب ان اللّٰہ یُحِبُّ ان یُرٰی اَثَرُ نعمته علی عبده

(اللہ اپنے بندے کے اظہارِ نعمت کو پسند کرتا ہے)

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ان اللّٰه یحب ان یُرٰی اثر نعمته علی عبده". (حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔

تشریح:۔ قولہ: "ان یری" بعض نسخوں میں مجہول کا صیغہ ہے اور بعض میں معروف کا، مجہول اصح ہے۔

اس حدیث سے اظہار نعمت کا استحباب معلوم ہوا تاہم عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ صوفیہ نے اس سے مراد جود وسخاوت لی ہے کہ صاحب استطاعت کو چاہئے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی مخلوق پر خرچ کرتا رہے اگر چہ خود ننگا اور بھوکا رہنا پڑے یعنی محتاج رہے، لیکن فقہائے کرام اس سے مراد بذات خود استعمال لیتے ہیں یعنی آدمی کو چاہئے کہ اللہ نے اس کو جو نعمت دی ہے اس کو ظاہر کرے۔ حاشیہ پر ہے کہ مناسب حال استعمال کرے تا کہ ایک طرف اللہ کا شکر ادا ہو تو دوسری طرف غریب لوگوں کو اس کی مال داری معلوم ہوتا کہ اگر وہ اس سے اپنے حوائج بیان کرنا چاہیں تو یہ عمدہ لباس اس کی نشانی ہو۔

اس طرح غریبوں پر خرچ کرنے کا موقع آسانی سے مل جائے گا، گویا محشی نے صوفیائے کرام اور فقہائے عظام دونوں کی مرادوں کو یکجا کیا ہے۔ بہر حال دوسری طرف بھی روایات ہیں جن سے فقر اور تواضع کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اس لئے بعض علماء باب کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض فقرِ اختیاری کو بشرطیکہ بخل

Maktaba Tul Ishaat.com

اور کنجوسی کی نیت سے نہ ہو۔

اعدل الاقوال یہ ہے کہ شریعت نے اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے لہٰذا معتدل لباس اور اپنے ہمعصروں کے مطابق لباس پہننا چاہئے گو کہ عیدین اور جمعہ وغیرہ مستثنیٰ ہیں جیسا کہ ابواب اللباس میں گذرا ہے۔ (دیکھئے تشریحات: ج:۵ص:۵۸۰ "باب ماجاء فی ترقیع الثوب وباب ماجاء فی لُبس الصوف" ص:۵۴۷ ج:۵)

باب ماجاء فی الخف الاسود

(سیاہ موزے کا بیان)

"عن ابن بريدة عن ابيه ان النجاشي اهدىٰ للنبي صلى الله عليه وسلم خُفّينِ اسودين ساذجين فَلَبِسهما ثم توضأ ومسح عليهما". (حسن)

حضرت بُریدہؓ سے روایت ہے کہ نجاشی (اصحمہؓ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چمڑے کے دو کالے سادہ موزے بطور ہدیہ بھیجے تھے آپؐ نے دونوں کو پہنا پھر وضو کر کے ان پر مسح کیا۔

تشریح:۔قولہ: "ساذجین" ساذج بفتح الذال کے معنی سادہ کے ہیں مگر یہاں مراد کیا ہے؟ تو اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ اس پر ڈیزائن اور نقوش نہیں بنے تھے۔ دوم یہ کہ ان پر بال نہ تھے بلکہ صاف تھے۔ معلوم ہوا کہ کالے رنگ کے جرابے، موزے اور جوتے استعمال کئے جاسکتے ہیں نہ اس سے کوئی رنگ مانع ہے اور نہ ڈیزائن اِلّا یہ کہ کوئی دوسری وجہ ممانعت کی ہو مثلاً مردوں کے لئے نسوانی ممنوع ہے اور غیر مسلموں کا شعار مطلقاً ممنوع ہے۔

باب ماجاء فی النهی عن نتف الشيب

(سفید بال نوچنا منع ہے)

"عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم :نهى عن نتف الشيب وقال انه نور المسلم". (حسن)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بال اُکھاڑنے سے ممانعت فرمائی ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ مسلمان کا نور ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔ عمرو بن شعیب کی سند پر تفصیلاً بحث گذر چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سند کی روایت درجہ حسن میں ہوتی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے حکم لگایا ہے تاہم ابن العربیؒ عارضہ میں فرماتے ہیں کہ لفظاً تو یہ حدیث صحیح نہیں لیکن معناً صحیح ہے مگر پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ درجہ حسن کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں بہر حال ابن العربیؒ نے بھی اس مضمون اور معنی کو صحیح تسلیم کیا ہے اور نور کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ سفید بال موت کا پیغام لے کر آتا ہے گویا کہ وہ نذیر ہے اس لئے آدمی آخرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے نیز اس میں وقار بھی ہے کیونکہ جوانی تو دیوانگی کا ایک شعبہ ہے اصل سنجیدگی تو بڑھاپے میں آتی ہے جبکہ اسے اُکھاڑنا تغییر لخلق اللہ میں بھی آتا ہے بخلاف خضاب اور مہندی لگانے کے کہ ایک تو وہ دیکھنے والے کی نظر میں حقیقت سے مختلف نہیں ہوتا کیونکہ دیکھنے والا جانتا ہے کہ اس نے مہندی لگائی ہے، دوم وہ تبدیلی عارضی ہوتی ہے جبکہ اُکھاڑنا مستقل تغییر ہے۔

باب ماجاء ان المستشار مؤتمن

(صاحب مشورہ امانت دار ہوتا ہے)

"عن ام سلمة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المُستَشَارُ مُؤتَمَنٌ".

(غریب)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے مشورہ لیا جائے وہ بھروسہ سمجھا جاتا ہے (یعنی اس کی امانت وخیر خواہی پر اعتماد ہوتا ہے)۔

تشریح:۔ یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے تو مشورہ لینے والا اس کی دیانت اور خیر خواہی دونوں پر اعتماد کرتا ہے کہ مجھے صحیح مشورہ دے گا اور میرا راز افشاء نہیں کرے گا اس لئے صاحب مشورہ کو چاہئے کہ ان دونوں اعتمادوں پر پورا اُترے۔

اس حدیث میں مُستشار اور مُؤتَمن دونوں اسمِ مفعول کے صیغے ہیں ابن العربیؒ نے عارضہ میں لکھا ہے کہ چونکہ ایک طرف لوگوں کی آراء مختلف ہوتی ہیں اور دوسری جانب معانی میں بعض اوقات تعارض بھی آجاتا ہے اس لئے ایک شخص کبھی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر رہتا ہے اسی بناء اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسروں سے رائے میں مدد لینے کا حکم دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بنفس نفیس عمل بھی فرمایا، لہٰذا مشورہ قرآن وسنت سے ثابت

Maktaba Tul Ishaat.com

ہوا بلکہ از روئے عقل بھی رائج ہے کہ جاہلیت کے دور میں بھی لوگ مشورے کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں بھی مشورہ تھا انہوں نے حضرت اسماعیلؑ سے ذبح کے بارے میں مشورہ لیا تھا۔

قولہ: "انی لَا حَدِّث بالحدیث فَمَا اَخرِمُ منه حرفاً" اخرم باب ضرب سے واحد متکلم کا صیغہ ہے ای لااحذف منه حرفاً یہ عبدالملک بن عمیر کا مقولہ ہے کہ میں جب حدیث بیان کرتا ہوں تو اس سے ایک حرف بھی کم نہیں کرتا ہوں۔ امام ترمذیؒ کا مقصد اس بات کو نقل کرنے سے عبدالملک کی توثیق کرنا ہے کہ وہ روایت میں کمی بیشی سے بچتے تھے، غرض باب کی دوسری حدیث صحیح ہے اگر چہ پہلی میں ابن جدعان کی دادی نامعلوم ہیں۔

باب ماجاء فی الشُؤم

(بدشگونی کا بیان)

"عن عبدالله بن عمر ان رسو ل الله صلی الله علیه وسلم قال: الشُؤم فی ثلا ثة فی المرأة والمسکن والدابة". (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نحوست (یا ناگواری) تین چیزوں میں ہے عورت میں اور گھر وسواری میں۔

حدیث آخر:۔ "اِن کان الشؤم فی شئی ففی المرأة والدابة والمسکن". (رواه البخاری ومسلم عن ابن عمر)

اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی (یا ہے) تو پھر عورت اور سواری اور گھر میں ہوتی (یا ہوگی)۔

حدیث آخر:۔ "لاشؤمَ وقدیکون الیمن فی الدار والمرأة والفرس". (حافظؒ نے فتح الباری میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے)

نحوست نہیں ہے (یعنی کسی چیز میں) اور کبھی گھر اور عورت اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "الشؤم" اصل میں شین کے بعد ہمزہ ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کے لئے اس کی جگہ واؤ پڑھنا بھی جائز ہے، یُمن وبرکت کی ضد ہے یعنی نقصان اور اس سے خوف کرنے کو کہتے ہیں بعض علماء کرام اس پر مصر ہیں کہ اس حدیث میں شؤم سے مراد ناگواری طبع یعنی طبعیت کی ناموافقت ہے اور

Maktaba Tul Ishaat.com

ناپسندیدگی ہے۔قولہ: "وقدیکون الیُمن "یمن بضم الیاء شؤم کی ضد ہے بمعنی برکت کے۔

باب کی احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے آخری حدیث سے شؤم ونحوست کی نفی معلوم ہوتی ہے، اسی طرح "لاطِیَرَۃ" کی حدیث سے بھی نفی معلوم ہوتی ہے جبکہ پہلی حدیث سے بظاہر اس کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔اس تعارض کو دور کرنے اور اصل مطلب تک رسائی حاصل کرنے کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان تین اشیاء میں نحوست کو تسلیم کرکے باقی روایات میں تاویل یا تخصیص کی جائے جبکہ دوسری صورت اس کے برعکس ہے کہ نحوست کی نفی کرکے باب کی پہلی حدیث میں تاویل کی جائے۔ابن العربیؒ نے عارضہ میں اس پر زور لگایا ہے کہ باب کی حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تین اشیاء میں یہ تاثیر ڈالی ہے جیسا کہ اس کی عادت ہے کہ اشیاء میں تاثیرات پیدا فرماتا ہے، لہٰذا اس عقیدے کے مطابق کہ یہ اللہ کی ودیعت کی ہوئی تاثیرات ہیں ان تین اشیاء میں نحوست ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر موطا (اور ابوداؤد) کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبیؐ کو خبر دی کہ ہم تعداد میں زیادہ تھے اور ہمارا مال بھی زیادہ تھا لیکن اس (نئے) گھر کی وجہ سے ہماری تعداد بھی گھٹ گئی اور مال بھی چلا گیا، آپؐ نے فرمایا: "دعوھا فانھا ذمیمۃ" یعنی اس گھر کو چھوڑ دو کیونکہ یہ بُرا ہے، ابن العربیؒ باب کی دوسری حدیث یعنی "ان کان الشؤم الخ" کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عادت کے مطابق جو اس قسم کی تاثیرات بعض دفعہ پیدا فرماتے ہیں تو غالب طور پر ان تین اشیاء میں ودیعت فرماتے ہیں، البتہ وہ فرماتے ہیں شوم صرف دنیوی نہیں ہوتی ہے بلکہ اخروی بھی ہوتی ہے کہ جس گھر میں عبادت نہ ہو اور جو عورت (بیوی) عبادت وطاعت میں معاون ثابت نہ ہو اور جس گھوڑے پر جہاد نہ کیا جائے تو وہ آدمی کی آخرت کے لئے منحوس ہیں جبکہ امام مالکؒ اس کو ظاہر پر یعنی دنیوی نقصان پر حمل کرتے ہیں یعنی اللہ نے ان میں یہ تاثیرات پیدا کی ہیں جو گاہے بگاہے مرتب ہوجاتی ہیں۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے المسک الذکی میں اس طرف میلان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

> "احقر کے نزدیک معلوم تو ہوتا ہے کہ ان تین چیزوں میں حق تعالیٰ نے کچھ اثر رکھا ہے لیکن اس کا اظہار عوام کے سامنے نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ اس کو سُن کر اس کو مؤثر حقیقی سے زیادہ متصرف سمجھیں گے اور آدمی کو تو یہ چاہئے کہ یہ سمجھے کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں اور ان چیزوں میں اثر ان کا رکھا ہوا ہے نہ کہ بالذات، پس اس اعتقاد میں کچھ مضائقہ نہیں"۔

Maktaba Tul Ishaat.com

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ بعض دیگر علماء کی رائے اس سے مختلف ہے، وہ کہتے ہیں: ''ان کان الشؤم فی شئی الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں اگر ہوتی تو پھر ان تین میں ہوتی مگر ان میں تو نہیں لہٰذا کسی چیز میں نہیں اور یہ ایسا ہے جیسے دوسری حدیث میں ہے کہ: ''لو کان شئی سابق القدر لَسَبَقه العین'' جبکہ باب کی پہلی حدیث میں شؤم سے مراد ناگواریٔ طبع اور عدم موافقت ہے یعنی اگر ان تین چیزوں سے طبعی میلان وہم آہنگی پیدا نہ ہوئی تو پھر پریشانی ہی پریشانی رہتی ہے اور چونکہ ناگواری طبع تو دوسری اشیاء میں بھی ہوسکتی ہے لیکن ان تین کے ساتھ تعلق طویل ہوتا ہے اس لئے ان تین کا بطور خاص ذکر فرمایا، گویا ان کے نزدیک اصل ''لاطیرة'' والی حدیث ہے اور باقی مؤل ہیں۔ الکوکب الدری میں ہے کہ شؤم کے ایک معنی نحوست کے ہیں اور دوم ناپسندیدگی اور پریشانی کے تو جہاں شؤم کی نفی ہوئی ہے تو وہاں معنی اول مراد ہے اور جن روایات میں اثبات ہوا ہے وہاں معنی ثانی مراد ہیں فلا اشکال۔

باب ماجاء لایَتَنَاجَی اثنان دون الثالث

(تین آدمیوں میں سے دو، الگ سرگوشی نہ کریں)

''عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :اذا کنتم ثلاثة فلایَتَنَاجَی اثنان دون صاحِبِهما.....فان ذالک یحزنه''. (حسن صحیح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم تین شخص ہو تو اپنے (تیسرے) ساتھی کو چھوڑ کر دو شخص سرگوشی نہ کریں کیونکہ یہ بات (طرزِ سرگوشی) اس کو غم میں ڈالتی ہے (یعنی وہ اس سے پریشان ہوجاتا ہے)۔

تشریح:۔ حدیث کے الفاظ میں راویوں کا تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن اس سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ معنوی لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے لفظی اختلاف نقل کرنے کے بعد اس کو حسن وصحیح کہا ہے۔ بعض حضرات نے اس نفی کو اول اسلام پر محمول کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقین مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے سرگوشیاں کرتے تھے، جبکہ بعض شارحین نے اس کو سفر کی حالت پر محمول کیا ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے اور آج تک باقی ہے، پھر اس نفی کی وجہ حدیث میں خود مذکور ہے ''فان ذالک یحزنه'' کہ تیسرا شخص تنہا رہ کر پریشان ہوجائے گا اور ممکن ہے کہ کوئی بدگمانی بھی اسے پریشانی میں ڈالے اس

Maktaba Tul Ishaat.com

علت کے مطابق چار میں سے تین کے لئے بھی الگ ہو کر سرگوشی ممنوع ہوئی اسی طرح دو آدمی ایک زبان کے ہوں اور تیسرا کسی دوسری زبان کا بولنے والا ہو تو اگر وہ اُن دو کی زبان نہ جانتا ہو تو ان کو بھی اپنی زبان میں بات نہیں کرنی چاہئے ہاں اگر تیسرے کی اجازت ہو یا وہاں دوسرے لوگ بھی موجود ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں چنانچہ مسلم کی روایت میں بھی اس علت کی طرف اشارہ ہے: ''حتیٰ تختلطوا بالناس من اجل ان یحزنه''۔ (مسلم ص:۲۱۹ ج:۲) عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ اس حدیث میں حُسنِ معاشرت اور آدابِ مجلس کا بیان ہے کہ آدمی کو کریمانہ اخلاق کے زیور سے اور مروت کی دولت سے آراستہ ہونا چاہئے اپنے ہمنشینوں کا خیال رکھنا چاہئے اور ان کی ایذاء رسانی سے بچنا چاہئے وغیر ذالک من الآداب۔ (هذا معنى مافي عارضة الاحوذي لالفظه)

باب ماجاء فی العِدَةِ

(ایفائے عہد کا بیان)

''عن ابی جُحیفةَ قال رأیتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم ابیض قدشابَ وکان الحسن بن علیّ یُشبِهُه ،وَاَمَرَلنابثلاثة عشر قَلُوصاً فَذَهَبْنَا نقبِضُهافاتاناموتُه فلم یعطونا شیئا فلما قام ابوبکر،قال:من کانت له عندرسول الله صلی الله علیه وسلم عِدَة فلیجیئُ فقُمتُ الیه فاخبرته فَاَمَرَلنابها''.(حسن)

حضرت ابوجُحیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ گورے تھے اور بڑھاپا آچلا تھا آپ پر (یعنی کچھ بال آپؐ کے سفید ہو چکے تھے گو کل ملا کر ان کی تعداد بیس سے کم تھی) اور حسن بن علیؓ آپؐ کے مشابہ تھے (یعنی دونوں کے جسموں کے بالائی حصوں میں مشابہت تھی) اور آپؐ نے ہمارے لئے تیرہ جوان اونٹنیوں کا حکم دیا تھا، چنانچہ ہم (مدینہ) گئے تاکہ وہ اونٹنیاں لے لیں، تاہم اتنے میں ہمیں آپؐ کی وفات کی خبر پہنچی، تو انہوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا (کیونکہ معاملات حکومت موقوف ہو چکے تھے) پھر جب ابوبکرؓ کھڑے ہوئے تو انہوں نے فرمایا جس سے کچھ وعدہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وہ ہمارے پاس آئے (یعنی ہم سے رجوع کرے) پس میں ان کی طرف کھڑا ہوا اور حضورؐ کے وعدہ کا ذکر کیا تو انہوں نے ہمارے لئے ان اونٹنیوں کا حکم دیا۔

Maktaba Tul Ishaat.com

تشریح:۔قولہ:"عِدَة"اصل میں وعدتھا مشہور اعلال کی بناء پر عِدة بن گیا ہے۔قولہ:"قلوصا"بفتح القاف جوان اونٹنی کو کہتے ہیں۔قولہ:"فلم یعطونا الخ" یعنی جن کے پاس اونٹ تھے تو انہوں نے اُن سے ہمیں نہیں دیا مراد عاملین ہیں۔قولہ:"فلماقام ابوبکر"ای خطیباً اوبامر الامامة یعنی خطبہ مراد ہے یا خلیفہ بننا مراد ہے،اس سے معلوم ہوا کہ آنے والے خلیفہ اور ارباب اقتدار کو اپنے پیش رو کے اور ورثہ کو اپنے مورث کے وعدے پورے کر لینے چاہئے یعنی جو جائز ہوں۔

باب ماجاء فی فِداک ابی وَاُمّی

(میرے ماں باپ تجھ پر قُربان کا بیان)

"عن علی قال ماسمعتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم :جَمَعَ ابویہ لِاَحَدٍ غیر سعدبن ابی وقاص...وبالسندالآخر...وفیہ...قال لہ یوم اُحد:اِرمِ فِداک ابی واُمّی ! وقال لہ:اِرمِ ایھا الغلامُ الحَزَوَّرُ!".(حسن صحیح)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں سُنا ہے کہ آپؐ نے کسی کے لئے اپنے ماں باپ کو(فِداک میں) جمع کیا ہو سوائے سعد بن ابی وقاصؓ کے.....دوسری حدیث میں ہے کہ.....آپؐ نے احد کے دن سعدؓ سے فرمایا تیر چلا!میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں!اور آپؐ نے ان سے فرمایا:تیر چلا!اے پہلوان جوان!۔

تشریح:۔قولہ:"فِداکَ"فَدَی یفدی،جان چُھڑانے کے لئے فدیہ دینا مثلاً قیدی کی آزادی یا جان بخشی کا بدلہ دے کر اسے آزاد کرایا جائے۔قولہ:"الحَزَوَّرُ"اصلاً تو اس لڑکے کو کہتے ہیں جو مراہق ہو یعنی جوانی کے قریب ہو لیکن یہاں مراد پہلوان اور طاقت ور ہے۔قولہ:"یوم احد"مراد جنگ احد ہے۔

اس حدیث سے حضرت سعدؓ کی بڑی منقبت معلوم ہوئی کیونکہ جو شخص محبوب ہو اسی پر لوگ قربان ہوتے ہیں اور اپنے ماں باپ اس پر قربان کرتے ہیں اور چونکہ ایسا کہنے سے کسی کو قربان کرنا لازم نہیں آتا اس لئے یہ کلمہ محض حوصلہ افزائی اور داد دینے کے لئے مستعمل ہوتا ہے تاکہ اس سے مخاطب و ممدوح کی تشجیع کی جائے یا محبوبیت ظاہر کی جائے لہٰذا اس کلمہ کے کہنے میں جمہور کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔پھر حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے فداک ابی وامی نہیں کہا ہے سوائے سعدؓ کے تو یہ ان کے اپنے علم کے مطابق ہے ورنہ

Maktaba Tul Ishaat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن العوامؓ کے لئے بھی قریظہ کے دن فرمایا تھا "بابی وامی" جیسا کہ ان کے مناقب میں ان شاء اللہ آئے گا۔

باب ماجاء فی یابُنَیَّ

(کسی کو بیٹا کہنے کا بیان)

"عن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال له:یابُنَیَّ !".(حسن صحیح غریب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (انسؓ) سے کہا اے میرے پیارے بیٹے!۔

تشریح:۔قولہ:"بُنَیَّ" تصغیر کا صیغہ ہے لیکن اردو میں بجائے چھوٹے کے پیارے کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ابن العربیؒ نے عارضۃ الاحوذی میں "یابنی" بطور شفقت کہنے کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے یعنی کسی چھوٹے کو، اسی طرح کسی کو بھائی کہنا بھی جائز ہے "واما قول الرجل للصغیر:یابُنَی .....فانه جائز اجماعاً لانها شفقة و کرامة" بلکہ امام نوویؒ نے تو مستحب قرار دیا ہے۔

باب ماجاء فی تعجیل اسم المولود

(نومولود بچے کا نام جلدی رکھنا چاہئے)

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم اَمَرَ بتسمیة المولود یوم سابعه وَوَضعِ الاذی عنه والعَقّ".(حسن غریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوزائیدہ بچے کے ساتویں دن نام رکھنے کا اور اس کے بال وناخن وغیرہ صاف کرنے اور عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

تشریح:۔یعنی نومولود بچے کا نام جلدی رکھنا چاہئے اس میں ساتویں دن سے زیادہ تاخیر نہیں ہونی چاہئے اگر کسی نے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دیا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ سات یوم سے پہلے بلکہ ولادت سے قبل بھی نام رکھنا ثابت ہے:"ان اللہ یُبشرک بکلمة منه اسمه المسیحُ عیسی ابن مریم"۔(آل عمران آیت:۴۵) "ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمه احمد"۔(الصف:آیت:۶) اور "علّم آدم الاسماء کلها"۔(الآیہ) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔پھر نام کا مقصد تعیین ذات اور تمیز کرنا

Maktaba Tul Ishaat.com

تو ہے ہی لیکن نام کا اپنا ایک اثر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت شریفہ ہے کہ اشیاء میں تاثیرات پیدا فرماتا رہتا ہے اس لئے اہتمام بلکہ التزام کے ساتھ اچھے اچھے معنوں کے نام رکھنے چاہئے جن میں سب سے اچھے نام وہ ہیں جو آدمی کی بندگی اور عبدیت پر دلالت کریں اور اس سے اس کا بندۂ خدا ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے بچی کے لئے اَمَۃُ اللہ رکھنا یعنی اللہ کی بندی اور بچے کے لئے عبداللہ یا عبدالرحمٰن یعنی خواہ اضافت اسم ذات کی طرف ہو یا اسماء صفات کی جانب جیسے عبدالعزیز۔ نیز صلحاء کے نام رکھنا بھی جائز ہے تاہم امام مالکؒ کے نزدیک فرشتوں کے نام رکھنا ثابت نہیں اس لئے نہیں رکھنا چاہئے جبکہ حضرت عمرؓ محمد نام رکھنے سے منع فرماتے کیونکہ لوگ ایک دوسرے کو کبھی بُرا بھلا کہتے ہیں اس لئے بے ادبی ہوگی، جمہور کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنا جائز ہے۔ قولہ: "ووضع الاذی" اذی تکلیف دہ چیز کو کہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے تاکہ ختنہ، ناخن اور بالوں سب کو شامل ہو جائے۔ قولہ: "والعَقّ" اس کے معنی شق یعنی قطع کے آتے ہیں سر کے بال کاٹنے پر بھی اطلاق ہوسکتا ہے اور عقیقہ پر بھی، جس کی تفصیل گذری ہے۔ (دیکھئے تشریحات ص:۳۹۴ ج:۵ "باب ماجاء فی العقیقۃ")

باب ماجاء مایُستحب من الاسماء

(اچھے اچھے ناموں کا بیان)

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَحَبُّ الاسماء الی اللہ عبداللہ وعبدالرحمن". (حسن غریب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کو ناموں میں سے سب سے زیادہ پسند عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام ہیں۔

تشریح:۔ یعنی اللہ کو ایسے نام پسند ہیں جن سے آدمی کی بندگی اور خدائے تعالیٰ کی الوہیت وتوحید کا اظہار ہو جیسا کہ سابقہ باب میں عرض کیا جاچکا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء مایکرہ من الاسماء

(ناپسندیدہ ناموں کا بیان)

"عن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لَأَنهَيَنَّ ان يُسَمّىٰ رافع وبركة ويسار". (غريب)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے شک میں منع کرتا ہوں رافع، برکت اور یسار نام رکھنے سے۔

حدیث آخر:۔ لاتُسَمِّ غلامَک رَبَاح ولا افلح ولا يسار ولا نجيح يقال أثَمّ هو؟ فيُقال "لا". (حسن صحيح)

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے لڑکے (یا غلام) کا نام رباح نہ رکھو اور نہ افلح اور نہ یسار اور نہ ہی نجیح رکھو کیونکہ اگر پوچھا جائے کہ وہ وہاں ہے؟ تو کہا جائے گا کہ نہیں ہے!

تشریح:۔ رافع کے معنی بلند و عالی کے ہیں۔ برکت کے معنی خیر کے اور یسار کے معنی آسانی و آسائش کے ہیں جبکہ رباح بمعنی سود و نفع کے۔ افلح بمعنی کامیاب اور نجیح بمعنی فتح مندی کے آتا ہے۔

ان ناموں کے معنی تو صحیح ہیں لیکن حدیث شریف میں بیان کردہ علت کے مطابق کل اگر کوئی پوچھے گا کہ برکت وغیرہ وہاں ہے؟ اور وہ مُسمّیٰ نہیں ہوگا تو جواب ملے گا کہ نہیں ہے حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے الفاظ جن میں خیر و برکت کی نفی ہوتی ہو پسند نہیں تھے۔ لیکن بظاہر مطلب یہ ہے کہ آپؐ کی نہی کی وجہ بدشگونی سے روکنا تھا کیونکہ عام لوگ اس قسم کے الفاظ یعنی برکت نہیں ہے اور فلاح و افلح نہیں ہے سے بدفالی لیتے ہیں اس لئے لوگوں کو تطیّر سے بچانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا لہٰذا جو شخص یا جو لوگ اس تطیّر سے بچ سکتے ہیں جیسے عجمی لوگ عربی نام تو رکھتے ہیں لیکن پھر ان اسامی کے استعمال کے وقت ان کے معانی کی طرف ذھن نہیں جاتا تو ایسے لوگوں کے لئے کوئی ممانعت نہیں کیونکہ ان کے حق میں علت منتفی ہے۔ بہرحال ان ناموں سے نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ کے لئے ہے وہ بھی اس شخص یا اس قوم کے لئے جو بدشگونی کے تصور سے نہیں بچ سکتی تو سدذرائع کے طور پر ان کے لئے مکروہ ہے جیسے نومسلموں کو یہ مسئلہ درپیش رہتا ہے، علی ہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ

Maktaba Tul Ishaat.com

شاید یہ نہی شروع اسلام سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم

حدیث آخر:۔ "عن ابی هريرة يبلغ به النبی صلی الله عليه وسلم قال: اَخنَعُ اسم عند الله يوم القيٰمة رجل تسمیٰ بِمَلِک الاملاک قال سفيان شاهان شاه" (شهنشاه). (حسن صحيح)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بُرا نام اس آدمی کا ہوگا جس نے شہنشاہ نام رکھا ہو۔

قولہ: "اخنع" امام ترمذیؒ نے اس کے معنی اقبح یعنی سب سے زیادہ قبیح بتائے ہیں جبکہ ملک الاملاک کے معنی امام سفیان بن عُیینہ نے شاھان شاہ بتلائے ہیں یعنی شاہِ شاہان جسے فارسی میں شہنشاہ کہتے ہیں۔ امام حمیدی شیخ البخاری نے اخنع کے معنی اَذَل ذکر کئے ہیں یعنی سب سے زیادہ ذلیل، یہ دونوں مطلب صحیح ہیں کیونکہ جو شخص اتنا بڑا دعوی کرتا ہے کہ وہ سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہے، یا بڑا بادشاہ ہے تو یہ دعوی اور بات اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ بھی ہے کیونکہ وہ آدمی اپنے مقصدِ تخلیق یعنی بندگی کی نفی کر رہا ہے۔ کہ ؎ زندگی آمد برائے بندگی، اور ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس نام اور غلط کام کی وجہ سے ذلیل ورسوا بھی ہوگا کہ وہ اپنی سلطنت ثابت کرے مگر وہ سرِ ذلت خم کئے ہوئے ہوگا۔ من تکبر وضعه الله

ان ابواب کی احادیث سے معلوم ہوا کہ اچھے نام رکھنے چاہئے خصوصاً جن سے بندگی وعاجزی کا اظہار ہوتا ہو، بُرے نام اور خصوصاً جن سے تکبر اور غرور ٹپکتا ہو سے بچنا چاہئے، نیز بزرگوں اور صلحاء کے نام بھی اچھے ناموں میں آتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں انگریزوں اور فلمی اداکاروں کے نام رکھنے کا رجحان بھی جنم لے رہا ہے اس سے بچنا چاہئے۔

باب ماجاء فی تغيير الاسماء

(بُرے نام تبدیل کرنے کا بیان)

"عن ابن عمران النبی صلی الله عليه وسلم: غَيَّرَ اسم عاصِيَةَ وقال: انتِ جميلة"!. (حسن غريب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور فرمایا تم جمیلہ ہو۔

تشریح:۔ قولہ: "عاصية" کے معنی نافرمان کے ہیں جبکہ جمیلہ خوبصورت کو کہتے ہیں نیک سیرت کو

Maktaba Tul Ishaat.com

جمیلہ کہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا نام نادانی سے غلط رکھا گیا ہو تو پھر اس کی یہی صورت ممکن ہے کہ اس کو تبدیل کر کے کوئی اچھا نام رکھا جائے ،غلط نام پر اصرار و مداومت ہرگز نہ چاہئے۔بعض لوگ اپنے نام کے ساتھ آثم ومُذنِب اور عاصی وغیرہ لکھتے ہیں الکوکب میں ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔اگلی روایت میں ہے کہ آپؐ بُرے ناموں کو تبدیل فرمایا کرتے تھے، عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ پہلی حدیث حسن وغریب ہے جبکہ دوسری مرسل ہے۔تاہم اس کا مضمون صحیح ہے وہ مزید لکھتے ہیں کہ ایسے ناموں سے بھی بچنا چاہئے جو آدمی کے تزکیہ نفس پر دلالت کرتے ہوں تا کہ جھوٹ لازم نہ آئے ،بہرحال نام کی اپنی ایک خداداد تاثیر ہوتی ہے اس لئے بُرے معنی کے الفاظ سے گریز ضروری ہے۔

باب ماجاء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی)

"عن جبیر بن مطعمؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اِنَّ لی اسماء، انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحو اللہ بِیَ الکفر وانا الحاشر الذی یُحشَرُ الناس علی قَدَمَیَّ وانا العاقب الذی لیس بعدی نَبِیٌّ". (حسن صحیح)

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد بھی ہوں، میں ماحی ہوں (یعنی مٹانے والا) کہ اللہ میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر (یعنی میرے افتتاح سے) جمع کئے جائیں گے، اور میں عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں کیونکہ میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں۔

تشریح:۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ میرے پانچ نام ہیں "لی خمسۃ اَسماء" اس سے مراد مختص نام ہیں جو آپؐ سے پہلے کسی کے لئے نہیں رکھے گئے ورنہ نفس نام تو آپؐ کے بہت زیادہ ہیں، جن کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں تاہم ایک ہزار تک اسماء کا قول ہے ابن العربیؒ نے عارضہ میں ایسے ناموں کی تعداد جو ماثور ومنقول ہیں سڑسٹھ (۶۷) ذکر کی ہیں، مولانا موسیٰ خانؒ نے ۸۰۵ نقل کئے ہیں۔

ناموں کی کثرت سے صفات کی کثرت اور خوبیوں کا پتہ چلتا ہے چونکہ آپؐ کے بہت سارے اعلیٰ اوصاف ہیں اس لئے آپؐ کے نام بھی بسیار ہیں، قاضی عیاضؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اوصاف کے

Maktaba Tul Ishaat.com

مختلف پہلوؤں پر شفاء میں تفصیل سے بحث فرمائی ہے، یہ کتاب پچاس سے زیادہ پہلوؤں پر مشتمل ہے بہت سے علماء کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف ایک ایک پہلو پر مستقل کتابیں لکھی ہیں مثلاً آپؐ بحیثیت استاذ وغیرہ ذالک۔

چنانچہ ''محمد'' نام اسی بناء پر رکھا گیا ہے یعنی اللہ نے آپؐ کے بزرگوں کے دلوں میں بطور الہام اس نام کا القاء کیا کہ وہ یہ نام تجویز کریں، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محمود ہیں ساری خلائق آپؐ کی مداح ہیں خصوصاً جب آپؐ مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ اور میدان محشر میں سوائے آپؐ کے کسی کو سفارش کی بظاہر ہمت نہیں ہوگی تو اس وقت آپؐ کی تعریف ومدح پر سب یک زبان ہوکر مدح کریں گے۔ اس لئے آپ ''محمد'' ہوئے یعنی جس کی بکثرت تعریف کی جاتی ہے چنانچہ ہر منبر پر آپؐ پر درود پڑھا جاتا ہے اور ہر اذان میں آپؐ کا نام لیا جاتا ہے جبکہ دنیا میں کوئی گھنٹہ ایسا نہیں گذرتا جب کہیں نہ کہیں اذان نہ ہوتی ہو۔

آپؐ احمد بھی ہیں یعنی کثرت سے تعریف کرنے والا، چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی نہیں کرسکتا کہ آپؐ نے خود بھی سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کی ہے اور آپؐ کی امت بھی اللہ کی ثناں خواں ہے جو آپؐ کی حمد شمار ہوتی ہے، گویا آپ محمد ہیں باعتبار محمودیت کے اور احمد ہیں باعتبار حامدیت کے۔ دونوں صیغے مبالغے کے ہیں۔ آپؐ مقام محمود میں جب سجدہ ریز ہوں گے تو آپؐ کو اللہ کی وہ تعریفات اور محامد القاء ہوں گے جو اس سے پہلے القاء والہام نہیں ہوئے، گویا مقام محمود میں آپؐ کی حامدیت بھی نقطہ عروج پر پہنچ جائے گی اور محمودیت بھی۔

اشکال:۔ آپؐ سے قبل تو بعض لوگوں کا احمد اور محمد نام ثابت ہے جبکہ تشریح میں ان ناموں کو آپؐ کا خاصہ قرار دیا ہے؟

حل:۔ دراصل جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب ہوا تو آپؐ کے نام کا چرچا ہونے لگا لوگوں نے یہ نام اس منصب کے حصول کے لئے رکھا گویا یہ آپؐ کے اتباع میں رکھا لہٰذا یہ اگرچہ زماناً مقدم ہے لیکن رُتبۃً مؤخر ہی ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے مہدی بننے کی خواہش میں بہت سے لوگوں نے مہدویت کا دعوی کیا اور بعض نے جیسے غلام احمد قادیانی نے عیسیٰ ہونے کا جھوٹا دعوی کیا تو جیسے ان دعوؤں اور ناموں کی کوئی حیثیت اور حقیقت نہیں اسی طرح وہ نام بھی اصلی شمار نہیں ہوں گے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء فی کراهیة الجمع بین اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کنیته

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت کو یکجا کرنا مکروہ ہے)

"عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم :نهیٰ ان یجمَعَ احدٌ بین اسمه و کُنیته ویُسَمِیَّ محمداً اباالقاسم". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس سے کہ کوئی شخص جمع کرے آپؐ کے نام اور کنیت کو اور اپنا نام محمد ابوالقاسم رکھے۔

حدیث آخر:۔"عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :اذا تُسَمَّیْتُمْ بِی فلا تکنوا بی". (حسن غریب)

یعنی جب تم میرا نام رکھو تو میری کنیت مت رکھو!

ایک دفعہ بازار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سُنا جو ابا القاسم کو آواز دے رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اس نے کہا لم اَعنکَ میں آپ کو مراد نہیں لے رہا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لاتکنوا بکنیتی"! میری کنیت نہ رکھو!۔

حدیث آخر:۔"عن علی بن ابی طالب انه قال یارسول الله!اَرأیت اِن وُلِدلی بعدک اُسَمِّیه محمداً و اُکَنِّیه بِکنیتکَ؟قال"نعم" قال فکانت رخصةً فِیَّ". (حسن صحیح)

حضرت علیؓ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! فرمایئے اگر آپ کے بعد میرا کوئی لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں؟ اور اس کی کنیت رکھوں آپ کی کنیت کے مطابق؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ رخصت میرے ہی لئے خاص تھی۔

تشریح:۔محشی نے اس بارے میں چھ اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) پہلا قول: یہ ہے کہ ابوالقاسم کنیت مطلقاً ممنوع ہے خواہ کسی کا نام محمد ہو یا نہ ہو، یہ امام شافعیؒ و اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

(۲) جمہور کا قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میمون کے زمانہ تک محدود تھی تا کہ اشتباہ نہ رہے اب یہ منسوخ ہے لہٰذا ابوالقاسم کنیت مطلقاً جائز ہے۔ اس پر ملا علی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے کہ اسے منسوخ نہیں کہنا چاہئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آج وہ علت باقی نہ رہی اس لئے کراہیت بھی ختم ہوگئی لیکن اس پر علامہ عینیؒ نے کہا ہے کہ نفی علت بھی نفی حکم کو مستلزم نہیں کیونکہ غسل جمعہ وغیرہ بہت سے احکام ہیں جن کی علتیں ختم ہوگئی ہیں مگر وہ احکام باقی ہیں (جیسے رمل فی الطواف)۔

(۳) ابن جریرؒ کے نزدیک نہی آج بھی باقی ہے لیکن تنزیہاً وتأدباً یہی قول ابن العربیؒ کا بھی ہے۔

(۴) نہی کا تعلق جمع بین الاسم والکنیت سے ہے امام ترمذیؒ کا میلان اسی طرف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ترجمۃ الباب سے ظاہر ہے لہٰذا صرف ایک نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ باب کی پہلی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

(۵) ابوالقاسم کنیت اور اس کے ساتھ قاسم نام دونوں رکھنا مکروہ ہے۔

(۶) حضرت عمرؓ محمد نام رکھنے سے منع فرماتے تا کہ سوء ادب نہ ہو جائے۔ چونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ آپ کے بعد اگر میرا کوئی لڑکا پیدا ہوا الخ تو جمہور کہتے ہیں کہ چونکہ آپؐ کے بعد وہ علت سب کے حق میں ختم ہوگئی تھی لہٰذا تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ رخصت عام ہوگئی، بہرحال جنگِ یمامہ میں حضرت علیؓ کے حصہ میں جو باندی آئی تھی ان کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے کا نام آپؓ نے محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی دی تھی۔

باب ماجاء ان من الشعر حکمة

(بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں)

"عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان من الشعر حکمة". (غریب)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بعض شعر حکمت (مطابق واقعہ) ہوتا ہے۔

تشریح:۔ باب کی اگلی روایت جو ابن عباسؓ سے مروی ہے اس میں بجائے حکمت کے حکماً کا لفظ ہے اس کا مطلب بھی حکمت ہے یعنی ہر شعر بُرا اور مذموم نہیں ہوتا اگرچہ عام شعراء تخیلات اور واہیات کو یکجا کرتے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور عشقیہ اشعار کہتے ہیں لیکن اشعار میں بعض ایسے بھی ہیں جو واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ اگلے باب میں بیان ہوا ہے لہٰذا شعر کی حیثیت کلام کی سی ہے جس میں اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا و مذموم بھی، البتہ شعر چونکہ ایک منظوم کلام ہوتا ہے اس لئے نفس اسے پسند کرتا ہے کہ اس کی فریکوینسی متناسب ہوتی ہے تو جب اس کا مضمون اچھا ہو تو وہ نفس میں بہت اچھی تاثیر کرتا ہے اس لئے وہ انتہائی مفید بن جاتا ہے لہٰذا حکمۃ بمعنی مفید لینا زیادہ بہتر ہے۔

باب ماجاء فی انشاد الشعر

(شعر گوئی کا بیان)

"عن عائشة قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم :يَضَعُ لِحَسَّان مِنبراً فى المسجد يقوم عليه قائماً يفاخرعن رسول الله صلى الله عليه وسلم اوقالت يُنافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ويقول رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان الله يُؤَيِّدُحَسّان بروح القدس مايفاخراوينافح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ".(حسن صحيح غريب)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے، حسان اس پر کھڑے ہوجاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فخریہ اشعار پڑھتے، یا فرمایا (ام المؤمنین نے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع (طرف داری) میں اشعار پڑھتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: بے شک اللہ روح القدس (حضرت جبرئیلؑ) کے ذریعہ حسان کی مدد کرتا رہے گا تاوقتیکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے افتخار یا فرمایا کہ جواب دہی کرتے رہیں گے۔

تشریح:۔قولہ:"انشادالشعر" اِنشاد اور اِنشاء میں یہ فرق ہے کہ انشاء بنانے کو کہتے ہیں جبکہ انشاد پڑھنے کو چاہے اپنے اشعار ہوں یا کسی دوسرے شاعر کے ہوں آپؐ سے انشاء ثابت نہیں بلکہ "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشعرَ وماينبغى له "۔(سورۂ یٰس: آیت:۶۹) کی رو سے آپ کے لئے ممنوع ہے نہی تکوینی جبکہ انشاد میں اختلاف ہے، اس باب کی بعض احادیث سے اثبات معلوم ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ اس باب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مطلق شعر گوئی مذموم یا ممنوع نہیں ہے کیونکہ اچھے اشعار مسجد میں پڑھنا بلکہ آپؐ کے سامنے صحابہؓ کا اشعار پڑھنا ثابت ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ اس کا اہتمام کرواتے اور فرماتے کہ حضرت جبرئیلؑ حسان کی مدد کرتے رہتے ہیں کیونکہ حضرت حسان کے

Maktaba Tul Ishaat.com

اشعار مسلمانوں کی ہمت افزائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور دفاع پر مشتمل ہوتے جن سے کفار کی ہجو بھی ہوتی اور ان کی حوصلہ شکنی بھی ہو جاتی اس بناء پر ان کے اشعار کی حیثیت جہاد کی مانند تھی اس لئے حضرت جبرئیل اللہ کے حکم سے مدد کے لئے تشریف لاتے جیسا کہ بدر میں فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔

قولہ: "یفاخر" چونکہ اس کے معنی بھی دفاع کے ہیں اس لئے صلہ میں "عن" لایا گیا۔ قولہ: "ینافح" ای یدافع، چونکہ کفار اپنے بعض اشعار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تعریض کرتے اس لئے حضرت حسانؓ آپؐ کی طرف سے دفاع فرماتے اور چونکہ آپ ایک زبردست شاعر تھے اس لئے کفار ان کے اشعار کے آگے بے بس نظر آتے۔ قولہ: "یفاخر او ینافح" چونکہ راوی کو شک ہے کہ اوپر کون سا لفظ بولا گیا ہے اسی پر یہاں مناسب جملہ کا ترتب ہوگا۔

دوسری حدیث:۔ "عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ فی عمرۃ القضاء وعبداللہ بن رواحۃ بین یدیہ یمشی وھو یقول :

خَلُّوا بنی الکُفّار عن سبیلہ
الیوم نضربکم علی تنزیلہ
ضرباً یُذیل الھام عن مَقیلہ
ویُذھِلُ الخلیلَ عن خلیلہ

فقال لہ عمر: یاابن رواحۃ! بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقول الشعر؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خَلِّ عنہ یاعمر فلھی اسرع فیھم من نَضحِ النَّبلِ". (حسن غریب صحیح)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں عمرۃ القضاء کے لئے داخل ہوئے جبکہ عبداللہ بن رواحہؓ آپ کے آگے چل رہے تھے اور وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھ رہے تھے۔

کفار کی ذریت آپؐ کے راستہ سے ہٹو! ☆ آج ہم تم کو ماریں گے آپؐ کے اترنے پر (یعنی آپؐ پر نازل شدہ کتاب کے حکم سے) ایسی ضرب لگائیں گے جو کھوپڑی کو جدا کر دے گی اپنی جگہ سے ☆ اور دوست سے دوست کی فکر بھلا دے گی۔

پس حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابن رواحہ! کیا تم اللہ کے رسول کے سامنے اشعار پڑھتے ہو؟ تو رسول اللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرؓ! اسے رہنے (پڑھنے) دو بخدا! یہ اشعار کفار کو تیر مارنے سے زیادہ گراں گذرتے ہیں۔

قولہ: "علی تنزیلہ "ای علی حکم تنزیلہ۔ قولہ: "الھام" ہامۃ کی جمع ہے کھوپڑی اور سر کے اگلے حصے کو کہتے ہیں جہاں حس مشترک ہے۔ قولہ: "مَقِیلہ" قیلولہ کی جگہ یعنی آرام گاہ وٹھکانہ۔ قولہ: "یُذھِلُ" ذھول نسیان اور غفلت کو کہتے ہیں۔ قولہ: "اسرع فیھم "ای فی الکفار یعنی یہ اشعار کفار میں تیر پھینکنے سے زیادہ مؤثر ہیں۔ قولہ: "من نضح النبل "نبل تیر، اور نضح کے معنی برسانے اور بوچھاڑ کرنے کے ہیں۔

قولہ: "وروی فی غیر ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ فی عمرۃ القضاء و کعب بن مالک بین یدیہ وھذا اصح عندبعض اھل الحدیث لان عبداللہ بن رواحۃ قُتِلَ یوم مُؤتۃ وانما کانت عُمرۃ القضاء بعدذالک" یعنی بعض اہل حدیث کے نزدیک باب کی روایت سے زیادہ وہ روایت اصح ہے جس میں ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر یہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نہیں بلکہ حضرت کعب بن مالک کے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ تو غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے تھے جبکہ عمرۃ القضاء غزوۂ موتہ کے بعد ادا ہوا ہے۔ لیکن ابن حجرؒ نے امام ترمذیؒ کے اس تبصرہ پر تعجب کا اظہار کیا ہے حالانکہ عمرۃ القضاء میں حضرت جعفر، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ کا بنت حمزہ رضی اللہ عنہ میں تنازعہ مشہور ہے، حالانکہ حضرت جعفرؓ، حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تینوں موتہ میں شہید ہوئے ہیں۔ پس امام ترمذیؒ جیسے محدث پر یہ قضیہ کیسے مشتبہ ہو گیا؟ اگرچہ ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے لیکن موجودہ نسخہ جو کروخی کے اپنے خط کا ہے ہمارے پاس تمام طرق میں اسی طرح یعنی عمرۃ القضاء کے بارے میں۔

تیسری حدیث:۔ عن شریح عن عائشۃ قال قیل لھا: ھل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم :یَتَمَثَّلُ بشئی من الشعر؟ قالت کان یَتَمَثَّلُ بشعر ابن رواحۃ ویقول: ویأتیک بِالاَخبار من لم تُزَوِّد".

حضرت شُریح حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہاں پڑھتے تھے، ابن رواحہ ؓ کا شعر پڑھتے اور فرماتے "ویأتیک بالاخبار الخ" اطلاعات دے گا تمہیں وہ جس کو تو نے توشہ نہیں دیا۔

قولہ: "یتمثل" اصل میں بطور مثال اور بطور استشہاد شعر پڑھنے کو کہتے ہیں مگر یہاں نفس پڑھنے کے

Maktaba Tul Ishaat.com

معنی میں ہے۔ قولہ: "بشعر ابن رواحہ" حاشیہ قوت پر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا کہ آپؐ کو شعر تمام باتوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھا تاہم ایک دفعہ انہوں نے اخی بن قیس کا شعر پڑھا تو اسے آگے پیچھے کر کے پڑھا، ویاتیک ومن لم تزوّدِ بالاخبار ابوبکرؓ نے فرمایا ایسا نہیں ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "انی واللہ ماانابشاعر وماینبغی لی" پیچھے عرض کیا جا چکا ہے کہ آپؐ کے بطور نقل شعر پڑھنے میں اختلاف ہے، ہر فریق کے لئے دلائل موجود ہیں۔ پھر حضرت عائشہؓ نے یہ شعر جو ابن رواحہ کی طرف منسوب کیا ہے یہ نسبت مجازی ہے کیونکہ یہ شعر دراصل طرفہ بن عبد بکری کا ہے، پورا شعر اس طرح ہے۔

سَتُبدی لک الایام ما کنت جاھلا

ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد

زمانہ تیرے پاس بہت جلد وہ خبریں پیش کرے گا جن کو تو نہیں جانتا۔ اور خبریں لائے گا تیرے پاس وہ جسے تو نے توشہ نہیں دیا۔ من لم تزود میں "من" زمانہ اور ایام سے عبارت ہے یعنی مرور زمانہ کے ساتھ خود بخود مُفت میں آدمی کے سامنے خبریں آتی رہتی ہیں کیونکہ حوادث اور واقعات پیش آتے ہیں پھر ان پر آثار مرتب ہوتے ہیں اس طرح اسباب ومسببات کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور زمانہ والے ان سے آگہی حاصل کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان اطلاعات کے لئے کسی قاصد کو زادراہ دے کر بھیجنا نہیں پڑتا بلکہ خواہی وناخواہی وہ اطلاعات روزانہ آتی رہتی ہیں۔

چوتھی حدیث:۔ "عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَشعَرُ کلمۃ تکلّمت بھاالعرب کلمۃ لبید: اَلا کُلُّ شئی ماخلااللہ باطل". (حسن صحیح)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا شعر جو عربوں نے کہا ہے یہ کلام ہے "آگاہ ہو اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اختتام پذیر ہے"۔

اس میں اشعر بمعنی اجود اور عمدہ کے ہے اور عرب سے مراد عرب شعراء ہیں یعنی عربی شعراء میں سب سے اچھا شعر لبید کا یہ شعر ہے۔ حضرت لبید بن ربیعہؓ کی آدھی زندگی شعر وشاعری میں گذری تھی مگر پھر اپنی قوم کے وفد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اس کے بعد شاعری سے مکمل اجتناب کرتے رہے اور فرماتے بس میرے لئے قرآن کافی ہے کوفہ چلے گئے تھے اور ۴۱ھ میں وفات پائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس شعر کی تعریف اس لئے فرمائی کہ یہ قرآن کے ساتھ موافق ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

پانچویں حدیث:۔ "عن جابربن سمرة قال جالستُ النبی صلی اللہ علیه وسلم اکثر من مائة مرة فکان اصحابه یتناشدون الشعروتذاکرون اشیاء من امرالجاهلیة وهو ساکت فَرُبمایتبسَّمُ معهم". (حسن صحیح)

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سومرتبہ سے بھی زیادہ بیٹھ چکا ہوں، آپؐ کے صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور آپس میں امور جاہلیت کا مذاکرہ (تذکرہ) کیا کرتے تھے جبکہ آپؐ خاموش رہتے تھے اور کبھی ان کے ساتھ مسکراتے تھے۔

یہ روایت مسلم میں بھی ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ نشست فجر کی نماز کے بعد ہوا کرتی تھی اور طلوع شمس تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا "فاذاطلع الشمس قام وکانوایتحدّثون فیأخذون فی امرالجاهلیة فیضحکون ویَتَبَسّمُ"۔ (مسلم: ص:۲۳۵ ج:۱) مثلاً کوئی کہتا کہ میں نے حیس (کھجور، پنیر اور گھی) کا بُت بنایا تھا لیکن قحط پڑا تھا تو میں نے اسے کھالیا، دوسرا کہتا کہ میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ میرے بُت پر لومڑی چڑھ کر پیشاب کر رہی تھی اس لئے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہوگیا۔

باب ماجاء لَأن یَمتَلِئَ جوفُ احَدِکم قیحاً خیرله من ان یمتلئ شعراً

(پیٹ کا پیپ سے بھر جانا، شعر کے بھرنے سے بہتر ہے)

"عن سعدبن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لَأن یَمتَلِئَ جوفُ احدکم قیحاً خیرله من ان یمتلئ شعراً". (حسن صحیح)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اگر تم میں سے کسی ایک کا پیٹ، پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھر جائے۔ اور اگلی روایت جو حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے میں قیحاً کے بعد "یَرِیه خیرالہ الخ" کا اضافہ ہے یعنی وہ پیپ بھی ایسی ہو جو اس کے پیٹ کو سڑا کر بگاڑ دے اور فاسد کر دے تب بھی وہ اشعار سے افضل ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "یَرِیه" رَاہ یرِیه رَیهاً ووَرِی "بروزن رَمیٰ" وہ بیماری اور مواد جو پیٹ کو خراب

Maktaba Tul Ishaat.com

کردے، مطلب یہ ہے کہ غلط اشعار یا کثرت سے شعروشاعری کو معمول بنانا موذی بیماری سے بھی زیادہ تباہ کن ہے کیونکہ شاعری میں انہماک آدمی کو قرآن پاک سے غافل کردیتا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"ولهذا تجد مَن اكثر من سماع القصائد لطلب صلاح قلبه تَنْقُصُ رغبته فى سماع القرآن حتىٰ ربما يكرهه ومَن اكثر من السفر الى زيارة المشاهد ونحوها لايبقى لحج البيت المحرم فى قلبه من المحبة الخ".

(اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم: ص: ۲۱۷)

باب ماجاء فى الفصاحة والبيان

(بولنے میں تکلف کا بیان)

"عن عبدالله بن عمروٍ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ان الله يَبغَضُ البليغَ من الرجال الذى يَتَخَلَّلُ بلسانه كماتَتَخَلَّلُ البقرة". (حسن غريب)

بے شک اللہ ناپسند کرتا ہے لوگوں میں سے اس بلیغ آدمی کو جو باتوں کو اپنی زبان سے اس طرح لپیٹتا ہے جس طرح گائے (اپنی زبان سے چارہ کو) لپیٹتی ہے۔

تشریح:۔قولہ: "البلیغ" یعنی فصاحت میں مبالغہ کرنے والا جو باتیں بنانے میں بہت تکلف کرتا ہے۔قولہ: "من الرجال" تخصیص مراد نہیں مگر مردوں میں فصاحت پیدا کرنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے اگر کوئی عورت بھی یہ شوق رکھے جیسا کہ آج کل اس کی بھی رسم چلی ہے تو اس کو بھی یہ وعید شامل ہوگی۔قولہ: "يتخلّلُ" گھماتا ہے اپنی زبان کو، اس بارے میں تفصیلی بحث پیچھے گذری ہے، خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو تکلف سے بچنا چاہئے یہ ضابطہ جیسے بولنے کا ہے ایسا ہی لکھنے والوں کے لئے بھی ہے کہ اپنی تقریر وتحریر میں اپنی استعداد کے مطابق بولنا اور لکھنا چاہئے، ہاں البتہ اگر کسی کو اللہ نے خداداد صلاحیت دی ہے یا وہ کثرت سے تقریر وتحریر پر عمل پیرا رہا ہے جس کے بعد مسجّع عبارات خود بخود اس کی نوکِ زبان پر آنے لگیں تو وہ مذموم نہیں جیسے آپؐ کے خطبات وادعیہ میں یہ رنگ دیکھا جاسکتا ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بابٌ

"عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خَمِّروا الآنیۃَ واوکُوا الاسقیۃَ واجیفوا الابوابَ واطفئوا المصابیح فان الفُوَیْسَقَۃَ رُبّمَا جَرَّت الفتیلۃ فاحرقت اھل البیت". (حسن صحیح)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برتن کو ڈھانک دیا کریں! مشکیزہ کا منہ باندھا کیجئے! اور دروازے بند کیا کریں! اور چراغوں کو گُل کیا کریں، کیونکہ کبھی کبھار چوہا بتی کو گھسیٹتا ہے اس طرح گھر والوں کو جلا دیتا ہے، یعنی رات کو سوتے وقت ان ہدایات پر عمل کریں!۔ (یہ روایت بمع تفصیلی شرح تشریحات: ج:۶ ص:۴۹ پر گذری ہے فلیراجع "باب ماجاء فی تخمیر الاناء واطفاء السراج الخ من ابواب الاطعمۃ")

بابٌ (بلا ترجمہ)

(جانوروں کا بھی خیال رکھنا چاہئے)

"عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا سافرتم فی الخِصبِ فاعطوا الابل حَظَّھا من الارض واذا سافرتم فی السَّنَۃِ فبادروا بھا نقیھا واذا عَرَّستُم فاجتنبوا الطریق فانھا طُرُق الدوابِّ ومأوی الھَوَامّ باللیل". (حسن صحیح)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم شادابی میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین میں سے اُن کا حصہ دیا کرو! اور جب تم خشکی اور قحط زدہ جگہ میں (یا وقت میں) سفر کرو تو ان کو جلدی گذارو، ان کی قوت باقی رہنے کی خاطر! اور جب تم آخر شب میں آرام کے لئے اترو تو راستہ سے الگ ہو جاؤ اس لئے کہ وہ راستے ہیں جانوروں کے اور ٹھکانا ہے زہریلے کیڑوں کا۔

تشریح:۔ قولہ: "خِصب" بکسر الخاء بروزن سِدر مراد وہ موسم ہے جس میں گھاس اور ہریالی بکثرت ہوتی ہے، ہریالی والی جگہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ قولہ: "السنۃ" خصب کے مقابل ہے وہ زمانہ جس میں گھاس خشک ہو جاتی ہے جیسے خزاں کا مہینہ، مراد خشک جگہ بھی ہو سکتی ہے یعنی جب تم ایسی جگہ سے گذرو جہاں جانوروں کا

Maktaba Tul Ishaat.com

چارہ کثرت سے موجود ہو تو ایسے میں جانوروں کا خیال رکھو بایں صورت کہ وہاں کچھ دھیر کے لئے پڑاؤ ڈالو تا کہ اونٹ چر جائیں اس کے برعکس جب چارہ نہ ہو تو وہاں سے جلدی گذرنے کی کوشش کرو تا کہ جانوروں کو بھوک لگنے سے پہلے پہلے مناسب جگہ پہنچ سکو تا کہ جانوروں کے چارے کا وہاں انتظام ہو سکے۔ اور جب تمہیں رات کو کہیں سونے اور آرام کرنے کے لئے اترنا پڑے تو راستہ سے ایک جانب ہو کر آرام کرو کیونکہ راستہ میں خطرہ ہوتا ہے وہاں سے چوپائیں بھی گزرتے ہیں اور موذی جانور بھی راستوں کی طرف آتے ہیں۔

قولہ: "نقیھا" نقی اصل میں ہڈی کے گودے کو کہتے ہیں مگر یہاں مراد قوت ہے کیونکہ ہڈی کی نالیوں میں جب تک گودا ہوتا ہے تو طاقت قائم رہتی ہے جبکہ بھوک اور قحط کی وجہ سے اس میں کمی کی بناء پر کمزوری لاحق ہوتی ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

(کھلی چھت پر نہیں سونا چاہئے)

"عن جابر قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان ينام الرجل على سطح ليس بمحجور عليه". (غريب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے ممانعت فرمائی ہے جس (کے گرد منڈیر وغیرہ دیوار بنا کر اس) کو محفوظ نہ بنایا گیا ہو۔

تشریح:۔ ایسی چھت جس کے اطراف پر دیوار یا کوئی دوسری رُکاوٹ کرنے سے نہ ہو تو ایسی چھت پر سونے سے نیند کی حالت میں بھی گرنے کا خطرہ رہتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رات کو اُٹھنے کی ضرورت پیش آئے اور بے خیالی میں نیچے گر جائے۔ ہاں جو چھت بہت بڑی ہو اور گرنے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر کراہیت نہیں ہوگی۔

حدیث آخر:۔ "عن عبدالله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخوّلنا بالموعظة فى الايام مَخَافَةَ السّآمَةِ علينا". (حسن صحيح)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے میں وقتاً فوقتاً ہماری نگہداشت فرماتے (یعنی ہمارا خیال رکھتے) اس خوف کے پیش نظر کہ ہم اُکتا نہ جائیں۔

تشریح:۔ قولہ: "يَتَخَوَّلُنَا" خائے معجمہ کے ساتھ بمعنی دیکھ بھال کرنے اور خیال رکھنے کے ہے بعض

Maktaba Tul Ishaat.com

نے حائے مہملہ کے ساتھ بھی نقل کیا ہے پھر یہ حال سے بنا ہے ای یطلب احوالنا یعنی آپؐ ہمیں نشاط کی حالت میں وعظ فرماتے مگر خائے معجمہ والانسخہ اصح ہے امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ترجمۃ الباب میں 'یتخولھم'' خائے معجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ قولہ: "مخافۃ السامۃ" مخافۃ مضاف اور بناء بر مفعول لہ منصوب ہے سآمۃ بمعنی تھکن ماندگی کے ہے، یعنی آنحضورؐ وعظ ونصیحت میں صحابہ کرامؓ کے شوق اور ماندگی دونوں کو ملحوظ رکھتے جب شوق ہوتا تو وعظ فرماتے اور جب تھکاوٹ محسوس فرماتے کہ صحابہ کرامؓ تھک گئے ہیں تو وعظ ختم فرماتے، یا روزانہ وعظ نہ فرماتے تاکہ صحابہ کرامؓ کا شوق نہ ٹوٹنے پائے، چنانچہ یہی آداب تبلیغ ہیں کہ مصروف اور تھکے ہوئے آدمی کو اس اندیشہ کے پیش نظر وعظ نہیں کہنا چاہئے کہ شاید اس کو اچھا نہ لگے۔

باب (بلا ترجمہ)

(اچھا عمل وہ ہے جو دائمی ہو)

"عن ابی صالح قال سُئِلت عائشۃُ وام سلمۃ :اَیُّ العمل کان احبَّ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؟قالتامادِیمَ علیہ وان قلّ". (حسن صحیح غریب)

حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عمل پسند تھا؟ دونوں نے فرمایا جس پر ہمیشگی ومداومت کی جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ دوسری سند میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل سب سے زیادہ پسندیدہ تھا جس پر ہمیشگی کی جائے۔ (صحیح)

تشریح:۔ قولہ: "دِیمَ" ای دُووِم علیہ جو ہمیشہ کے لئے ہو ہمیشہ کا عمل اگرچہ قلیل ہو مگر وہ وقتی کثیر عمل سے اس لئے بہتر ہے کہ جب وہ تسلسل سے قائم رہے گا تو اس کی مقدار بالآخر بہت بڑھ جائے گی، دوم مداومت شوق اور محبت کی دلیل ونشانی ہے پس جو شخص عمل میں لگا رہتا ہے تو یہ اس کے شوق اور محبت کی نشانی ہے اور یقیناً جو عمل محبت کے ساتھ ہوتا ہے وہ اللہ کو بہت پسند ہوتا ہے کہ اس میں عبدیت کا عنصر نمایاں ہوتا ہے بخلاف عمل کر کے چھوڑنے کے کیونکہ یہ اسکتبار واستغناء کی نشانی ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ لہٰذا ہر مومن کو چاہئے کہ جو بھی نیک عمل شروع کرے تو اسے ہمیشہ جاری رکھے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

ابواب الامثال

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امثال، مَثَل بفتحتین کی جمع ہے اس کی مختلف ومتعدد صورتیں اور معانی ہیں تاہم یہاں بمعنی مثال کے ہے جیسا کہ اردو میں استعمال ہوتا ہے، لفظ مثال لغوی اعتبار سے بمعنی انتقال کے آتا ہے ''مَثَلَ فلان'' اس وقت کہا جاتا ہے جب آدمی اپنی جگہ سے ہٹ جائے، چونکہ عام لوگ محسوسات سے مانوس ہوتے ہیں اس لئے معقولات کا سمجھنا ان کے لئے بہت دشوار ہوتا ہے خاص کر جب کوئی خالص معقولی امر ہو تو جب اس کی تشبیہ کسی محسوس چیز کے ساتھ دی جاتی ہے تو وہ معقول کا لمحسوس ہو جاتا ہے اور جلد ہی سمجھ میں آجاتا ہے، اس لئے کلام باری تعالیٰ میں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر حکماء کے کلام میں اَمثِلہ بکثرت بیان کی جاتی ہیں۔ گویا مثال میں معنی معقول سے محسوس کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ ابن العربیؒ عارضہ میں لکھتے ہیں کہ سوائے امام ترمذیؒ کے کسی محدث کو میں نہیں جانتا کہ اس نے اپنی کتاب میں اَمثال کے لئے کوئی مستقل باب قائم کیا ہو اگرچہ امام موصوف نے بہت اختصار سے کام لے کر صرف چودہ احادیث ذکر فرمائی ہیں تاہم اس پر بھی ہم ان کے شکر گذار ہیں گویا امثال کے لئے مستقل باب باندھنا جامع ترمذی کی خصوصیت ہے۔

باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ

(اللہ عزوجل کی بیان کی ہوئی مثال کا تذکرہ)

''عن النَّوّاس بن سِمعان الکِلابی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ ضرب مَثَلاً صراطاً مستقیماً علی کَنَفی الصراط زُورَان لهماابواب مُفَتَّحة علی الابواب سُتُورٌ وداع یدعُواعلی رأس الصراط وداعٍ یدعُوفوقَه ''واللہ یدعواالی دارالسلام ویهدی من یشاء الی صراط مستقیم''والابواب التی علیٰ کَنَفی الصراط حدوداللہ فلایَقَعُ احدٌفی

Maktaba Tul Ishaat.com

حدود الله حتیٰ یُکشَفَ السِّترُ والذی یدعُو من فوقه واعظ ربه". (حسن غریب)

حضرت نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے، اس راستہ کی دونوں جانبوں میں دو دیواریں ہیں، ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، دروازوں پر پردے پڑے ہیں راستے کے سرے پر ایک پکارنے والا پکارتا ہے (کہ سیدھا چلو) اور ایک دوسرا داعی اس کے اوپر سے پکارتا ہے، اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلا رہا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ دکھاتا ہے، وہ دروازے جو راستہ کی دونوں طرف ہیں اللہ کی حدود ہیں پس کوئی شخص اللہ کی حدود میں اس وقت تک واقع نہیں ہوتا جب تک کہ پردہ نہ اُٹھایا جائے، اور جو داعی اس کے اوپر سے پکار رہا ہے وہ اس (مومن) کے رب کی طرف سے واعظ ہے۔

تشریح:۔قولہ:"ضرب" ای بَیَّنَ ۔قولہ:"صراطاً مستقیماً" مثلاً سے بدل ہے۔قولہ: "علی کنفی الصراط" کَنَف بروزن قمر جانب وطرف کو کہتے ہیں کَنَفی اس کا تثنیہ ہے۔قولہ: "زُوران" بضم الزاء زُور کا تثنیہ ہے دیوار کو کہتے ہیں ایک روایت میں "سُوران" آیا ہے سُور بھی دیوار کو کہتے ہیں شاید زور، سور سے بنا ہے۔قولہ:"سُتُورٌ" سِتر کی جمع ہے بمعنی پردہ کے۔قولہ:"وداعٍ یدعُو فوقه" ای فوق الداعی الاول ۔قولہ:"واعظ رَبِّه" یعنی مومن کا قلب وضمیر یا مُلہم فرشتہ مراد ہے، الہام کے مقابل شیطانی وسوسہ ہے۔

حدیث شریف اور مثال کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہر مومن کے آگے اسلام کا سیدھا راستہ منزل تک پہنچایا ہے جب آدمی اس راستہ پر چلتا ہے تو ابتدائے سفر سے راستہ کے آغاز ہی پر قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدھا چلنے اور اِدھر اُدھر نہ جھانکنے کی تلقین کرتے ہیں کہ "وَاَنَّ هٰذا صراطِی مستقیماً فاتَّبِعُوه ولا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فتفرّق بکم عن سبیله ط ذالکم وَصّٰکم به لعلکم تتقون"۔(الانعام آیت:۱۵۳) اور ارشاد ہے "ان هذا القرآن یهدی لِلّتی هی اقومُ"۔(بنی اسرائیل: آیت:۹)

اس راستہ کی دونوں جانب دیواروں میں کھلے دروازے ہیں یہ مُحرّمات ہیں جیسے زنا وغیرہ ان دروازوں پر، پردے پڑے ہوئے ہیں جو حدود ہیں یعنی حرام وحلال کے درمیان حاجز اور رُکاوٹیں ہیں جیسے حَیا، مروت، عفت اور عار وغیرہ اسی طرح حرام وحلال کے درمیان محسوس پردے وحدود بھی ہیں جیسے خیطِ ابیض من الفجر رمضان میں حرام میں آدمی تب ہی واقع ہوتا ہے جب اس پردہ کو اٹھادے اور آگے بڑھ جائے پس جب

Maktaba Tul Ishaat.com

مسلمان اسلام کے مطابق زندگی گذارتا ہے تو دورانِ سفر اِدھر اُدھر کے محرمات کی طرف خواہش مائل کر دیتی ہے تو آدمی یہ سوچتا ہے کہ صرف پردہ اٹھا کر جھانک لوں گا اس کے پیچھے گلی میں کیا ہے اندھر جاؤں گا نہیں لیکن وہاں اوپر (غیب سے) ایک دوسرا داعی اسے پکارتا ہے کہ ارے! پردہ ہرگز نہ اُٹھاؤ ورنہ پھر واپسی نہ ہو سکے گی یہ دوسرا داعی مومن کا ضمیر یا فرشتے کا الہام ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے تو نفس وشیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تھوڑا پردہ اٹھانے اور اندر جانے میں کیا حرج ہے؟ لیکن داعی روکتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ حرام کا اس طرح تجربہ کرنا چاہتے ہیں وہ عموماً اندر تک چلے جاتے ہیں اور پھر آگے بڑھتے ہی چلتے جاتے ہیں، کتنے ایسے لوگ ہیں جو انسان کے قتل سے ڈرتے ہیں مگر ایک مرتبہ کسی کے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد وہ اس کو پیشہ بناتے ہیں اور بعض لوگ شوقیہ بھی ایسا کرتے ہیں جبکہ اللہ والے مقدمات سے بچتے ہیں اس لئے وہ اصل گناہ سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

قولہ: "ولاتاخذوا عن اسماعیل بن عیاش الخ" جمہور کے نزدیک اسماعیل کی روایت اگر شامیین سے ہو تو حجت ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو لہٰذا امام ترمذیؒ نے ابو اسحاق کا یہ جو حکم نقل کیا ہے یا تو یہ غیر اہل شام کے بارے میں ہے یا پھر یہ ابو اسحاق کی اپنی رائے ہے جو جمہور کے قول سے متصادم ہے۔

(۲)..... حدیث آخر:۔ ان جابر بن عبداللہ الانصاری قال خرج علینا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً فقال: انی رأیت فی المنام کَاَنَّ جبرئیلَ عند رأسی ومیکائیل عندِ رجلی یقول احدھما لصاحبہ: اِضرب لہ مثلاً فقال: اِسمع اِسمِعَت اُذُنکَ واعْقِل! عَقَلَ قلبُکَ اِنّما مَثَلُکَ وَمَثَلُ اُمتِک کمثل مَلِکِ اِتّخذ داراً ثم بنیٰ فیھا بیتاً ثم جعل فیھا مائدۃ ثم بَعَثَ رسولاً یدعُو الناس الی طعامہ فمنھم من اجاب الرسول ومنھم من ترکہ فاللہ ھو المَلِک والدار الاِسلام والبیت الجنۃ وانت یا محمد رسول فمن اجابک دخل الاسلام ومن دخل الاسلام دخل الجنۃ ومن دخل الجنۃ اَکَلَ مافیھا". (مرسل... وقد روی... باسناد اصح من ھذا جیسا کہ بخاری میں ہے)

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے گویا جبرئیلؑ میرے سر کے پاس ہیں اور میکائیلؑ میرے پیروں کے پاس ہیں، ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہتا ہے آپؐ کے لئے کوئی مثال بیان کرو! پس دوسرے نے (مجھ

Maktaba Tul Ishaat.com

سے) کہا سماعت فرمائیں! (دارمی کی روایت میں ہے: "لِتَنم عینُکَ ولِتسمَع اُذُنُکَ") اللہ کرے آپؐ کا کان سنے، اور سمجھیں! اللہ کرے آپ کا دل سمجھے، بے شک آپؐ کی حالت اور آپؐ کی امت کی حالت اس بادشاہ کی حالت جیسی ہے جس نے کوئی حویلی بنائی پھر اس میں ایک کمرہ (بیٹھک) تیار کیا پھر اس کمرہ میں دعوت (عام) کا انتظام کیا پھر ایک قاصد بھیجا جو لوگوں کو کھانے کی طرف بُلائے پس کچھ لوگوں نے قاصد کی بات مانی اور کچھ لوگوں نے اسے نظر انداز کر دیا پس اللہ تبارک وتعالیٰ بادشاہ ہے اور حویلی دین اسلام ہے اور کمرہ (بیٹھک) جنت ہے جس میں دسترخوان بچھا ہوا ہے اور آپؐ اللہ کے قاصد ہیں جو شخص آپؐ کی بات مانے گا وہ دائرہ اسلام میں آئے گا اور جو اسلام میں داخل ہوگا وہ جنت میں جائے گا اور جو جنت میں جائے گا وہ جنت کی نعمتیں کھائے گا۔

(۳)..... حدیث آخر:۔ "عن ابن مسعودؓ قال صَلّیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم انصرف فاخذبیدعبداللہ بن مسعودحتیٰ خرج بہ الی بطحاء مکۃ فَاَجلَسَہ ثم خَطّ علیہ خطّاً ثم قال: لَاتبرَحَنَّ خَطّکَ فانہ سینتھی الیک رِجالٌ فلا تُکَلِّمْھُمْ فانھم لن یکلّمُوک ثم مَضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیث اراد فبینا اناجالس فی خَطِّی اذ اَتَانی رجال کانھم الزُّطُّ اَشعارھم واجسامھم لااَرَیٰ عورۃً ولااَرَیٰ قِشراً وینتھون اِلَیَّ ولایجاوزون الخطّ ثم یصدرون الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذاکان من آخر اللیل ،لکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدجاء نی واناجالس فقال: لقداَرَانی مُنذاللیلۃ ثم دخل عَلَیَّ فی خَطِّیَ فَتَوَسَّدَ فَخِذِی فَرَقَدَوکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذارقدنفخ فبیناانا قاعدورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوسِّدفخذی اذاانابرجال علیھم ثیاب بِیضٌ ،اللّٰہُ اعلم مابھم من الجمال فانتھواالیَّ فجَلَسَ طائفۃ منھم عندرأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وطائفۃ منھم عند رجلیہ ثم قالوابینھُم :مارأیناعبداًقَطُّ اُوتی مثل ماأُوتی ھذاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم :اِنَّ عینیہ تنامان وقلبہ یقظان اضربوالہ مَثَلاً،مَثَلَ سیّدِ بَنیٰ قصراً ثم جعل مائدۃ فدعاالناس الی طعامہ وشرابہ فمن اجابہ اکل من طعامہ وشرب من شرابہ ومن لم یجبہُ عاقبہ اوقال عذّبہ ثم ارتفعواواستقیظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندذالک فقال: سَمِعتُ ماقال ھؤلاء وھل تدری من ھم؟قلتُ اللہ ورسولہ اعلم قال: ھم الملائکۃ فتدری ماالمثل الذی ضربوہ ؟فقلتُ اللہ ورسول اعلم قال المثل الذی ضربوہ

Maktaba Tul Ishaat.com

الرحمن بَنَى الجنة ودعا اليها عِباده فمن اجابه دخل الجنة ومن لم يجبه عاقبه اوعَذَّبَه". (حسن صحيح غريب)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے (یہ واقعہ مکی دور کا ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر آپؐ جانے لگے پس عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ پکڑا یہاں تک کہ آپؐ ان کو مکہ کے پتھریلی میدان کی طرف لے گئے پس آپؐ نے ان کو بٹھایا اور ان کے گرد ایک خط کھینچا پھر فرمایا آپ ہرگز اپنے دائرہ سے نہ نکلیں پس بے شک شان یہ ہے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ (جنات) آئیں گے! آپ ان سے بات نہ کریں کیونکہ وہ بھی آپ سے بات نہیں کریں گے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے جہاں آپ چاہ رہے تھے، پس دریں اثناء کہ میں اپنے دائرہ میں تھا کہ یکا یک میرے پاس کچھ لوگ آئے جیسے وہ زُطّ (جاٹ) کے ہیں (یہ قوم ہندوستان اور سوڈان وغیرہ میں آباد ہے) ان کے بال اور ان کے جسم اُن (زطیوں) جیسے تھے، نہ تو میں ننگے دیکھتا تھا اور نہ ہی ان پر کپڑے دیکھتا تھا (یعنی ان کے جسموں پر اگرچہ لباس نہیں نظر آتا تھا مگر ان کا ستر اور کھالیں بھی نظر نہیں آرہی تھیں) وہ لوگ میرے پاس پہنچے مگر دائرہ کے اندر نہیں آئے پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے یہاں تک کہ جب رات آخر ہوگئی (پھر بھی وہ لوگ نہیں لوٹے) لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں بیٹھا ہوا تھا، آپؐ نے فرمایا واقعہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا اپنے تئیں آج رات (یعنی میں پوری رات نہیں سویا) پھر آپؐ میرے پاس دائرہ میں داخل ہوئے اور میری ران کو تکیہ بنا کر سو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے پس دریں اثنا کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران کو تکیہ بنا کر سوئے ہوئے تھے پس اچانک میرے پاس کچھ لوگ آئے جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اُس خوبصورتی کو جو ان کو حاصل تھی (یعنی وہ نہایت حسین تھے) پس وہ میرے پاس پہنچے اس میں سے ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے پاس بیٹھی اور دوسری جماعت ان کی، آپؐ کے پیروں کے پاس بیٹھی (یہ سب فرشتے تھے اور ان میں حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ تھے جیسا کہ سابقہ روایت میں ہے) پھر انہوں نے آپس میں کہا ہم نے کبھی کوئی بندہ ایسا نہیں دیکھا جو دیا گیا ہو ان کمالات کے مانند جو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیئے گئے ہیں، ان کی دونوں آنکھیں سوتی ہیں مگر ان کا دل بیدار ہے ان کی کوئی مثال بیان کرو! (مثال) آپؐ کا حال اس آقا (سردار) کے حال جیسا ہے جس نے کوئی حویلی بنائی پھر دعوت کا انتظام کیا اور لوگوں کو اپنے کھانے اور پینے کی طرف بُلایا، پس جس نے اس دعوت کو قبول کیا تو وہ اس کے

Maktaba Tul Ishaat.com

کھانے سے کھائے گا اور اس کے پینے سے پئے آئے گا، اور جس نے وہ دعوت قبول نہیں کی تو سزا دے گا وہ سردار (راوی کو شک ہے کہ لفظ ''عَاقَبَه'' فرمایا ہے یا ''عَذَّبَه'' مطلب دونوں کا ایک ہے) پھر وہ لوگ (فرشتے) اُٹھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار ہوئے پس آپؐ نے فرمایا جو کچھ انہوں نے کہا وہ میں نے سُن لیا! اور کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، آپؐ نے فرمایا یہ فرشتے تھے اور کیا تم جانتے ہو جو مثال انہوں نے بیان کی وہ کیا تھی؟ میں نے کہا اللہ ورسولہ اعلم آپؐ نے فرمایا انہوں نے جو مثال بیان کی (اس کی حقیقت) یہ ہے کہ اللہ نے جنت بنائی اور اس کی طرف اپنے بندوں کو بُلایا پس جس نے اس کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو قبول نہیں کرے گا اسے اللہ عذاب دے گا۔

دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں بھی بیداری کی حالت کی طرح بات کو سُنتے اور سمجھتے اگرچہ آنکھیں بند رہتی تھیں اس لئے کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب پر کبھی بھی غفلت نہیں آتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ سابقہ روایت میں ''سَمِعَت اُذُنک اور عَقَل قلبُک'' دعائی جملے ہیں مگر اس کے ساتھ معنی اخباری پر بھی مشتمل ہیں۔

قولہ: ''کانھم الزُّط'' اس کا واحد زُطی آتا ہے ایک قبیلہ ہے محشی نے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ سوڈان اور ہندوستان میں بستے ہیں۔ **قولہ:** ''اشعارھم واجسامھم'' دونوں منصوب بنزع الخافض بھی ہو سکتے ہیں ای کانھم الزُّطُ فی اشعارِھم واجسامِھم یعنی ان کے بال اور جسم زطیوں کی طرح تھے، اور بناء بر مبتداء مرفوع بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں خبر محذوف ہوگی ای اشعارھم واجسامھم مثلُ الزُّطِّ۔ زُط بضم الزاء وتشدید الطاء پڑھا جاتا ہے۔

چونکہ وہ پہلے لوگ جنات تھے اس لئے وہ دائرہ کے اندر نہ آسکے جبکہ دوسرے فرشتے تھے وہ اندر تشریف لے آئے کیونکہ وہ لکیر جنات کے لئے تھی، تاکہ حفاظت رہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

باب ماجاء مَثَلُ النبی والانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیھم اجمعین وسلّم

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال)

"عن جابربن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :انمامَثَلِی وَمَثَلُ الانبیاء کَرَجُلٍ بَنیٰ داراً فاکملھاواَحسنھاإلّاموضع لَبِنَةٍ فجَعَلَ الناس یدخلونھاویتعَجَّبُون منھاویقولون لولاموضع اللبنة". (حسن صحیح غریب)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور انبیاءؑ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے ایک گھر بنایا اور اسے پورا کر دیا اور بہت خوبصورت بنایا سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے (کہ اسے خالی رکھا) پس لوگ داخل ہونے لگے اس گھر میں اور اس سے تعجب کرتے رہے اور کہتے تھے کہ کاش یہ ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی (تو کیا خوب ہوتا)

تشریح:۔ یہ تشبیہ تمثیلی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مُشَبّہ کے اوصاف میں سے ایک وصف کی تشبیہ دی جائے مُشَبّہ بہ کے اوصاف میں سے ایک وصف کے ساتھ، علی ہذا یہاں مشبہ کے مفرد اور مشبہ بہ کے جمع ہونے پر اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ اس تشبیہ کے بارے میں ابن العربیؒ نے عارضہ میں لکھا ہے کہ مجھے کسی سے تسلی بخش وضاحت نہ ملی پھر میں نے خود سوچا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپؐ اس عمارت کی بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں اگر آپؐ نہ ہوتے تو ساری عمارت گر جاتی، لیکن الکوکب الدری میں جو مطلب حضرت گنگوہیؒ نے بیان کیا ہے وہ اس اعتبار سے زیادہ اچھا ہے کہ اس سے باقی انبیاءؑ کے ادیان کی تنقیص کی طرف اشارہ نہیں ہوتا ہے بلکہ امتوں کا نقصان ہی ان کے مذاہب میں کمی کا سبب بنایا گیا ہے یعنی جب سابقہ امتوں کے لوگ کمزور تھے اس لئے ان کو ان کی شان کے مطابق شریعتیں دے دی گئیں اگرچہ وہ شریعتیں تو کامل تھیں مگر وہ لوگ اپنی عقلی کوتاہی کی بناء پر شرائع کے اسرار و رموز کو نہ جان سکے مثلاً وہ معقولات کے زیادہ ادراک سے قاصر تھے تو ان کو محسوس معجزات دکھائے گئے جبکہ آپؐ کی آمد کے وقت انسان طفولیت اور پھر جوانی کے مراحل سے گذر کر سنجیدگی کے دور میں داخل ہو گیا تھا اس لئے آپؐ کو قرآن کا معجزہ دے دیا گیا جو قیامت تک باقی ہے اور اہل عقل وارباب

Maktaba Tul Ishaat.com

دانش کے لئے عقل وفکر آزمانے، مسائل مستنبط کرنے اور اس کے عجائبات سے آگاہی حاصل کرنے کا ایک بحر بے کنار ہے، اسی پر قیاس کرلیا جائے اخلاق اور باقی احکام کی تکمیل کو "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بُعِثتُ لِاُتمم مکارم الاخلاق" اور چونکہ کمال واتمام کے بعد پھر کوئی درجہ نہیں اس لئے آپؐ پر نبوت کا خاتمہ ہوا۔

باب ماجاء مَثَلُ الصلوٰۃ والصیام والصدقۃ

(نماز، روزہ اور صدقہ کی مثال)

"عن زید بن سلاّم ان اباسلاّم حدثہ ان الحارث الاشعری حدثہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ اَمَرَ یحییٰ بن زکریابخمس کلمات اَن یعملَ بھاویَاْمُرَبنی اسرائیل ان یعملوابھا،وانہ کادَاَن یُبطِیَٔ بھافقال عیسیٰ ان اللہ اَمَرَک بخمس کلمات لِتعمل بھاوتأمربنی اسرائیل اَن یعملوابھافَاِمّااَن تاُمُرَھم واِمّااَن اٰ مُرَھم افقال یحییٰ اَخشیٰ اِن سَبَقتَنِی بھااَن یُخسَفَ بی اواُعَذَّبَ فجمع الناس فی بیت المقدس فامتَلَا (المسجد)وقعدواعلی الشُرَفِ فقال:ان اللہ اَمَرَنی بخمس کلمات ان اعمل بھن وامُرَکم ان تعملوابھن اَوّلُھُنَّ ان تعبدواللہ ولاتشرکوابہ شیئاً وان مثل من اشرک باللہ کمثل رجل اشتری عبداً من خالص مالہ بذھب اووَرِقٍ فقال ھذہ داری وھذاعملی فاعمَل واَدِّاِلَیَّ! فکان یعمل ویؤدّی الی غیر سیدہ فایکم یرضی ان یکون عبدہ کذالک(۲)....وان اللہ اَمَرَکم بالصلوٰۃ فاذاصلیتم فلا تلتفتوا فان اللہ ینصب وجھَہ لوجہ عبدہ فی صلوٰتہ مالم یلتفت (۳)...وامرکم بالصیام فان مَثَلَ ذالک کمثَل رجل فی عِصابۃ معہ صُرَّۃٌ فیھامسک فکلھم یعجب اویعجبہ ریحھاوان ریح الصائم اطیب عنداللہ من ریح المسک (۴)...واٰمُرُکم بالصدقۃ فان مَثَلَ ذٰلک کمثَلِ رجل اَسَرَہ العَدُوُّ فاوثقوایدہ الی عُنُقِہ وقَدّمُوہ لیضربوا عُنُقَہ فقال: اَنَااَفدِیہ منکم بالقلیل والکثیرفَفَدانفسہ منھم(۵)...واٰمرُکم ان تذکرواللہ فان مَثَلَ ذالک کمثل رجل خرج العدوُّ فی اَثَرِہ سِراعاً حتیٰ اذااَتیٰ علی حِصن حَصِین فاحرَزنفسَہ منھم کذالک العبد لایُحرِز نفسَہ من الشیطان اِلابذکراللہ

Maktaba Tul Ishaat.com

...قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :وانا آمرُکم بخمس:اللہُ اَمَرَنی بھن السمع والطاعة والجھادوالھجرة والجماعة فانه من فارق الجماعة قِیدَشِبرفقدخلع رِبقةَ الاسلام من عُنُقِه اِلّاان یُراجِع ومَن ادّعیٰ دعوَیٰ الجاھلیة فانه مِن جُثیٰ جھنم فقال رجل:یارسول اللّٰہ!وان صلیٰ وصام ؟فقال وان صلیٰ وصام فادعوابدعوی اللہ الذی سَمّاکم المسلمین المؤمنین عباداللّٰہ!". (حسن صحیح غریب)

حضرت حارث اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت یحییٰؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ ان پر (خود بھی) عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں، اور بے شک یحییٰؑ قریب تھے کہ ان باتوں (کے اظہار) میں دیر کرتے، پس حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے تا کہ آپ ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں، پس یا تو آپ ان کو حکم دیں یا پھر میں ان کو حکم دوں گا! یحییٰ (علیہ السلام) نے کہا اگر آپ نے مجھ سے یہ باتیں بتانے میں سبقت کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ مجھے زمین میں دھنسا دیا جائے یا فرمایا مجھے سزا دی جائے (یعنی آپ نہ بتائیں بلکہ میں ہی بتاؤں گا) چنانچہ آپ نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا پس مسجد بھر گئی اور لوگ بالکنیوں میں بیٹھے، پس یحییٰ (علیہ السلام) نے فرمایا بے شک اللہ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے تا کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور آپ لوگوں کو بھی ان کا حکم دوں تا کہ آپ لوگ بھی ان پر عمل کریں۔(۱)...ان میں سے پہلی بات (مثال) یہ ہے کہ آپ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور اس شخص کی مثال جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے اس شخص جیسی ہے جس نے کوئی غلام اپنے ذاتی مال سے سونا یا چاندی سے خریدا، پس اس نے (غلام سے) کہا یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے پس تو کام کر اور آمدنی مجھے دیا کرو! پس وہ کام کرنے لگا اور آمدنی اپنے آقا کے علاوہ (کسی اور) کو دینے لگا، بتاؤ تم میں سے کون راضی ہوگا کہ اس کا غلام ایسا کرے؟؟؟

(۲).....اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز کا حکم دیا ہے پس جب تم نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر نہ جھانکو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نماز میں اپنا چہرہ (کما یلیق بشانہ تعالیٰ) اس کے چہرے کے سامنے کر دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کی طرف کامل متوجہ ہوتی ہے) جب تک وہ اِدھر اُدھر نہ جھانکے۔

(۳).....اور اللہ نے تمہیں روزوں کا حکم دیا ہے بے شک روزوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی

38/2

Maktaba Tul Ishaat.com

مجمع میں ہو اُس کے پاس ایسی تھیلی ہو جس میں مشک ہو پس سب لوگ حیرت کر رہے ہوں یا فرمایا کہ مشک کی خوشبو ان کو حیرت زدہ کئے ہوئے ہو اور بے شک روزہ دار (کے منہ) کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی بُو سے زیادہ پسندیدہ ہے (اس کا مطلب ابواب الصوم میں گذرا ہے)۔

(۴).....اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں خیرات کرنے کا حکم دیا ہے بے شک اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس کو دشمن نے قید کیا ہو پس انہوں نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن سے باندھ دیا ہو اور انہوں نے اس کو آگے بڑھایا ہو تا کہ اس کی گردن ماریں، پس اس شخص نے کہا میں تم سے اپنی جان چھڑاتا ہوں ہر قلیل اور کثیر کے ذریعہ (یعنی سب کچھ دینے کو تیار ہوں) چنانچہ اس نے اپنے نفس کا ان لوگوں کو بدلہ (عوض) دے دیا (اور قتل سے بچ گیا اسی طرح صدقہ عذاب سے بچاتا ہے)۔

(۵).....اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اللہ کو یاد کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کی مثال اس شخص جیسی ہے جس کے پیچھے دشمن تیزی سے چلا آرہا ہو یہاں تک کہ جب وہ شخص کسی مضبوط قلعہ پر پہنچا تو اس نے اپنے آپ کو ان دشمنوں سے محفوظ کر لیا اسی طرح بندہ شیطان سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں کر سکتا مگر اللہ کے ذکر کے ذریعہ (پس دشمن شیطان ہے اور ذکر قلعہ ہے)..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی آپ لوگوں کو ایسی ہی پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے: (۱) امیر کی بات سُننا (۲) امیر کی فرمان برداری کرنا (۳) جہاد کرنا (۴) ہجرت کرنا (۵) جماعت (اہل حق) کے ساتھ لگا رہنا کیونکہ جو شخص جماعت سے بقدر ایک بالشت کے جُدا ہوا اس نے اسلام کا پھندا اپنی گردن سے نکال دیا مگر یہ کہ وہ جماعت کی طرف لوٹ آئے اور جو شخص پکارتا ہے جاہلیت جیسا پکارنا (یعنی فتنہ وفساد پر اُکساتا ہے) یقیناً وہ جہنم کے انگاروں میں سے ہے، پس ایک شخص نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو؟ آپؐ نے فرمایا اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو۔ پس تم اللہ کی پکار کے ساتھ پکارو، وہ پکار جس سے اللہ تعالیٰ نے تم مسلمانوں اور مؤمنوں کا نام رکھا..... اے اللہ کے بندو!

تشریح:۔ قولہ: "وانہ کادان یبطیٔ" تاخیر کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ سوچ رہے تھے کہ بنی اسرائیل کو کس طرح سمجھاؤں؟ قولہ: "فامتلأ" یعنی مسجد بھر گئی اور لوگ بلندیوں پر بیٹھ گئے کیونکہ فرش پر جگہ خالی نہیں بچی تھی۔ قولہ: "شرف" بضم الشین وفتح الراء شُرفۃ کی جمع ہے بروزن غرفۃ۔ قولہ: "حِصن" بکسر الحاء قلعہ اور حصن بمعنی محکم اور مضبوط کے ہے۔ قولہ: "وانا آمُرکم بخمس الخ" چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع

Maktaba Tul Ishaat.com

الکلم عطاء کئے گئے تھے اس لئے آپؐ کی یہ پانچ باتیں بظاہر مقدار میں قلیل ہیں لیکن قدر میں کثیر ہیں کیونکہ ان سے کوئی بات باہر نہیں رہتی۔

حدیث میں مندرجہ باتوں پر پیچھے شرح میں مختلف مواقع پر تفصیلاً ابحاث گذر چکی ہیں۔ قولہ: "من ادّعی دعوی الجاهلية" یہ پانچ باتوں پر اضافہ ہے کیونکہ امت کا اس میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے آپؐ نے بطور خاص اس کا ذکر کیا دعوی جاہلیت سے مراد بے جا قومی عصبیت ہے اور شر کی الفاظ بھی ہو سکتے ہیں۔

باب مثل المؤمن القارئ للقرآن وغير القارئ

(قرآن کی تلاوت کرنے اور نہ کرنے والے کی مثال)

"عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :مَثَلُ المؤمن الذی یقرأ القرآن کمثل الاُترنجة ریحها طیّب وطعمها طیّب،ومثل المؤمن الذی لایقرأ القرآن کمثل التمرة لاریح لها وطعمها حُلوٌ،ومثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانة ریحها طیّب وطعمها مُرٌّ ،ومثل المنافق الذی لایقرأ القرآن کمثل الحنظلة ریحها مُرٌّ وطعمها مُرٌّ". (حسن صحیح)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس مؤمن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اس ترنج کی مانند ہے جس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی عمدہ ہے، اور وہ مؤمن جو قرآن نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال کھجور کی ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی تاہم اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان (نازبو) کی ہے جس کی بُو عمدہ ہوتی ہے مگر ذائقہ کڑوا ہوتا ہے، اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن کی ہے جس کی بُو بھی کڑوی (کریہ) ہوتی ہے اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔

تشریح:۔ یعنی قرآن پڑھنے والے مومن کا ظاہر اور باطن دونوں اچھے ہیں اس کے برعکس قرآن کی تلاوت نہ کرنے والے منافق کا ظاہر اور باطن دونوں خبیث ہیں جبکہ تلاوت نہ کرنے والے مومن کا باطن تو ایمان کی وجہ سے اچھا ہے لیکن اس کا ظاہر اچھا نہیں لگ رہا ہے کیونکہ قرآن سے دوری اگرچہ ظاہری ہو مؤمن کے ظاہر کو بدنما بناتی ہے اس کے برعکس قرآن کی تلاوت کرنے والے منافق کا ظاہر تو اچھا ہے لیکن باطنی خباثت کی وجہ سے پوشیدہ فائدہ نہیں ہے تاہم اگر منافق سے مراد عملی منافق ہو تو پھر کہا جائے گا کہ اس کا باطن فی الجملہ

Maktaba Tul Ishaat.com

خبیث ہے۔(تدبر)

قولہ: "ترنج" ایک مشہور پھل ہے مالٹے کی طرح ہوتا ہے لیکن پیلا ہوتا ہے کھٹا ہونے کی وجہ سے ہاضم ہوتا ہے جبکہ حنظلہ خربوزے کی مانند چھوٹے چھوٹے پھل ہوتے ہیں جو بدمزہ اور بدبودار سے ہوتے ہیں اُردو میں اندرائن کہلاتا ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :مَثَلُ المؤمن كمثل الزرع لاتزال الرياح تُفَيِّئُه ولايزال المؤمن يُصيبه بلاءٌ ،ومثل المنافق كمثل شجرة الاَرزِ لاتهتزُّ حتىٰ تُستحصَدَ".(حسن صحيح)

مؤمن کی مثال کھیتی کی مانند ہے ہوائیں ہمیشہ اس کو جھکاتی رہتی ہے، اور مؤمن (بھی) ہمیشہ رہتا ہے کہ پہنچتی ہے اس کو آزمائشیں، اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے وہ ہلتا نہیں یہاں تک کہ اسے جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔

یعنی جس طرح فصلوں پر مختلف سمتوں سے ہوائیں آتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب کی بار یہ فصل ختم ہو جائے گی لیکن ایک جانب لیٹ جانے اور گر جانے کے باوجود وہ دوبارہ سیدھی کھڑی ہونے کی کوشش کرتی ہے اور اتنے میں دوسری جانب سے ہوا آ کر اسے دوسری طرف زمین بوس کر دیتی ہے اور یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہتا ہے اسی طرح مؤمن بھی ہر وقت بیماریوں، حوادث اور پریشانیوں کی زد پر رہتا ہے جبکہ منافق نہ تو بیمار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی غم دل پر کھاتا ہے البتہ ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ وہ اچانک جان دیتا ہے اور اس دنیا سے اس کا رابطہ یک دم ختم کر دیا جاتا ہے نہ مال، نہ اولاد اور نہ ہی دوست وغیرہ اس کے کام آتے ہیں جیسے صنوبر کا درخت سیدھا آسمان کی طرف بڑھتا ہے اور جنگل کے درختوں میں نُمایاں قد، تنہ اور حُسن حاصل کرتا ہے لیکن ایک دن اس پر آسمانی بجلی گرتی ہے اور اس کا استیصال ہو جاتا ہے۔

حدیث آخر:۔"عن ابن عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:ان من الشجر شجرة لايسقط ورقهاوهى مثل المؤمن ،حَدِّثونى ماهى؟قال عبدالله فوقع الناس فى شجر البوادى ووقع فى نفسى انهاالنخلة فقال النبى صلى الله عليه وسلم :هى النخلة فاستَحييتُ يعنى ان اقول ،قال عبدالله فَحَدّثتُ عمربالذى وقع فى نفسى،فقال لَاَن تكون قُلتَهااَحَبُّ اِلَىَّ من ان يكون لى كذاو كذا".(حسن صحيح)

Maktaba Tul Ishaat.com

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے (یعنی ہمیشہ ہر موسم میں وہ تازہ رہتا ہے) اور وہ درخت مومن کی طرح ہے مجھے بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جنگل کے درختوں میں سوچنے لگے جبکہ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کھجور ہی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے، پس میں شرمندہ ہو رہا تھا یعنی یہ بتانے سے (کہ وہ کھجور ہے) عبداللہ فرماتے ہیں کہ (گھر میں) وہ بات جو میرے دل میں تھی میں نے عمرؓ کو بتائی تو انہوں نے فرمایا اگر تم بتا دیتے تو وہ میرے لئے اتنے اتنے مال سے بھی زیادہ خوش افزا ہوتا۔

قولہ: "لایسقط ورقها" یہ وجہ تشبیہ بھی ہو سکتی ہے اور دوسرا قرینہ جواب پر بھی ہو سکتا ہے جبکہ پہلا قرینہ جُمّار تھا جیسا کہ بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جُمّار لایا گیا آپؐ نے ہاتھ میں لیا اور یہ سوال پوچھا جُمّار کھجور کے تنے کا گودا ہوتا ہے جو چربی کی طرح سفید اور نرم سا ہوتا ہے، نمکین بھی ہوتا ہے، شہد کے ساتھ کھاتے ہیں۔

اس حدیث میں مومن کی تشبیہ کھجور کے درخت کے ساتھ دی گئی ہے عارضہ میں ہے کہ کوئی چیز مومن کے مساوی و برابر نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ کعبہ بھی، لیکن تمثیلات ہر طرح کی جائز ہے۔ اس کی وجہ تشبیہ ایک یہ ہے کہ جس طرح کھجور کبھی بھی اپنے لباس سے خالی نہیں ہوتا اسی طرح مؤمن بھی لباس التقوی سے عاری و مجرد نہیں ہوتا اور جس طرح کھجور کی ہر حالت نفع بخش ہے اسی طرح مؤمن کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، مشورہ لینا اور ہر طرح کی مشارکت میں فائدہ ہی فائدہ ہے، جس طرح کھجور کاٹنے کے بعد بھی مفید ہے اس کے پتوں اور تنے کا نفع منقطع نہیں ہوتا ہے اسی طرح مومن کی موت کے بعد بھی اعمال کے فوائد جاری رہتے ہیں۔ نیز کھجور کے درخت کے سر سے اگر پانی گذر جائے تو وہ خشک ہو جاتا ہے یا اس کا سر کاٹا جائے تو بھی وہ مر جاتا ہے اسی طرح مؤمن کا حال ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی مومن کی مثال کھجور کے ساتھ دی "وضرب الله مثلاً كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها في السماء"۔ (سورۂ ابراہیم: آیت: ۲۵) یعنی جس طرح کھجور کی جڑ مضبوط اور فوائد و اغراض عالی ہیں اسی طرح مومن کا ایمان مضبوط و محکم اور نفع عالی ہے۔ کھجور ہر سال پھلتا ہے، مومن ہر سال زکوٰۃ دیتا ہے، کھجور کی تابیر ہوتی ہے اور مومن کو تعلیم دی جاتی ہے۔

اس حدیث سے کئی مسائل بھی معلوم ہوئے، مثلاً اپنے طلبہ کا وقتاً فوقتاً امتحان لینا، جواب پر قرینہ نصب کر لینا، اور یہ کہ جب حیاء سے مقصود فوت نہ ہوتا ہو تو خاموشی مذموم نہیں ہے، اور یہ کہ چھوٹوں کو بڑوں کے سامنے

Maktaba Tul Ishaat.com

خاموشی اختیار کرلینا افضل ہے، اور یہ کہ جس کے گھر میں ذہین و دیندار بچہ ہو تو اس سے خوشی ہونی چاہئے، دیگر وجہ حضرت عمرؓ کی خوشی کی یہ تھی کہ اگر ابن عمرؓ یہ جواب بروقت دیتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوتی جو حضرت عمرؓ کے لئے سُرخ اونٹوں کے گلے سے بھی زیادہ محبوب تھی۔ جن روایات میں اغلوطات سے ممانعت آئی ہے ان سے مراد ایسے اُلٹے سیدھے سوالات ہیں جن سے فائدہ ملحوظ نہ ہو بلکہ علماء کو پریشان کرنا، یا شرمندہ کرنا اور ان کا وقت ضائع کرنا ہو یا پھر اپنی بڑائی ثابت کرنا وغیرہ مذموم مقاصد ہوں۔

باب ماجاء مثل الصلوٰت الخمس

(نمازِ پنجگانہ کی مثال)

"عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اَرَأیتم لو ان نھراً بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمس مرات ھل یبقیٰ من درنہ؟ قالوا: لایبقیٰ من درنہ شیءٌ قال فذالک مثل الصلوٰت الخمس یمحو اللہ بھن الخطایا". (حسن صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتایئے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ دفعہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل بچے گا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اس کے میل کچیل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا! آپؐ نے فرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔

تشریح:۔ عارضۃ الاحوذی میں ہے کہ یہاں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح آدمی کا بدن میل کچیل سے آلودہ ہوتا ہے اور غسل سے (خصوصاً صاف پانی سے جو جراثیم کُش بھی ہے) جسم بالکل صاف ہوجاتا ہے اور جب یہ عمل مکرر ہو تو جسم ہر وقت صاف ستھرا رہتا ہے، اسی طرح جب آدمی وضو کرتا ہے تو اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور چونکہ گناہ پریشانیوں کے بھی اسباب ہیں اس لئے جب آدمی وضو کرتا ہے تو اسبابِ ہموم کے مٹنے کی وجہ سے پریشانیاں بھی ختم یا کم ہوجاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے خواب میں غسل کیا تو اس کی پریشانیاں ختم ہوں گی اور دَین ادا ہوگا۔ باقی کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں صغائر یا کبائر؟ تو یہ بحث کتاب کے شروع میں گذری ہے۔

Maktaba Tul Ishaat.com

بابٌ (بلا ترجمہ)

(اس امت کی مثال بارش کی طرح ہے)

"عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :مثل امتي مثل المطر لايُدرىٰ اَوّلُه خيرام آخره؟". (حسن غريب وصححه ابن حبان من حديث عمار)

میری امت کی مثال بارش کی مانند ہے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر اس کا؟

تشریح:۔اس حدیث کے بارے میں تین آراء ہیں:

ایک یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری حافظ ابن عبدالبرؒ کی ہے جو اس کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں اس تقدیر پر یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ مابعد کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کے بعض سے افضل آسکتا ہے وہ اسی باب کی حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں۔

تیسری رائے جمہور کی ہے جو پہلی دونوں آراء کے خلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ امت کے بہترین لوگ ہیں مابعد کے زمانہ میں کوئی ایسا شخص نہیں آسکتا جو صحابہ کرامؓ سے افضل ہو، جمہور کہتے ہیں کہ اس حدیث کے دو مطلب ہیں:

ایک یہ کہ اس میں افضلیت کی بات نہیں بلکہ نفع کی بات ہوئی ہے اور نفع کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں لہٰذا اس حدیث میں یہ امکان بیان کیا گیا ہے کہ مابعد میں ایسے لوگ آسکتے ہیں جن سے اہل اسلام کو بہت زیادہ نفع ہو مثلاً صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تدوین کتب اور مناظروں کی ضرورت نہیں تھی مگر بعد میں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی تصنیفات امت کے ایک بڑے حصے کے لئے مفید بن گئیں یہ ایک جزوی فضیلت ہوگئی جو کلی فضیلت کے منافی نہیں پس صحابہ کرامؓ کو کلی فضیلت حاصل ہے اور مابعد والوں کو جزوی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے جیسے ایمان بالغیب ہوا، لہٰذا قیامت تک امت میں وقتاً فوقتاً اچھے اچھے لوگ پیدا ہوں گے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں صحابہ کرامؓ کا زمانہ بلکہ خیر القرون کا زمانہ جو کہ ابتداء حقیقی ہے اس موازنہ میں شامل ہی نہیں ہے کیونکہ فصل بغیر پہلی بارش کے اُگتی نہیں البتہ مابعد کی بارشیں کبھی ایک وقت میں مفید ہوتی ہیں اور کبھی دوسرے وقت میں جبکہ اولین بارش جو بیج کے لئے ناگزیر ہے وہ تو لامحالہ افضل ہے پس صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تو امت کے افضل لوگ ہیں ہی ان کی بات تو اور ہے یہ موازنہ مابعد کے لوگوں

Maktaba Tul Ishaat.com

میں مراد ہے۔ (کذا فی الکوکب الدری)

باب ماجاء مَثَلُ ابن اٰدم واَجَلِه وَاَمَلِه

(آدمی اور اس کی موت اور امید کی مثال)

"عن بُريدة قا ل قال النبی صلی الله علیه وسلم :هل تدرون مامثل هٰذه وهٰذه ورَمیٰ بحصاتين ؟قالوا الله ورسوله اعلم،قال هٰذاک الاَمَلُ وهٰذاکَ الاجل". (حسن غريب)

حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ اور وہ کس کی مثال ہیں؟ اور (اس کے ساتھ) آپؐ نے دو کنکریاں پھینکیں (ایک قریب اور دوسری دور) صحابہؓ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، آپؐ نے فرمایا وہ (دور والی) تمنا اور امید ہے اور یہ (قریب کی کنکری) اجل ہے۔

تشریح:۔ قولہ: "هٰذاک" اس میں ھاء تنبیہ کے لئے اور کاف خطاب کے لئے ہے اصل میں "ذا" ہے، دونوں کنکریاں اگرچہ ایک ساتھ نہ تھیں ایک دور تھی لیکن دونوں آپؐ کے قریب تھیں اس لئے اشارہ ایک طرح کے لفظ کے ساتھ صحیح ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ابن آدم اپنی زندگی سے زیادہ طویل المدتی منصوبے بناتا ہے۔ اس مضمون کی حدیث ابواب صفۃ یوم القیٰمۃ میں گذری ہے۔ فلیتذکر وہاں نقشہ بھی دیا گیا ہے۔

حدیث ابن عمرؓ:۔ "عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :انماالناس كاِبلٍ مائة لايجدالرجلُ فيهاراحلة". (حسن صحيح)

بے شک لوگ سو/۱۰۰ اونٹوں کی طرح ہیں کہ آدمی اس میں نہ پائے عمدہ سواری۔

قولہ: "راحلة" طاقت ور اُونٹ ومضبوط جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو ہر قسم کے سفر کے لئے موزوں ہو راحلۃ میں تاء تانیث کے لئے نہیں ہے اس لے اونٹ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے تو جس طرح سو اونٹوں میں بمشکل ایک عمدہ سواری مل سکتی ہے اسی طرح انسانوں کی صلاحیتیں بھی مختلف ہیں اگر ان کے اندر با اخلاق اور زاہد اور شریف موصوف باوصاف مرضیہ تلاش کیا جائے تو سو میں بھی ایک کا ملنا مشکل ہے کیونکہ اس حدیث کی دوسری سند میں ہے "لاتجد فيهاراحلة" یعنی سو میں بھی ایک نہیں ملے گا۔

حدیث آخر:۔ "عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال:اِنّمامثلی وَ مَثَلُ اُمَّتی كمثل رجل استوقدناراً فجعلتِ الدوابُّ والفَراشُ يقعن فيهافانا آخذبِحُجزِكم

Maktaba Tul Ishaat.com

وانتم تَقَحَّمُونَ فيها". (حسن صحيح)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری اور میری امت کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کوئی آگ جلائی، پس جانور اور پروانے اس میں گرنے (کودنے) لگے تو میں تمہیں کمر سے پکڑتا ہوں (کہ آگ میں نہ جاؤ) اور تم اس میں پوری قوت سے گھسے جا رہے ہو۔

قولہ: "الفراش" بفتح التاء پتنگے اور پروانے۔ قولہ: "بِحُجَزِ" بضم الحاء وفتح الجیم کمر پر ازار باندھنے کی جگہ چونکہ اس جگہ سے پکڑنے کی صورت میں گرفت مضبوط ہوتی ہے اس لئے اس کی تخصیص فرمائی یعنی میں تمہیں مقدور بھر کوشش کر کے روکتا ہوں لیکن لوگ پتنگوں کی طرح جہنم کی آگ کی طرف کودتے، بڑھتے اور گھستے چلے جا رہے ہیں تو جس طرح میں پورا زور لگاتا ہوں بچانے کے لئے اسی طرح لوگ بھی جہنم میں جانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کیونکہ تقحم قوت کے ساتھ داخل ہونے کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں لوگوں کی تشبیہ پروانوں کے ساتھ دینے کی وجہ خواہشات کی تاریکی میں اندھا پن ہے کہ جس طرح پروانے اندھیروں سے آگ کی طرف بھاگتے ہیں اور اپنے انجام سے بالکل بے خبر رہتے ہیں اسی طرح دنیا کے لوگ ہیں۔ اور آگ جلانے کا مطلب محرمات بیان کرنا ہے لیکن محرمات کے بجائے آگ کا ذکر فرمایا کہ ایک تو آگ جلانے کا مقصد آس پاس کے ماحول کو روشن کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے اندر جانا مراد نہیں لیکن لوگ اس مقصد کو نظر انداز کرتے ہیں۔ دوم چونکہ دنیا کی آگ جہنم کی آگ کے مشابہ ہے اس لئے لفظ نار استعمال کیا۔

آخری حدیث:۔ "عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اِنما اَجَلُكم فيما خلا من الاُمم كما بين صلوٰة العصر الىٰ مغارب الشمس، وانما مَثَلُكم ومَثَلُ اليهود والنصارىٰ كرجل استعمل عُمّالاً فقال: من يعمل لِي اِلىٰ نصف النهار على قيراطٍ قيراطٍ؟ فعمِلتِ اليهود على قيراط قيراط قال: من يعمل لي من نصف النهار الى صلوٰة العصر على قيراط قيراط فعمِلت النصارىٰ على قيراط قيراط، ثم انتم تعملون من صلوٰة العصر الى مغارب الشمس على قيراطين قيراطين فَغَضِبت اليهود والنصارىٰ وقالوا نحن اكثر عملاً واقل عطاءً فقال: هل ظَلَمتُكم من حقكم شيئاً؟ قالوا "لا" قال: فانه فضلي اوتيه من اَشاءُ". (حسن صحيح)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری مدتِ عمر (زندگی) ان امتوں کی بنسبت جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں ایسی ہے جیسے عصر کی نماز اور غروب آفتاب کے درمیان کا وقت ہے

Maktaba Tul Ishaat.com

اور تمہاری مثال اور یہود و نصاریٰ کی مثال بس اس شخص کی طرح ہے جس نے کام کے لئے مزدور لگائے پس اس نے کہا کون ہیں؟ جو میرے لئے دوپہر تک کام کریں ایک ایک قیراط پر؟ پس یہود نے ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کون ہیں جو میرے لئے دوپہر سے نمازِ عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کریں؟ پس نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر تم لوگ کام کر رہے ہو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک دو دو قیراطوں پر، پس یہود و نصاریٰ غضب ناک ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم نے محنت زیادہ کی اور مزدوری کم پائی (یعنی ہمارا کام ان آخری اجیروں سے زیادہ ہے تو اجرت بھی زیادہ ہونی چاہئے) پس مالک نے کہا کیا میں نے تمہارے حق میں سے کچھ کمی کی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پس مالک نے کہا یہ میری مہربانی ہے میں جسے چاہوں دوں!

تشریح:۔ بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا کی مدت صرف اتنی باقی ہے جتنا وقت عصر سے مغرب تک ہوتا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ اس طرح تو قیامت کی آمد کا وقت بآسانی معلوم ہو سکے گا جو خلافِ نصوص قطعیہ ہے، اس لئے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ تقابل اس امت کی مدت کا سابقہ امتوں کی مُدّتوں سے ہے مدتِ دنیا سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے یعنی جو لوگ ہم سے پہلے گذرے ہیں ان کی عمریں بہت زیادہ ہوا کرتی تھیں جبکہ اس امت کے افراد کی اوسط عمر ساٹھ ستّر سال ہے لہٰذا سابقہ امتوں کے لوگوں نے لمبی اور طویل زندگیوں میں بہت زیادہ اعمال کئے لیکن اس امت مرحومہ کی نیکی کم از کم دس گنا بڑھا دی گئی جبکہ لیلۃ القدر و دیگر اَزمنہ و اَمکنہ مبارکہ اس کے علاوہ ہیں، پس اُن کا عمل زیادہ مگر ثواب ہم سے کم ہوا۔

ترمذی میں جو مثال بیان ہوئی ہے یہ اُن یہود و نصاریٰ کی ہے جو نسخ مذاہب سے پہلے فوت ہوئے اور جو یہود حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے تھے یا وہ یہود و نصاریٰ جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا سکے یعنی نسخ مذاہب کے بعد مر گئے ان کی مثال دوسری ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں ہے یعنی ان کا اجر باطل ہو گیا ہے۔ (''باب الاجارۃ من العصر الی اللیل من کتاب الاجارۃ'' بخاری ص:۳۰۲ ج:۱، قدیمی کتب خانہ) یہ مکالمہ یا تو قیامت کے دن ہوگا جسے تیقّن کی بناء پر ماضی سے تعبیر کیا یا پھر بزبانِ حال مراد ہے۔ قولہ: ''قیراط'' نصفِ دانق ہوتا ہے اور دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ غرض اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے زیادہ ثواب سے نوازا ہے، اے اللہ! ہمیں بھی اپنا فضل اور اپنی رضا عطا فرما!

آخر ابواب الامثال ویلیہ ابواب فضائل القرآن ان شاء اللہ تعالیٰ

Maktaba Tul Ishaat.com

راہِ معرفت

کائنات | انسان | قیامت

- تخلیقِ کائنات اور اس کا حیرت انگیز نظام
- حیاتِ انسانی کے لئے خالق کی نعمتوں اور حکمتوں کا بیان
- قیامت کا ظہور اور جنّت و جہنّم کے احوال

تالیف

مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویۃ ۔ جامعہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ ۔ آرام باغ ۔ کراچی ۱

Maktaba Tul Ishaat.com

شائقینِ علومِ قرآن کے لئے انمول تحفہ

زادِ یسیر

فی

علوم التفسیر

اُردو

تاریخ وعلوم القرآن | علوم التفسیر

اقسام تفسیر | تعارف کتب تفاسیر

تالیف

حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

خادم الاحادیث النبویہ، جامعہ اسلامیہ مخزن العلوم

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ کراچی ۱

Maktaba Tul Ishaat.com

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی اخلاق

تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

واستاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص

قدیمی کتب خانہ

آرام باغ کراچی

Maktaba Tul Ishaat.com

ڈاکٹر العریفی کی انتہائی دلچسپ اور مفید کتاب

اِسْتَمْتِعْ بِحَیَاتِكَ کا مکمل اردو ترجمہ

زندگی کو خوشگوار بنایئے

اُسوۂ رسول اکرم ﷺ اور اکابر ملّت کے طرزِ عمل کی
روشنی میں معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کے طریقے

مصنف: ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی

مترجم: معراج محمد بارق

قدیمی کُتب خانہ
آرام باغ کراچی